

بہارِ شریعت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
 کے ہر خط و کتابت، مکتوبات اور تقریر پر اہل تصانیف
 سے منتخب مکتوبوں کی اس سیر کی کتاب ہے

اشرف المکتوبات

تقدیم و کاوش
 شیخ الحدیث مفتی محمد تقی عثمانیؒ نے کیا ہے
 نظر ثانی

علم ربانی حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ رحمہ اللہ

ظاہر
 ادارہ تالیفات اشرفیہ

چوک انوارہ گلستان پاکستان

☎061-540513-519240

عجلت اللہ عنہ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ
 کے جملہ خطبات، ملفوظات اور تقریریں جملہ تصانیف
 سے منتخب سیکڑوں الہامی تفسیری نکات

اشرف التفاسیر

(جلد ۲)

جدید اضافہ شدہ الٹیشن

سورة النساء - تا - بنی اسرائیل

تقدیم و پیش

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

نظر و تصدیق

امام زبانی حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

مراجعة

صوفی محمد قبال قریشی صاحب

ابو حذیفہ محمد اسحاق ملتان

ادارۃ تالیفات اشرفیہ

بک لورڈ ٹاؤن لاہور ۷۵۳۰۰

Email: Talecfat@gmail.com, wol.net.pk

اشرف التفاسیر

کا جدید اضافہ شدہ ایڈیشن

الحمد للہ "اشرف التفاسیر" بہت مقبول ہوئی اہل علم نے خاص طور پر اسے نعمت پیر معرقہ سمجھا اور ہاتھوں ہاتھ لیا چراہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ حضرت صوفی امرا اقبال قریشی مدظلہ نے حضرت حکیم سلامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے مخطوطات میں سے حرید بہت سارے تفسیری نکات جمع کر کے ہمیں ارسال فرمائے ہیں جو اس ایڈیشن میں شامل کتاب کر دیے گئے۔

اس مبارک اضافہ کے علاوہ خود حضرت حکیم سلامت رحمۃ اللہ علیہ کا عربی رسالہ "سبق الغایات فی نسق الآیات" بھی سورتوں کی ترتیب کے مطابق آخر میں لگایا گیا ہے۔

امید ہے کہ یہ اضافہ جات تمام علم دوست حضرات کے لئے حرید علمی و عملی برکتوں کا باعث ثابت ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

اجمالی فہرست

۵	سورة النساء
۸۰	سورة المائدة
۱۱۳	سورة الانعام
۱۵۱	سورة الاعراف
۱۹۴	سورة الانفال
۲۰۴	سورة التوبة
۲۷۴	سورة يونس
۲۵۶	سورة لقود
۳۱۸	سورة يوسف
۳۳۷	سورة الرعد
۳۴۱	سورة ابراهيم
۲۵۶	سورة الحجر
۲۷۳	سورة النحل
۳۹۸	سورة بني اسرائيل

سُورَةُ النِّسَاءِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَافِقُوا جِدَّةً

ترجمہ: پس اگر تم کا خیال اس کا ہو کہ عدل نہ کر سکو گے پھر ایک ہی بی بی پر اس کو

قرآن کریم کی اس آیت پر ایک اشکال اور اس کا جواب

فرمایا سید احمد نے کہا اور پھر اپنی ذرا سمجھنے والے اس کے اجراع کیا یہ دعویٰ کیا کہ ایک عورت سے زیادہ نکاح کرنا جائز نہیں اور مکمل یہ سچ ہے کہ فلان عظیم ان لا تعدلوا فواحدة اس سے معلوم ہوا کہ اگر عدل نہ ہو سکتا تو ایک سے زیادہ نکاح کرنا جائز نہیں ایک مقدم ہوا دوسرا مقدم ہے یہ دوسری جگہ ہے۔ ولین تستطيعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم اس سے معلوم ہوا عدل کی قدرت ہی نہیں ایک تہ مذہب یہ ہے کہ اللہ میں کاشیے ہیر پھر کی ضرورت ہی کیا تھی صاف کہہ دیجئے کہ ایک سے زیادہ نکاح جائز نہیں اور اس پر کہ چند سویرے تک کسی نے اس آیت کو نہ سمجھا تھی کہ ضرور سمجھنے لگی نہ سمجھا آپ ہی نے سمجھا یہ موتی بات تھی۔ باقی حقیقت مکمل کی یہ ہے کہ ایک تہ ہے عدل فی العاقل اور ایک ہے عدل فی الحیة تو فلان عظیم ان لا تعدلوا فواحدة جو ممانعت ہے وہ یہ کہ اگر عدل فی العاقل نہ ہو سکتا تو ایک سے زیادہ نکاح ذکر اور دوسری آیت میں جو ہے ولین تستطيعوا ان تعدلوا الا یہ وہاں مرد عدل فی الحیة ہے۔ جب یا اس کی قدرت میں ہے کہ اس کو اس پر دوسرا مقدم ہوتا ہے۔ لا یكلف الله نفسا الا وسعها کہ عدل فی الحیة کے عزم ہی نہیں وہ لیسر اختیار ہی ہے جب مکمل ہو گا ایک جانب یہ کہ تو فرماتے ہیں فلا تعدلوا کلکم علیٰ کلکم یعنی محبت کی وجہ سے بعض مکمل کی تو اجازت ہے کہ عدل فی العاقل کو اس میں ہائی کل مکمل نہ ہو جس سے عدل فی العاقل بھی نہ ہو سکتا مصلوہ کا مصلوہ ضمیر بدل دینا کی طرف واضح ہے کہ اس کو بالکل مطلق ہو وہ فلا یروہا کا مصلوہ صریح قرینہ ہے اس بات کی کل مکمل کی ممانعت ہے بعض مکمل کی اجازت ہے۔ (مختار بحکمہ ص ۵۵)

ہوئے وہاں سمجھتے ہیں کیونکہ علم بردار مثل ہے محل کا اور اس کی تعریف ان کے ہاں اعتقاد لازم مطابق لواحق مع غلبہ احوال ہے اور گناہ کرنے کے وقت غلبہ حال غفور ہوتا ہے اس لئے گناہ محض ہی سے ہوگا۔ یعنی جس وقت غفرت گناہ کا اسل اخفادہ اس وقت گناہ ہوئی نہیں سکتا۔ لہذا وہی مومن میں ایمان کی نئی یا حال کی نئی ہے جسے غلبہ حال ہی سے گناہ سے رک سکتے ہیں اور یہ شبہ کہ یہ غلبہ حال اختیاری چیز نہیں اس طرح دفع ہے کہ یہ غلبہ عکس مرافقہ اور اختفاء سے حاصل ہو جاتا ہے اور مگر اختفاء اختیاری ہے۔ پس اس سے جو حال پیدا ہو وہ بھی اختیاری ہے جیسا جبر (فتح میں) اختیاری ہے اور نظراً ثانی لغیر اختیار ہی ہے مگر فتح میں اس کا سبب جو کہ اختیاری ہے اس لئے جبر کو بھی اختیاری ہی کہا جاسکتا ہے (نہوض المانی)

إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَ خَاسِرٌ (ترجمہ) کائنات کا یہ ہے کہ تو بہ کا قول کرنا اللہ کے اصرار لوگوں کے لئے ہے جو جہالت سے مرے کام کرتے ہیں یا پھر جلدی ہی تو بہ کر لیتے ہیں پس یہ لوگ ہیں کہ جن پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے توبہ فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جانے والے اور رحمت والے ہیں۔

نفس کا مدلول چار طرح سے ثابت ہے

اہل علم کو معلوم ہے کہ نفس کا مدلول چار طرح سے ثابت ہوتا ہے اول عبارتہ اخص دوم اشارۃ اخص سوم اقتضا اخص چہارم دل اخص آیت میں مدلول عبارتہ اخص تو اور مضمون ہے اور اس سے میراد ثابت نہیں میراد کا مدلول باشارۃ اخص سے ہے عبارتہ اخص کو اور اشارۃ اخص کو اصطلاحاً تو اہل علم جانتے ہی ہیں لیکن عوام کے فہم کے لئے یہاں صرف ان دونوں کی حقیقت مختصراً بیان کرتا ہوں جس مضمون کے لئے حکم نے کلام کو وارد کیا ہے وہ تو مدلول عبارتہ اخص ہے اور مدلول باشارۃ اخص یہ ہے کہ اس کے لئے کلام کا مسوق تو نہیں ہوا لیکن وہ مضمون نفس کے الفاظ ہی سے لکھا ہے اب سمجھئے کہ عبارتہ اخص کا مدلول تو یہاں صرف یہ ہے کہ قول تو بہ کی شرط بیان کرنا منظور ہے کہ قول تو بہ جب ہوگا کہ گناہ جہالت سے ہو جاوے اور فوراً تو بہ کر لے اور اس سے دوسرا مضمون اشارۃ ایک اور معلوم ہو گیا کہ اس کے لئے کلام وارد نہیں کیا گیا وہ یہ کہ مدور مصیبت ایضاً جہالت سے ہوگا اور اسی سے میراد عبارتہ اخص ہوگا اور یہ مضمون بھی صریح الفاظوں سے مدلول آیت کا ہے مگر عبارتہ اخص سے نہیں اس لئے کلام مسوق نہیں ہے۔ بلکہ اشارۃ اخص سے ثابت ہے جو قطعیت میں عبارتہ اخص کے برابر ہے باقی خود یہ مضمون کہ مدور مصیبت کا ایضاً جہالت سے ہوتا ہے اس کا سمجھنا ایک قصہ پر موقوف ہے وہ یہ ہے کہ نفس کے اندر جو یہ جمالت کی تہ ہے یہ تہ وہی ہے احقر ازی نہیں ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر قید احقر ازی لی جاوے گی تو اس کا قائل ہونا چاہیگا کہ اگر کوئی جان کر گناہ کرے تو اس کی تو یہ قائل نہ ہو جائے گی اس پر اصرار ہے کہ گناہ خواہ جان کر ہو یا نہ جان کر ہو سے ہوتا ہے کہ نہ اس سے معاف ہو جاتا ہے حتیٰ کہ کفر اور شرک جو جان کر ہی کئے جاتے ہیں ان

سے ملگن تو یہ ہو جاتی ہے کہ یہ قیدہ الٰہی ہے اسرار الٰہی نہیں ملے سکتی یہ ہیں کہ گناہ ہمیشہ جہالت سے ہوتا ہے اب اگر کوئی کہے کہ وہ گناہ ہمیشہ جہالت ہی سے ہوتا ہے تو اس کے عقائد سے کیا نکالے۔

لہذا وہ اس کے عقائد میں یہ ہے کہ بغیر اس قیدہ کے عقائد کے عقائد کی طرف متنبہ ہوتا یہ قیدہ گویا مادہ مرض ہے مرض کا اگر مادہ نہ تھا یا مادہ نہ معلوم کہ اندر نکال ہوتا ہے مطلقاً سودا ہوتی ہے جو مرض ہو اور مطلقاً نہ کی جاوے تو ممکن ہے کہ علم کا مکمل بنی لے اور نہ جانے تلخ کے ضرر ہو اور گار تھا یا جاوے گا تو مر جیٹ سودا ہی کی دوا بنی لے گا۔ یہیں حیالت کی قیدہ سے یہ عقاد یا کہ گناہ ہمیشہ جہالت سے ڈالی ہوتا ہے۔ تاکہ معلوم ہو پاوے کہ جہل کا ازالہ کیا ہوں کا طالع چاہے غور کرنا چاہئے کہ جہالت کے یہاں کیا معنی ہیں جو گناہ کے لئے لازم ہے سو قرآن مجید میں جہل کا لفظ بہت جگہ آیا ہے اور ہر جگہ ایک معنی نہیں اسی طرح علم کا لفظ بہت متعدد معانی میں آیا ہے اور علم جہل میں داخل ہے جس قدر علم کی اقسام تھیں گے اسی قدر جہل کی بھی اور علم کے قصص سے جہل کی بھی قصص ہو جانے کی اس لئے میں علم کی اقسام بیان کر دیتا ہوں۔

علم و جہل کے معنی

علم کے ایک معنی تو دانش ہیں۔ جس کو سب جانتے ہیں اس کے مقابلہ میں جہل کے معنی نادانستن ہیں دوسرے معنی علم کے فعل ہیں قرآن شریف میں اس معنی میں بھی علم کا استعمال آیا ہے چنانچہ علماء یورو کے بارہ میں ارشاد ہے: **وَلَقَدْ عَلَّمْتُمُ النَّاسَ رِسَالَتِي فَمَا فِيهَا فَيَعْتَلُونَ** یعنی یورو جانتے ہیں کہ جو شخص سحر احتیاد کرنا ہے اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ان کے لئے ایک علم ثابت کیا ہے آگے ارشاد ہے: **وَلَيْسَ مِنَ النَّارِ فَايَةٌ أَنْ يَأْكُلَ الْبَشَرُ أَنْفُسَهُمْ فَيَسْتَكْبِرُوا** یعنی جس شے کے بدلہ انہوں نے اپنی جانوں کو بیچا ہے وہ بری شے ہے کاش وہ جانتے یہاں علم کی ان سے نفی فرمائی ہے معلوم ہوا کہ اس علم سے مراد دوسری قسم ہے علم کی اور نہ اس طرح تفہیم لازم آوے گا اور وہ قسم ترک فعل ہے یہیں معلوم ہوا کہ علم کے دو معنی ہیں علم بمعنی دانش اور عمل یا علم میں جہل کے بھی دو معانی ہوئے ایک دانش اور دوسرے علم یا عمل اور معنی چلی جہل کے دوسرے مقام پر بھی آئے ہیں چنانچہ ارشاد **فَلَنْ أَتَقْوَىٰ أَنْ يَكُونَ إِلَيْكَ الْخَبْرُ وَأَتَقِيهِ فِئَتٌ مِّنَ الْأَشْجَارِ أَصْحَابُ نَارٍ** یہاں کفار کو جال فرمایا ہے یہاں جہل کے معنی نادانستن تھیں ہیں اس لئے کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے: **وَلَقَدْ عَلَّمْتُمُ النَّاسَ رِسَالَتِي فَمَا فِيهَا فَيَعْتَلُونَ** اس سے معلوم ہوا کہ وہ جہل جانتے تھے یہیں معلوم ہوا کہ **أَتَقِيهِ فِئَتٌ مِّنَ الْأَشْجَارِ** میں جہل سے مراد دانش نہیں بلکہ ترک عمل یا علم ہے اور دیکھئے کچھ عورت کی فرمائش کے بارہ میں ارشاد ہے: **وَلَا تَكُن مِّنَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَدْعُونَ يَدْعُونَ** یہاں بھی جہل کے معنی نادانستن ہیں اس لئے کہ جہل بمعنی نادانستن تو مرشح ہو چکا تھا اس لئے کہ حضور ﷺ کو علم تھا **فَمَا أَتَوَنَّى** سے معلوم ہوا کہ یہ جہلون سے مراد لا یعلمون نہیں بلکہ لا یعلمون ہے یہیں دو معنی تو علم اور جہل کے یہ ہے چاہے تیسرے معنی اور ہیں جس جگہ یہ دونوں معنی نہیں ہیں تیسرے وہاں یہ تیسرے معنی مراد ہوتے ہیں اب میں کہتا ہوں کہ اس آیت

میں دونوں معنی نہیں بن سکتے اول معنی تو اس لئے نہیں ہو سکتے کہ اس سے لازم آئے گا کہ گناہ ہمیشہ گناہ اچھی سے ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ مشاہدہ کے خلاف ہے اس لئے کہ گناہ یہاں اوقات جان کر بھی ہوتا ہے اور دوسرے معنی یعنی عدم اہمیت اس لئے نہیں ہو سکتے کہ بوجہ اللہ بعلیون السوء کی ہے۔ پس اگر حیثیت کے معنی علم پر عمل نہ کرنے کے ہوں تو عقیدہ اور قیاس کا حاصل ایک ہی ہو چاہے گا اور یہ حکم قرآن میں اس کے ہونے کا بعلیون السوء عاملین السوء اور قرآن پاک ہے اس سے کہ اس میں ایسا ہے معنی حکم ہو۔ پس جب عمل کے دونوں معنی نہیں بن سکتے تو معنی ثالث صحیح ہو گیا اب کوئی صاحب میرانی فرما کر نکالیں کہ وہ تیسرے معنی جہالت کے کیا ہیں جو اس آیت میں مراد ہیں وہ نہ میں عرض کرتا ہوں کہ وہ معنی ثالث بجز حلیۃ الحال کے اور یہ کچھ نہیں یعنی احکام شرعی کی محبت اور منہیات شرعیہ سے نفرت قلب میں رہنا جائے اسی کا نام حال ہے اور اسی کا مصروفیت نہیں بھی کہتے ہیں جس جگہ کتاب و سنت میں یقین کی تکمیل کا امر ہے اس سے یہی کیفیت مراد ہے جس کا گناہ صادر ہو گا اسی حال کے نہ ہونے سے ہو گا اور حال کے ہونے کا وہ گناہ کا صدور نہیں ہو سکتا اور یہی میرا مدعا تھا کہ اولی ساری خرابیاں حال کے نہ ہونے سے ہیں یہ تو گناہ اس کا اثبات آیت سے ہوا باقی تفصیل اس اعتبار کی ہے کہ ممکن کے اندر وہ تو نہیں رہی ہوئی ہیں ایک تو مدت تو اس کو خیر پر حال ہوتی ہے اور دوسری شر سے مدافعت ہے اگر یہ دونوں تو نہیں مطلوب ہیں اور کا عدم ہیں تو گناہ کا ہمیشہ صدور ہو گا اور اگر کسی وقت غالب ہیں اور کسی وقت مغلوب تو مغلوبیت کے وقت اس کیفیت، اندک کا مشاہدہ نہیں ہو گا اس لئے اس وقت بھی گناہ اس سے صادر ہو گا اور غالبیت کے وقت صادر نہ ہو گا اور اگر قریب قریب بر وقت ان کا غلبہ ہے کسی وقت مغلوبیت نہیں ہوتی لہذا وہ آئی کا نام حال ہے چاہے شخص سے گناہ کا ارتکاب نہ ہو گا۔ دیکھئے ہر مسلمان جانتا ہے کہ گناہ حرام ہے شراب پینا حرام ہے ترک صلوات حرام ہے۔ مگر یہ علم بہت سے مسلمانوں کو گناہ سے نہیں روکتا تو اس کی کیا وجہ ہے جہت یہی ہے کہ حال نہیں ہے اور بجز مغلوب الحال ہے وہ خدا کی مقررہائی نہ کرے گا۔

دوام ترک معاصی عادتہ حال کے پیدا کرنے پر موقوف ہے

پس معلوم ہو گیا کہ دوام ترک معاصی عادتہ حال کے پیدا کرنے پر موقوف ہے اور ترک معاصی علی اللہ واجب ہے اور مقدمہ واجب واجب تو حال کی تکمیل ہر مسلمان پر ضروری ہے ورنہ خود ہی شرعیہ سے اس معصومان کی صاف تائید ہوتی ہے اور ثار لایزال فی حقہ من یزنی وهو مومن ولا یسرق السارق حین یسرق وهو مومن معتزل کہ اس مقام پر لغوی ہوتی، اس حدیث سے کہتے ہیں کہ نہ تاہر نہ گناہ سے ایمان نہیں رہتا حالانکہ قصویٰ تغیر شایہ ہیں کہ عصاۃ مومنین بھی ممکن ہیں چنانچہ بہت سے آجوں میں ان کو پکڑا گیا کہ انہیں اللہ تعالیٰ سے خطاب ہے اس لئے اہل سنت کا عقیدہ ہے اور حق یہی ہے کہ مرکب کبیرہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور یہ حدیث اپنے ظاہر پر نہیں ہے اس کے معنی اور کچھ ہیں۔ تحقیق علمائے ظاہر نے اس معنی کو سمجھا

لیکن اس کی چوری شرعاً نہ کر سکے چنانچہ فرماتے ہیں کہ مومن سے عداوت حدیث میں مومن کمال ہے اور اس میں نیکی ایمان کمال کی ہے مطلق ایمان کی نیکی ہے۔ یہ معنی نہایت لطیف اور باہل کیجے ہیں لیکن ان حضرات نے یہ بت دیا کہ وہ شے کوئی ہے کہ جس کے نہ ہونے سے اس کا ایمان ناقص ہو اور اس کے ہونے سے کمال ہو جاتا ہے کہ جو اس کو سکناؤ نہ کرنے دیتی صوفی کرام نے اس مدسرت کو کھولا اور انہوں نے فرمایا کہ کم نکالتے ہیں ہم سے سترہ شے حال ہے اس کے نہ ہونے سے ایمان میں نقصان دیتا ہے اور اسی کے نہ ہونے سے آدمی گناہ سے رکتا اور سوائے حال کے کوئی اور شے نہیں ہے جو گناہ سے روک سکے اور بدل اس کے اعمال اور عبادات کرنا ایسا ہے جیسے بے ایمان کی گاڑی ہوتی ہے کہ اس کو سڑ رہے چلتے ہیں جب تک وہ چلتے رہیں پٹری رہتی ہے اور وہ ٹھیکہ موقوف کر دیں تو رک جاتی ہے اسی طرح ہمارے دوزخ نما کی گاڑی ہے کہ ہم اپنی طبیعت پر تیر کر کے اس کو چلاتے ہیں اور بعض مرتبہ جب باہر ہو جاتے ہیں تو رک جاتی ہے اور اگر ان کے اندر چنگاری نالی کر اس کو گاڑیں سے حاصل کر دیں پھر دیکھیں وہ نہ کتنے سے شدت کس کی وہ چنگاری کیا ہے۔ حال میں وہ چنگاری ہمارے اندر نہیں ہے اگر وہ ہوتی تو اعمال شریف ہم سے بے تکلف صادر ہوتے بلکہ بغیر عبادات کے ہم کو یقین خدا تا اس لئے کہ وہ آگ پر دھت ہم کو حرکت دیتی۔

یہ میں پر عہدہ کرم از زمین دعا برآمد کہ مرا غریب کر دی تو ز عہدہ وہابی

جب زمین پر میں نے عہدہ کیا تو زمین سے یہ دعا آئی کرتے رہا کا عہدہ کر کے مجھے غریب کیا

بطواف کعب رفتم کرم دہم عداوت تو بدوں وجہ کردی کہ بدوں غلام آدمی

(جب میں خانہ کعب کے طواف کو گیا تو حرم نے مجھ کو راستہ نہ دیا اور کہا کرتے حرم کے باہر کیا گیا ہے جو خانہ کعب کے اندر داخل ہوتا ہے۔)

ایک آیت کی تفسیر بے نظیر

فرمایا **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَذِهِ السُّبُلَ** (۱) (تو کہو کہ جس کا قول اللہ تعالیٰ کے ذمہ

ہے وہ تو ان ہی کی ہے جو جہالت سے گمراہ کر بیٹھتے ہیں) اس صوفی کے نزدیک جہالت کی تہذیب واقعی ہے احترازی نہیں نہیں وہ فرماتے ہیں کہ جہالت کے بغیر کوئی گناہ ہو ہی نہیں سکتا وہ گناہ (جو جان بوجھ کر کئے) ہم کو بھی جہالت ہی سے صادر ہونے والا سمجھتے ہیں۔ کیونکہ علم جو مقابل ہے۔ جہل کا اس کی تخریب ان کے پاس بالمشاورہ لازم (سکون دینے والا نہیں) اسطابق لطائف مع طلب السال ہے اور گناہ کرنے کے وقت طلب مال مقصود ہوتا ہے اس لئے گناہ جہالت ہی سے ہو گا۔ یعنی جس وقت مقصودت گناہ کا کمال احتیاط ہو اس وقت گناہ ہی نہیں سکتا لہذا یہ وہو مومن میں ایمان کی لکھی ہے پس طلب مال ہی سے گناہ سے روک سکتے ہیں (غیر مذہبہ سے جہالت ۱۰)

وَعَالِمُؤْمِنٍ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا
وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ۝

ترجمہ: اور ان عورتوں کے ساتھ قرنی کے ساتھ گزراؤں کی کہ اور اگر وہم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک شخص کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دے۔

تفسیری نکات

مستورات کے لئے سفارش قرآن میں

یہ ہے کہ کتاب اللہ کہ اس کی ایک اس تعلیم کو دیکھ کر اصل سلیم والا کہنا ملے گا ہے کہ قرآن کتاب اللہ ہے فرماتے ہیں عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور اگر کسی وجہ سے وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم کو کوئی چیز چاہئے ہو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت بھلائیاں رکھ دیں۔ ظاہر ہے کہ ناپسند ہونا کسی وجہ سے ہو گا اور یا اور تو عورتوں کے ناپسند ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کے اخلاق اچھے نہیں ہوتے اور یہ بات مرد کے لئے باعث اذیت ہے مگر اللہ تعالیٰ کا کوئی اور وعدہ ہے کہ عورتوں کی بد اخلاقی وغیرہ کو بھی خیر کثیر کا سبب بنادیں گے۔ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں وہ سب کچھ کر سکتے ہیں مثلاً اس سے عداوت ہی ہو جائے گی، جو قیامت میں اس شخص کی دشمنی کرے گی (کیونکہ قیامت میں یہاں بھی ہو گا کہ کسی شخص کے گناہ اس قدر ہوں گے جس کی وجہ سے اس کو دوزخ میں اُل ڈال دینے کا حکم ہو گا مگر اس کا کوئی بچہ صغیر نہ مر گیا ہو گا اور کچھ کا کہ جس اس وقت تک جنت میں نہ جاؤں گا جب تک میرا باپ نہ جائے گا چنانچہ اس کی خاطر سے آپ کو جنت مل جائے گی۔ حدیث میں اس قسم کی خبریں بکثرت آئی ہیں) کاتب (غیر عورتوں کی زبان درازی کی صورت میں خیر کثیر اس طرح بھی ہو سکتی ہے کہ مرد اس کی ایذا اور سائی پر صبر کرے اور صبر کی اجر و جنت ہے علی اور جنت کا خیر کثیر ہونا ظاہر ہے کیونکہ دنیا میں جو صورت سے تکلیف پہنچی اور خود ہی تھی چند روزہ تھی اور اس کے عوض جو راست آخرت میں حاصل ہوگی وہ دنیا یا دوزخ کی کیونکہ وہ باقی اور دنیا کی ہوگی تو عورتوں کا سبب خیر کثیر ہونا سمجھو جو ہم ان صورتوں میں مرد کو چاہئے کہ حق تعالیٰ کے اس وعدہ پر غور رکھے کہ وہ دنیا کی بد اخلاقی پر غور نہ کرے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہی کوہک کر کہہ بھی نہ کرے اصلاح ضرور کرے مگر نہی کے ساتھ کبھی جھکا بھی نہ انہیں مگر ستارے نہیں بدلتا، دھماکا بھی اچھا نہیں جناب رسول ﷺ کے اخلاقی رویوں کے ساتھ ایسے جیسا کہ آج کل کے ایمان مند بہ سنہل و شاد جنت کر رہے مگر ہمیں ان کی حیرت و استحباب کی پروا نہیں ہم ان کی پیروی ہے

فیس کے دور حضور ﷺ کے حالات واقعات کو کسی کی نکتہ چینی کے خوف سے غفلت نہ رکھیں گے ہمارے سب سے اہم فیس جس کی باتوں کو چھپا چھپا کر نکالنا جو ہم ملے ملے سے اٹھا رہے ہیں کو فیس کرنا چاہیے ہیں کیونکہ دنیا میں سب لوگ بے خوف غی نہیں رہتے بہت سے اہل عقل بھی دنیا میں سمجھ رہے ہیں جو ان باتوں کی قدر کریں گے۔

شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو عورت کو راحت دے اس کو پریشان نہ رکھ مت کرو میں حضرت
فراغت کے ساتھ اس کی دہلی کی کرو اس کی بہت سی ایذاؤں پر صبر کرو اور حق تعالیٰ کے اسی وعدہ پر نظر رکھو
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ
مسلمانوں کو یہیں کے ساتھ حضور ﷺ کے
طرز عمل و معاشرت کی موافق عمل کرنا چاہئے حجت وغیرہ کو جانے طاق رکھنا چاہئے حجت وہی ہے جو
حضور ﷺ کے اعمال و افعال میں ہے خوب سمجھو

مکتبہ اسلامی

ہوں یہ اور ہاتھ اگر قرآن میں جو جہتوں اور مردوں کے متعلق آجی مختلف مضامین کی آئی ہیں ایک وہ آیت ہے جس کا بیان اور یہ ہے جس سے مردوں جو جہتوں کی تعدادی معلوم ہوتی ہے اور بعض آجوں سے اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے مثلاً واللہ جہال علیہم فو جہہ کہ مردوں کا وہ جہتوں سے زیادہ ہے اس کے آگے ہے واللہ عزیز حکیم یہ جملہ تعلیل ہے جس کا حاصل یہ ہوا اس فضیلت میں توبہ کی کوئی بات نہیں کیوں کہ یہ بات کی ادنیٰ ہوئی ہے جو غالب ہیں ان کے غم کو کوئی روکنے والا نہیں اور یہ غم فرما کا نہ بھی نہیں کیونکہ وہ حکیم بھی ہیں انہوں نے جو کچھ بھی غم دیا ہے حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا لہذا کچھ ہیں وہی اس کی تمنا نہیں ایک آیت اور یہ آئی وہ یہ ہے وَلَا تَقْنُتُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَعَلَيْهِ مَا كَسَبَ وَلَا تَقْنُتُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ جس کا شان نزول یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت ام سلمہ نے حضرت کے ساتھ فرما کی کہ کاش ہم بھی مرد ہوتے تو مردوں کی طرح چہرہ کرتے اس پر یہ آیت اتری جس میں حق تعالیٰ نے وہی فرما کرنے سے منع فرمایا ہے اور فرمائش کا عنوان یہ ہے کہ ہم نے جو تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت ملی ہے اس کی تمنا ایک دوسرے کو نہ کرنی چاہئے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کو جو جہتوں پر فضیلت ہے اور اس لئے تو حضرت ام سلمہ نے مرد ہونے کی تمنا کی تھی آگے اس آیت میں ہے الْيَتِيمَ الَّذِي عَاقَبْتُمُوهُ اُولَئِكَ سَاءَ مَا كَسَبَتْ فِيمَا كُنْتُمْ تَفْتِنُ یعنی مردوں کو ان کے قتل کی جزا ہے اور جو جہتوں کو ان کے قتل کی اس جملہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر قتل پر ہے اور ہر جہت ہر قتل پر ہے اور اگر صورت قتل زیادہ کرے تو مرد سے بھی زیادہ سختی ہے حاصل یہ کہ یہ تمنا آجی ہیں ایک سے شادی ثابت ہوتی ہے مرد و عورت میں اور ایک سے فضیلت مردوں کو جو جہتوں پر اور ایک سے کہ عورت مرد سے بھی زیادہ سختی ہے ان آجوں میں سے کسی کا یہ جہت کو تعدادی

کاتب ہو سکتا ہے مگر حقیقت میں خدا میں نہیں ہے اور اس کا فیصلہ خود قرآن کی آیتوں میں موجود ہے اور یہ خاص شان ہے قرآن کی کہ مفسر بعضہ بعضا یعنی قرآن اپنی شرح خود کرتا ہے اس کو دیکھ کر یہ اعتقاد پان پتا ہے۔

آداب آم دلیل آداب کر دلالت ہے ازوے روح
سورج کے وجود کی دلیل بھی ہے کہ یکہ سورج نکلا ہوا ہے اور دلیل کیا ہوتی ہے یہی قرآن کی شان ہے کہ جہاں کوئی افعال پیدا ہو کر رہا ہے اس کا عمل بھی ہو گا اب آیتوں میں خود کیجئے پہلے میں ایک قاعدہ بیان کرتا ہوں اس کو کہہ لیجئے ہمارے لیجئے کیا جس میں خدا میں کہاں ہے۔۔۔؟

اقسام فضائل

وہ قاعدہ یہ ہے کہ فضاں دو قسم کے ہیں ایک ظنی اور ایک محسوس خلق کیجئے ہیں یہی انکی اور محسوس کیجئے ہیں ان صفات کو اختیار اور کسب سے حاصل ہوتی ہیں تو صفات خلقیہ میں تو مرد و عورتوں سے ملائے ہوئے ہیں جیسے کمال عقل، شجاعت، قوت، عمل، تدبیر، ان صفات میں اعلیٰ قدرتی نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے عورت مسم ہے کہ کسی امور زاری ہو سکتی ہی حسین و جمیل ہو چنگہ ان صفات میں وہ مردوں سے کمتری ہوتی ہے اس لئے فرمایا **لَا يُؤْتِي عِلْمًا لَّهُنَّ وَذَوَاتُهُنَّ** اور مردوں کو حاصل ہوتی ہیں اور عمل اور اختیار سے جیسے اصلاح اخلاقی و اعمال وغیرہ ان میں نہ مرد کو یہ حاصل ہو سکتے ہیں نہ عورت کو بلکہ جن زیادہ کام کرے اور اخلاقی کا عمل اختیار کرے گا وہی زیادہ حاصل ہو گا اگر مرد کا کوشش کرے گا تو مرد زیادہ پائے گا عورت کا کوشش کرے گی تو عورت زیادہ پائے گی۔ یہ حاصل ہے **لِلرِّجَالِ نُفُوسٌ مِّمَّا الْكُفْرَانِ وَلِلنِّسَاءِ نُفُوسٌ مِّمَّا الْكُفْرَانِ** کا ان دونوں کے علاوہ ایک قسم فضیلت کی اور ہے جس کو اصطلاح میں فضیلت انسانی کہتے ہیں کہ اس فضیلت کا نشا خالق و عہد کا معلق ہے یعنی عمل کرنے والے کا عمل فضاں نہ ہوتا سو یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے اس میں مرد و عورت دونوں مساوی ہیں عمل کی کا فضاں نہ ہوگا۔

یہ بات ہے کہ ہر حال میں مساوات ہو لیکن اس قانون میں مساوات ہے کی کہ کسی کا عمل فضاں نہ ہوگا حاصل یہ کہ جن قسم کے فضاں ہوں گے فضاں خلقیہ اور فضاں محسوس اور فضاں اخلاقیہ اول میں مرد و عورتوں سے ملے ہیں دوسرے میں بھی مرد و عورتوں سے ملے ہوں گے کی عورتیں دوسرے میں عورتوں برابر ہیں اب ہر فضاں خلقیہ ہیں اس کی تمنا کرتا اور نہ حاصل ہونے پر دل شکست ہوا فضول بات ہے جیسے عورتیں ہوں گیں کہ کاش ہم کی مرد ہوئے تو اس سرست میں راحت دین دیا کریں تو خدا تعالیٰ اس سے منع فرماتے ہیں **وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ سُبْحَانَ اللَّهِ بَدِئْتَ كُلَّ نَفْسٍ فَعَلَىٰ بَعْضِهَا كَيْدٌ** جو چیز مکمل ہوگیا ہے اور ہمارے اختیار کو اس میں بکوہی، عقل نہیں نہ ہم اس کو اپنی سعی و کوشش سے حاصل کر سکتے ہیں تو اس کے لئے دوسری کتاب ہمارے حرکت نہیں تو اور کہا ہے **سَاءَ نَصِيبُ عَذَابٍ لِّمَنْ كَفَرَ** اس میں بکوہی نہیں بھر

اس کی دامن میں آئی دوسرے ضروری کاموں سے بھی رو جاتا ہے، جنی کا حصول اختیاری ہے تو کون چھوڑے اس صورت کو پسند کرے گا کہ وہی غیر اختیاری کے مگر میں دولت دین میں اور اس کے لئے مردہ کر رہی اور فضل سے معذرت میں نہ رہی پس شریعت کی یہ تعلیم میں مطابق عقل اور بالکل صحیح تعلیم ہے کہ کسی باتوں کی اگر میں مست نہ ہو جو تمہارے اختیار سے باہر ہیں مثلاً کوئی دولت دین اس دنیا میں دیا کرے کہ ہائے ہم نئی ہو ہے تو یقیناً احمق ہے کیونکہ ہوتے تو ایک دینی چیز ہے کس سے کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتی دینے سے کیا فائدہ ہو اور نفع بالکعبہ میں تمنا کرنا جائز ہے مگر صرف تمنا کرنا کافی نہیں بلکہ عمل کسب اور صحت کی ضرورت ہے اس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں

لَا تَهْتَبُوا ثَمَرَهُمْ حَتَّىٰ تَصِلَ إِلَىٰ أَصْنَانِهِمْ فَثَمَرُ ثَمَرِهِمْ هُوَ الَّذِي تَصْنَعُونَ ۚ كَذَٰلِكَ يَضَعُ اللَّهُ الْحُكْمَ حَيْثُ يَشَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۚ

کہو کہ ان کا دھرم کسب پر ہے صحت کر دینی تمنا سے بے فائدہ ہے۔

امور اختیاری و غیر اختیاری

غرض خلاصہ تعلیم کا یہ ہوا کہ امور غیر اختیاریہ کی تو تمنا بھی نہ کرو اور امور اختیاریہ میں صحت کرو اور یہ وعدہ یاد رکھو کہ کسی کا عمل ضائع نہ ہو گا۔ یہ کہی یا پھر یہ تعلیم ہے اور یہ تعلیم سائلین کے لئے لہذا یہ کارآمد ہے تاکہ لوگ کو چاہئے کہ اس کو ہر وقت چٹنی نظر رکھے یا ایک بڑا بھاری دستور حاصل ہے کہ جو بات اس کے اختیار میں نہ ہو اس کے دور پہ نہ ہو اور جو بات اختیار میں ہو اس میں صحت کرے مثلاً ذکر و فضل ہے اوقی دو دھند ہے ان میں ذکر و فضل اختیاری چیزیں ہیں اور اوقی دو دھند اختیار کی نہیں تو سائل کو چاہئے کہ ذکر و فضل جس قدر ہو سکے کرے یعنی جس قدر اس کا مرئی تعلیم کرے اس کی پابندی رکھے اور اوقی دو دھند کے پیچھے نہ پڑے اصل لوگ جب ذکر و فضل کرتے ہیں اور اوقی دو دھند پیدا نہیں ہوتا پھر ہوتے ہیں اور شکایت کرتے ہیں کہ صاحب ہم کو ذکر و فضل کرتے ہوئے اسے دانا ہوئے اب تک کوئی بات ہی نہیں پیدا ہوئی یعنی اوقی دو دھند کثیف و غیرہ حاصل نہیں ہوا میں کہتا ہوں خدا کے بندے اگر یہ امور اختیاری ہیں (حالانکہ یہ قطعی ہے) تو شکایت کیوں کرتے ہو کوشش کے جاؤ یہاں جاؤں گے اور غیر اختیاری ہیں تو ان کے پیچھے کیوں نہ سے اور کیوں نہ کیا۔ غرض دنیا کی دنیا اور شکایت کرتا تو ہر حال میں بے سود ہے کام کرنا چاہئے جس کسی کو یہ امور حاصل ہوتے ہیں ان کے اختیار اور کس کو اس میں دخل نہیں ہو چاہیے ہی امور کے بارے میں ارشاد ہے وَلَا تَحْزَنْهُمْ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۚ کہ ان باتوں کی تمنا مت کرو اپنا کام کئے جاؤ غیر اختیاری امور تمنا سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ ان کے روپے ہونے سے بے حد پریشانی اٹھانے پڑتی ہے۔ مگر اس پریشانی میں قنصل ہو جاتا ہے پھر آئی ذکر و فضل سب یکو کرتا ہے مگر دل نہیں بھٹتا کیونکہ کسی کو نہیں ہوتی ہر وقت دل میں ایک بندہ کا معلوم ہوتا ہے کہی آدمی ان پریشانوں سے گھبرا کر کام ہی کو بھروسہ جیٹتا ہے حتیٰ کہ ضروری اعمال سے بھی محروم ہو جاتا ہے حاصل یہ کہ آیت وَلَا تَحْزَنْهُمْ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۚ

مال چھوڑ کر مر جاتا تو اس کی بیوی کو نکاح نہ کرنے دیتے تاکہ اس کا مال ہی کے پاس رہے اور یہ ہم بندہ حنان میں بھی ہے کہ جو نکاح نکاح نہیں کرنے دیتے تو اکثر اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ اس کی جائیداد بٹھہر کر لینی چاہتے ہیں۔ لوگ یوں کہتے ہیں کہ جائیداد بٹھہرنا چیز ہے مگر صاحبہ عورت کے لئے تو حقیقت میں سخت مصیبت ہے کیونکہ ان کی جائیداد کی وجہ سے ہر شخص ان پر جال ڈالتا ہے۔ اور میں نے تو زمین کی وجہ سے عورتوں کو بیڑہ مصیبت ہی میں دیکھا کہ ہر شخص ان کو اپنی طرف کھینچتا ہے تو صاحبہ ان کو حصہ دے کہ میں باپ کے سپرد کر دو اپنے گھر میں نہ رکھو کیونکہ جب تک اپنے گھر میں رکھو گے یہ خیال دل سے نہ نکلے گا تو واجب ہے کہ حصہ دے کہ میں باپ کے سپرد کر دو خواہ وہ اس کو بخلا دیں یا نہیں بخلا کر دیں اگر کوئی کہے کہ جس شوہر کو چھوڑ کر مرے یہ گم اس کے لئے ہے اور جہاں کچھ چھوڑ کر ہی نہ مرے اس صورت میں اگر عورت کو روکا جائے تو قرآن سے مخالفت نہیں معلوم ہوتی کیونکہ آیات میں بھی تنبیہ ہے۔ وَكَفَّضَتْ لَمْ يَنْفَضْ بِغَضٍ مَا أَتَى الْوَلَدُ قَوْلُهَا بَابِ يَہے کہ جب مال کے ہوتے ہوئے روکنا جائز نہیں تو بغیر مال کے روکنا بدھ لای جائز نہ ہوگا کیونکہ گناہ و جرم کے ہوتے ہیں۔

ایک تو کسی باعث سے ایک عطر کسی باعث کے پہلا کی وجہ میں ہلا ہے عفتا بھی شرعاً بھی اور دوسرا گناہ بڑا گناہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ تین عطر کو خدا بہت ہی مخلص رکھتا ہے ملک کذاب شیخ زانی عالم حکیم یحییٰ محمد اور شاہ ذکاوار بڑا عالم و حکیم فقیر اس کی وجہ یہی ہے کہ ان میں ان صاحب کا کوئی دینی نہیں ہے اور میرے لوگ گناہ کرتے ہیں بادشاہ کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے جھوٹ اسی واسطے لوگ بولا کرتے ہیں کہ اس سے کارروائی کریں۔ بادشاہ کی قدرت کارروائی کے لئے کافی ہے اس کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے اسی طرح ذکاوار شہوتہ کے ہوتے ہیں کو کیا مستحق سزا ہوئی اگر وہ منہ نہ کرنا چاہے تو ہاتھ بھی دشا نہیں اسی طرح غریب آدمی حکیم کرے تو اس کی مخالفت ہے اس کے پاس بڑائی کا کوئی سامان ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو گناہ بغیر دینی کے ہو بڑا گناہ ہے تو یہ عقیدہ شہر کر لے والے کو منہ نہیں بلکہ معز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب عورت کے پاس کچھ مال ہو تو اس حقت جرم کی وجہ سے یہ عقیدہ ہو سکتا ہے کہ اس کو بھی حق خدائی نے منع فرمادیا تو جس کے پاس مال بھی نہ ہو اس کو کتنا غصہ پانہی دسم ہے اس میں روکنے کا کوئی دینی بھی موجود نہیں تو بہت ہی بڑا گناہ ہے۔

وَلَا تَمْنُوا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ

نَحِيبٌ وَمَا الْتَسْبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَحِيبٌ وَمَا الْتَسْبُنَّ

وَسَلُّوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا

ترجمہ: اور تم ایسے کسی امر کی تمنا مت کیا کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعض پر فوقیت دی ہے مردوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور عورتوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی درخواست کیا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

تفسیری نکات

مطلوب کی دو قسمیں

میرا ذوق یہ ہے کہ اس آیت میں مطلوب کی دو قسمیں کی گئی ہیں ایک محبوب جس کو مَا الْفَضْلُ اللَّهُ بہ اور وَمَسَلُّوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ میں فعل سے تعبیر کیا گیا ہے دوسرے محبوب جس کو لِلرِّجَالِ نَحِيبٌ وَمَا الْتَسْبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَحِيبٌ وَمَا الْتَسْبُنَّ میں کتاب کے عنوان سے تعبیر کیا گیا ہے جب حاصل یہ ہو کہ محبوب کی تمنا نہ کرنا چاہئے بلکہ محبوب کا احتساب مل کر کرنا چاہئے۔ اور بات اعمال محبوب ہیں۔

اب رہا تمنائے محبوب سے جو منافعت ہے اس میں نبی قریم کے لئے ہے یا کماہت قریم یا کماہت حزیہ کے لئے اس سے مجھے بحث نہیں مضاف سے یہ چھو کہ جب محبوب کسی کام سے منع کر دے تو کیا مامون محبوب سے یہ سوال کر سکتا ہے کہ حضور یہ بات آپ کو کس وجہ میں نا پسند ہے کہ نہ دینا کوار ہے اگر کوئی ایسا سوال کرے گا تو محبوب اس کو کمال باہر کرے گا کہ نہ مامون نہیں۔

اس کے بعد حق تعالیٰ ہمارے جذبات کی رعایت فرماتے ہیں کہ نہ وہ جانتے ہیں کہ محبوب کے لئے ان کا دل لپکائے گا ضرور اس لئے دعا کی اجازت دیتے ہیں وَمَسَلُّوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ کہ دعا کر سکتے ہو گے بعض اوقات عدم قبول دعا سے پریشان نہ ہونے کی تعلیم ہے إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا کہ دعا قبول ہونے میں دیر ہو اور قبول کے آثار معلوم نہ ہوں تو گھبرانا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر بات کو اچھی طرح جانتے ہیں یعنی وہ ہر چیز کی مصلحت کو تم سے زیادہ جانتے ہیں پس اس بات کو بھی دلی خوب جانتے ہیں کہ یہ نعمت محبوب بہ تمہارے لئے مناسب ہے یا نہیں اور مناسب ہے تو کس وقت اور کس حالت میں مناسب ہے (اجل احصاء بہ موت و حیات)

تک خود سلیمان کی کوشش کریں اور جب ان سے ملجھ نہ سکے تو کسی کو حکم مقرر کریں کہ تک اپنا معاملہ فریقین سے طے نہیں ہو سکا اس لئے بی بی کی ضرورت ہوئی۔

آ کے حق تعالیٰ ان بچوں کی ہدایت اور شاد فرماتے ہیں **إِنِّ لَیُّزِیْدُکَ اَیُّکَ لَیُّیُّیُّکَ** یعنی اللہ ہیبتہذا اگر ان دونوں بچوں میں اصلاح معادہ منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان دونوں زن و شوہر کو اصلاح کی توفیق دے دیں گے اس میں اہل اعانت کا وعدہ ہے کہ اس صورت میں ہم بھی معاملہ ٹھکے میں ادا کریں گے مگر اس کے لئے ایک شرط ہے وہ یہ کہ اگر ان دونوں بچوں کے درمیان خوشی سے صلح اور اصلاح معاملہ منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان میں سے جو بھی اتفاق پیدا کریں گے (آخر ٹیکہ) ان دونوں کی رائے پر بھی عمل کریں **إِنِّ لَیُّزِیْدُکَ اَیُّکَ لَیُّیُّیُّکَ** اور چاہے اللہ تعالیٰ بڑے علم اور بڑے خیر والے ہیں۔ یعنی جس طریق سے زوجین میں باہم مصالحت ہو سکتی ہے اس کو وہ خوب جانتے ہیں یہی وجہ حکمت کی نسبت ٹھیک دیکھیں گے وہ طریق ان کے قلب میں الظاہر و باہر کے دیکھنے پر تعالیٰ نے حلاق سے بچے کی تختی نمودر کی ہیں تعالیٰ ہیں اگر لوگ ان طریقوں سے کام لیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ بھی طلاق کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ اور اگر وہاں حلاق کے چارویں اندہ سے تو اس کے لئے یہ تعلیم ہے کہ اول ایک طلاق دوسرے سے ضرورت کا جائز نہ ہو جائے گا ورنہ اگر اس میں کچھ بھی صلاحیت ہوگی تو وہ منظور جانے کی شریعت نے ذوق طلاق سے ممانعت کی کہ چاہے باہم کیسا ہی اختلاف ہو حلاق دے ہی نہ سکے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو شوہر ہمیشہ اندر ہی اندر گھبراتا اپنے طلاق کا ہنساں نہ نکال سکتا اس لئے ضرورت کی اہمات دی کہ ضرورت کے وقت دے سکے ہو مگر حد کے ساتھ شریعت میں جذبات کی بہت رعایت کی گئی ہے۔

احکام شرعیہ میں رعایت جذبات

چنانچہ ایک حدیث میں **لَا یَحِلُّ لَاحِدٍ اَنْ یُّهْجِرَ اَخَاهُ لَوْ قُلَّ لَیْلَہُ** یعنی مسلمان کو یہ جائز نہیں کہ اپنے بھائی سے عین دن سے زیادہ بول چال وغیرہ موقوف رکھے دیکھئے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ چاہے آپ بھی میں کیسا ہی رنج و غم اور ہولناکت چھوڑ دے حالانکہ شریعت کو یہ بھی اختیار تھا کہ ایسا حکم دے دیتی چنانچہ بعض مشائخ نے عائشہ کی اصلاح کے لئے بھی ایسا حکم دیا پھر اس میں سوال ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا فیصلہ کیوں دیا؟ فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں تمدن کی حفاظت ہے تاہم ایک کو دوسرے کا تابع اور تابع نہ بنایا جائے تمدن محفوظ نہیں رہ سکتا اور طبیعت مساوی میں ہوتی نہیں اسی واسطے فرماتے ہیں **اَلْکِبْرَیَالُ کُلُّهُمُ اَعْرَاقُ** یعنی سرسراہٹوں پر سردار ہیں اور وہ اس کے آگے اور شاہر بنائی ہے **فَقَسَلُ اللّٰہِ یَعْلَمُہُمْ عَلٰی بَعْضٍ**۔

یعنی ہر ایک بات کے کا لہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر غلبت دی ہے اور جن لوگوں نے ہر شخص اس حکم کے امور توں کو مستوج حال کیا وہ اس کی خرابیاں پوشیدہ نہیں ہیں آج کل **اَلْکِبْرَیَالُ کُلُّهُمُ اَعْرَاقُ** کی تفسیر یہی بات ہے کہ

ہا اپنے بلکان کے شر کے نام سے موسوم کرنا مناسب ہے۔
 حاصل یہ ہوا کہ عورتوں میں دو قسم اور تین شرطیں۔ جو نقص ہیں ان کا ذکر وہ ہے سو ہے اس لئے کہ وہ
 معاملے رائج ہونے والے نہیں بلکہ اس کی قوت تناسل سے بھی منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ وہ ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے
 مردوں کے لئے کل ہی کر فرمایا تھا کہ یہاں لہذا بھلا جلا۔ جنی اسے کاش ہم مردوں جیسے تو مردوں کی ہی فضیلت
 ہم کو بھی ملتی اس پر یہ آیت نازل ہوئی وَلَا تَقْفُ مَا لِكُلِّ أَصْحَابِ الْبَيْتِ بِمَا فِي بُيُوتِهِمْ ذَٰلِكُمْ لَعَنَ اللَّهُ مَن كَانَ كَافِرًا
 اللہ تعالیٰ نے اس شے سے بعض کو بعض پر فضیلت یعنی خلقی آگے فرماتے ہیں
 لِلرِّجَالِ مِثْلُ نَحْوِهَا وَلِلنِّسَاءِ مِثْلُ مَا لَهُنَّ مِنَ الْكُفْرَانِ یعنی مردوں کے لئے حد ہے
 اس شے جو انہوں نے کیا اور عورتوں کے لئے حد ہے جو انہوں نے کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی تناسل
 جہول و عمل میں کوشش کرو۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ۝

ترجمہ: اے نبی! اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شرک فرما دیا جائے اور
 اس کے سوائے اور جتنے گناہ ہیں جنس کے لئے منظور ہو گا وہ گناہ بخش دیں گے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ
 کے ساتھ شرک ٹھہراتا ہے وہ بڑے جرم کا مرتکب ہوا۔

تفسیری نکات

شرک کی حقیقت

فرمایا شرک جس کی نسبت اہم ہے إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ اس کی تعریف یہ ہے کہ کسی کو ستم
 عبادت سمجھا اور عبادت کہتے ہیں کسی کے سامنے نہایت تعظیم و تامل سے پیش آنے کو چنانکہ حق تعالیٰ عہد مطلق و
 مطلق رادق ہیں ان کو غیرت آتی ہے کہ وہاں کے کسی اور سے کے سامنے عبادت تعظیم و تامل سے پیش آنے سے
 اور شخص ہوں ایک ان میں بڑے مرتبے کا ہے اور اس بڑے مرتبہ والے کے کسی سائل کو کچھ دیا اور سائل یہاں اپنی
 معلیٰ کے دوسرے کی ایسی ہی تعریف تو مصلحت کرنے لگے جو اس کے لئے چاہئے تھی تو طبیعت بات ہے کہ معلیٰ کس
 قدر غضبناک ہو گا۔ اسی طرح حق تعالیٰ کو بھی غیرت آتی ہے جو لوگ عبادت پر لایا یا ماضی سے سہل کرتے ہیں اب

دیکھا جائے آپ محض دلیل کچھ کر سوال کرتے ہیں یا کوئی امر اس سے نکلے ہے۔ سو شرکین عرب بھی انہوں کی مہارت
دلیل قریب آگئی کچھ کر کرتے ہیں چنانچہ مذکور ہے **لَا تَقُولُوا لِلَّذِينَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كُفْرُهُمْ شَيْئًا وَلَا يَسْتَرْحِقُونَ** اور شرک
قراردے گئے سو کھینچے کی بات یہ ہے کہ پہلے شیئیں اور صورتیں ہیں مثال سے لائق معلوم ہوگا مثلاً ایک ٹکڑے
میں کے پاس ایک ٹکڑی نہایت بزرگ حاصل ہے ٹکڑے نے اپنا سارا کاغذ بار صلب و کتب اس شیئ کے سپرد کر دیا ہے اور
اس کے کام چھوڑ دیا ہے اور ایک دوسرا ٹکڑے ہے اس کے پاس بھی ٹکڑی ہے مگر ٹکڑے بڑست عادل ہے اپنا کاغذ بار غلو
دیکھتا رہتا ہے شیئ کے ذمہ نہیں چھوڑا اب اگر کوئی شخص اس ٹکڑی بزرگ کے پاس سے جو پہلے ٹکڑے کے پاس ہے اس
کے سپرد سب کام ہے کوئی اور خواست نہیں کرتی کہ یہ کوئی کچھ کر نہیں کر پائے ظاہر ہے کہ ٹکڑی کا کاغذ بار میں وٹیل کچھ کر نہیں
کرسکے گا۔ اور اسی واسطے اس کو خوشدل کرے گا کہ یہ خود سب کام کر ہی گئے کیونکہ ان کے کل کام سپرد ہیں۔ ٹکڑے
قاسم بچھا ہے کو غلطی کے خلاف وہی کرے گا مگر اس شیئ کے خلاف بھی وٹیل نہ کرے گا اور اگر دوسرے ٹکڑے کے شیئ
کے یہاں عرضی وہی جائے گی تو شخص اس خیال سے کہ ٹکڑے بڑست ہے۔ رعب ولا ہے اس کے سامنے کون جاسکا
ہے اس ٹکڑی کے اور یہ سب وہ خواست کرنی چاہئے کیونکہ اس ٹکڑی کا قریب حاصل ہے یہاں ہی نہیں کرے گا کیونکہ
کل کام خود ٹکڑے ہی کا ہے اب دیکھئے ان دونوں صورتوں میں کس قدر فرق ہے تمام اہل حجاز سے اکثر پہلی صورت کا
سارا جڑ کرتے ہیں ان کے افعال عادل سے ظاہر ہے بلکہ شرک نہیں تو اور کیا ہے۔ بخلاف عمل دلیل کھینچنے کے ایسی
شرع شریف میں مہارت غیرانہ جہاں صادق آنے کا کہہ نہتے قسلی ہی کسی دوسرے شرک ہوگا غرض قسلی جہاں مگر بعد
التوسل شرک۔ **إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْلُقُ شَيْئًا إِلَّا هُوَ وَيَخْلُقُ مَا يَشَاءُ فَإِنَّ ذِي الْقُرْبَىٰ لَذِينَ لَا يَأْتِي حُجْرًا فِي مَسْجِدٍ**
کبریا کا خطاب مذکور ہے وہی استحقاق حرام ہے لازم قیاس میں نہیں آتا کیا اس سے وہ شخص خطاب کا مستحق ہو چکا
ہے۔ قیاس خطاب لازم نہیں ممکن ہے حق قضائی ویسے ہی ممکن رہی بانی قیاس کے متعلق آیات
إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْلُقُ شَيْئًا إِلَّا هُوَ سے صاف معلوم ہو گیا کہ سب کا ہوں یہ خطاب لازم نہیں بلکہ شرک و کفر کے کہ
ان یہ خطاب لازم ہے (یعنی شرما) غرض گناہ کبر و قیاس میں خطاب کے معاف ہو سکتا ہے مگر کفر و شرک کا خطاب
بدوں خطاب کے نہیں ہو سکتا اس یہ خطاب لازم ہے اور وہ بھی اہل آباد کے لئے جس کا احتیاط بھی نہ ہو گا یہ لازم
نہیں بلکہ معاف نہ ہو گا نہ خطاب سے بلکہ غیر خطاب کے۔

مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْلُقُ اِلَّا فِطْرًا طَيِّبًا ۚ وَتَخْلُقُوْنَ مَا تَشَاۤءُوْنَ ۚ فَاَلَا تَعْقِلُوْنَ ۚ

مکس کے سوا دوسرے مکناہ جس کے لئے اس میں معاف فرما نہیں گے۔

اس آیت میں بھی حق تعالیٰ نے مغفرت و اجر عظیم کا وعدہ بیان فرمایا ہے کہ کن کن شرطوں کے بعد یہ دونوں حاصل ہو سکتے ہیں سب سے پہلے ایمان و اسلام کو بیان فرمایا ہے یہ اصل شرط ہے اس کا چھوڑنا اصولی جرم ہے یہ ہرگز معاف نہ ہو گا اور اس کے تارک کو بھی نہایت حاصل نہ ہوگی اس کے بعد دیگر شرعی شرائط مذکور ہیں جن کے پورا نہ کرنے سے انسان خطاب کا مستحق ہوتا ہے مگر بعد چھوڑنے نہایت اچانکے گا جس پر لوگ مغفرت و اجر عظیم کے طالب ہیں وہ اس آیت کے مضمون کو بخود ہی نہیں کہ مغفرت کی احوال سے حاصل ہوگی ہم لوگ صرف اسی پر اکتفا کئے بیٹھے ہیں کہ ہم مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئے ہم بھی مستحق مغفرت و اجر عظیم ہو گئے یہ بڑا حق ہے کہ جس نے ہم کو اصلی کام سے روک رکھا ہے جو کہ شرائط کو بھالا بخور پورا کرنا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ

مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ

إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا اور رسول ﷺ کا کہنا اور اہل حق میں جو لوگ اولی الامر ہیں ان کا بھی پورا کر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ و رسول ﷺ کے حوالہ کر دیا کرنا اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو یا مومنین سے بہتر ہیں اور ان کا انجام خوش تر ہے۔

تفسیری نکات

اپنی رائے کی اتباع کی مذمت

غرض ہم لوگوں کی حالت یہ ہے کہ بھائے خدا اور رسول ﷺ کے عہد کا اتباع کرو ہے جس کو روایا کو ترجیح دے رہے ہیں اور ہر شخص اپنی رائے کو پسند کرتا ہے اور بڑا سخت مرض یہ ہے کہ دنیا کے امور میں تو اپنی رائے لگاتے ہیں دین کے اندر بھی کہتے ہیں کہ تادیب دے یہ ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے اور واجبست شعبا مطاعا وھوی مطیعاً و اعتصامات کل ذی وای ہر ایہ فعلیک بخاصة ظلمک یعنی خرافات انسانی کا اتباع لیا جاتا ہے اور ہر شخص اپنی رائے کو پسند کرتا ہے تو ایسے وقت اپنے نفس کی فکر کرو اور عمام کے حال سے غور فرماؤ (امام الامام)

حدیث شریف تحت مسئلہ ہے

اب اس آیت کے اسلوب سے ایک اور امر ضروری معلوم ہوتا ہے اس کو بھی اقتدار کے ساتھ عرض کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں تین اداؤں کی اطاعت کا حکم فرمایا چنانچہ اداۃ پاک کا اور جناب رسول ﷺ کا اور لفظ حق تعالیٰ (جو لوگ تم میں سے جو یہی کام کریں) کی اطاعت کا اور رسول ﷺ کے لئے تو کمر اطاعت والا نے اور اولی الامر کے لئے حکم راہبہا نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی اطاعت علیحدہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت جدا بلکہ اس اسلوب میں ایک قاعدہ کی طرف اشارہ لطیف یہ ہے کہ جو چند کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے لیکن بعض خصوصیات کے اعتبار سے من حیث اختلاف ظاہری کا حکم رکھتی ہے لیکن اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ جیسے قرآن مجید تحت مسئلہ ہے اسی طرح حدیث شریف بھی تحت مسئلہ ہے اور قرآن مجید کے ساتھ حدیث شریف کی اولی الامر کی نہیں کرتا اس لئے لیکن اس اعتبار سے دونوں برابر ہیں کہ جیسے قرآن مجید کے احکام کو ماننا ضروری ہے اسی طرح احادیث سے جو احکام ثابت ہیں ان پر بھی ایمان و ایقان واجب ہے کیونکہ یہاں نیز نہیں کہ جو مسئلہ قرآن شریف میں لیکن جیسے اس کا تسلیم نہیں کرتا بلکہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جو قرآن شریف میں نہیں احادیث سے ہی ثابت ہوتے ہیں (ملاحظہ فرمائیے)

غرض بہت سے احکام احادیث سے بھی ثابت ہوتے ہیں اور بعض مسائل وہ ہیں جو احادیث میں نہیں مگر کتاب و سنت کے ساتھ ہیں اس لئے کہ احادیث و طور سے ہوتا ہے ایک یہ کہ کئی مسئلہ کے متعلق خبر واحدگی بلکہ اس مسئلہ پر اعلان ہو گیا اور دوسرے یہ ہے کہ وہ مسئلہ قیاس سے ثابت تھا اور اس پر اعلان ہوا تو کلی صورت میں تو اعلان کا حق بالنت ہوتا ظاہر ہے اور دوسری صورت میں الحاق اس لئے ہے کہ قیاس ہی تحت ہے جو مسجد من الکتاب و سنت و قرآن و احادیث سے مسجد ہے اور اگر وہ مسئلہ جس پر اعلان ہوا ہے قیاس مسجد من الکتاب سے ثابت ہے تو یہ اعلان حق باکتاب ہے اور اگر قیاس مسجد من سنت سے ثابت ہوا تو حق بالنت ہے اور اسی تقریر سے قیاس کا الحاق بھی کتاب و سنت سے معلوم ہو گیا اس لئے کہ اس میں قیاس و استدلال کتاب و سنت کی موجود ہے اور اس وجہ سے قیاس کو علماء نے منظر کہا ہے ثابت لیکن ما مثبت اصل میں کتاب و سنت ہی ہے لیکن ثابت ہو گیا کہ حدیث شریف میں من حیث اختلاف ہے یہ تھا کہ اعلان و قیاس کے کہ وہ عمل تابع حق ہیں صرف کتاب و سنت کی حجت میں صرف حدیث سے اعتبار سے اس قدر فرق ہے کہ قرآن شریف چونکہ قرآن سے ثابت ہے اس لئے وہ قطعی ہے اور احادیث میں بھی جو حدیث ہیں اس کا بھی یہی حکم ہے ثابت لیکن جو خبر واحد ہیں وہ قطعی نہیں مگر ایمان کا بھی واجب و ضروری ہے باقی میں حضرات نے خود حضور ﷺ سے سنا ہے ان کے حق میں یہ بھی فرق نہیں بلکہ حضور ﷺ کا فرمایا ہوا بھی مثل قرآن ہی کے حجت قطعیہ ہے ہر حال میں حجت میں سب احادیث مشترک ہیں لیکن بڑی صورت سے ان لوگوں پر جو احادیث کو حجت نہیں مانتے وہ جیسے اور سے کرم ہیں اس کا یہی جواب ہے حتیٰ کہ اس میں اور عام شریک کلام میں کھلا فرق ہے عام کلام کے سامنے تو احادیث مثل کلام اللہ کے معلوم ہوئی ہیں بلکہ کلام اللہ کے مقابلے میں جب ذکر کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ کئی دفعہ سے کلام ہے حضرات محمد ﷺ کی شان کی بھی کہ وہ اکثر اپنی فراموشی سے حدیث

موسور اکن کر چکون لیتے تھے کہ یہ موسور ہے بلکہ حق سے موسور ہونا اس کا ثابت ہوتا تھا۔ (احمد داہم)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ
فَرَفَعْنَا فِي الْقُرْآنِ ذِكْرَهُ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ
ترجمہ: اے ایمان والو تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول ﷺ کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ نبی الامیر ہیں ان کا بھی پکارا کر کسی دوسرے میں تمام اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ و رسول ﷺ کے حوالہ کر دیا کہ اللہ تم اللہ پر اور حق است کے ان پر ایمان رکھتے ہو ہے شک و بہتر ہیں ایمان کا انجام خوشتر ہے۔

اطاعت کی دو قسمیں

سب پر حکم پانے کے اللہ تعالیٰ نے جو امر و نہی کا حکم فرمایا ہے وہ کون سے قسم کی امر و نہی ہے اطاعت کی دو قسمیں ہیں ایک تو خدا کی اور ایک بدل سے اور غشی سے خود کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلب دوسری نوع ہے اس لئے کہ اطاعت کا مادہ طرح ہے اور طرح کے حق و طاعت ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اسے ایمان والو اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت و طاعت اور خوش دلی سے کہ غشی پر امر و نہی کے بعد طاعت اور خوش دلی ہو کہ اس سے نہایت منقسم ایمان تھا

لِيُعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (غشی سے اللہ کا کہنا مانو اور غشی سے رسول ﷺ کا کہنا مانو)

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِي مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ

لَهُمْ لَا يَجِدُوا فِيْ اَلْفِيْهِمْ حَرَجًا وَتَمَّ قَضِيَّتْ وَيَسْلُمُوْا تَسْلِيْمًا

ترجمہ: قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایمان نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو شجر واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تقلید کر ان میں ہر اس تفریق سے اپنے دلوں میں غلی نہ پائیں اور جو سے طور پر تسلیم کر لیں۔

تفسیری نکات

حضور اکرم ﷺ کی شان محبوبیت

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِي مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ
یہ آیت اللہ تعالیٰ کے بعد قسم لے آئے اور غشی کا ذکر یہ قرین مقام کے چھوڑ دیا کی یعنی یہ بات نہیں جو منافقین کہتے ہوئے ہیں کہ یہ جو رسول اللہ ایمان کے حکیم الیہ طاعت کو اختیار کریں اور حضور ﷺ کے حکم

سے امراض کریں اور نکل اذیتوں کی کالائیاں بات بات ہے اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ نفل ذکر قصود کے اس کی ضد کی نگی کر دیتے ہیں تا کہ اس سے بیکسوئی ہو کر ذہن خالی ہو جائے اور قصود کی طرف متوجہ ہونے کے لئے آمادہ ہو جائے (شرط الایمان)

یہی فرماتے ہیں کہ اے محمد ﷺ آپ کے رب کی قسم ہے یہاں چند امور قابل غور ہیں ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو قسم کھا کر کیوں فرمایا دوسرے یہ کہ اگر قسم ہی کھاتا تھا تو اپنے استاد میں سے اسم رب کو کیوں خاص فرمایا تیسرے یہ کہ اس کو حضور ﷺ کی طرف کیوں مضاف کیا بات یہ ہے کہ جو مضمون اس آیت میں ارشاد ہوا ہے وہ چونکہ نہایت قابل اہتمام ہے اور قسم کھا کر جو بات کہی جاتی ہے وہی بات ہے کہ وہ اس میں اچھا اثر کرتی ہے اس لئے کہ قسم کھائی باقی رہی یہ بات کہ دو رب کیوں فرمایا اللہ یا واللہ کیوں نہ فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ قصود اصلی اس آیت کا آپ کا مطاع یعنی واجب الاماعت ہونا بیان کرتا ہے چنانچہ الامطاع میں اس کی تصریح ہے اور آؤی دوسرے کی اطاعت کرتا ہے اس کی تین وجہ ہوا کرتی ہیں یا تو احسان کہ انسان کا شفیق امر ہے کہ محسن سے اس کو محبت ہوتی ہے اور یا عظمت شان خواہ محسن بھی نہ ہو چنانچہ حکام کی جو اطاعت کی جاتی ہے اس کا سبب ان کی عظمت ہے اور تیسری وجہ محبت ہے گو خدا احسان کچھ ہوا اور نہ حکومت و عظمت اور محبت کا بھی خود اظہار ہے کہ محبوب کی اطاعت کی جائے۔ جناب برائی تعالیٰ کو۔ و ربک سے حضور ﷺ کا تین وجہ سے مطاع ہونا بیان کرنا منظور ہے۔ (شرط الایمان)

محسن کائنات

فَلَا تُدْرِكُهُ الْبَصَرُ رَءِیٌّ مَعْنٰی ہوا کہ آپ کے سر کی اور تربیت ایک اعلیٰ درجہ کا احسان ہے یہی سر کی بہ معنی محسن ہوا یہی حاصل یہ ہوا کہ قسم ہے آپ کے محسن کی اور ظاہر ہے کہ آپ کی طبیعت اور فطرت ہے عظیم اور طبعی عظیم کا حقیقی یہ ہے کہ اس صلے میں کہ خالق کا اس پر احسان ہے وہ عقل خواہ احسان کرتا ہے یہی اس قاعدہ سے آپ عقل کے محسن ہونے یہ تو محسن ہونا آپ کا قاعدہ عقلمند سے ہوا دوسری وجہ بطور اہل تصوف آپ کے محسن ہونے کی اور بھی ہے وہ یہ کہ صفات عیدہ حقیقت ذات ہادی تخیلی شے لئے ہیں اور مخلوق کے اعداد ان کا عمل ہے مثلاً مخلوق کسی مجرم کا قصور معاف کر دے تو یہ صفت عفو کا پرتو ہے اور اگر کوئی کسی کو کچھ سے تو یہ عفو ہے عفو کا اثر ہے اور یہ مسلم ہے کہ جناب رسول ﷺ تمام افراد بنی آدم میں سے صفات ہادی تعالیٰ کے مظہر اکمل و اتم ہیں یہی صفت احسان کے بھی آپ مظہر اتم ہونے تو آپ تمام جہان کے محسن ہونے اور تربیت کا مظہر چنانکہ ہمیشہ محبت ہوتا ہے اور اس کی اضافت ہے حضور ﷺ کی طرف تو کو یا علی فرمایا فلا و معجک (آپ کے کعب کی قسم) اور

جو خدا کا محبوب اور مقرر کیا گیا ہو وہی محبوب ہونا چاہئے پس آپ کو محبوب بھی ہوئے تو انہیں مقرر کے فساد اور ایک سے آپ کا حکم نشان ہو گا اور اس کو محبوب ہونا سب ثابت ہوا (شرط الامکان)

احکام شرعیہ کے بارے میں دل میں تنگی محسوس ہونا علامت کفر ہے

اسی واسطے کہ حق تعالیٰ نے صرف ﴿يُخَوِّتُكَ﴾ (یہ لوگ اپنے بھلے کا آپ سے تھنہ کر نہیں رہے) کا انھیں فرمایا بلکہ اس کے ساتھ ایک تو یہ فرمایا ﴿لَا يَخِفُّ قَائِلُكَ يَهْدِيكَ اللَّهُ يُنَفِّسُكَ يَتْلُو آيَاتِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَصِيحَةً﴾ یعنی حضور ﷺ کے فیصلے کے بعد اپنے دلوں میں آپ کے فیصلے سے کوئی تنگی نہ پائیں اور پھر ہم وہاں مرج کا یہ دعویٰ بھی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ دوسری بات ﴿وَلَا يَخَافُ فَتْلَانِ﴾ اور ہرے طور پر تسلیم کر لیں (بھی فرمائی یعنی حضرت تنگی قلب نہ ہونے کی یہ ہے کہ اس پر عمل بھی نہایت مضبوطی سے شروع کر دیں ورنہ سداوے سے تو کوئی شخص بھی بے یار نہیں ہے اس لئے اس کی یہ علامت بیان فرمائی یہ حاصل ہے آیت شریفہ کا اس آیت سے اس کا فیصلہ کر دیا کہ ایمان اس وقت تک ممبر نہیں ہوتا جب تک کہ احکام شرعیہ کو دل سے نہ مانے اور کسی قسم کی دل میں تنگی نہ ہو اور اس طرح دل سے ماننے کی علامت یہ ہے کہ کل شروع کر دے اور اگر دل میں تنگی ہوئی یا تسلیم نہ کیا تو ممکن نہیں (شرط الامکان)

حضور مایہ صلوٰۃ اسلام کی شان عظمت و جلال محبوبیت اور محسنیت

اس کے بعد سمجھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ نے ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْبَصَرُ﴾ میں حضور ﷺ کی شانیں بیان فرمائی ہیں عظمت و جلال محبوبیت محسنیت چنانچہ تعصبات اول گذر چکا ہے اور آگے قصود کے اندر بھی تھیں امر کا بیان ہے اول ﴿يُخَوِّتُكَ﴾ (یہ لوگ آپ کو حکم پائیں) اور سرے ﴿لَا يَخِفُّ قَائِلُكَ يَهْدِيكَ اللَّهُ يُنَفِّسُكَ يَتْلُو آيَاتِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَصِيحَةً﴾ (یعنی آپ کے فیصلے کے بعد اپنے دل میں تنگی نہ پائیں) ﴿وَلَا يَخَافُ فَتْلَانِ﴾ (پھر ہرے طور پر تسلیم کر لیں) یہ تین امر حضور ﷺ کے اوصاف محو سابقہ پر عرب معلوم ہوتے ہیں۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ عظمت نشان پر ﴿يُخَوِّتُكَ﴾ (یہ لوگ آپ کو حکم پائیں) اتنی ہے اس لئے کہ حاکم اس کو مانتے ہیں جو حکیم نشان ہوا اس مقام پر ایک امر قابلِ غور ہے کہ آج کل لوگوں نے یہ شیعوہ اختیار کیا ہے کہ احکام شرعیہ کی تطہیر اور یافت کرتے ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے حالانکہ احکام مطلقیت کی وجود و دیانت نہیں کرتے سو اس کی وجہ بھی ہے کہ احکام کی عظمت قلب میں ہے اور حضور ﷺ کی عظمت نہیں ہے عظمت وہ نئے ہے کہ عظمت کا سوال تو کیا معنی ظہر بھی اس کا نہیں آتا۔ کبھی کسی نے اس کی وجہ دیانت نہیں کی کہ سر سے کاکت اگر خطا پر لگا کر ڈاک میں چھوڑ دیا جائے تو خطا بے رنگ کیوں ہو جاتا ہے۔ حالانکہ محصول پورے سے بھی زیادہ ہے اگر کوئی پوچھے بھی تو جی جواب دیتا ہے کہ سرکاری حکم ہے۔ بخلاف احکام شرعیہ کے کہ اس میں ہر مسئلے کی عظمت

پہنچتے ہیں یہ صاف دلیل ہے کہ حاکم شرع کی دل میں عظمت نہیں ہے، صاحبزادوں سے ہے کہ مسلمان ہو کر احکام میں چلے جا کر اور اَلْاَمْرُ بِالْعَمَلِ وَالتَّحْقِيقُ بِطَرَفِ الْحَقِّ (یعنی آپ کے فیصلے کے بعد اپنے دلوں میں لگی نہ جائیں) عموماً یہ کہ تحقیقی ہے کہ محبوبِ محبت کو اگر یہ کہے کہ اپنے سر میں جو تیاں داتے ہوئے بازار میں نکل جاؤ تو اگر محبت صادق ہے تو اس سے عار و ننگ نہ کہے گا اس لئے کہ محبت کا یہ نام ہے کہ عار و ننگ نہیں، ہا کرتی جگہ یہ بھی ثابت ہو جائے کہ یہ امر عقل کے خلاف ہے تب بھی اس کے اعتقاد میں کوئی گنجی نہ ہوگی بلکہ گنجی تو کیا اس امر کو بچہ فخر سمجھتا ہے اور فِی کُلِّ مَلَاکَئِیْمَہٍ (پارے طور پر تسلیم کر لیں) تسبیح پر حضور ہے کہ طبعی تسلیم کا تحقیقی محسن کے امر کو تسلیم کرنا اور اس میں چلے جانا نہ کہ اس مقام پر ایک طالبِ طہارت ہے کہ کیا اگر ان امورِ عطا شدہ میں سے کوئی امر کسی کے اندر مسترد ہوگا تو وہ مومن نہ ہوگا۔ بات یہ ہے کہ تحکیم اور عدم و جہانِ حرج اور حلیم کے مراتب مختلف ہیں۔ جس مرتبے کی تحکیم اور عدم و جہانِ حرج اور حلیم ہوگی اسی مرتبے کا مومن ہوگا اور مراتب میں ایک مرتبہ اعتقاد کا ہے اللہ نے کہ سب مسلمانوں میں یہ مرتبہ امورِ عطا شدہ کا موجود ہے اور یہ کوئی ایمان ہے اگر کسی کے اندر مرتبہ اعتقاد میں بھی یہ امور نہ ہوں تو وہ واقعی مومن نہیں دوسرے مرتبہ ملل کا ہے کہ امورِ عطا شدہ پر عمل بھی ہو یعنی اپنے عقائد و امتدادات میں شریعت کی طرف رجوع ہو عقلاً گنجی نہ ہو اور اس پر عمل ہو اگرچہ طبعاً گنجی ہو اور یہ اوسط درجہ ایمان کا ہے تیسرا مرتبہ طبیعت کا ہے یعنی امورِ عطا شدہ میں جو جائیں یہ باطنی درجہ ایمان کا ہے اور یہاں مومن اکمل ہے بہر حال جیسے ایمان کے درجہ بات ہیں ایسے ہی ان امور کے بھی درجے ہیں اب ہر شخص کو اپنے اندر خود کر لینا چاہئے کہ میں کسی درجہ کا مومن ہوں اور کسی درجے کی ضرورت ہے ظاہر ہے کہ ضرورت تو ہر مطلوب میں کمال ہی کی ہے اب اپنی حالت دیکھئے کہ اگر صرف درجہ اعتقاد کا ہی ہے تو اس کو کو مومن کہا جائے گا لیکن کمال ایمان کے اعتبار سے وہ مومن نہ کہلائے گا اور عرفاً بھی وہ مومن نہ کہلائے گا تحقیقی نہیں ہے دیکھو اگر کسی کے پاس ایک درجہ ہے تو اس کو خدا نہیں کہتے بلکہ اسی کو کہتے ہیں جس کے پاس بہت سارے درجے ہیں ایسے شخص کو کمال کی طرف ترقی کرنا چاہئے۔ صاحبو! غضب کی بات ہے کہ کمال دینا اگر عقل ہو تو اس پر توقاعت نہیں اور ہر وقت یہی فکر ہے کہ یہ بڑھ جائے اور دین کی ترقی کی فکر نہیں

لَوْ بِالْمَلُوكِ يَلُومُنِي الدِّينَ قَدْ قَنَعُوا وَمَا لِرَاهِمَ رِضْوَانِ الْعِيشِ بِالْذُنُوبِ
(پادشاہوں کو، دین کا مدعی نہ کہیں، میں نے ان کو نہیں دیکھا کہ قتل و دباؤ نہیں نے انکا کیا ہو)
فَلَا تَسْتَفِنَ بِالْمَلِكِ عَنِ دُنْيَا الْمُلُوكِ كَمَا اسْتَغْفَنِي الْمُلُوكُ بِدُنْيَا هِمَ عَنِ الدِّينِ
(سو تم دین کی وجہ سے پادشاہوں کی دنیا سے مستغنی نہ ہو جیسا کہ پادشاہ اپنی دنیا کی وجہ سے دین سے مستغنی ہیں)
مَا لَكَ دِينَ كَمَا لَكَ دُنْيَا سَازِغًا سَازِغًا سَازِغًا سَازِغًا سَازِغًا سَازِغًا سَازِغًا سَازِغًا سَازِغًا سَازِغًا
وہاں حرج اور حلیم کا درجہ کمال ہو (شرعاً ایمان)

کامل ایمان کامل ہی پر مرتب ہو سکتا ہے اور تمام تمام امور و ذرائع میں یہی قاعدہ ہے۔ اسی لئے عبادات میں شرات ہی پر نظر کر کے جو طریق قریب خیر و مطلوبہ میں یا جس کو عبادات میں کامل ہی قرار دیا جاتا ہے چنانچہ کسی کو مالدار کیا جائے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اگر کسی کے پاس ایک کوڑی یا ایک سو تھو وہ بھی مالدار ہے اگرچہ اس حالت میں بھی مالدار کا اطلاق اس پر ہوگا ہے لیکن اپنے مالدار کو دیکھئے آپ اس شخص کو بھی مالدار نہیں سمجھیں گے۔ علیٰ ہذا جتنی صفات ہیں سب میں یہی قاعدہ جاری ہے کہ جب صفت کا اطلاق کسی چیز پر کیا جاتا ہے تو اس کا کافی درجہ بلکہ اوسط درجہ بھی مراد نہیں ہوتا بلکہ کامل ہی درجہ مراد ہوتا ہے جیسے شہناختی حسین و غیرہ کہ ان معنوں میں اور انی درجہ والے کو شہناختی حسین نہیں کہہ سکتے جب یہ بات ہے تو ممکن ہوتا بھی ایک صفت ہے اس کا اطلاق بھی عبادات میں کسی شخص پر بھی کیا جائے گا کہ اس میں صفت ایمان کی پہنچ کمال موجود ہو ورنہ آپ کے عبادت کو کہے مداخلی اس پر مدہ ایمان کا اطلاق اقرب ہوگا تو پھر وہی بات لوٹ آئی کہ ہم سے جس ایمان کا مطالبہ کیا گیا ہے وہ ہم میں موجود نہیں تو پھر کس بات سے دل غفلت کیا جائے اگر قیامت کے دن یہی سوال ہو کہ ہم نے تم سے جس صفت ایمان کا مطالبہ کیا تھا وہ تم نے حاصل کی یا نہیں تو کیا اس کے جواب میں آپ اس ضعیف اور ناقص ایمان کو نہیں برآپ خود عدم کا حکم لگا چکے ہیں غفلت کر سکتے ہیں۔ اور اگر آپ فرض فحش بھی کر دیں اور اصرار ہے کہ کیا جائے کہ تم اپنے واسطے تو یہ صفت کا اطلاق اس وقت کافی سمجھتے تھے جبکہ وہ کمال کے درجہ میں موجود ہو اور ہمارے مقابلہ میں یہ صفت ناقص کس حد سے غفلت کرتے ہو تو کوئی صاحب ذہن سے اچانک مجھے بتائیں کہ اس کا کیا جواب ہوگا۔ میرے نزدیک کچھ جواب نہیں ہو سکتا۔ فرض جب مالدار ایمان بلا ہو جانے کے کا عدم ہے تو وہ حضرت حق کے سامنے غفلت کرنے کے قابل ہے نہ اپنے ہی دل کی غفلت کے لئے کافی ہے مگر پھر بالکل نہ جانے سے جیسی کافور کی حالت ہے ناقص ہی ہونا قیامت ہے جہاں ہمارے سامنے کام ناقص ہیں ایمان بھی ناقص کسی اس طرح دل کو کھانا کوئی جزو ایمان کا ہے ہی اگر نہ ایمان پر بھی ایمان موجود ہے تو اس شامائے دہلی اپنا اثر ضرور دکھائے گا۔ **فَتَنَّا فِتْنَتَيْنِ وَظَلَمْنَا ظُلْمًا كَثِيرًا وَكُنَّا عِتْدًا اَعْدَاءَ كَثِيرًا سِوَاكَ اَعْدَاءَ تَنَاهَاتِ** ہوئی جائے گی اور جی کہ بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے اگر وہ ہمارے ضعف اور اپنی قدرت پر نظر فرما کر رحم فرما دیں تو ان لوگوں کو کئے والا ہے اس کے علاوہ ایک اور امید گاہ ہے وہ یہ کہ ہم کو محض اپنے فضل و کرم سے اپنے محبوب کی امت میں پیدا کیا ہے اس سے بہت کھامیہ ہوتی ہے کیا محب ہے کہ پہلے ہی سے رحمت ارادہ ہو۔

رسول اکرم ﷺ کی محبوبیت کے دلائل

اور حضور ﷺ کی محبوبیت کے مستقل دلائل تو ہیں ہی طور اس آیت میں اس محبوبیت پر ایک عجیب دلالت ہے وہ یہ کہ اس آیت میں یعنی **فَلَوْلَا رَحْمَةُ رَبِّكَ لَأَمَسْتَ مِنْ ذَاتِ النَّارِ** ہے اور انہوں نے اپنی ذات کی قسم کھائی مگر ایک

عجب عنوان سے جو حضور کی محبوبیت پر دل ہے۔ کیونکہ تم کے لئے تو اور بھی اطلاع ہو سکتے تھے مثلاً واقعہ تاحہ جبراک اور دوسرے مقامات پر موجود ہیں۔ لکن لفظ "تَحَاتُّ" آئی انہی میں "تَحَاتُّ" یعنی یہ حق تعالیٰ سے قسم کھائی اپنی یا بیٹھاپن ہی فرما دیتو نفسی و اعلیٰ ذلیل مگر سارے عنوان کو چھوڑ کر یہ عنوان اختیار کیا فلکاً و زکلاً جس کے معنی ہیں قسم ہے آپ کے رب کی اور ظاہر ہے وہ رب علوی ہیں تو معنی یہ ہوئے کہ مجھے اپنی قسم ہے کہ اس حیثیت سے کہ میں آپ کا رب ہوں کیا ٹھکانا ہے حضور کی محبوبیت کا کہ حضرت حق اپنی ذات کی قسم میں الذات نہیں کھاتے بلکہ اس حیثیت سے قسم کھاتے ہیں کہ وہ رب ہیں۔ حضور کے اس اطلاع کو ان سالک محبوبیت کے معنی ادا کرنے کے لئے ہو سکتا ہے۔ اور بظاہر تو یہ خیال میں آتا ہے کہ اگر اس قسم کے موقع پر وہ رب العظیم فرماتے تو باخبر موقع کے بہت اطلاع ہوتا کیونکہ جس بات پر قسم کھائی گئی ہے وہ حضور کی ذات سے متعلق نہیں بلکہ ایک مسئلہ بتاتا ہے جس میں ایمان کے معیار کو ظاہر کیا گیا ہے اور جس کا تعلق مدۃ الناس سے ہے تو اس موقع پر یہایت عامہ کو چلنا زیادہ مناسب تھا۔ لیکن بجائے اس کے یہ عنوان اختیار کیا گیا کہ رب العالمین کی جگہ وہ رب فرمایا گیا جس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جگہ معیار ایمان کا بھی ہے کہ حضور کے فیصلہ کو بدل و جان تسلیم کیا جاوے جو اس کے لئے بھی زیادہ مناسب تھا کہ لوگوں پر یہ بات ظاہر کر دی جائے کہ اس تعالیٰ کے نزدیک حضور ﷺ کا مرتبہ جس کی ظاہر آپ کے فیصلہ کا تسلیم کرنا ہے کیا ہے جب یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ حضور کا مرتبہ حق تعالیٰ کے نزدیک یہ ہے تو حضور کے فیصلہ کی ہماری وقعت ہوگی اور اگر ہر کسی کی یہ بھال نہ ہوگی کہ اس کو بخوشی تسلیم نہ کرے اس واسطے وہ زکلاً فرمایا گیا جس میں قسم کے ساتھ حضور ﷺ کی عظمت بھی ظاہر ہو گئی یعنی یہ ظاہر ہو گیا کہ حضور کا وہ جاس حد تک پہنچا ہوا ہے کہ حق تعالیٰ اپنی قسم لگاوا اس لحاظ سے کھاتے ہیں جو حضرت حق کو حضور کے ساتھ ہے اور یہ لحاظ اتنا بڑا ہے کہ جب مدۃ الناس کو اس کی اطلاع ہو جائے گی تو ہر حضور کے فیصلہ میں ان کو کسی چون و چرا کی گنجائش نہ رہے گی۔ اس بیان سے اس کا کتبہ واضح ہو گیا کہ حق تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کی قسم حضور کے لحاظ سے کیوں کھائی اب ایک سوال اور باقی رہتا ہے وہ یہ کہ اس تعالیٰ کو حضور ﷺ سے تو کسی قسم کے تعلقات ہیں مختلف سب سے جو احاطہ اور بہت کا ہے جو احاطہ اس سے ہوتا ہے جو دیکھ کے والہیک کیوں نہ فرمایا ایمان اللہ قرآن کی بلاغت قابل ملاحظہ ہے چنانچہ اس میں بھی ایک جگہ ہے جو اس وقت کھ میں آیا اور یہ آپ کو لوگوں کی برکت ہے بعض وقت بیان کرنے والا بالکل غلبہ اللہ میں ہوتا ہے مگر سامعین کی طلب اور کشش کی برکت سے اس کے قلب میں کسی نے مضمون کا لفظ ہو جاتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ اس کی چھاتیوں میں وہ اس وقت آتا ہے جب پیٹے والا ہو جاتا ہے جس کی بابت مولا فرماتے ہیں۔

تا نہ گریہ کے قدر و چمن تا مگر یہ طفل کے جو شدہ لہن

یعنی جب تک بال نہیں رہتا جن سرخیز و شادات نہیں ہوتا اور جب تک بچہ نہیں رہتا اس کے پستانوں میں روئے نہیں رہتا اور جب تک روئے نہیں رہتا اس کے دھبے نہیں آتے۔

اصل موثر فضل الہی ہے

فرض حاصل یہ ہوا کہ پستانوں میں روئے پہنچنے والے کی کشش سے آیا مگر اس پر آپ فرمادہ ہیں کہ تم ایسے طالب صادق اور حریک ہیں کہ ہماری طلب سے مضامین کا لقا ہوتا ہے کیونکہ محض آپ کا یہ خیال کر لینا آپ کے دوسرے کے لئے کافی نہیں ہو گا جب یہ کہ بچہ کی طلب اور کشش سے روئے بھی آتا ہے جب کہ بچہ کی چھاتی میں موجود ہو کسی بچے کے اور میر سوئی گڑی میں سے تو روئے نکلا لیکن فرض اس میں آپ کی کشش کا بھی اثر ہے مگر اصل موثر فضل الہی ہے بہر حال یہ کچھ اس حجت کچھ میں یاد رہے کہ اگر والہک فرماتے تو اس میں اتنی لطافت نہ پیدا ہوتی جتنی کہ ذکر لفظ کے لفظ میں پیدا ہوئی کیونکہ صفت الوہیت کا عین الہی ہے کہ تمام عالم بحیثیت عبد ہونے کے بلا چوں اور جلالہ سارے حقوق بندگی کے لدا کر یہ تو الوہیت کا تعلق ایک حاکم اور تعلق ہے کوئی فقہانہ تعلق نہیں۔ بر خلاف صفت الوہیت کے کہ وہ خلق نہ تعلق ہے تو ربک کے معنی یہ ہونے کہ ہم اس علاقہ سے قسم کھاتے ہیں جس کی رو سے ہم تہماری خاص رعایتیں کرتے ہیں۔ اب کچھ میں آگیا ہوا کہ لفظ والہک و ربک میں کیا فرق ہو۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان محبوبیت

اب غور کیجئے کہ جب حق تعالیٰ خود ہی حضور کی خاص رعایتیں فرماتے ہیں تو حالت ایساں کا کیا منہ ہے کہ وہ حضور کی رعایت نہ کریں اور اس رعایت کی حقیقت اور حقوق جس کا حاصل اطاعت ہے مشکل رہا کیلئے سے ثابت ہے اور خود اس آیت میں بھی ہے **وَمَا يَكْفُرُ لَكَ** اس سے حضور کی محبوبیت کی تاکید پر اور تاکید ہو گئی کیا اطاعت ہے قرآن کی کہ ایک ایک لفظ ایک ایک حرف اس کا معنی کی لازمی کی طرح پر دو یا ہوا ہے فرض یہ آیت حضور کی شان محبوبیت سے لبریز ہے جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو اپنے ایسے محبوب کی امت میں پیدا کیا ہے تو اس سے جس قدر لطف و کرم کی ہم امید رکھیں اور ہر صورت سے کم ہے کہ ہماری حالت اس قابل نہ ہو۔

یا رب تو کریم و رسول تو کریم صد شکر کہ مقیم مہمان دو کریم

اسے بد بھی کریم ہے اور تیرا رسول بھی کریم ہے تنگدوں شکر کہ ہم وہ کریموں کے درمیان ہیں۔

اصل بیان یہ تھا کہ حق تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں مومن ہونے کا وسیعہ اور دل میں ایمان ہونے کا نشان بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے **وَمَا يَكْفُرُ لَكَ** یعنی یہ لوگ مومن جب ہی کہنا نہیں گئے جب کہ آپ کو ہر بات میں اپنا حکم قرار دیں اور اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ فرماتے ہیں

لَوْلَا تَعْمَلُونَ فَاِنَّ اَتَقُوهُمْ فَرَقَدْتُمْ اَوْ لَوْ كُنْتُمْ اٰتِلِيْنًا لَفَسَدَتُمْ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ عِندَ رَبِّكُمْ كَاذِبِيْنَ۔

مطلب یہ ہوا کہ آپ کے لے لے کر میں اور دل سے غریبی کے ساتھ اسے تسلیم بھی کریں خواہ کوئی تفسیر ہو حضور ہی کی طرف سے اس میں رجوع کریں خواہ وہ حق سلطنت ہو یا حق دشمن اور خواہ حق مشترک ہو یا منفرد حتیٰ کہ حقوق بہائم میں بھی حضور ہی کی طرف رجوع کریں اور حضور ہی کے لے لے کر میں جو حضور تائیں اس کو بے غلبہ خاطر تسلیم کریں اور اس کے موافق عمل کریں اور یہ تلا حضور کا صواب کے لئے تو بلا واسطہ تھا مگر اہل اس لئے واسطہ ہے کہ حضور ﷺ اب موجود نہیں مگر دین کا سارا کام چل رہا ہے اور قیامت تک چلا جائے گا جیسا کہ مولا فرماتے ہیں

چونکہ کل وقت و گنتان شد غراب بوسے گل ما از کہ دریم از گلاب

چوں کہ شد غرض شد و بار کردار چاہہ بود در مقابل جز چار

جب پھول کا موسم چلا گیا اور گل باڑ گیا تو اب چھوٹی تنہا قبول ہے ہاں پھول سے اثر ایسا ہی موجود ہے جب سورج غروب ہو گیا اور دم نہ رہا تو اب اس کی جگہ میں سوائے چار کے چارہ کار نہیں ہے۔

اسلام کیلئے صرف اعتقاد کافی نہیں

فرمایا اسلام کے لئے صرف اعتقاد کافی نہیں اور اطاعت ہوئی چاہئے۔ ہر قانون کھسا ہر قانون اہلہ ہم ابو طالب حضرت ﷺ کے بہت صحابہ تھے مگر مسلمان نہیں تھے بلکہ اسکو حکم دیا شجرہ بیہم ہم لا یجدوا الی انفسہم حرجاً مما قضیت و یسلموا تسلیماً یہ ہونا چاہئے جب اعتقاد ہے تو کیا مسلم کیوں نہیں کہتا یہی تو کفر ہے۔ (الحکات مجید ص ۵۵)

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ

عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ

وَحَسَنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا

ترجمہ: اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے شخص میں ان حضرات کیساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء و صدیقین و شہداء اور صالحین یہ حضرات ان کے رفیق ہیں۔

لے سکتے ہیں ہمارے لئے تو ان کی سمیت جمعیت ہی باعث قرب ہے اور یہی ہمارے لئے اہل اللہ ہے۔ ہمارے لئے ان شاء اللہ یہ ضرور حاصل ہوگی۔ اس لئے کہ یہ سمیت قرآن شریف سے جو کفر نفس قطعی ہے اجرت فرماتے ہیں **وَمَنْ يُؤْمِرْ بِهِمْ فَاتُخَفَّفَ عَنْهُ مِنَ النَّارِ إِنَّهُ يَكُونُ مِنَ الْعَاقِلِينَ وَالَّذِينَ يَقُولُوا قَوْلَهُمْ وَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ** **وَحَسْبُ لَكُمْ فِيهِ آيَاتٌ** آیت میں اللہ رسول کی اطاعت کرنے والوں کے لئے ان حضرات کے ساتھ سمیت اجرت کی گئی ہے جن پر خدا کا انعام ہوا اور ہم علیہ کون ہیں؟ یقیناً احمد بن حنبل و شہداء و صالحین کو بطریق جمعیت ہی ہو کر یہ بھی تکلیف دی بات ہے۔

فی الذلک لیسے جو کافی ہو مر جلیل ہمیں کہ کالیہ گل خود میں است

فی الذلک تمہارے ساتھ مجھ کو نسبت ہی کافی ہے جلیل کو بھی کافی ہے کہ گل کا قافیہ ہو جائے۔

اگر اللہ پر سمیت نصیب فرمادیں تو بہت ہی بڑی خوش قسمتی ہے یہاں تک کہ کو نصیب ہوتا ہے۔

الحمد للہ کہ صالحین کے لفظ کے حقیقی ایک بہت بڑا معنی ہے ہوا اب میں بیان قسم کرتا چاہتا ہوں جو اصل دعا ہے اس کے لئے دوسرے کے قرین معانی نے فرمایا ہے **لَوْ كُنْتُمْ مِنَ الْعَاطِلِينَ** جس کا ترجمہ یہ ہے کہ یہ لوگ صالحین میں سے ہیں اور لفظ اولیٰک کا شمار اہل دل کتاب کی وہ دعا ہے جس میں یہ منجات ہوں **لَا تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ هُمْ شُرَكَاءُ لِلَّذِينَ هُمْ لَا يُخَالِفُونَ** **وَيَتَوَكَّلُونَ عَلَى الْكَافِرِينَ فِي الْغُيُوبِ** **لَوْ كُنْتُمْ مِنَ الْعَاطِلِينَ** **هَؤُلَاءِ كَانُوا** **مِنْ** **الْمُتَكِبِّينَ** اس قسم میں خصوصیت فعل دل کتاب کی نہ بھی چاہے کیونکہ کوسود آیات کا نام ہو مگر قوم الفاظ طاعت سے ہم عام ہوا کرتا ہے جس کا حاصل یہ ہوا کہ اصلاح کامل اس شخص کو نصیب ہو سکتی ہے جو ان منجات کے ساتھ متصف ہو گیا اور وہ ان کے حق میں ہم بیان کر کے اس است کو بھی بتاتا ہے کہ اگر اصلاح کامل چاہے ہو جس سے انہما بشیہم اسلام کی رفاقت نصیب ہو تو یہ منجات حاصل کر جو آیات میں مذکور ہیں اور عام ان سب کی حضور ﷺ اور وحی کی اتباع ہے چاہے وہ واسطہ ہو یا بلا واسطہ اس طرح سے کسی حالت میں اپنی رائے کا اتباع نہ کیا جائے چنانچہ اہل کتاب کی دونوں جماعتوں میں جو ایک کی تحریف اور ایک کی مذمت فرمائی گئی ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ جس جماعت کی مذمت ہوئی انہوں نے حضور کا اتباع نہ کیا اور اپنی رائے کو کافی سمجھ کر اس پر عمل کرتے رہے اور دوسری جماعت نے اپنی رائے کو چھوڑ کر حضور ﷺ و وحی کا اتباع کیا۔ اب انہیں واقعات سے لوگ اپنی حالتوں کا موازنہ کر لیں کہ کہاں تک ان میں وحی الہی اور حضور ﷺ کا اتباع ہے اور کہاں تک خود رائی ہے۔

إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا

﴿تَعْلَمُ﴾: ہے۔ کید شیطانِ قہر بھرتی ہے۔

تفسیری نکات

فرمایا بعض نے استنباط کیا ہے کہ عورتوں کا کد شیطان سے بھی بڑھا ہوا ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے (۱) ان کید الشیطان کان ضعیفا (۲) ہے کید شیطان کا کد کمزور ہے (۳) میں شیطان کے کید کو کد ضعیف فرمایا اور (۴) ان کید کن عظیم (۵) ایک تمہاری چالاکیاں غی غصب کی ہوتی (۶) میں عورتوں کے کید کو عظیم فرمایا مگر میرے یہ استنباط درست نہیں شیطان کے کید کو حق تعالیٰ کی قوت کے مقابلہ میں ضعیف فرمایا جیسا کہ آپ کے شروع سے معلوم ہوتا ہے (۳) اللہم امنوا یقاتلون فی سبیل اللہ والذین کفروا یقاتلون فی سبیل الطاغوت فقاتلوا اولیاء الشیطان (جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کے رستہ میں قتال کرتے ہیں ان کا غروں سے جو شیطان کے رستہ میں لڑتے ہیں میں شیطان کے دوستوں سے قتال کرو) ورنہ عورتوں کو تو خود شیطان ہی شیطان بنا ہے۔ تو اس کا کید ان سے زیادہ ہے۔ (ملفوظات حکیم مسیح علیہ السلام ص ۱۴۸)

چالاکی اور عقل دونوں الگ الگ ہیں

فرمایا چالاکی اور چر ہے اور عقل اور چر چالاکی تو مذموم ہے اور عقل محمود ہے۔ کیونکہ کن عظیم (۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں میں کید اور چالاکی بہت ہے اور ہر آدمی اس کے ان کو حسن ناقصات العقل والذین فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

وَاِذَا جَاءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوْ الْخَوْفِ اَلَا اَعْوَابُهُمْ وَاَلَا نُزِدُ لَهُمْ اِلَى الرَّسُولِ وَاِلَى اُولَى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلَّهُمُ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ مِنْهُمْ هُمْ
وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ لَفَسَدَتُمْ وَاَرْحَمُهُ لَا تُبْعَثُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

ترجمہ: اور جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچی ہے تو وہ امن ہو یا خوف تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ اس کو رسول کے اور جہاں میں رہے یا سو روکھتے ہیں ان کے لوہے جلا کر کھینچ کر اس کو اور حضرات پر بھیج دیے جہاں میں اس کی تحقیق کر لیا کرتے ہیں اور اگر تم لوگوں پر خدا کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم سب کے سب شیطان کے ہی رہ جاتے بجز قلیل سے سے آدمیوں کے۔

تفسیری نکات

احوال منافقین

سہ منافقین کی یہ کیفیت تھی کہ جیسی خبروں کو پہنچی مشہور کر دیتے یہ خیال کرتے کہ ان ہی خبر عوام میں شائع کرنے کے قابل ہے اور کوئی شخص سب خبروں کو یکساں شائع کر دیتے ہیں حق تعالیٰ اس بہت پر ان کی اس آیت میں شکایت فرماتے ہیں اَلَا جَاءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوْ الْخَوْفِ اَلَا اَعْوَابُهُمْ آگے ان کو مشہور دیتے ہیں وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ لَفَسَدَتُمْ اَلَا اُولَى الْاَمْرِ وَ اُولَا الْاَمْرِ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ مِنْهُمْ ۝ ۱۰ اور اُولَى الْاَمْرِ (یعنی جن کے ہاتھ میں حکومت کی ہمارے پاس اور صاحب اختیار اور ترجمان ہیں ان کے حوالے کر دیتے ہیں جن میں قوت استنباط ہے وہ ان خبروں میں استنباط کرنے کے لیے قابل شاعت ہیں یا نہیں اور پھر یہ منافقین ان کی اس آیت کے مواقع مل کرتے۔

میں جب معمولی خبروں میں قوت استنباط کی ضرورت ہے اور ہر شخص اس کا اہل نہیں بلکہ اہل استنباط کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہے تو جو کام کا محض اور دقیق ہیں ان میں کیسے ہو سکتا ہے کہ ہر شخص ان کو سمجھ لے اور ان سے استنباط کی طرف رجوع کرنے کی اس کو ضرورت نہ ہو بلکہ وہ ہے کہ احکام کے سمجھ اور اس کے اندر استنباط کرنے کو عام طور سے ہر شخص قرار دیا گیا کہ ہر شخص ان کو کہے جس سے قرآن شریف کا محض ہے اور ہر احمد کبیر کا حصہ ہے جس میں ترقیب و ترمیم اور عقائد کا بیان ہے اس میں کچھ غلط نہیں ہر شخص اس کو سمجھ سکتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَنْ يَخْلُقْ لَكُمْ السُّبْحَانَ الَّذِيْ يَخْلُقُ السُّبْحَانَ الَّذِيْ يَخْلُقُ السُّبْحَانَ (اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو موصیٰ ہو کر کہے کہ وہ قابل کی سزا ہے کہ وہ قابل ہمیشہ ذرا غلط کرے گا)

قتل عمد کی سزا

قرآن کا مطلب بعض لوگوں نے بھی سمجھا ہے جو بظاہر آیت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ قاتل ہمیشہ مردِ حق میں رہے گا لیکن محققین نے دوسرے مطلب لیا ہے۔ یعنی اس آیت میں جو حق تعالیٰ نے جس جرمِ ذمہ لایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یعنی اس قاتل کی فی نفسہ تو سزا ہی تھی کہ قاتل ہمیشہ مردِ حق ہے لیکن یہ سزا ہی نہیں پائے گی بلکہ اس سے ہلکی سزا دی جاوے گی کہ ایک عرصہ وہ قاتل کو جہنم میں رکھا جائے گا جیسے کہ دوسری خصوصیاتِ تعقیب میں تصریح ہے۔ باتِ حق تعالیٰ مشہور حضرت ابنِ عباسؓ ہی کے قائل ہیں کہ قاتل عمر کو قتل ہوا لیکن ان سے تاویل رجوع بھی حصول ہے یہ بات طالبِ علموں کے سمجھنی ہے۔

ہر اخبار کی اشاعت کی مضرت

میں نے یعنی جامع نے ایک مولوی صاحب سے پوچھا تھا جو بہت اہلِ ہندو کہتے تھے تو ان مولوی صاحب نے جواب دیا کہ اس سے عقلِ بدھتی ہے یہاں دوسری معلومات پیدا ہوتی ہے میں نے کہا کہ اس واسطے مطالعہ کرتے ہیں اہلِ ہند جن کو کلمہ سمجھنے نہیں اس پر مضرت ملانے فرمایا کہ ہر اہلِ ہند کی اشاعت کی مضرت تو قرآن مجید میں موجود ہے۔

قَوْلُهُ تَعَالَى وَكَانَ لَكُمْ لِكُلِّ شَيْءٍ قَوْلٌ مِّنْ لَّدُنَّا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ اَلَمْ يَكُنْ لَّكَ لِكُلِّ شَيْءٍ قَوْلٌ مِّنْ لَّدُنَّا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ اَلَمْ يَكُنْ لَّكَ لِكُلِّ شَيْءٍ قَوْلٌ مِّنْ لَّدُنَّا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ اَلَمْ يَكُنْ لَّكَ لِكُلِّ شَيْءٍ قَوْلٌ مِّنْ لَّدُنَّا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ

کہ جب ان لوگوں کو یعنی منافقین کو کسی امرِ بدیہ کی خبر پہنچتی ہے تو خواہ وہ مذہبِ انہوں ہو یا مذہبِ خوف تو اس خبر کو فوراً مشہور کر دیتے ہیں حالانکہ وہ بعض اوقات لفظِ حق ہے اور اگر گریج بھی اوجب بھی بعض اوقات اس کا مشہور کرنا خلافِ مصلحت انتظامی ہوتا ہے۔ اور اگر یہاں خود مشہور کرنے کے یہ لوگ اس خبر کو رسولِ مصلحت کی اور جو حضرات صحابہؓ میں سے ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان کی رائے کے اوپر دیکھتے اور خود عملِ بدیہ تو صحت و قطعی ہونے کا اور قابلِ مشہور ہونے نہ ہونے کا وہ پورا اعجاز کر سکتے اس کی ہماری تحصیل تو تمہیر میں دیکھ لینے کے قابل ہے یا کسی عالمِ تحقیق سے سمجھنی چاہئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اخبار کے باوجود مشہور کرنے کی ممانعت قرآن مجید میں موجود ہے اور حدیث میں بھی اور وہ ہے کھلفی بالعرفہ کھلفا ان بحدت بکل ماصبح (انسان کے جھوٹ ہونے کے لئے کافی ہے کہ جو سنے (اسے اسے بغیر تحقیق کے) بیان کر دے) (الحکمۃ بحکمہ ص ۱۵۷ ص ۱۵۸)

وَاللَّهِ رَاجِعُونَ کا مشابہہ کا مراد کیا جائے یعنی موت کا اور موت کے واقعہ حدیث میں ان مشابہہ سے فرض ہے محلِ عمل کافی نہیں مگر یہ تو قصور یہ ہے کہ لہذا میں اٹھا ہوا و جرائی اٹھا کا اختصار کیا جائے اور یہ اختصار ہم

قرآن میں لاد نہیں بلکہ اس کا حق اور قصود بھی نماز میں کافی ہے کہ گویا میں اس وقت خدا کے سامنے حاضر ہوں اور میری گواہی دے رہا ہوں اور گویا میں اس وقت عالم آخرت میں حاضر ہوں اس واسطے کہ حق اختیار کیا گیا اس طرح نماز پڑھنے سے شوق خاص ہو جائے گا اور تمام دنیا سے وسوسوں تک سے نکل جائیں گے (اللہ تعالیٰ اعلم) (ہامع)

قرآن عجیب کیسا ہے

صاحبِ قرآن عجیب کیسا ہے جس میں سارا کام مفت ہی ہے مگر زما ہی نگہداشت ہمارے ذمہ ہے اور جتنے طریقے سلوک کے ہیں جو دوسرے مذاہب میں معمول ہیں ان کی مثال اس کیسیا کے مشابہ ہے جس میں ایک سو دو طریقے کے جائیں اور ان میں کا بھی حاصل نہ ہو اور شریعت مقدسہ کی کیسیا ایسی ہے جس میں شخصی فیض ہے قصداً نہ کہ شریعت مقدسہ نے بڑے سے بڑے کام کو بھی ایسا آسان کر دیا ہے کہ پھول سے زیادہ ہلکا ہو گیا ہے مگر تو فیض نہ ہو وہ بھی نکتہ مشکل ہے نور کو کیجئے کہ اسلام میں کیا دشواری ہے دہشت ہی دہشت اور سہولت ہی سہولت ہے مگر تو فیض و رفعت و عروج بہت مشکل ہے ایک تو یہ جزو ہے اور مواضع و کثرت فی اللہ سے جس کا بیان کرنا مقصود تھا مگر جو تک نہ مقصود الصبح یهدم ما کان قبلہ کے لئے یسین تھا جیسا کہ قریب اس کا بیان ہوتا ہے اس لئے اس کا مفصل بیان کر دیا گیا۔

دار الکفر کی دو قسمیں

دوسرا جزو یہ ہے الھجوة لھدم ما کان قبلہا کہ ہجرت بھی پہلے گناہ کرنا ہوتی ہے ہجرت کے معنی ہجرت دار خوف سے دار امن کی طرف کیونکہ دار الکفر دو قسم کے ہیں ایک دار الخوف جس میں شعائر اسلام ظاہر کرنے پر مسلمانوں کو قدرت نہ ہو بلکہ اس انکھار میں جان و مال کا خطرہ ہو دوسرا دار الامن جہاں سلطنت تو کافر کی ہے مگر مسلمانوں کو مذہبی آزادی حاصل ہے کہ وہ شعائر اسلام کو بے خوف و خطر ظاہر کر سکتے ہیں اور ہجرت اس دار الکفر سے فرض ہے جو دار الخوف بھی ہو اور دار الکفر دار الامن ہو وہاں سے ہجرت فرض نہیں تو جاہلوں کا یہ شبہ دور ہو گیا کہ اگر بعدِ ستان دار الکفر ہے تو یہاں سے ہجرت کیوں نہیں کی جاتی اس شبہ کا جواب ہمارے استادِ محقق و مدقق مولانا محمد یعقوب صاحب نے خوب دیا تھا کہ مکہ منظر سے جبکہ دار الحرب تھا مکمل ہجرت صحابہ نے حبشہ کی طرف کی جہاں اس وقت تک اسلام نہ ہو نہ تو تھا جس حبشہ بھی اس وقت دار الحرب تھا اور وہاں جانے والوں کو مہاجر کہا گیا اور صحابہ وہاں ہجرت کر کے اسی واسطے گئے کہ وہ دار الامن تھا اور ان کی یہ ہجرت معتبر ہوئی اور ان کو ہجرت کا ثواب بھی ملا مگر ان صحابہؓ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو ان کا کاتب ذوالحجرتین ہوا جس کو مسلم ہوا کہ دار الامن کو دار الامن نہ ہو بلکہ دار الکفر ہی ہو وہاں سے ہجرت کرنا فرض نہیں بلکہ وہ خود ہجرت کا وہن سکتا ہے

ہاں اس میں شک نہیں کہ دارالایمان کی طرف ہجرت کرنا افضل ہے مگر اہل فرض کے لئے دارالامین کی طرف ہجرت بھی کافی ہے جو غرض اور خوف سے دارالامین کی طرف بھی ہجرت نہ کرے وہ ہجر فرض ہے اور اسی کے لئے نکتہ وحید ہے۔ ان الطین توفهم المصلحة العالمی المسبب قائلو علیم حکم قائلو کما مستعطفین فی الارض قائلو الہم لکن ارض اللہ واسعہ فہنا ہجر و المہا فالاولیک ما و اہم جہنم و مہات مضرباً الا المستعطفین من الرجال و النساء و الولدان لا یستطعون حیلہ و لا یدعون سبیلہ فاولئک عسی اللہ ان یعفو عنهم و کان اللہ عفواً غفوراً (ترجمہ) ان لوگوں کی جائیں جہتے ہیں اس حالت میں قیض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر (ترک ہجرت سے) عزم کرنے والے تھے ان سے عطا کرنے کا کہ تم کس کام میں تھے انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس سرزمین میں محل مطلوب اور کمزور تھے فرشتوں نے کہا کیا خدا کی زمین فراخ دہی کہ تم اس کے کسی حصہ میں ہجرت کر جاؤ گے (اس کا ان کے پاس کچھ جواب نہ تھا) ان لوگوں کا لکھا کہ جہنم ہے اور وہی بجائے بارائش ہے ہاں کمزور داروہد و مرد ہیں اور بچے جو ذاتی مطلوب و کمزور تھے جو نہ کوئی تدبیر (ہجرت کی) کر سکتے تھے اور نہ شان کو کوئی راہ ملتی تھی ان کو امید ہے کہ خدا تعالیٰ مساف کر دیں اور اللہ تعالیٰ کو مساف کرنے والے مسافر کرنے والے ہی ہیں (اور وہ اب کے لئے یہاں نہیں دھوڑتے بلکہ اسی کو مذاب کرتے ہیں جو پادہ گناہ کا مرکب ہو) اولو لوگ محض تہجد کی تکمیل بننے کا کوئی کرتے ہیں ان کو عسی اللہ ان یعفو عنهم میں امید کے لفظ سے یہ شہید گناہ کا خدا تعالیٰ نے اس مضمون کو شک کے ساتھ کیوں بیان فرمایا ان کو اپنے فعل کا نتیجہ ہے بلکہ جتنی بات کو نتیجہ کے لفظ سے بیان کرنا چاہتے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ تم نے محض تہجد بکھا ہے قرآن کو سمجھا نہیں اس واسطے یہ شہید ہوا تم کو چاہئے کہ پہلے یہ بھی دیکھ لو کہ میراں عظیم کن ہے اور غالب کن ہیں سو ظاہر ہے کہ عظیم حق تعالیٰ شانہ عظیم کن ہیں۔

شہادت و محاورات

جس خدا تعالیٰ کے کلام کو شہادتِ عبادات پر مطلق کر کے دیکھو یہ عامیاتِ عبادات پر مطلق نہ کرے اور شہادتِ عبادات میں وعدہ و نذر کے لئے بھی ایسے ہی کا قاطع استعمال کیا جاتا ہے اسی سے قرآنی صاحبِ دلیلی کے ترجمہ کی قطعی معلوم ہوگئی جنہوں نے دلی کی بازوئی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا چنانچہ ایک جگہ تاک تو نیاں داتا استعمال کیا ہے اگرچہ کبڈی کھینا کھسا ہے اور سب جانتے ہیں کہ یہ الفاظ شہادی زبان میں استعمال نہیں ہوئے مگر جم قرآن کو لازم ہے کہ ترجمہ میں شہادتِ طرز و انداز کو تھمے بندے جو قرآن کا خاص طرز ہے عربی دان طبقہ خوب جانتا ہے کہ قرآن کی زبان کیسی ہے شکست اور کس قدر باسلط ہے دوسرے یہ دیکھو کہ غلب کلام کے کون ہیں سو ظاہر ہے کہ غلبہ بندے ہیں اور بندہ کا فرض ہے کہ اس خیرم تک امید و ہم ہی جس سے کسی وقت

جہاں مشافی سے پہ خوف نہ ہو اسی لئے حکام مقدسات میں اخیر تک فریقین کو امید و ہم ی میں رکھتے ہیں فیصلہ کے دن ظاہر ہوتا ہے کہ کون کا حساب ہے اور کون کا کامیاب ہے اور کون کا کامیاب ہو گا ایسے ہی یہاں بھی فیصلہ کے دن سے پہلے یعنی قیامت کے دن سے پہلے بندوں کو امید و ہم ی میں رکھا گیا ہے تاکہ فرق ہے کہ حکام تو اپنی فرض کے واسطے لیا کرتے ہیں اور حق تعالیٰ نے بندوں کے کاموں کے لئے ایسا کیا ہے کہ ایک بندے کو اگر کسی وقت طمینان ہو جائے کہ میں جتنی ہوں توبہ و جرائم سے ظاہر ہو جائے گا اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ میں جتنی ہوں توبہ و امید ہو کر مصلحتی سے بالکل دور ہاجز ہے گا اور اس میں ظاہر اس کے نقصان کے ظلم عالم کے درمیں برسم ہو جائے گا بھی اندیشہ ہے کیونکہ کثرت جرائم سے حکام کا درمیں برسم ہو گا ظاہر ہے۔

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ

اللَّهُ وَلَا تَكُنْ لِلْظَّالِمِينَ خَصِيْبًا ۖ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ

عَفُوًّا رَحِيْمًا ۖ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَمُنُونَ أَنْفُسُهُمْ

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَافًا أَكْثَرًا ۚ

ترجمہ: بے شک ہم نے آپ کے پاس یہ نوشتہ بھیجا ہے واقع کے موافق تاکہ آپ ان لوگوں کے درمیان اس کے موافق فیصلہ کریں جو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہر کیا ہے اور آپ ان خائفوں کی طرفداری کی بات نہ کیجئے اور آپ استغفار فرمائیے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے عظمت کرنے والے بڑے رحمت والے ہیں اور آپ ان لوگوں کی طرف سے کوئی جواب دہی کی بات نہ کیجئے جو کہ اپنی پستی نقصان کر رہے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو نہیں چاہے جو بڑا خیاں کرنے والا بڑا گناہ کرنے والا ہو۔

تفسیری نکات

ایک اشکال کا جواب

اس سے ظاہر ہی نظر میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ آپ سے خائفین کی طرفداری صادر ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے آپ کو اس سے نفی کی گئی مگر سب کا محور جواب یہ ہے کہ نفی اور اس میں زمانہ استقبال کا ہوتا ہے، ماضی اور حال کا نہیں ہوتا تو لَوْ كُنَّا لَمَّا بَيْنَنا وَبَيْنَهُمْ اَلْکُفْرَ یہ جیسا کہ آپ نے مذکور کی بات کے طرفداروں میں جیسے کہ اب

تک نہیں ہوئے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ طرفہ ہوئے ہوں بلکہ ممکن اس کے یہ ہیں کہ چھپے آج تک نہیں ہوئے آئندہ بھی یہ طرہ نہ کہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے وَلَا تَكُنْ مِنَ الْخَاسِرِينَ فرمایا ہے تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ خود باطل آپ کو شبہ تھا؟ اور آپ سے منہیات کے سارے نہ ہونے کی صاف دلیل یہ ہے جو ایک جگہ فرماتے ہیں وَلَا تَكُنْ مِنَ الْخَاسِرِينَ كَذَلِكَ تَكُنْ مِنَ الْخَاسِرِينَ یعنی اگر ہم آپ کو نہ منہیا لے، نہ کہتے تو قریب تھا کہ آپ ان کی طرف کسی قدر مائل ہو جاتے تو اس سے معلوم ہوا کہ حضور کو غیر حق کی طرف بھی میلان نہیں ہوا تو اب کیا شبہ! فرض حضور ﷺ کی عصمت میں کمی ذرا بھی تو نہیں چلا۔ (الفضل العظیم)

وَأَتَوَاتِلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ الْكَافِرِينَ یعنی وہ آپ کو ظلمی میں کیسے ڈال سکتے ہیں آپ پر اللہ تعالیٰ نے کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور ایسی ایسی باتیں سکھائی ہیں جن کو آپ نہیں جانتے تھے اور اس آیت میں جو تین چیزوں کا علم اور پناہ مذکور ہے کتاب اور حکمت اور مَا لَوْ كُنْكَ تَعْلَمُ سمجھ میں ہیں آتا ہے کہ علوم میں قسم کے ہیں ایک کا نام کتاب رکھا اور ایک کا حکمت اور ایک کو مَا لَوْ كُنْكَ تَعْلَمُ سے تعبیر فرمایا تفصیل اس کی یہ ہے کہ علم کی اصل میں دو قسمیں ہیں ایک علم احکام اور ایک علم واقعات اور یہ تقسیم خصوصاً جناب رسول مقبول ﷺ کی شان میں تامل کرنے سے بہت زیادہ سمجھ میں آ جائے گی کیونکہ حضور ﷺ صاحب سلطنت بھی تھے تو حضور کو وہ قسم کے علم کی ضرورت تھی۔ ایک علم کے علم کی اور ایک واقعات کے علم کی ایسے حکام کو دونوں باتوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے کیونکہ اگر واقعہ معلوم نہ ہو تو فرسے قانون سے کیا ہوتا ہے یا اس کا کس رو کہ قانون نہ معلوم ہوتا تو صرف واقعہ معلوم ہو جاتے سے کیا ہوتا ہے۔ فیصلہ میں دونوں ہی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ کا بھی علم ہو اور اس کے علم کا بھی علم ہو لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور ﷺ کو ہر واقعہ کا علم دہی سے عطا ہوا ہو خاص خاص ضروری واقعات کا علم یا سراسر ہے جیسے یہاں اس واقعہ کا علم ہے جس میں منافقین نے چوری کا الزام ہے قصور پر لکھا تھا۔ تمام واقعات کا علم ہر شخص ہے چنانچہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے السُّعْلُ بَعْضُكُمْ يَكُونُ الْحَنُّ بِحُجَّةٍ مِنْ بَعْضِ لَأَمْرٍ لَا حَقَّ لَهُ فَاذِمَا طَعَنَ لَهُ بِقِطْعَةٍ مِنْ دَارٍ (بخاری) آپ کو تمام واقعات کا علم نہیں دیا گیا)

رسول اکرم ﷺ کی عصمت

ایک جگہ فرماتے ہیں وَلَوْلَا اَنْ لِّسَانِكَ لَقَدْ كُنْتَ تَرَكُنَ الْوَهْمَ شَيْعًا قَلِيلًا یعنی اگر ہم آپ کو نہ منہیا لے نہ کہتے تو قریب تھا کہ آپ ان کی طرف کسی قدر مائل ہو جاتے تو اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو غیر حق کی طرف بھی میلان نہیں ہوا تو اب کیا شبہ! فرض حضور ﷺ کی عصمت میں کمی ذرا بھی تو نہیں چلا اس وقت مختصر اہل نے بیان کر دیا ہے اپنی تفسیر میں میں نے اس کو مشغل لکھا ہے یہ تو پہلا ذکر اور دوسرا ذکر ہے

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَفُتِنْتَ فَالْفُتْنُ أَلْتَمَسْتَهُ لِيُجْزِيَكَ (اگر آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ آپ کو فطش میں ڈالنے کا ارادہ کرتا) اس سے بھی آپ کی عصمت میں شبہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَفُتِنْتَ فرماتے ہیں یعنی اگر حق تعالیٰ کا آپ پر فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ارادہ کرتا ایک گروہ یہ کہ آپ کو فطش میں ڈال دے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ارادہ کا مرتبہ بھی نہیں ہوا کیونکہ ہم اس کو کہتے ہیں جس کے بعد صدور فطش کا اوجہ دے اور درجہ عزم کا پورا بعض نے ہم کو عزم سے نقل کیا ہے اور وہ اس کی یہ ہوتی کہ قرآن میں وَلَقَدْ فَتَنَّاكَ بِهِ وَفَقَّرْنَا (اس عورت کے بدل میں تو ان کا خیال عزم کے بعد میں جہاد تھا اور ان کو بھی اس عورت کا خیال ہو چلا تھا) بھی ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے ہم بالعموم (آپ کے بدل میں اس عورت کا خیال ہو چلا تھا) اور انبیاء پر چونکہ مصوم ہوتے ہیں ان لئے عزم مصیبت ان سے منتقل نہیں ہو سکتا اس لئے وہ اس کے قائل ہو گئے کہ ہم عزم سے پہلے ہوتا ہے۔

قرآن پاک کے ایک مشکل مقام کی تفسیر

مگر محققین نے کہا ہے کہ اس کے فاضل ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ وَلَوْلَا اَنَّ نِيْلًا لَّيْلًا لَّيْلًا (اگر آپ نہ ہوں) اصل کو انہوں نے نہ دیکھا ہوتا ہے جو شرط سطر ہے عَقْدُهَا کی معنی اگر ہاں وہ بہت کیجئے تو ارادہ کر لینے تو یہاں ہم کائنات ہی نہیں جو اس کی ضرورت ہو کہ ہم کو عزم سے نقل مانا جاوے بلکہ ہم کی نفی مقصود ہے۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ فرماتے ہیں كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهُ فَذُكِّرْتُمْ وَلَقَدْ فَتَنَّاكَ (اسی طرح ہم نے ان کو طم دیا تاکہ ہم ان سے صلحہ اور کبرہ گناہوں کو دور رکھیں) تو اس میں ان سے عطا اور رکھاڑ کی نفی فرما رہے ہیں یہ قرینہ ہے اس کا کہ ہم کی یہاں نفی کی جا رہی ہے نہ کائنات اور کو فاضل نے کہ کہ لولا کی جڑ استفہام نہیں ہوتی لیکن اول تو اس میں اختلاف ہے دوسرے اگر مان بھی لیں کہ لولا کی جڑ استفہام نہیں ہوتی تو یہ وَلَوْلَا اَنَّ نِيْلًا لَّيْلًا لَّيْلًا (اگر آپ نہ ہوں) اصل کو انہوں نے نہ دیکھا ہوتا) دال علی الشرط (شرط پر دلالت کرنے والا) ہونا اور شرط مذکور استفہام ہوگی بہر حال یہاں ہم کائنات نہیں اس لئے ہم کو عزم سے نقل ماننے کی بھی ضرورت نہیں فرض ہم کا مرتبہ اکثر علماء کے نزدیک وہ ہے جس کے بعد فضل کا صدور ہوتا ہے لیکن حضور ﷺ کے متعلق اس کا نقل نہیں ہوا کیونکہ یہ فرمایا جا رہا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کا آپ پر فضل نہ ہوتا تو ایک جماعت ان میں سے ایسا ارادہ کرتی تو حق تعالیٰ کا فضل مانع ہے پھر چال ہی کیا ہے کہ کوئی ایسا ارادہ کر سکے اور اگر کسی طمرے اس کے خلاف کیا ہے تو ہر قرآن کے مقابلہ میں اس کا اعتبار نہ کریں گے بعض تفسیر میں بعض باغی یا سند متصل ہوگی ہیں وہ قائل اعتبار نہیں اسی طرح ایک کے قصہ میں بھی بعض تفسیر میں سے نقل ہو گئی ہیں۔ چند مقامات

قرآن شریف میں مشکل ہیں ان میں سے ایک یہ مقام بھی ہے چنانچہ اس مقام پر جو اطفال تھا وہ رونے لگے۔
 فرض ان آیات میں من القین کی شہادت اور ان کی تہذیب کا یہ سہرا ہوتا دیکھ کر کیا ہے آگے اس کی تسخیم ہے
 وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (آیہ) یعنی وہ آپ کو غلطی میں کیسے ادا لیتے ہیں۔ آپ پر اللہ تعالیٰ نے
 کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور انکی باتیں سیکھائی ہیں جن کو آپ نہیں جانتے تھے اور اس آیت میں جو تین
 چیزوں کا طوطا یاد کر رہے کتاب اور حکمت اور عالم نیکوں کا علم (اور باتیں جن کا آپ کو علم نہ تھا) کچھ میں ہیں
 آتا ہے کہ علوم میں قسم کے ہیں ایک کا نام کتاب رکھا اور ایک کا حکمت اور ایک کو مَلَكٌ كَلَّمَ فَقَلَتْ (اور باتیں جن کا
 آپ کو علم نہ تھا) سے تعبیر فرمایا:

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتب پر کتاب اور علم کی باتیں بھی نازل فرمائیں اور آپ کو وہ باتیں بتلائی
 ہیں جن پر آپ کو کتب نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہے۔

مَلَكٌ كَلَّمَ فَقَلَتْ کی جو تصوف کے خاص شعبہ سراسر سے تعبیر کی گئی ہے وہ بھی نہیں کیونکہ اب تو فائدہ سے
 معلوم ہو گیا کہ اس سے وہ علوم مراد ہیں جو مقصود ہیں شریعت کے چنانچہ حق تعالیٰ رسول جناب محمد ﷺ سے فرماتے
 ہیں وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (آیہ) یعنی وہ آپ کو خبر نہ تھی (میں اس کتاب و
 ہے جو کتاب و حکمت میں موجود ہیں میں مَلَكٌ كَلَّمَ فَقَلَتْ (اور باتیں جن کا آپ کو علم نہ تھا) میں اس کتاب و
 حکمت کے متعلق اس کا بیان ہے کہ یہ آپ کو پہلے سے معلوم نہ تھا نازل کے بعد معلوم ہوا اسی طرح ایک مقام پر
 است کو خطاب ہے۔ لَمَّا آتَيْنَاهُ الْبُكْرَىٰ نَبَاً نَّجْوً لِّمَنْ يَّهْدِي اللَّهُ أَمْرًا كَثِيرًا وَبَعَثْنَا فِي الْأَنْفُسِ
 وَبَعَثْنَا فِي الْأَنْفُسِ نَبَاً نَّجْوً لِّمَنْ يَّهْدِي اللَّهُ أَمْرًا كَثِيرًا (آیہ) یعنی اسے تمہارے سامنے کرتا ہے
 اور تم کو پاک کرتا ہے اور وہ چیزیں تم کو بتاتا ہے جن کو تم نہیں جانتے ہو) یعنی اسے صحیح قسمیں سکھاتے ہیں وہ
 باتیں جو تم نہیں جانتے تھے ان دنوں کا ایک ہی مقصد ہے اور مضمون و دلائل بھی دنوں کا ایک ہی ہے اور جس
 طرح بَعَثْنَا فِي الْأَنْفُسِ نَبَاً نَّجْوً لِّمَنْ يَّهْدِي اللَّهُ أَمْرًا كَثِيرًا (تم کو وہ چیزیں بتاتی ہیں جن کی آپ کو خبر نہیں) کہ بعض نے تصوف پر محمول کیا
 ہے یہاں بھی بَعَثْنَا فِي الْأَنْفُسِ نَبَاً نَّجْوً لِّمَنْ يَّهْدِي اللَّهُ أَمْرًا كَثِيرًا (اور چیزیں تم کو بتاتے ہیں جن کی تم کو خبر نہیں ہے) تصوف پر محمول کیا
 ہے مگر واقع میں وہاں بھی حلیہ صلیح (سکھائی تھوڑا) سے علم کا وہ سراور نہیں کہ وہ مقصود نہیں بلکہ وہ علم مراد ہے
 جس کی اشاعت کا اور نشر کا اہتمام واجب ہے اور یہاں یہ حلیہ صلیح (سکھاتا ہے تم کو) سے یہی علوم مقصود مراد
 ہیں۔ اب معلوم ہو گیا کہ علوم کا کلمہ سے تعبیر کرتا بھی نہیں کیونکہ ہم تصوف یا فقہاء اپنے ایک شعبہ خاص یعنی علوم
 معاملہ کے کو علوم مقصودہ میں سے ہے کیونکہ یہ بھی نفس کا دلول ہے جیسا اہل فن ہوتے ہیں مگر ان لوگوں نے غلطی
 کی کہ تصوف کی جو حقیقت یہ سمجھے ہیں یعنی علوم کا کلمہ واسراور وہ نفس کا دلول ہے اور نہ تصوف کا اور اسی لئے

(ان لوگوں کو بھی ہمت نہ ہوئی کہ اس کو کتاب و حکمت میں داخل کرتے تو انہوں نے کہا الاؤ اسے
 ناکو کلن تھلاؤ) (وہ باتیں جن کی تم کو خبر نہ تھی) میں داخل کرو اب اس کا حاصل انہی کی تسبیح پر یہ ہوا کہ تصوف
 کتاب و حکمت میں بلا واسطہ بھی داخل نہیں اور بواسطہ بھی ان کا مدمول نہیں حالانکہ تصوف میں جو اصل چیز ہے
 یعنی علم معاملہ و اخلاق کتاب و حکمت کا مدلول ہے کیونکہ تصوف کا علم معاملہ کے سب مسائل اور انکام اور آداب
 اور قواعد پر سب قرآن و حدیث ہی سے معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً اپنے معاملہ کو حق تعالیٰ کے ساتھ درست کرنا تقییر
 افکار و الیا میں یعنی اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کرنا اور حقیقت پر سب قدرتی میں داخل ہے جس کا کتاب و حکمت
 میں داخل ہونا معلوم و مسلم ہے چنانچہ امام ابوحنبلہ نے لفظ کی تعریف یہی کی ہے معرکہ اخس باللہ یا علیہا کہ جس کا
 یہ پہنچانا کہ اس کے لئے کیا چیز ہی نافع ہیں کیا چیز ہی مضر ہیں سو یہ تعریف ظاہر و باطن دونوں قسم کے انکام کو
 عام ہے بلکہ علم معاملہ و اخلاق سے نہ مضر مثلاً کسی کو تہجد و امثال تو حید و جود و اخلاص و استقامت و غیرہ مختلف امور تو
 ذرا بھی قرب الہی میں نافع نہیں لیکن اگر معاملہ درست نہ ہو تو قرب حاصل نہیں ہو سکتا چنانچہ حضرت جنید نے
 خواب میں دیکھا کہ چھائی گزاری فرمایا کہ حبیب الطرموز و الاشارات و نفقات الحلق و العبادات
 و ما انفعها الا کعبات فی جوف اہل (یعنی خالق و معارف حداد و سب لعل ہو گئے صرف چند کعبتیں
 جو گھنٹی رات میں چڑھایا کرتا وہ کام آئے گی اور طریقیات کچھ کام نہ آئیں حالانکہ ان کے پاس کتنے بڑے
 علوم تھے مگر وہ قدر نہیں تھے بلکہ علوم معاملہ تھے جو کچھ بھی کارآمد نہیں ہوئے علوم معاملہ اور علوم معاملہ کی ایسی
 مثال ہے جیسے دیوار سے چھپے ایک بادشاہ ہے اور کسی طریقہ سے ہماری نگاہ اور ذہن کے اس تک جا سکتی ہے جیسے
 اس زمانہ میں بجلی کے ذریعہ سے کسی کے اندر کا ہر کار نظر آتا ہے اور کسی نظر نہیں آتا۔ بجلی شعاع کا جسم ثقل کے
 پار کر دیتی ہے اس لئے درمیانی چیز نہیں دکھائی دیتی اور جو اس کے آگے ہے وہ نظر آنے کا چنانچہ یوں ہی کسی
 طریقہ سے دیوار کے چھپے بادشاہ نظر آنے لگا اور ایک شخص وہ ہے جسے بادشاہ نظر نہیں آتا مگر وہ خالی نام نہ نہ
 اطاعت کرتا ہے اور وہ پہلا شخص بادشاہ کو دیکھ کر اطاعت کرتا ہے تو ان دونوں میں جتنے کون زیادہ حصول ہوگا
 زیادہ جو بغیر دیکھے اطاعت کرتا ہے یا اور صاحب بادشاہ کے دیکھنے سے کوئی تو زیادہ ہوگا مگر قرب نہیں بڑھے گا
 کیونکہ قرب دو قسم کا ہوتا ہے ایک رضا و قبولیت کا دوسرا اسعادت کا سو یہ دوسرا وہ خود مقصود یا تحصیل نہیں کیونکہ
 یہ اس کا فعل نہیں ہے بلکہ اس کے قصد و اختیار سے باہر ہے گو اس کے بعض افراد جو سوسوب ہیں بدالمت خصوص
 سب درجات کموبہ سے افضل ہوں جیسے نبوت و امامت مگر باوجود انہیں اور یہ مختلف ہے اسوہ اختیار یا کا
 بدالمت ایک اصطلاح پر حصول کہہ سکتے ہیں تحصیل نہیں کہہ سکتے اور اسوہ تحصیل ہے وصول یا سوسہ نہیں اور
 جو قرب یعنی قبولیت و ادب تحصیل ہیں تحصیل یا سوسہ پر محراب ہوتا ہے سوزنا میں حق تعالیٰ کی ذات و صفات

کے اسرار کا مختلف ہونا یہ قرب تصور نہیں اس پر شرعاً مراد ہوگا جو قرب تصور ناموس پر جو وہ عظمت و اعلیٰ میں ہوتا ہے اور ان کا شرعاً آخرت میں مراد ہوگا فرض قرب کی اس قسم میں تصوریت بالکل ممکن ہے تصور اور حقیقی ہے جس کی تفصیل کے لئے کوئی طریقہ شرعاً وضع کیا گیا ہو اور اس کی تفصیل کے لئے طریقہ وضع نہیں کیا گیا اس لئے یہ تصور نہیں ہو سکتا اور اگر یہ ممکنہ تصور ہوتا تو عالم حکومت موسیٰ کو نظر آتا، نمرائوں کو نظر آتا، حاکم عدت شریف میں ہے کہ جنگ بدر میں شیطان مثل انسان آیا اور اس نے کنارہ کو بھیا کیا لیکن **فَلَمَّا تَرَا أَتَابَ لَوْ تُفِي** **تَلَقَّصَ خَلَّيْنِیْوُ** یعنی جب دونوں جہات میں آئے سامنے ہوئیں اور شیطان نے فرشتوں کو دیکھا تو بھاگا کر ایسی لڑی حالاً تھروں میں وہ شے دیکھ رہا ہوں جو تمہیں دکھائی نہیں دیتی تو وہ کچھنے مانگے کے مختلف ہونے سے اب کچھ فرق جیسے عقلی القدر سماوی مردم ہے اور شیطان لیکن کو یہ ممکنہ حاصل ہو اس سے معلوم ہوا کہ کثرت تصور نہیں اس سے جدا کر دیا ہے کہ قیامت میں حقائق مختلف ہو جائیں گے اور قیامت میں وہ خوب آنکھوں والے ہو جائیں گے چنانچہ ارشاد ہے **فَتَجِدُنَّ یَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَرْبَابَ لِّکُلِّ مِلَّةٍ یَّحْتَفِلُونَ فِی الْغُلُوبِ** (کیسے شنوا ہو جائیں گے لیکن یہ عالم آج صریح غلطی میں ہیں) اگر مکاشفہ تصور ہوتے تو مسلمانوں کو خوب حاصل ہوتے اس سے معلوم ہوا کہ تصور صرف احوال ظاہری و باطنی یعنی نماز، روزہ، خیر و بدوکل وغیرہ ہیں کہ قلب کو اعمال بلند سے اور جو اس کو اعمال ظاہرہ سے آراستہ کیا جاوے اس کی تصوف ہے کہ بعض نے اپنی اصطلاح و عرف میں تصوف صرف فی اصطلاح باطنی کا نام رکھا ہے جو لوگ علوم دینیہ اور اس کے حاملین یعنی علماء کو نظر فقیر سے دیکھتے ہیں وہ ارا اس آیت کو دیکھیں جس کو میں نے عبارت کیا ہے نگاہوں میں حق تعالیٰ نے علم کتب و حکمت کو افضل حکیم فرمایا ہے اس سے مراد حقیقی علوم دینیہ ہیں جو تمام علوم دنیا سے افضل ہیں اور افضل العلوم اور اشرف العلوم ان ہی کو کہہ سکتے ہیں۔ جب یہ علوم افضل ہیں تو اس علم کے علماء بھی افضل ہوں گے۔ اب جو لوگ علماء کو نظر حکارت سے دیکھتے ہیں وہ ذرا بخلائی تو کہ ان بچاؤں نے ان کا کیا تصور کیا ہے کہ وہ نہیں بلکہ وہی بات ہے جس کو حق تعالیٰ نے فرمایا **وَمَا تَنْتَظِرُونَ فَاِنَّکُمْ لَا یُعَذِّبُکُمُ اللّٰهُ لَکُمْ اَعْلٰیٰ فَعَسٰی یَخْلُقَ سَیْفًا فَاِنَّکُمْ فِیْ سَبْیِلِ الدَّعْوٰی فَاِنَّکُمْ لَکَیْفٌ** یعنی کفاروں نے مسلمانوں میں کوئی عیب نہیں پایا لہذا اس کے کہ وہ ضابطہ ان کے لئے تھے جو عیب اور حواہر ہے وہ کہ اس کی حقیقت ہے آسمانوں پر زمین کی اور اندر ہر چیز سے خوب واقف ہے اور یہ کوئی عیب کی بات نہ تھی تو مطلب یہ ہوا کہ وہ باوجود محض خدا کی بناء پر ان پر ظن کرتے ہیں اسی ضمنوں پر کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔

وہ عیب نہیں غیر ان سیموہم بہن غول من قراں الکتاب

(ان میں سوائے اس کے کوئی عیب نہیں ہے کہ ان کی کتابوں کی دعا و شہیرائی سے گر گئی ہے) صاحبو! اسی طرح علماء کا جس عیب ہے کہ انہوں نے علم دین حاصل کر لیا ہے اور آج کل لوگوں نے علم دین کو حقیر سمجھ

میں آیا ہے اور رحمت کا استعمال منافع اخروی میں چنانچہ مسجد میں داخل ہونے کا وقت جو کہ منافع آخرت حاصل کرنے کا ہے اس کا ذکر رحمت کے لفظ سے وارد ہے اللھم انی اسئلك من رحمتك (یعنی اے اللہ آپ سے آپ کی رحمت کی درخواست کرتا ہوں) اور مسجد سے نکلنے کا وقت جو کہ منافع دینی حاصل کرنے کا ہے اس کا ذکر فضل سے ہے اللھم انی اسئلك من فضلك (اے اللہ! آپ سے آپ کا فضل مانگتا ہوں) اور ارشاد ہے لَمَّا قَضَيْتَ الصَّلَاةَ فَانْشُرُوا إِلَى الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ (پھر جب نماز جمعہ پوری ہو چکے تو اس وقت اجازت ہے کہ تم زمین پر چلو بھرو اور اللہ کی روزی تلاش کرو) اور لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا الْقِيَامَ أَنْ يَخْلُتَ الْيَوْمَ الْكَلْبُ (تم کو اس میں ذرا بھی گناہیں کہ عواش کی تلاش کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے) تو جب فضل سے مراد منافع دنیوی ہوتے اور رحمت سے مراد منافع اخروی اور علم دین کے لئے دلوں کی تلاش کے لئے تو معلوم ہوا کہ علم دین سے دین اور دنیا دونوں کو فتح ہوتا ہے مگر اس میں ای کھٹھلی ہوتی ہے اس کو مشورہ کرنا ہوں اور یہ ہے کہ لوگ ان منافع دنیا کو بھی احکام کا شرعہ تصور سمجھتے ہیں یہ لفظ ہے اور اگر اس سے شبہ ہو کہ بعض علماء نے کہا کہ احکام کے بعد منافع دینوی بھی ہیں تو کچھ لوگوں کی یہ غرض نہیں ہے کہ احکام سے دنیا کے منافع تصور ہیں ہرگز نہیں بلکہ تصور تو احکام سے صرف حق تعالیٰ کی رضا اور جنت ہی ہے ہاں دنیا کے منافع بھی بطور خاصیت کے ملو مگر اس سے حاصل ہو جاتے ہیں۔

تنزیل کتاب کا مفہوم

حق تعالیٰ نے جو کتاب نازل فرمائی اس سے تصور بعض تنزیل ہی نہ تھی بلکہ تنزیل سے تصور تعلیم تھی یہ سمجھو ہے عنوان کے جدا جدا ہونے میں آ کر فرماتے ہیں الکتاب والحکمة ایک عنوان یہ ہے کہ اس کے بعد ای کو عالم تکن تعلیم سے تعبیر فرمایا ایک عنوان یہ ہے اول عنوان میں ذلت کا بیان ہے کہ وہ ایک کتاب حکمت کی اور دوسرے میں اس کے ایک حصہ کا اول عنوان سے مسئلہ کی وقعت و عظمت ظاہر ہے اس کے لئے اس کو کتاب و حکمت فرمایا اور دوسرے عنوان سے اس کے ایک خاص وصف یعنی عالم تکن تعلیم سے ایک خاص عنوان پر دلالت کرتا ہے کہ ہم نے آپ کو ایسی چیز دی ہے کہ اس کے نقل آپ کو اس کی خبر بھی نہ تھی ہمارے خبر کرنے سے خبر ہوئی تو پھر راست میں بھی دو عنوان ہیں۔

کتاب و حکمت

کتاب اور حکمت بعض نے اس کا فرق یہ بیان کیا ہے کہ کتاب سے مراد قرآن ہے اور حکمت سے مراد سنت (حدیث) پھر اس پر ایک سوال پیدا ہوا ہے کہ اس پر انزال کا حکم فرمایا گیا ہے اور حکمت کو اگر سنت کہا جائے تو یہ

نازل نہیں ہوئی پھر اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ نزول عام ہے نزول کا ہر ہی نزول باقی کو نہیں کہتا ہوں کہ ایک تو جب یہ بھی لطیف ہے کہ خود کتاب ہی کو عام کہا جاوے قرآن وحدیث دونوں کے لئے چنانچہ حدیث میں ہے کہ اللہ یحب من یتقہ اللہ یعنی ایک صحابی نے حضور ﷺ سے ایک مقدمہ میں عرض کی تھا کہ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے موافق فیصلہ فرما دیجئے پھر آپ نے جو فیصلہ فرمایا قرآن میں اس کا کھنڈہ کر نہیں مگر اس پر بھی آپ نے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ بھائی یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر جہ قرآن میں ہو سو آپ نے یہ نہیں فرمایا بلکہ خود ہی فیصلہ فرمایا اور پھر فیصلہ کرانے والے نے بھی کوئی شبہ نہیں کیا کہ یہ فیصلہ قرآن میں نہیں اس سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ دونوں کو عام ہے۔ قرآن کو بھی حدیث کو بھی اسی طرح حکمت کو بھی سنت کے ساتھ خاص کرنے کی ضرورت نہیں نہ بھی دونوں کو عام ہے اور یہ عطف تفسیری ہے کتاب کا کہ ایسے علوم دینے جو کتاب وحکمت دونوں کے ساتھ متصف ہیں یا یہ کہ جب کتاب وحکمت دونوں کو عام ہے تو سنت پر انزال کیسے مساوی آوے گا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ انزال کو بھی عام کہا جاوے گا کہ انزال دو قسم کا ہے جس اور معنوی چنانچہ اس میں دو قسم کی بھی دو قسمیں ہیں ایک ظنی جو واسطہ جرنیل کے آتی ہے اور ایک معنوی کہ راہ راست قلب پر افکار ہوتا تھا۔ پس اسی طرح نزول کی بھی دو قسمیں تھیں گے اور جس طرح قرآن وحدیث کو اس میں اشتراک ہے دونوں پر نزول کا حکم بھی ہے اور ایسی نہ کہ وہ اسی طرح اس دونوں کو ایک اور صف میں بھی اشتراک ہے اور یہ کہ حدیث کا کل اور وہ سب کے نزدیک قلب ہی ہے مگر ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا کل اور وہی قلب ہی ہے وہ آیت یہ ہے **وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوَلَّيْتُ لَعَلِّي فَعَلْتُ** یعنی قلب قرآن وحدیث دونوں کو شامل ہو گیا اور **وَلَوَلَّيْتُ لَعَلِّي فَعَلْتُ** پر ایک شبہ کیا ہے لہذا میں نے جو کہتے ہیں کہ الفاظ قرآن کے نزول نہیں کیونکہ الفاظ کا کل وہ دورہ سامع ہیں نہ کہ قلب قلب پر صرف معنی کا دورہ ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے معانی تو نزول میں اللہ ہیں الفاظ خود حضور اقدس ﷺ کے ہیں سو اس کا جواب یہ ہے کہ نزول علی القلب کے حکم سے نفی لازم نہیں آتی نزول علی سامع کی دونوں صحیح ہو سکتے ہیں باقی نزول علی القلب کا عنوان کیوں اختیار کیا گیا۔

زبانوں کی دو قسمیں

سو اس میں کہتے ہیں کہ زبانیں دو قسم کی ہوتی ہیں ایک مادری اور ایک تکسب ان دونوں کے احکام میں ایک فرق یہ بھی ہوتا ہے کہ زبانیں جو کہ تکسب ہوتی ہیں اس کی حاصیہ تو یہ ہے کہ جب اس زبان میں آپ سے کوئی گفتگو کرتا ہے تو اول القابات اس میں الفاظ کی طرف ہوتا ہے جس کا مادہ ک سح ہے اور اس کے بعد معانی کی طرف اور مادری زبان میں اس کے برعکس ہوتا ہے کہ اول ہی سے القابات معانی کی طرف ہوتا ہے۔ پھر بعض

ہو گاتے اتفاق کی طرف چنانچہ میں جو مضمون اس وقت آپ کے سامنے عرض کر رہا ہوں یہ آپ کی مادی زبان میں ہے اس لئے اول اتفاقات آپ کو معافی کی طرف اور دہا ہے اور پھر اتفاق کی طرف قصد کرنے سے ہوتا ہے تو کون عَسَلی خَلِیْقَہ میں اس پر دلالت ہے کہ قرآن آپ کی مادی زبان یعنی عربی میں ہے تاکہ آپ کے فہم میں کوئی کمی نہ رہے اور گویا یہی اس معنی کو مستند ہو سکتا تھا مگر یہ خاص بات نہ یہ ہوتی جو عَسَلی خَلِیْقَہ میں پیدا ہوئی کہ تصریح ہو گئی کہ اول اتفاقات آپ کے قلب کو ہوتا ہے اس لئے فہم میں کوئی کمی نہیں رہ سکتی فرض کتاب و حکمت دونوں میں فہم ہو گئی قرآن وحدیث دونوں کے لئے چنانچہ قرآن کو ایک حکمت کتاب تکمیل بھی فرمایا ہے اور یہاں لایہ عدل کے قاعدہ سے انھیں کہہ دیا ہو گئی یہ بات کہ حکمت کیا چیز ہے سو حکمت کا مفہوم تو وہی چیز ہے جو حکماء نے بیان کیا ہے یعنی العلم بحقائق الاشیاء علی ماہی علیہ یقلد الطائفة البشرية البتہ اس حکمت اور اس حکمت کے مصداق میں ضرور فرق ہے وہ فرق یہ ہے کہ قرآن میں تو اصناف ان اشیاء کی حقیقت سے بحث کی گئی ہے جن کو کجبات و قرب میں دخل ہے اور اس حکمت میں مطلق ایمان خارجہ سے بدلہ نہ کر کے بحث کی گئی ہے تو اب بحثیں وہ جو ہمیں ایک دوسرے میں امور تشریح سے بحث کی جاوے اور ایک دوسرے میں امور تکوینیہ سے بحث کی جاوے مثلاً فلسفہ یا مطلق اقلیدس وغیرہ کو سب حکمت تکوینیہ ہیں اور کونسا سبھی اپنی حکمت میں اشیاء سے بحث کرتے ہیں اور اس کو علم اعلیٰ کہتے ہیں اور یہ مادی کرتے ہیں کہ عقل و ادب کے ساتھ جس حکمت کا تعلق ہے وہ سب سے افضل ہے مگر ان کی بحث کی حیثیت وہ نہیں جو شریعت کی بحث کی ہے بلکہ وہ اہل محمد سے بہت ہو چکا ہے کہ ان کے بعض مباحث خلاف حق بھی ہیں مثلاً عقل کا قائل ہونا کہ بعض نادانوں نے ان کی حماقت کی ہے کہ عقل کی تفسیر ملائکہ سے لے کر ان مباحث کو شریعت پر منتقل کیا ہے مگر واقع میں عقل کا ترجمہ ملائکہ سے کرنا خود بھی صحیح نہیں کیونکہ شریعت کے نزدیک ملائکہ اجسام ہیں ان میں حرکت بھی ہے اور حکماء عقل کو مجرد اور متجرد عن الخلق کہتے ہیں تو دونوں کی حقیقت متحد کیسے ہوئی البتہ عقل کی فہمی سے مطلق بحرات کے استعمال کا حکم صحیح نہیں جیسا بعض نے کہا ہے کہ کیونکہ بیشتر صوفیہ نے بھی روح اور قلب اور لفظ تک کو مانا ہے اور ان کے نزدیک عالم امر عالم مجرد کو کہتے ہیں گو بعض متکلمین نے اس شخص کی پیروی کی ہے جہاں کے مجرد کا قائل ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ مقدمہ مسلم ہے کہ مجرد انھیں صفات مادی قبولی سے ہے اور ظاہر ہے کہ انھیں صفات مادی میں کسی کو شریک ماننا محض کفر ہے مگر صوفیہ نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ اس کی کوئی دلیل نہیں کہ مجرد انھیں صفات مادی قبولی سے ہے بلکہ انھیں صفات حکماء کے نزدیک صرف وجوب بالذات ہے اور اہل حق کے نزدیک وجوب بالذات کی طرح قدم بھی انھیں صفات میں سے ہے بلکہ وجوب بالذات اور قدم دونوں متکثر ہیں اور یہ جو فلاسفہ کہتے ہیں کہ قدم کی دو قسمیں ہیں قدم بالذات اور قدم بالزمان اور قدم بالزمان کو

واجب کے ساتھ خاص نہیں کہتے تو میں کہتا ہوں کہ دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ قدم ہمارے انگوٹھ کے لئے کوئی چیز نہیں اسی لئے تو کہتا ہوں انگوٹھ پر قدم ہمارے انگوٹھ نہیں بہر حال علماء بھی ان کے قائل ہیں کہ جس حکمت کا حلقہ واجب کی ذات و صفات و احکام سے ہے وہ سب سے افضل ہے مگر واقع میں وہ حقائق جو یہ تک نہیں پہنچیں گے ان کی حکمت کو حکمت الہیہ کہنا بھی کچھ نہیں اسی طرح گناہوں نے اپنے یہاں افتاح سے انکی بحث کی ہے مگر شریعت کے مقابلہ میں بالکل بچے سے چنانچہ خود کہتے ہیں کہ شریعت مصطفیٰ نے صملاقات کی حاجت کو پورا کر دیا اور اس کی بحث سے ہم کو مستغنی کر دیا بہر حال انہوں نے مگرین کے احکام و آداب ان کے یہاں کئے ہیں اور ان میں انکی زیادہ تر آیات کے حلقہ اور اس میں انکی بہت تعلیم انکی ہیں اور بحر حیات میں تو علماء بالکل چلے ہی نہیں گئے کیونکہ اس کا حلقہ ہی سے ہے اور وہ اس کے احکام سے محروم ہیں۔ غرض یہ حاصل تھا حکمت کا یہ بہتہ ضرورت یہاں کیا گیا۔

حاصل آیت

اب حاصل آیت کا یہی ہوا کہ ایسے علوم مقرر فرمائے جنہیں نبوات و قرب میں داخل ہے پھر اس کے بعد فرماتے ہیں وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا۔ یعنی آپ پر خدا تعالیٰ کا یہ فضل ہے یوں تو تمام علماء و فضلاء ہی ہیں چنانچہ وَابْتَلَوْا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ فِي رِزْقٍ وَفَضْلٌ فَرَمَا ہے کیونکہ اسی آیت میں فَالْيَوْمَ نَبْلُوَنَّ فِي الْأَنْفُسِ وَابْتَلَوْا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ مَعْنٰی ہے اور ابتسلوا طے الارض پر جس فضل کی طلب مرعہ ہوتی ہے طے ہر ہے کہ وہ طلب رزق ہی ہے لیکن سب افراد فضل کے برابر نہیں اسی لئے اس امر کو کہیں وَابْتَلَوْا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ کو مضمرین نے حاجت پر محمول کیا ہے کیونکہ اس کے اوپر ہے وَفَرَّادِ الْبَيْعِ اس سے پہلے ہوتا تھا کہ شاہد ترک سب کا امر ستر ہو جس فَالْيَوْمَ نَبْلُوَنَّ فِي الْأَنْفُسِ وَابْتَلَوْا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ سے ظاہر ہوا گیا کہ بعد ازاں صلوات کے وہ اب جائز ہو گیا ہے کیونکہ امر بعد اظہار حاجت کے لئے ہوتا ہے غرض یہاں سب کے لئے ایک تعمیر فضل کی رزق ہی ہے اسی لئے اس کے بعد میں بھی فرمایا کہ وَادْعُوهُنَّ إِلَى الْكِتَابِ کہ خدا کی بھی یاد رکھو یہ نہ کہ رزق کو فضل تصور ہاغات کچھ کہ اس کی مثال میں خدا کو محمول ہوا نہیں بلکہ یا غائب نہ ہو

حق تعالیٰ رسول ﷺ سے فرماتے ہیں وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا۔ (اور نازل کی حق تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت اور روح پر حق تعالیٰ جن کی آپ کو غیر نہ تھی اور حق تعالیٰ کا آپ پر بڑا فضل ہے وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا۔ یہ تہ نکل ہے مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ آپ پر کتاب و حکمت نازل فرمائی۔ یہی کتاب حکمت فضل ہے حق تعالیٰ کو یعنی انزل اللہ سے وَالْحِكْمَةَ تَكُنْ عَلِيمٌ سے تعلم تک کا مطلب تعمیری ہے اگرچہ علم تک میں

ماہر علم کا ہے اور علم ہی کے لئے نازل بھی ہوتا۔ واقع میں **تَعْلَمُكَ مَا لَمْ تَعْلَمُ تَعْلَمُكَ** مصحف تفسیری ہے کہ جو حق اور
جور منظور **اِنَّكَ لَتَعْلَمُ الْكُلَّ شَيْءٍ عَلَيْنَا** ہے۔ یہ وہی اس سے بھی منظور ہے۔ گویا میں اور قبول بھی ہیں
یعنی بعض لوگوں نے یہاں داؤ کو مصحف تفسیری کے لئے نہیں مانا بلکہ تفسیر کے لئے لیا اور کہہ ہے کہ نازل کی اللہ
تعالیٰ نے آپ پر کتاب و حکمت اور وہ علوم جن کی آپ کو خیر و برکت یعنی تین چیزیں نازل فرمائیں کتاب حکمت
علوم غیر معلوم اور یہ تفسیری چیز جو عالم فکین تعلیم میں مذکور ہے وہ تصوف ہے۔

قال رسول لا تامل بلہیجی ولا ہراسی (حدیث ۱۵)

ہارون علیہ السلام نے کہا کہ میرے مایہ تم میری داڑھی مت بکڑاؤ اور نہ بکڑو

کسی نے داڑھی کا ثبوت قرآن سے دیا

ایک صاحب نے داڑھی کا ثبوت قرآن شریف سے دیا اس لفظ سے **لا تامل بلہیجی ولا ہراسی**
یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا کہ میری داڑھی نہ بکڑو نہ معلوم ہوا کہ حضرت
ہارون کی داڑھی تھی جس نے کہا ہراسی اس سے جو داڑھی کا ثبوت ہوا نہ وہ جب لہجہ کا اور وہ جس کے لئے اتنا تکلف
فاق کیا اپنی داڑھی دکھا دینی تھی۔ وہ جس کا ثبوت ہوا چاہتا اور اگر وہ جس کا ثبوت دیا ہے تو وہ تو آیت سے بھی نہ ہوا۔

(الحکامہ مجیدہ ص ۳۱۷)

ومن اعرض عن ذکرہ فان له معیشتہ حسکا و لحظہ يوم القيمة العسی

یعنی جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کو سختی ہے گردان لگی گی یعنی دنیا میں اور قیامت کے روز اس کو
اگر اٹھا لگے گی۔

غفلت ذکر کا انجام

یہ نتیجہ ہے خدا کی یاد سے غفلت کا کہ یہاں بھی مصیبت وہاں بھی مصیبت چنانچہ مشاہدہ ہے کہ دنیا داروں کی
یہاں بھی زندگی تنگ ہے یہ حال ہے کہ مال و دولت تو ان کے پاس سب کچھ ہے مگر ایمان و رافت جس کا نام ہے
وہ میر نہیں بعض اوقات تو ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ موت کی آواز کرتے ہیں اور اعمال صالحہ سے حال کا پیش بھی اور
مال کا پیش بھی دیا بھی انہیں اور آخرت بھی انہیں اصل مال اس کو کہتا چاہتے دنیوی مال کو تو مال ہی لئے کہتے ہیں
بعلی الہ القلب یعنی اس کی طرف قلب ہل ہوتا ہے۔ پس اعمال صالحہ کو بھی مال کہتا اس وجہ سے درست ہے
کہ وہ اس قافل میں کہ قلب ان کی طرف مائل ہو۔ (نور الابرار ج ۱ ص ۱۷۷)

ابہی بات یہ کہ **وَلَا تَنْفُسُ الْفُجُورِ عَلَى الْغُلَامِ** (آپ پر اللہ تعالیٰ کا برا فعل ہے) اس میں صرف ایک

لفظ کیل فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اس کو عام لے لیا ہے جو شامل ہے ہر دین کو علیحدہ علیحدہ ممالک الٰہی تعلیم (جو ہائیں) آپ خدا جانتے تھے ان کا بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم عطا کر دیا۔ (اس میں بعض نے لفظ کو عام لیا ہے کہ تمام مخلوقات کا آپ کو علم خدا تو اولیٰ و آیت میں کوئی دلیل نہیں مومن کی۔ لفظ کا کلمات مومن میں سے ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ مومن اس کے لئے لازم نہیں بالخصوص میں بھی مشتمل ہوا ہے جیسے ﴿يُؤْتِيكَ اللَّهُ تِلْكَ الْكَلِمَاتُ لِتَفْهَمَ﴾ (اور اللہ تعالیٰ نے تم کو ان باتوں کا علم دیا میں کو تم نہ جانتے تھے کہ اور ﴿يُؤْتِيكَ اللَّهُ تِلْكَ الْكَلِمَاتُ لِتَفْهَمَ﴾ (یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو ان چیزوں کی تفہیم دی میں کو وہ نہ جانتا تھا کہ سرے اگر لفظ ایہاں عام بھی ہوتا مومن ان ہی امور کا ہر گاہ جس مقام کے مناسب ہیں مثلاً امور مختلفہ نبوت و رسالت۔

تجبیہ ثانی

علم کو فضل فرمایا اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ علم میں بعض اکتساب ہی کافی نہیں فضل خدا ہی کی بھی ضرورت ہے۔ ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَنَزَّلْنَا بِكَ الْقُرْآنَ فَتُفَسِّرُهُ﴾ (تفسیری ہے کہ مطلق علیہ معطوف کا صدق ایک ہے۔

تنزیل اور تعلیم

اور معائنہ وہ ہیں اسی طرح منزل و علم میں بھی بارہ وجوہوں کے اتحاد کے ایک خاص نکتہ کے لئے دو جہان کا عنوان ہیں دو نکتہ اشارہ ہے اس دوسری طرف کہ ہم نے محض تنزیل ہی پر اس نہیں کر لیا کہ تعلیم بھی فرمادی۔

فضل عظیم صرف علوم دینیہ ہیں

صاحبزادہ اگر تم آدمی چاہتے ہو تو خدا کی عطا کی کہ وہ اس عطا میں تمہیں دوسرے ہم جنسوں کی عطا سے آزادی ہو جائے گی۔ اور فطری طور پر تم عطا سے تو کسی حال میں بچ نہیں سکتے اور جب نہیں بچ سکتے تو انہیں کی عطا کیوں نہ قبول کرو جن کی عطا سے بادشاہوں کو بھی خیر ہے ان کی عطا کے یہ معنی ہیں کہ شریعت سے آزاد نہ ہو اب میں اس جنسوں کی طرف مودرتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ کی عطا کر وہ نعمت خوش بخش و غیرہ ہے تو سب فضل مگر فضل عظیم نہیں ہے فضل عظیم صرف علوم دینیہ ہی ہیں البتہ جب کوئی مطلق فضل ہے تو اس کے حاصل کرنے کے لئے اسی کے مناسب علوم کی بھی ضرورت ہوگی بشرطیکہ وہ شریعت کے اندر ہوں تو اسے علوم کا حاصل کرنا بھی جائز بلکہ لغیرہ مستحسن ہوگا مگر ان علوم شریعت سے اہم و اہم نہ سمجھو کیونکہ روای کو مطلق فضل فرمانے اور علوم شریعہ کو فضل عظیم فرمانے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ علوم شریعت افضل ہیں ان علوم سے اور راز اس میں یہ ہے کہ وہاں بھی علوم سے خاص اعمال پیدا ہوتے ہیں اور یہاں بھی تو علوم و اعمال تو دونوں جگہ ایک

دوسرے سے ثابت ہیں مگر اب دیکھو کہ علوم شریعت سے کون سے اعمال پیدا ہوتے ہیں اور علوم معاش سے کون سے اعمال ظاہر ہے کہ علوم شریعہ سے اعمال آخرت پیدا ہوتے ہیں اور علوم معاش سے اعمال دنیا اور اعمال آخرت حقیقا مقدم ہیں اعمال دنیا سے کہہ کر مسلمان کے نزدیک دین بنیاد بنا رہا ہے مقدم ہے نیز اعمال آخرت کا شرور اہم اور عظیم ہے۔ اعمال دنیا کا شرور قافیہ اور مختصر ہے اور وہ سب کی فضیلت سمجھتے ہیں کہ اعتبار سے بھی ہوتی ہے جب علوم شریعہ کا سبب علوم دنیا کے سبب سے افضل ہے تو حقیقا علوم شریعہ علوم دنیا سے افضل ہیں۔ نیز دنیا واسطہ ہے آخرت کے لئے طواف مقصود نہیں ہے اور مقصود واسطہ سے افضل ہوتا ہے۔ تو مقصود کا علم بھی واسطہ کے علم سے افضل ہوگا اور یہاں سے بھی معلوم ہوا کہ دنیا کے علوم وہی جائز ہوں گے جو مقصود کے لئے حرام نہ ہوں اور اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ جب یہ علوم افضل ہیں تو اس علم کے علاوہ بھی افضل ہوں گے۔

لَيْسَ بِأَمَانِيكُمْ وَلَا أَمَانِي أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ

وَلَا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا يَصْرِفُهُ ۚ وَمَنْ يَعْمَلْ

مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ لَأُنْثِيَ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ۚ وَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ

الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ۝

ترجمہ: جنہاں کی امتداد اس سے کام چلتا ہے اور نہ اہل کتاب کی امتدادوں سے جو شخص کوئی برا کام کرے گا وہ اس کے عوض میں سزا دیا جائے گا اور اس شخص کو خدا تعالیٰ کے سوا کوئی پادار ملے گا اور نہ وہ سزا دے گا اور جو شخص کوئی نیک کام کرے گا۔ خداوند سرور دیا عورت بشرطیکہ مومن ہو سو ایسے لوگ جنہاں میں داخل ہوں اور ان پر نہ کوئی غم ہوگا۔

تفسیری نکات

شان نزول

شان نزول آیت کا یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ اسلام میں قبلہ کے مقدمہ کا خریدتہ خرید رہا تھا یہود کہتے تھے کہ خدا قبلہ مقدم ہے مسلمان کہتے تھے ہمارا قبلہ مقدم ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ خدا کا قرب اور دخول جنہاں کی امتدادوں سے حاصل ہو سکتا ہے نہ اہل کتاب کی امتدادوں سے بلکہ اللہ سے یہاں تو یہ کہانوں ہے کہ نہ کوئی

بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ
 الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ يُبْتَغُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ
 الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۝ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكَ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَأَلْتُمْ
 آيَةَ اللَّهِ يَكْفِرْ بِهَا وَيُسْتَفْزَأَ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّى
 يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلُهم ۚ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ
 الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ۝ الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ
 فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فِتْنَةٌ مِنَ اللَّهِ وَالْوَالِدَةِ تَكُنْ مَعَكُمْ ۚ وَإِنْ كَانَ لِلْكَافِرِينَ
 نَصِيبٌ ۚ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَعِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعَكُمُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
 ۚ وَاللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى

الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ۚ

ترجمہ: منافقین کو تو فحری سارا جیسے اس امر کی کہ ان کے واسطے بڑی دردناک سزا ہے جن کی یہ
 حالت ہے کہ کافروں کو دوست بناتے ہیں مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا ان کے پاس معزز رہنا چاہتے ہیں سو
 اگر ان کو سارا اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس یہ فرمان بھیج چکا ہے کہ جب احکام
 علیہ کے ساتھ استہوا اور مکر ہو گا تو اس سے ان لوگوں کے پاس مت چھو ٹکدہ کوئی اور بات شروع نہ کر
 دیں کہ اس حالت میں تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔ بھلیا اللہ تعالیٰ منافقوں کو اور کافروں کو سب کو
 دوزخ میں جمع کر دیں گے وہ ایسے ہیں کہ تم پر اتنا بڑے کے فتنہ ہے ہیں پھر اگر تمہاری فتح منجاب
 اللہ ہو گی تو ہائیں مانتے ہیں کہ کیا تم تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر کافروں کو کچھ حاصل کیا تو ہائیں
 مانتے ہیں کہ کیا ہم پر غالب نہ آنے لگے تھے اور کیا ہم نے تم کو مسلمانوں سے بچا نہیں لیا سو اللہ تعالیٰ
 تمہارا اور ان کا قسمت میں (محل) لپیٹ فرما دیں گے اور (اس لپیٹ میں) ہرگز اللہ تعالیٰ کافروں کو
 مسلمانوں کے مقابلہ میں غالب نہ فرمائیں گے۔

تفسیری نکات منافقین کو ملامت

اس مقام پر جن لوگوں کی پر شکایت ہے وہ جماعت منافقین کی ہے کہ گورہ زبان سے کہتے تھے کہ ہم ایمان لائے مگر وہ واقع میں مومن نہ تھے اسی وجہ سے ان کو نذر دہکام تکف نہ کیا جائے گا بلکہ باوجود غیر تکلف ہونے کے جس امر پر ان کی شکایت کی گئی تو مسطوم ہوا کہ وہ جرم بہت شدید ہے تو جو مدعی اطاعت ہیں یا اگر مرعوب اس جرم کے ہوں تو بہت زیادہ اہل شکایت ہیں پس وہ مہر کر کہ جس پر منافقین کو اس آیت میں عاصت کی گئی ہے انہوں نے کہہ دیا ہم میں بھی سوجھ رہے ہیں اور بھی زیادہ ضروری ہوا کہ اس مضمون کو اختیار کیا جاوے پس عین حقیقتوں سے اس مضمون کی ضرورت ثابت ہوئی اول تو فی نفسہ ضروری ہونا دوسرے اس میں لفظی واقع ہونا تیسرے ہم میں وہ لفظی ہونا اب سنیے کہ وہ مضمون کیا ہے ارشاد ہے **لَا تَتَّبِعُوا مَنَافِقِیْنَ قَالُوا سَمِعْنَا بِہُمْ اٰیٰتِیْنَ** کفار کے پاس جا کر عزت کے طالب ہوتے ہیں عزت تو تمام کی تمام اللہ تعالیٰ کی ملک ہے یہ ترہ ہے آیت کا قصص کے نزدیک کا یہ تھا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں ایک جماعت تھی منافقین کی وہ بظاہر مومن تھے اور واقع میں کافر تھے تو ان کا یہ شیوہ تھا کہ مسلمانوں کے طریق کے مقابل میں کرکھار سے مکمل جہول رکھتے تھے اس لئے کہ اپنے ذمہ گناہ میں یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اسلام پر مبنی والا تو ہے نہیں یہ وہ چاروں کا شور وغل ہے مگر بدستور کفار کا علی پلہ بھاری دے گا تو کیا ضرورت ہے کہ ہم ان سے بگاڑیں اور ہر مسلمانوں سے اس لئے ملتے تھے کہ ان کے حملوں سے محفوظ رہیں اور شاید ان کو غلبہ ہو جائے تو کہنے کو سونپ دے کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں اللہ تعالیٰ ان کی شکایت فرماتے ہیں اور ان کی رائے کا لفظ ہونا ارشاد فرماتے ہیں کہ کیا یہ منافقین یہ سمجھتے ہیں کہ کفار کے پاس عزت ہے اس لئے ان سے مکمل جہول رکھ کر عزت کے طالب ہیں خوب سمجھو کہ غلبہ اور عزت تو بھاری ملک ہے پس جس کا طالب ہو وہ ہم سے مکمل جہول کرے اس لئے کہ کفار وہ ہے کہ جو شے جس کی ملک ہو اور ہم اس کے طالب ہو تو اس کا طریقہ یہی ہے کہ اس کی اطاعت کرو یہ عجیب بات اور غلبہ موضوع ہے کہ اس کو ناراض کر کے اس سے دلہٹا جا چاہیں یا دوسری بات ہے کہ کسی مصلحت سے وہ شے بھڑکی اس کو دے سے مقصود یہ ہے کہ طریقہ اس کا کیا ہے کہ اس کی اطاعت بھی اقتیاد کی جاوے یہاں سے پرشہد بخ ہو گیا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ غیر مومنین کو بھی عزت اور غلبہ حاصل ہے تقریباً تمام کی یہ ہے کہ کام اللہ میں ملک کا ہے تو حاصل یہ ہے کہ عزت اور غلبہ اللہ کی ملک ہے یہ مطلب نہیں کہ عزت اور غلبہ ہم کی کوئیں دیتے نہیں ہے کہ کسی مصلحت اور حکمت کی وجہ سے غیر مصلح کو بھی دے دیں اور وہ حکمت یہ ہے کہ یہ دنیا احسان اور انعام کا گھر ہے پس اگر دنیا میں مسلمانوں ہی کو غلبہ ہو تو یہ

تسکت انتلا فرقت ہو جاتی اس لئے کہ اسلام قبول کرنے والوں کا کوئی امتحان اور امتلا نہ ہوتا اس واسطے کہ جب کہ غلبہ نہیں ہو جاتا تو پھر مسلمان ہونا کوئی کمال نہ تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ایسا ملا جو غلبہ نہ کھائے کہ کابری نظر میں کوئی امتیاز نہ ہو سکی کسی قوم کو غلبہ دے دیا گئی کسی کو کٹا کہ اس کا امتحان ہو کہ دیکھیں اللہ سے بندے کس طرف رج کرتے ہیں یا دنیا کی شان و شوکت پر مائل ہوتے ہیں یا ہماری طرف آتے ہیں۔ پس ہر جو اس کے اگر کوئی اسلام قبول کرتا ہے اس کا غلبہ محض اعلا میں ہوتا ہے کوئی دوسری فرض نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کمر کو کھینچا کہ وہ دعویٰ غیر ذی درجہ میں جایا ہے کہ وہ اس تک پہنچی یا ڈی ہوئی ہے نہ سرسبز کا نام و نشان ہے نہ سرسبز اور خشک اور کوئیں ہیں بلکہ خشک میدانوں اور پہاڑوں کے کوئی شے نہیں مگر بیت اللہ شریف غلبہ کشمیر میں ہوتا تو وہاں مسلمانوں کا چاہا کوئی کمال نہ تھا۔ حق تعالیٰ نے ایسی جگہ جایا کہ وہاں ہر شے کی کمی ہے تاکہ جو کوئی وہاں جاوے اللہ ہی محبت کی وجہ سے جاوے چنانچہ مسلمان وہاں مشتقیں اٹھا اٹھا کر بل برج کر کے جو جاتے ہیں اس کا غلبہ وہاں کے اعلا میں اور حق تعالیٰ کی محبت کے کوئی شے نہیں ہے ایسا محض حضور ﷺ نے اپنی اولاد کے لئے ذکوۃ کو حرام فرمایا اور نہ کم نبیوں کو یہ شبہ ہوتا کہ یہ سب ترغیب اور ذکوۃ اسلام اپنی فرض کے لئے ہے کہ کم اور ہماری اولاد کو نہ پایا حاصل ہو اب یہ شبہ ہی نہیں ہو سکتا اس لئے کہ جو صدقات واجب ہیں جیسے ذکوۃ عشر فدیہ وغیرہ تو سب اپنے خاندان پر حرام ہی فرما دیئے ہیں اب وہ کئے صدقات بالملک کمال میں امتیاز ہے خواہ وہ یہ نہ وہاں میں کوئی شبہ ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ صدقات ہی خود ضروری نہیں کہ ضروریہ جائیں۔ پس حق تعالیٰ کی یہ حکمت اور شان ہے کہ جہاں اراکین خود فرضی کا شہر ہوا ہے اسی کو دفع فرمایا ہے پس اگر عزم اور پیشہ دولت اور عزت و جاوید اسلام کے ساتھ مخصوص ہوتا تو اسلام لانے میں ہجر کوئی کمال نہ ہوتا اور محض وہ غیر ملکیں میں اشتباہ ہو چکا اور اب جو کوئی اصرار آتا ہے وہ اعلا میں ہی کی وجہ سے آتا ہے۔

قیامت میں مسلمانوں ہی کو کفار پر غلبہ حاصل ہوگا

وَمَنْ يَخْلُقْ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ نَبِيًّا يَنْفَعُ قَوْمَهُ قَبْلَ قَوْمِهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
 اسی آیت کے الفاظ پر فکر کو تصور کرو یہ چاہئے کہ اس پر اطلاق ہوتا ہے کہ یہ تو خلاف مشابہہ ہے ہم تو دیکھتے ہیں کہ جس دن قوم کفار کو مسلمانوں پر غلبہ ہو گیا ہے اس کا جواب بھی ادا کیا ہے اور اچھا جواب ہے کہ غلبہ سے غلبہ بی انجھ مراد ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ محبت میں کہ کفاروں کو بھی ایسی غلبہ نہ ہو گا اور یہ مشابہہ کے موافق ہے۔ محبت میں ایسا اسلام ہی کو غلبہ دیا ہے اور ہوتا ہے کہ یہ جواب فی عکس ہے کہ کیا اچھا ہوا کہ اطلاق ہی نہ پڑے جو جواب دینے کی ضرورت ہوتی سابق میں فکر کرنے سے معلوم ہوا کہ یہاں اب سے فیصلہ قیامت کا ذکر ہے نہ یہ جملہ ای فیصلہ کے متعلق ہے چوں کہ آیت یوں ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهَوْنَ لَا يُؤْمِنُونَ ۚ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۖ
اور یہاں یہ لکھا کہ جو اللہ کی قیامت کے دن اور (اس فعل میں) حق تعالیٰ کا فرم کو مسلمانوں پر ہرگز غلبہ نہ دے گی۔ دیکھئے یہاں اس فقرہ کرنے سے یہ کہ وہ جو اس کا افعال و اوردی نہیں ہوتا کیونکہ یہاں غلبہ اللہ کا ذکر ہی نہیں بلکہ فعل قیامت میں غلبہ ہونے کا ذکر ہے۔ (تاج العروس)

وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهَوْنَ ۚ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۖ
ہوتا ہوا دیکھتے ہیں پھر اس آیت کے کیا معانی اس شبہ کا منشاء یہاں ہے کہ جو اس سے غور نہیں کیا گیا اس سے پہلے ارشاد ہے وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهَوْنَ ۚ وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهَوْنَ ۚ مضمون ہوا کہ یہ حکم فعل قیامت کے متعلق ہے عام نہیں ہے اور یہ شبہ اور غور کرنے سے اور غور کرنے کا سبب یہ ہوا کہ یوم القیامت پر وقت کیا جاتا ہے جس سے وہ مساف کام بکھا گیا کہ یہاں ملایا بھی ہوئی تو یہ شبہ چنانچہ اس طرح لا رہا ہے کہ میں جو شبہ واقع ہوتا ہے کہ قرآن میں تو بہت کفر نے شہادت کئے ہیں اس کا جواب مولانا کی طرف سے مشہور ہے کہ حق تعالیٰ نے اس پر یہ فی فی فرمایا ہے لا رہا ہے ہم تو نہیں فرمایا تو کفر ہے شک شبہ کرتے تھے مگر اس کا منشاء خداوند کے اندر تھا یعنی حسن و جماد و جمل و غیرہ قرآن میں منشاء اور یہ کہ نہیں ہے اس کی توضیح میں نے اس طرح کی ہے کہ جیسے یہ قرآن والا ہر جہ کو درود پکارتا ہے مگر وہ جس کے یہ کہنا صحیح ہے لا صغر وہ کیونکہ منشاء و فقرہ کارائی میں ہے اس طرح یہاں کجگو علیٰ ہذا لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون میں شہد واقع ہوتا ہے مولانا نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے لا خوف لہم و ہم تو نہیں فرمایا بلکہ لا خوف علیہم فرمایا مطلب یہ ہے کہ جہادی طرف سے ان پر کوئی واقعہ یا رشاک واقع نہ ہو گا کہ وہ خود اپنی مساوت مندی سے ڈرتے رہیں تو اس کی گئی نہیں کی جاتی اس طرح امیر شاہ خان صاحب نے امیر اربابیات میں مولانا کی ایک حکایت لکھوائی ہے کہ کسی نے مولانا سے آ کر عرض کیا کہ ایک پادری کہتا تھا کہ مسلمان خود کو انجیل و تورات کو کفر مہول کہتے تھے حالانکہ قرآن سے خود اس کی نفی ہوتی ہے کہ قرآن میں ہے کہ کلام اللہ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی اور انجیل و تورات کا کلام اللہ ہوا مسلمانوں کو مسلم ہے۔ پھر وہ ان میں تبدیلی کے قائل کیونکہ ہو سکتے ہیں امیر شاہ خان صاحب نے یہ انجیل کو لکھوایا ہے مگر جواب یہ کہ نہیں لکھوایا کہ مولانا نے اس کا کیا جواب دیا پڑھو آیت بھی اس کی جگہ متحول دینی جس میں عدم تبدیلی فی کلام اللہ کا دعویٰ ہے اس لئے یہاں پر حاشیہ لکھنے کی ضرورت ہوئی چنانچہ فرم کر کے آیت بھی مل گئی جو پادروں کا میں ہے وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهَوْنَ ۚ وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهَوْنَ ۚ ہے کہ اس جگہ حق تعالیٰ نے اوپر سے قرآن کی حمایت کیا جان فرمایا چنانچہ اس سے اوپر کی آیت یہ ہے

الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهَوْنَ ۚ وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهَوْنَ ۚ وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهَوْنَ ۚ

يَسْمَعُونَ أَكْثَرُ مَذَكَّاتٍ مِنْ كَرَمَاتٍ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونُ مِنْ الْمُتَكَلِّفِينَ وَكَذَلِكَ قَوْلُهُ وَكَذَلِكَ جَاءَ الْوَقْلُ الْإِنشَاءِ
آیت اولیٰ میں اَنْزَلَ الْوَحْيَ الْكَذِبَ میں کتاب سے مراد ہی قرآن ہے (کیونکہ حضور کے کاظمین اور ان پر
اس کا نزول ہوا ہے اور اسی کے حلقی جاہل یا دہائی کیا گیا ہے کہ اہل کتاب کو اس کے منزل ہلق ہونے کا خوب
علم ہے وہی وحی یہاں بھی ہے جس پر اس کا قرین ہے کہ وَكَذَلِكَ قَوْلُهُ وَكَذَلِكَ جَاءَ الْوَقْلُ الْإِنشَاءِ
سے بھی قرآن ہی مراد ہے اور مثل اوصاف سابقہ کے یہ عدم تہدیلی بھی اسی کی صفت ہے اب یہ کلام اہل نہیں رہا
اس کا ایک جواب ہماری جماعت کے بعض اکار سے دوسری طرح مقبول ہے جس کا عنوان یہ ہے کہ کلام اللہ میں
تہدیلی نہیں ہو سکتی اور کتاب اللہ میں ہو سکتی ہے ایک مقدمہ تو یہ ہو گا کہ دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ قرآن تو کلام اللہ ہے
اور دوسری کتابیں کلام اللہ نہیں بلکہ محض کتاب اللہ ہیں۔ یہ جواب میری کچھ شے نہیں آیا اس لئے میں اس کو بیان
کرنا بھی پسند نہیں کرتا لیکن یہ کہ اصل عیب کی دلیل کے تمام مضامین ظاہر یہ جواب بھی ہو جائے اور دوسری نے
سب مقدمہ نقل نہ کئے ہوں مگر چونکہ ہم کو یہ جواب اتمام ہی پہنچا ہے اس لئے ہمیں اس سے قلمی نہیں ہوئی
فرض یہاں بھی اہل کمال کا خیال ہو کہ سیاق و سباق میں غور نہیں کیا یا صرف وَكَذَلِكَ جَاءَ الْوَقْلُ الْإِنشَاءِ کو کچھ کر صوم بھ
لیا کیا (اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی لیس من البو الصيام فی السفر کو عام کچھ لے گا کہ قرآن سے اس
کا علم ضرورت کے ساتھ مخصوص ہونا ظاہر ہے) اگر اس سے لہو پر کی آیت کو کچھ لیا جائے تو اہل کمال واقعہ نہ ہوتا اور
معلوم ہوتا کہ یہ علم عام نہیں بلکہ قرآن کے ساتھ خاص ہے۔

قرآن سمجھنے کیلئے ضروری علوم

فرمایا درسیات پر محض کچھ پیدا ہو جائے گی اس سلسلہ میں فرمایا تو اسے صرف و نحو کچھ کر پڑھنے کے بعد قرآن
شریف پڑھا جائے اس کے بعد صرف ایک کتاب لغت کی پڑھ لی جائے تو اس کافی ہے اور جو خود عالم تہذیب و عقل نہ
ہو اس کو دوسرے کی تھکید و اتباع کرنی چاہئے دھڑی نے لکھا ہے کہ چودہ علم پڑھنے کے بعد یعنی تمام علوم سے
خارج ہونے کے بعد قرآن پاک پڑھا جائے یہ اس کی رائے ہے فرمایا میری رائے تو یہ ہے کہ قرآن و فقہ
اصاریت کا کھانا منطق کے بغیر مشکل ہے اس لئے منطق پڑھنی ضروری ہے فرمایا دوسرے دوا کی کا کھانا قرآن سان
ہے لیکن استہلاک مسائل اور تحقیق کے لحاظ سے قرآن کا کھانا دواوں منطق اور علوم آلاء کے دشوار ہے اس لئے علوم
عالیہ کے لئے علوم آلاء کی ضرورت ہے بعد اصطلاحات منطق کے باقی حضرت والا نے چند آیات قرآن سے
اس کی ترویج فرمائی مثلاً آجہ کریمہ (۹)

وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَأَسْمَعَهُمْ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُونَ (انفال)

(اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں خرابی دیکھتے تو ان کو سننے کی توفیق دیتے اگر ان کتاب خادیں تو ضرور رو کر دانی کریں گے پندہی کرتے ہوئے)

اس میں شبہ ہوتا ہے کہ یہ قیاس حلقی کی ایک شکل ہے اور جدا جدا حذف ہونے کے بعد یہ تہجد نکلا ہے ولو علم اللہ فیہم عیو القولوا لیکن ظاہر ہے کہ یہ تہجد بالکل غلط ہے تو اب اشکال یہ ہے کہ تہجد غلط کیوں نکلا تو پھر فرمایا کہ ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ جدا جدا کا مکرر ہونا جو شرط انکار ہے وہ اس شکل میں موجود نہیں کیونکہ پہلا اسمعہم سارع القول سے مشتق ہے اور دوسرا اسمعہم سارع حارس کے معنی میں ہے اس لئے وہ یک اسمعہم کا لفظ اگرچہ مکرر ہے مگر معنی الگ الگ ہیں اس لئے جہت تکرار جدا جدا نہیں ہو اس لئے تہجد غلط اب اگر کسی کو منطبق دانی ہو تو اشکال کامل سمجھا جاوے گا کہ وہ غلط ہے۔

(آیہ) ولقد کنھما فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یوفیھا عبدا الصالحون (پ ۱)
(اور ہم کتابوں میں بلوں تھوڑے کے بعد لکھ چکے ہیں کہ اس زمین کے مالک میرے ایک بندے ہوں گے)
اسے حلقی ایک صاحب نے مجھ سے سوال کیا کہ آج کل یہ اقوال و مشاہدہ کے خلاف ہے کیونکہ عموماً زمین پر کفار و فاجر کا تسلط ہے سوال کرنے والے ایک مولوی صاحب تھے میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کون سا فقہ ہے بصورتہذا ہمارے کہنے کے بعد اس نے کہا کہ فقہ یہود و عجم میں جڑ ہے ہوتا ہے کہ یہ نہیں سمجھتا اس لئے اس آیت کا یہ مفہوم ہی نہیں کہ بیش اور ہر وقت اور ہر زمانہ میں یہی حال رہے گا کہ صالحین زمین کے وارث ہوں گے بعض مروجہ ایہ ہوتا اس فقہ کے حقوق کے لئے کافی ہے (ملفوظات بحکمہ امتداد ۱۵ ستمبر ۱۹۷۲ء)

اسی طرح ایک اور آیت ہے ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلاً یعنی ان کو اس سے یہ سمجھا جائے کہ کافر مسلمانوں پر کبھی غالب نہ آئیں گے بجز اس پر یہ اشکال کہ قرآن شریف میں یہ ہے اور اللہ اس کے خلاف ہے وہ یہ کہ کفار کو ہر وقت و ہر زمانہ میں مسلمانوں پر غالب ہوا ہے جس کا انکار نہیں ہو سکا مشاہدہ کا کیا انکار مگر حقیقت میں آیت کا یہ مطلب ہی نہیں جو سمجھا گیا ہے یہ آیت نہ ان کے حلقی ہے ہی نہیں یہ آیت ثروت کے حلقی ہے کیونکہ اگر ذکر و تہنیت کا بیان کا ذکر کر کے فرماتے ہیں طائیفہ یحکم یحکم بوم القیامہ ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلاً مطلب یہ ہے کہ ثروت میں فیصلہ کے وقت ذکر و تہنیت کی ہوگی اور نہ تہنیت ہاریں گے خود طائفہ یحکم بوم القیامہ قرار ہے کہ یہ مجمع ثروت کے حلقی ہے یعنی قیامت میں جب مقدس حق ہوگا تو اس میں مسلمان مظہر نہ ہوں گے کتاب کوئی اشکال نہیں (ذیل الجہاد و سوانح حبیبیت حال و بعد ص ۱۸۳)

ایک اشکال یہ ہے کہ اللہ کو اس آیت پر ہوتا ہے۔ ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلاً اور اگر نہیں دیکھیں گے حق تعالیٰ مسلمانوں پر کوئی راہ یعنی غلبہ

افکار پر ہوتا ہے کہ ہم پر ہر مسئلہ دہ کرتے ہیں کہ کفار مسلمانوں پر غالب ہو جاتے ہیں اس کے بہت سے جواب علماء نے دیے ہیں لیکن اگر قرآن کے ساتھ دینی و دنیاوی امور و ضروریہ سمجھا کر کلام اللہ غیر مرہد نہیں ہے بلکہ حب اس کو مرہد سمجھے گا تو ہر مقام پر ساقی و سہانی کو بھی دیکھنے کا چنا چس آیت پر افکار اس لئے ہوا کہ لوگوں نے سن بجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین مبیلا کے سہانی کو نہ دیکھا اس میں یہ غم آفرین کے ساتھ مخصوص ہے چنا چس سے پہلے یہ ارشاد ہے فاما لہ یحکمکم یہکم یوم القیعة حق تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے درمیان فیصلہ کریں گے یعنی قیامت میں کفار و مسلمان کا فیصلہ ہو جائے گا کہ کون حق پر تھا کون باحق پر اس کے بعد فرماتے ہیں و لن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین مبیلا اور اللہ تعالیٰ کفار کو مسلمانوں پر ہرگز غلبہ نہ دیں گے یعنی اس فیصلہ میں جہاں قیامت میں ہو گا اب کوئی افکار نہ پاؤں گے اعلیٰ علیہم السلام ص ۱۰۸

الفاظ کا صحیح معنوں میں محمول کرنے سے بہت جگہ قرآن مجید میں تہذیب و غیرہ کی بھی ضرورت نہیں رہتی مثلاً و مکر و لو مکر اللہ میں کھینچ کر نبی کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف نہیں لازم آتی جس کے لئے تاویل کی ضرورت ہو کیونکہ کفار و کید کی حقیقت سواۃً تا مکر یعقوب صاحب یہاں یہ فرماتے تھے کہ کفر و کید کہتے ہیں تو حیر غنی کو تو حیر غنی بھی محمود بھی ہوتی ہے مگر یہ سوہم کی نہ مگر یہ تہذیب کی ضرورت نہ تو یہی ضرورت۔

اسی اصل کی ایک لڑائی یہ ہے کہ الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یخزون کے متعلق یہ افکار ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ تو اکثر بہت خائف اور خردان رہتے ہیں اس افکار کا جواب بھی اسی اصل پر حضرت سواۃً تا مکر کا صاحب نے یہ پایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لا خوف لہم یا لا خوف بہم نہیں فرمایا بلکہ لا خوف علیہم فرمایا یعنی ان پر آئینہ میں خوف واقع نہیں ہو گا یہ نہیں کہ ان میں خوف نہیں خلاصہ اس تو یہ کیا ہے کہ ان میں خوف ہے ان پر خوف نہیں اسی طرح ذالک الکتاب لا رب لہ پر جو افکار ہوتا ہے قرآن مجید میں تو بہت لوگوں کو شک ہے بلکہ یہ کیوں فرمایا گیا کہ اس کتاب میں کوئی شک نہیں اس کی تو یہ بھی سواۃً نے اسی اصل پر یہ فرمائی کہ وہ شک اس کتاب میں نہیں ہے بلکہ میں کو شک ہے خود ان میں مذہبافت ہے اور حقیقت ان کے فہم میں کھوٹ ہے اس کتاب میں کوئی کھوٹ نہیں یہ تو حضرت سواۃً کی تحقیق ہے اور مجھ کو اس کی ایک مثال مل گئی جس سے سواۃً کا مقصود اور واضح ہو گیا وہ مثال یہ ہے کہ یہ قان اضطررنا لے گا جو سب چیزیں زبردستی زبردستی آتی ہیں تو اس کی آنکھوں میں زبردستی ہوتی ہے نہ کہ ان چیزوں میں جب وہ کسی چیز کو دیکھ کر یہ کہتا ہے کہ اس میں زبردستی ہے تو اس سے پہلی کہا جاتا ہے کہ اضطررنا لے کہ اس چیز میں زبردستی نہیں ہے جبری آنکھوں میں ہے۔ اسی طرح درحقیقت قرآن میں کوئی شک نہیں ہے اور جو اس میں شک کرتا ہے اس کے فہم کا مقصود ہے۔ سواۃً تا مکر فرمایا کرتے تھے کہ قرآن مجید میں جہاں کوئی شبہ ہو وہی ایک لفظ ایسا ہے جس میں اس شبہ کا جواب ہے جیسے گوین

کلام میں جہاں ایک کا درست ہونا ہے اسی کی جڑ میں ایک اور درست لگتا ہے جو اس کا علاج ہے اور اسی کے پاس ہوتا ہے اسی طرح چونکہ تم نقل ہوتا ہے اس لئے اسی موسم میں پاس بھی ہوتی ہے جو اس کی منسلک ہے اور خود پاس میں بھی جو ایک نقل ہے اس کا آم میں علاج ہے غرض آم کی منسلک پاس ہے اور پاس کا منسلک آم ہے چنانچہ اس آیت پر بھی ایک اشکال مشہور ہے۔ لَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا یعنی مؤمنین پر کافروں کا ہرگز ظہن نہ ہو گا حالانکہ مؤمنین

کا قرآن کا قلب بہت جلد مشابہ ہے اس اشکال کا بھی جواب ہیں موجود ہے چنانچہ جس سلسلہ میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے وہ ہے وَاللَّهُ بِحُكْمِ يُحْكَمُ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ قیامت میں کفار اور مؤمنین کے درمیان جو فیصلہ کیا جائے گا اس فیصلہ میں مؤمنین پر کافر قلب نہ ہوں گے پوری آپ اگر چہ می چاہو تو خود ہیں اس اشکال کا جواب بھی موجود ہے۔ اسی لئے غیر متعلق کا قرآن مجید سے استدلال سراسر بے گل اور مضروب کا چنانچہ قلب رام پور میں حضرت مولانا مکتوبیؒ نے ایک واقعہ میں مطلق کے حلقہ کوئی فتویٰ دیا تھا کسی صورت نے قرآن شریف کا ترجمہ چارہ کر اس کے خلاف یہ فتویٰ دینا ذکر قرآن میں یہ لکھا ہے کہ حکیم ضیاء الدین صاحب سے کسی نے بیان کیا فرمایا کہ وہ کیا ہائے مسئلہ چنہ لکھن کی کہہ داس سے کہ اگر زبان درازی کرے گی تو ناک جوئی کاٹ دی جائیگی۔

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَدُّ عُنُونُ اللَّهِ وَهُمْ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا

إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَى يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ

اللَّهُ إِلَّا قَلِيلًا ۝

ترجمہ: منافق لوگ چال بازی کرتے ہیں اللہ سے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس چال کی سزا ان کو دینے والے ہیں اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کامل کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں صرف آدمیوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی نہیں کرتے مگر بہت ہی غفلت۔

تفسیری نکات

اعمال صالحہ میں ہمیشہ مشقت رہتی ہے

بہر حال خوب کلمہ کا اعمال صالحہ میں مشقت ہمیشہ رہتی ہے کیونکہ وہ اصل نفس کی خواہش کے خلاف ہیں

فہم ان میں نماز مت ضرور کرتا ہے قلیل یا کثیر اس لئے مخالفت نفس کی امر بضرورت ہے اور بھی مجاہدہ کی حقیقت ہے۔ اور یہاں سے بعض داعیوں کی غلطی معلوم ہوگئی کہ وہ یہ آیت یعنی ﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَفَا لَكُمْ﴾ قاتلوا لانی کو مسلمانوں کے حق میں چڑھا دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ نماز میں کسمل کرے وہ منافق ہے بات یہ ہے ان لوگوں کو قرآن کے معنی سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ حقیقت مسئلہ یہ ہے کہ کسمل کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ کسمل میں مشقت کا سامنا ہو مگر عقیدہ میں ضعف یا شک نہ ہو تو یہ کسمل نہیں ہے عوام فقہین کی شان تھی یہ کہ کسمل طبعی ہے اور طبعی کسمل اعمال شریعہ میں خلصین کو بھی ہو سکتا ہے کیونکہ یہاں کسمل برکراں ہیں فہم ان میں بعض دفعہ کسمل کرنے لگتا ہے اور اعمال شریعہ میں مشقت کا سامنا ہوتا آیت وَمَا جَعَلَ عَلَيْكَ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ کے خلاف نہیں کیونکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ دین فی نفسہ آسان ہے مشقت نہیں یہاں بات ہے کہ نماز مت فہم کی وجہ سے اس میں دشواری آجائے کیونکہ یہ ضرور ہے کہ اعمال شریعہ میں فہم کی خواہشوں کو پامال کیا جائے اور اس کی مخالفت کی جاتی ہے اور یہ کسمل ضرور گراں ہے فہم نماز مت دشواری کی وجہ سے دشواری آجائے میری فہم کے خلاف نہیں اسی لئے قرآن میں وَمَا جَعَلَ عَلَيْكَ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ سے پہلے وَمَا جَعَلَ لَكَ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ بھی آیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ دین میں مجاہدہ کی بھی ضرورت ہے پس ایک جڑ وہی کومت دیکھو دلوں جڑوں کو کاٹو تو حاصل وہی نکلے گا جو میں نے عرض کیا ہے اب سب کے ایک یہ طبعی کسمل ہے جس کا فضا نماز مت فہم ہے یہ منافقین کے ساتھ خاص نہیں اور ایک اعتقادی کسمل ہے کہ اس فہم کو نماز کی فریضت پر اور خدا و رسول ﷺ پر ایمان نہیں ہے فہم کسی مصلحت کی وجہ سے نماز چڑھا دے تو ظاہر ہے کہ وہ دل سے نہ چڑھے گا بلکہ بیگاری تالے گا اور کسمل کے ساتھ نماز ادا کرے گا یہ کسمل منافقین کی شان ہے اور خدا نہ کرے کہ کسی مسلمان کی ایسی شان ہو۔

کسمل اعتقادی

فرمایا کہ کلام مجید میں جو ارشاد ہے ﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَفَا لَكُمْ﴾ اس میں کسمل سے مراد وہ کسمل ہے جو ضعف اعتقاد سے ہو جیسا کہ منافقین میں تھا کہ چہ نکہ نماز کو فرض نہ سمجھتے تھے صرف مصلحت دنیوی کی وجہ سے چڑھتے تھے اس لئے وہ ان کو کسمل معلوم ہوتی تھی کسمل طبعی مراد نہیں بلکہ کسی مسلمان کی حالت یہاں کہ وہ حدیج نہیں جیسا بعض کم فہم دعاتہ کرتے ہیں کیونکہ مسلمان اگر مہارت میں کسمل بھی کرے تو وہ طبعی ہوگا اعتقادی نہ ہوگا۔

غیر محقق داعیین کی ایک غلطی

داعیین میں ایسے غیر محقق داعی بھی پھرتے ہیں کہ مسلمانوں کو کافر بتاتے چلے جاتے ہیں چنانچہ جن لوگ نماز میں سستی کرتے ہیں ان کو منافق کہہ دیتے ہیں اور یہ بات چڑھا دیتے ہیں ﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَفَا لَكُمْ﴾

یہ آیت منافقین کی شکایت میں ہے کہ جب وہ ملنے کے واسطے کھڑے ہوتے ہیں تو اس حالت میں کھڑے ہوتے ہیں کہ کامل ہوتے ہیں خوب کچھ کو کسل اعتقادی ہونے سے اور کسل طبعی جدا منافقین میں کسل اعتقادی عقائدی ان کو فساد کے فرض نہ کیجئے کہ سب کسل عقائد مسلانوں میں کسل طبعی ہے فرض ہونے میں تو دشمن اس کو دوسرے عنوان سے کیجئے کہ بعض مرتبہ لازم ہوتا ہے اس کا تعلق ضروریات حدود سے ہوتا ہے کسل ایک لازم ہے منافقین میں اس کا ملزم اعتقادی سستی ہے اور مسلمانوں میں طبعی ہے مسلمان کی یہی ضعیف گائیماں ہواس کو کسل اعتقادی بھی نہ ہوگا تو یہاں مطلق کسل ہر دو نہیں ہے لیکن ہمارے ناظرین سب کو ایک لکڑی سے ایک دیکھتے ہیں۔

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنَّكُمْ تُكْذِبُونَ شَكَرْتُمْ وَأَنْتُمْ تَكْفُرُونَ وَكَانَ اللَّهُ ذَكِيًّا عَلِيمًا

ترجمہ: حق تعالیٰ تم کو عذاب کر کے کیا کریں گے اگر تم خدا کا شکر کرو مگر میں ایمان (کامل اختیار کرو)

تفسیری نکات شکر کی اہمیت

سبحان اللہ اس آیات میں یہ لفظ مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ اس قابل ہے کہ اس پر جان قربان کر دی جائے فرماتے ہیں کہ ہم کو تیرے عذاب کرنے میں کیا نفع ہے ہم تو تم پر رحمت ہی کرنا چاہتے ہیں مگر تم باقرانی کر کے ٹوڑی عذاب کو سول لیتے ہو تو اس عنوان سے کہ وہ بد شغلت چلتی ہے یہاں ایک ضروری صحیحہ بطور جملہ معترضہ کے ہے بھل لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ حق تعالیٰ کو عقلی سے بے پرواہ ہے سنی بے توبہ سمجھتے ہیں اور اس غلطی کا منشاء یہ ہے کہ ان لوگوں نے فناء کا مطلب غلہ سمجھا اس میں تو شک نہیں کہ فناء حق تعالیٰ کی صفت نہ ہونا چاہیے خود ارشاد فرماتے ہیں فَوَاللَّهِ لَئِنْ سَأَلْتُمْ عَنِ الْعَالَمِينَ ۝ - يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْفَلَاحِ ۝ لِيَسْأَلُواكَ عَنِ الْفَلَاحِ ۝ لیکن لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ ان آیات میں مستحق کے سنی وہ مرد لیتے ہیں جو ہمارے عبادہ میں مستعمل ہیں کہ ہمارے عبادہ میں مستحق اس کو بھی کہتے ہیں جو دوسروں سے بالکل بے پرواہ جو کسی کے نفع نقصان کی اسے رعایت نہ ہو مگر مستحق کے سنی آیات میں صرف یہ ہیں کہ حق تعالیٰ کو کسی کی احتیاج نہیں وہ کسی کا حق نہیں پس احتیاج نہ ہونا اور بات ہے اور بے پرواہ ہونا اور رعایت معارض نہ کرنا دوسری بات ہے فناء حق تعالیٰ کی صفت ہے اس کے سنی عدم احتیاج کے ہیں اور یہاں سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ آج کل جو لوگ محض ترجمے دیکھ کر تحقیق میں جاتے ہیں وہ کیا سمجھ آجاتے ہیں بلکہ غصب یہ کہ یہ لوگ ترجمے دیکھ کر محققین سے حراست کرتے ہیں اور معاذ اللہ میں کہتے ہیں کہ صاحب مشارق الانوار میں تو یہ لکھا ہے مظاہر حق میں یہ لکھا ہے میں کہتا ہوں کہ اس میں

وہی لکھا ہے جو حق بیان کرتا ہے مگر تم ترس کر نہ کہہ سکو اس کی حقیقت کو نہیں سمجھو۔

لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالشُّعُوْرِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَن ظَلِمَ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بڑی بات زبان پر لانے کو پسند نہیں کرتے بجز مظلوم کے

تفسیری نکات

غیر محبوب کا مبعوض ہونا مسلم ہے

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَفِيًّا لَا تُخَوِّرُهُ (لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْخَفِيَّ بِالشُّعُوْرِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَن ظَلِمَ) اور إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْقَتْلَ بِالشُّعُوْرِ (لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْقَتْلَ بِالشُّعُوْرِ إِلَّا مَن ظَلِمَ) اور

ظاہر ہے کہ یہ سب اعمال مبعوض ہی ہیں تو صاحب کے معنی صرف یہی نہیں کہ یہ محبوب نہیں کو مبعوض بھی نہیں جیسے امور مباح ہوتے ہیں بلکہ یہی مراد ہے کہ یہ مبعوض ہیں، جب ترکِ دوام کا غیر محبوب ہونا ثابت ہوا تو اس کا اور سے معلوم ہوا کہ ترکِ دوام غیر محبوب بمعنی مبعوض ہے اور جو شے خدا تعالیٰ کو مبعوض ہو وہ حرام ہے اور حرام کی ضد واجب ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ مستحبات پر دوام واجب ہے تو ترکِ دوام پر دُعا کرنا بھی مکمل ترکِ واجب کے جواز ہوئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ غیر محبوب کا مبعوض ہونا تو مسلم ہے مگر ہر مبعوض کا حرام ہونا مسلم نہیں یہ کبریٰ تکلیف نہیں بلکہ بعض مبعوض مباح بھی ہوتے ہیں جیسے بعض المحلل عند اللہ الطلاق، اس میں طلاق کو طالع بھی فرمایا اور انقضیٰ بھی فرمایا ہے معلوم ہوا ہے کہ انقضیٰ کا ابتداء اہانت کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے یہاں کے لئے طلاق دینا ہی تعدیٰ تو جواز ہے مگر بلا ضرورت طلاق دینا خدا تعالیٰ کو پسند نہیں اسی طرح یہاں کہنے کے اعمال مستحبہ پر دوام کرنا حق تعالیٰ کو محبوب ہے اور ترکِ دوام غیر محبوب ہے یعنی مبعوض ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ فی تعدیٰ ترکِ دوام جائز ہے مگر بلا ضرورت شریعہ یا طبیعت دوام کا ترک کرنا حق تعالیٰ کو پسند نہیں۔

تکبر کی صورتیں

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ حُلُقَ الْفُتُوْرِ (اللہ تعالیٰ حکم فرما کرتے والے کو پسند نہیں کرتے) اور إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ (اللہ تعالیٰ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے) اسی میں پہلے ہیں خال اور غرور اور مستکبرین اور تہیں کی نسبت لا یحب (نہیں پسند کرتے) کا لفظ ہے کیا یہ جامع کلام ہے ان تہیں انھوں کی شرح یہ ہے کہ

کبر کے آثار بھی تو ظاہر ہو جاتے ہیں اور بھی تہذیب کی وجہ سے دل میں رہتے ہیں تو یہ مسکرم ہیں کیونکہ انکھار کے معنی بڑا کھٹکا اور بدل سے ہوتا ہے اس کی نسبت فرماتے ہیں ان الله لا يحب المستكبرين یعنی جن لوگوں کے دل میں تکبر ہے غلاموں، غلامانہ ہو، خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ بھی مہنوخ ہیں اور بھی تہذیب کم ہوئی تو کبر کا اثر ظاہر بھی ہو جاتا ہے مثلاً کوئی آدمی فیشن جاتا اور طرح طرح کی وضع اختیار کرتا ہے جس سب کا غلام رہا ہے کہ اپنے آپ کو بڑا اہمیت کرنا چاہتا ہے اس کے متعلق ارشاد ہے لَا تُحِبُّ مَنِ احْبَبَ اَدْنٰی مَعْضِرٍ وَدَسَّاسٍ دس کے معنی دہتا ہے کہ گھس گھس تکبر نہیں ہے کیونکہ ان لوگوں نے اسی کا نام تکبر رکھا ہے کہ زبان سے بڑائی کا کلمہ کہا جائے حالانکہ یہ فیشن اور وضع جانا سب تکبر ہی ہے زبان سے نہ کسی مگر ان کی ہر ہر اور اسے تکبر نہ کہتا ہے بعضوں کی حال تو فیشن میں آ کر بالکل ایسی ہو جاتی ہے جیسے گھاس کی تراپی دم کو سنہیل سنہیل کر حرکت کرتا ہے ایسی ہی چال یہ لوگ چلتے ہیں کہ قدم مقدم پر دیکھتے جاتے ہیں کہ کہیں سے فیشن تو نہیں بڑھ گیا غرضیکہ ان افعال کا کرنے والا تو خود ان کو تکبر نہ کہجے لیکن واقع میں ہی سب تکبر ہے اور ان کے تکبر ہونے کو کیسا ہی چمپا دے مگر اہل فہم کو معلوم ہو جاتا ہے یہ سب خیال کے اندر داخل ہیں اور بعضوں کی زبان سے بھی تکبر کے کلمات نکلنے لگتے ہیں ان کو تو فرمایا جس خیال تو وہ ہے جس کے دل میں تکبر ہو اور افعال سے بھی ظاہر ہو مگر اقبال سے ظاہر نہ ہو اور تو رو ہے جس کی زبان سے بھی ظاہر ہونے لگے تو تین مرتبہ ہونے ایک مستکبرین ایک مستحال اور ایک مفسود تینوں کے واسطے لفظ لامحب فرمایا غلام یہ ہے کہ تکبر کا تصور ہو یا نہ ہو یعنی زبان سے تکبر ہو یا قلب سے افعال سے ان سب کو اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنِ احْبَبَ اَدْنٰی مَعْضِرٍ وَدَسَّاسٍ (اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں رکھتے) اور ان الله لا يحب المستكبرين (اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے) سے نسخ فرما دیان میں سے ایک وجہ کی بھی اجازت نہیں دی بلکہ کہے کہ اس مقام پر اس پر کسی خطاب کی امید نہیں فرمایا صرف لامحب فرمایا سو اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ اس آیت نہ کسی دوسری آیتوں میں تکبر پر خطاب کی امید بھی موجود ہے مثلاً اَتَجِدُ فِيَّ عِزًّا مِّنْ عِزِّكَ فَقُلْ اِنَّ عِزِّيْ لَمِنْ عِزِّكَ (کیا ضرور کرنے والوں کا روزگار میں عین عین ہے) دوسرے یہ کہ یہ امید کیا توہم کی امید ہے کہ صاحب فرمایا یہ توہم کی بات ہے کہ حق تعالیٰ کو پسند ہو اور نہ دیکھتے تو امید کی اصل یہی ہے کہ تکبر امید ہی پر ہوتی ہے جو حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو مرضی کے خلاف ہونا کسی کام کا اور پسند ہو یا نہ ہو ایک ہی بات ہے جس لامحب اصل ہو گی تو یہی بلکہ دوسرے نصیحتوں میں میں تجیر کیا جا سکتا ہے کہ حق تعالیٰ کو توہم کی بات ہے جس سے جو تکبر ہے یا مستحال ہے یا مفسود ہے کیونکہ محبت گوشت کے اعتبار سے عبادت کی خدمت ہے تقیض نہیں لیکن عبادت میں جس پر ملامت آتی ہے وہ عبادت کی تقیض ہے لامحب میں محبت کی کمی کر کے اس کی تقیض کا اہانت ہے تو یہ کہہ کہاں گئی رہا کہ اس پر کوئی امید نہیں آئی کیا عبادت کا اہانت دیکھ نہیں بلکہ یہ تو امیدوں کا

اصل الاصول یہاں کہ کسی ایک مبین خطاب کی امید ہوتی رہے کہ ایک فرد خاص ہوتا اور اس میں تو کسی فرد کو خطاب کی خصوصیت نہیں رہی بلکہ وہ فرد فرشتی جو جڑ ہے تمام میدان کی ممکن عداوت تو اس سے اس طرف اشارہ ہو گیا کہ اس کی جڑ اس کی فرد خطاب کی خصوصیت نہیں رہے کہ تمام کا خطاب بلکہ سب کا خطاب اس جرم پر ہو سکتا ہے۔

حب اور بغض

دعویٰ یہ بات کہ لا یحب سنا کہ عداوت کا ثابت کرنا مقصود ہے تو بھر جائے لا یحب کے بغض کیوں نہ فرما دیا تاکہ تصریح ہو جاتی ہو اس میں ایک نکتہ ہے جو اسی وقت قلب پر وارد ہوا کہ جہز یا دور خطاب طوں کے کام کا ہے اور کچھ میں آجائے تو سب کے کام بھی ہے بات یہ ہے کہ الحاح کے میں مرتب ہیں ایک محبوب ایک غیر محبوب کو مٹا دینا بھی تو ایک مٹا دینا یعنی ایک تو کسی کا پسند ہونا اور ایک کسی کام کا نہ پسند ہونا تو ناگوار بھی نہ ہو اور ایک ناگوار ہونا ظاہر ہے کہ کچھ قسم ہال کامل تو نہیں ہے یعنی محبوب قسمین اخیرین میں سے کسی ایک قسم کامل ہے اور دوسری آجوں اور نیز حدیثوں پر نظر کرنے کے بعد یہ ظاہر ہے کہ قسم آخری کا کامل ہے۔ یعنی مٹا دینا ہے اس لئے کوئی طالب علم یہ کہہ سکتا ہے کہ اس جگہ صاحب کے بدلے بغض ہونا چاہئے تھا سو اس وقت مفسرین نے گل لکھا کہ ہمد علی المخلوقات مراد صاحب سے بغض ہے مگر یہ کہ اس میں نکتہ کیا ہے لفظ بغض ہی کیوں نہ لایا گیا یہ کہیں نظر سے نہیں گزرا وہ نکتہ اس وقت کچھ میں آیا جس کو وہ بغض کچھ سکتا ہے جو مذاق محبت دکھاتا ہو دوسرا کوئی نہیں کچھ سکتا ہو تو قرب علم میں کوئی کچھ بھی لے تو اس کو کچھ نہیں آ سکتا اس کا پورا کچھ ہی بغض پاسکتا ہے جس کے دل میں محبت کی آگ لگی ہوئی ہو اس کے لفظ کو اختیار کرنے میں اشارہ اس طرف ہے کہ مٹا دینا ہونا تو بڑی بات ہے عاشق کے لئے تو صاحب کا لفظ بھی مر جانے کی بات ہے۔ ہائے وہ بندہ کیسے زندگی بسر کرتا ہے جس سے خدا تعالیٰ کو محبت نہیں ہے واللہ مر جانے کی بات ہے دنیا میں آدلی انعام کی اور مجاہدین کی انظروں میں محبوب ہونے کے لئے کیا کچھ سبب تھیں اٹھا تا ہے دیکھئے سپاہی بادشاہ کے علم سے جان بازی کرتے ہیں اور سر کنوائے ہیں صرف اس امید پر کہ بادشاہ ہم سے خوش رہے کسی تک طالع تو کہو جب یہ بات معلوم ہو جائے کہ آقا کو کچھ سے آج کل ہمدردی اور محبت نہیں تو کیا حق ہوتا ہے خاص اس تو کہو جس سے آقا کو پہلے محبت رہی ہو اس کو جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب کچھ سے محبت کچھ کم ہو گئی ہے تو دیکھئے اس پر کیا گزرتی ہے حالانکہ اسے یہ تصور اسی ثابت ہو گیا ہے کہ کچھ سے آقا کو دشمنی ہو گئی ہے بلکہ صرف اسی مرتبہ کی لڑت آئی ہے جس کے واسطے لفظ لا یحب ہوا جا تا مگر یہی وجہ اس کی پریشانی کے لئے کافی ہے تو ایسے شخص کو اگر آقا کسی فعل سے منع کرنا چاہتا ہے تو ایسا لفظ نہیں اختیار کرنا چاہتا جو بغض کے مراد ہو بلکہ یہی لفظ اچھا لفظ ہے کہ ہم کو یہ کام پسند نہیں

اور انتہائی اس واسطے کے کہ کھڑا اپنے نوکر کے لئے جس سے محبت کا برتاؤ رہا اس لفظ کی بھی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ کسی لفظ کی بھی ضرورت نہیں صرف آقا کی نظر کا پھرا ہوا ہونا کافی ہوتا ہے اسی سے اس کا کام نکلا ہو جاتا ہے یہ واقعہ دن رات نظروں میں ہیں دیکھتے ایک جیٹھی کار یا ہوا جس سے ٹکڑی کی قدر اس ہوا کا اگر ایک دن اجلاس میں صرف اتنی بات ہی دیکھتے کہ آج ٹکڑی صاحب نے اس سے بات نہیں کی تو کسم کرہ جاتا ہے اور اصحاب میں کھتا پھرتا ہے کہ آج صاحب کی نظر میں کچھ ٹکڑی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ خدا خیر کرے مظلوم نہیں کیا بات خلاف طبع ہوئی اس صورت میں اگر ٹکڑی صاحب زبان سے کہہ دیں کہ ہم کو تمہارا فضل پسند نہیں بھرتا کیا کہہ سکتی تو جانے گا اور کبھی بھی اس کام کے پاس نہیں جائے گا اور یہ لفظ کہ ہم کو تمہارا امان کام پسند نہیں صاحب ہی تو ترجمہ ہے جو حقیقت لغویہ کے اعتبار سے محض سے کم سر ہے کالفاظ ہے مگر کیا تاثر کیوں رکھتا ہے بات یہی ہے کہ جس کو محض ہے اس کے لئے تو یہی لفظ سب کچھ ہے اور محض نہ ہوتا کوئی لفظ بھی سوز نہیں۔

کبر قلبی

اور قرآن شریف میں ہے إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا (اللہ تعالیٰ تکبر فحشی باز کو پسند نہیں کرتے) اور ان لفظ لا یحبیب المستحکبین (اللہ تعالیٰ خود کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے) یہ بھی لفظ اس واسطے ہیں کہ کبر قلبی بھی تہذیب کی وجہ سے غلطی رہتا ہے اس کے واسطے لفظ مسکھرین ہے اور تہذیب کی کمی سے اس کا تصور ہونے لگتا ہے پھر اگر زبان سے تصور ہوتا اس کی نسبت لفظ فخر رہے اور اگر صرف افعال سے ہوتا اس کے لئے مختال ہے فحش بنانا بھی مختال میں داخل ہے اس تکبر پر وعیدیں بہت ہیں مگر اس آیت میں لا یحبیب آیا ہے یہ بھی کچھ کم نہیں بلکہ سب سے زیادہ ہے کیونکہ تمام وعیدوں کی انتہا اسی پر ہوتی ہے اور اس میں بجائے محض کے لا یحبیب فرمایا گیا اس میں نکتہ یہ ہے کہ جملہ کاموں میں تمیں مرے ہیں پسند ہونا اور پسند نہ ہونا اور گویا بھی نہ سمجھا جائے اور برا سمجھا ظاہر ہے کہ کبر قسم اول کا مکمل تو یہ ہے نہیں اور قسمیں اخیر میں میں سے بھی اخیر کا ہے مگر اس کے واسطے بجائے محض کے درمیانی قسم کا لفظ یعنی لا یحبیب فرمایا اس میں اشارہ ہے کہ عیب خدا کو تیسری قسم کے لفظ بنانے کی اہمیت ہی نہیں آتی درمیانی لفظ بھی اس کے مر جانے کے لئے کافی ہے۔ دیکھئے حکام کی بغیر چمڑی ہوئی دیکھ کر ہلاکوں پر کیا گزرتی ہے اور محبت خدا پر مسلمان کے خواہ وہ کیسی ہی ماسی اور گناہ کار کیوں نہ ہو اس محبت کا عقیدہ عوام سے بھی جان بازی کے وقت ہوتا ہے کہ خواہ میں سے بھی زیادہ کام کر جاتے ہیں تو مسلمان کے لئے لا یحبیب انتہائی لفظ ہے کیا طاقت ہے اور ہر مسلمان کو جو میں سے محبت خدا نکلا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ اول حق تعالیٰ کو محبت سے محبت ہوتی ہے پھر اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بعد کو حق تعالیٰ سے محبت ہو جاتی

ہے اور اس اولیت کی دو دلیل اس کی ہیں ایک نقل اور ایک عقلی نقل تو یہاں ارشاد ہے وَمَا تَنفَعُ الْفُلُكُ وَلَا الْفُلُكُ إِلَّا أَنْ يُشَاءَ اللَّهُ (میں نہیں چاہ سکے مگر خدا چاہ جائے) اور اول اور دوسرے وجہ ہوئی اور عقل اس طرح کہ محبت موقوف ہے معرفت پر اور معرفت ہمارے حق تعالیٰ کی ہونیکس کچھ کیونکہ دوسری نہیں اس کا کوئی نمونہ ہے لیکن تَعْلَمُ مَا تَفَعَّلُ (اس کی محسوس کوئی چیز نہیں) اور آج سے پتہ چلتا ہے کہ انسان میں محبت خدا ضرور ہے تو ضرور وہاں اور واجب باری تعالیٰ ہوئی یہاں سے اہل ظاہر کا بھی جواب ہو گیا۔ انہوں نے محبت خدا کا انکار کیا ہے بدلیل کہ کورینگی دوسری نہیں ہے اس کا کوئی نمونہ وہ مشابہ ہے نیز اس واسطے کہ محبت نام ہے خاص تعقل کا جو موقوف ہے طریقین کی مطابقت پر اور ممکن اور واجب میں مطابقت نہیں تو ان کی محبت کیسے ہو سکتی ہے جواب یہ ہوا کہ محبت محال جب ہی ہے کہ بندہ کی طرف سے مانی جاوے اور جبکہ حق تعالیٰ کی طرف سے مانی جاوے تو محال نہیں تو قدرت کے سامنے کوئی چیز محال نہیں اور حق تعالیٰ کی تو بڑی شان ہے اہل اللہ سے محبت بھی انہی کی طرف سے شروع ہوتی ہے اس کا مشابہ یہ ہے کہ مرید کو کتنا تعقل نہیں ہوتا جتنا ان کو ہوتا ہے۔ غرض محبت حق بندہ کی خدا ہے تو اس کی خدا یعنی بغض تو بہت دور ہے بندہ کے سر جانے کے لئے تو عدم محبت بھی کہنی ہے جو تو یہ ہے صاحب کا جیسے مرنے کے لئے یہ ضرور ہی نہیں کرنا ہر کھایا پلائے بلکہ مع خدا بھی قائل ہے۔ یہ بیان ہے صاحب کے انتہائی اظہار نے کہ اس ہیکہ کہ مرید خواہ ہو تو اس کی خدا یعنی تو واضح محبوب اور محمود ہوئی نیز تو واضح طاعت بھی ہے کہ اس کی وجہ بھی ضروری ہے مگر تو واضح کے معنی سے لوگ غلیظ اعموم ناواقف ہیں جیلا تو خاطر رازی کو کہتے ہیں اور نے تعلیم یافتہ کو تو کھانا کھانے بھی کھانے جانتے اور جہ جانتے بھی ہیں تو وہ قصص اور جنگ جنگ کر سلام کرنے کو سمجھتے ہیں حالانکہ قصص تو واضح نہیں بلکہ اور حقیقت سمجھ ہے جو خدا ہے تو واضح کی تو واضح کے حقیقی معنی یعنی اوستی اور انکسار و تقید کرنا نہ صرف ظاہر بلکہ قلب سے اسی لئے خواہیں جنگ جنگ کر سلام نہیں کرتے بلکہ کوئی ان کی دعا کرے تو اس پر بھی انکار نہیں کرتے۔

وَآتَيْنَا مُؤْمِنِي سُلْطَانًا مُبِينًا

اور ہم نے ایمان والوں کو ایک واضح سلطان عظیم کو ہم نے بڑا عظیم دیا

تفسیر نکات

سلطانا کے معنی اور آیت کا صحیح مفہوم

فرمایا وَآتَيْنَا مُؤْمِنِي سُلْطَانًا مُبِينًا کے معنی اقبال اور جہت جیسے بعض بزرگوں کو اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ

ترجمہ: اے کتاب پڑھنے والے لوگ! اپنے دین میں حد سے مت بڑھاؤ اور اللہ پر بے حق بات کے مت کہو

تفسیری نکات

مخلوق کی شان میں تجاوز اللہ تعالیٰ کی تنقیص ہے

اور لَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ میں ایک نکتہ عجیب اسی وقت سمجھ میں آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور دوسرے مخلوق کی ہماری دلیل سے وہ یہ ہے کہ وہ لوگ یعنی علیہ اسلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے تو اس کا متعلق تو یہ تھا کہ یہ فرماتے لَا تَقُولُوا عَلَى عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ إِلَّا الْحَقَّ "یعنی عیسیٰ پر سوائے حق بات کے مت کہو کہ ہماری اللہ کیسے فرمایا؟" پس کھینچ کر علی اللہ فرماتے میں اللہ اور اس طرف ہے کہ جب مخلوق کی شان میں حد سے تجاوز کر کے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تنقیص ہوگی پس عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا یہ تنقیص ہے ہادی تعالیٰ کی یہاں سے سمجھ میں آئے گا کہ ہم لوگ جو بدنام ہیں کہ یہ رسول کی درجہ سے سطح کرتے ہیں تو جو درجہ حد کے اندر ہوا تو ہم اپنا بیان سمجھتے ہیں ہاں ہم خدا تعالیٰ کی تنقیص کو صحیح کرتے ہیں پس رسول کی ذاتی درجہ کرنا کہ جس سے حق تعالیٰ کی شان میں ہے ہادی رسول کی تو کمال ہوا درجہ ہوگی لیکن واقع میں اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی ہو رہے ہادی ہوگی۔ انکی مثال ہے کہ کوئی شخص کسی کی ذاتی درجہ کرے کہ اس کے باپ کی اہانت ہو جاوے پس انکی درجہ کو اور چڑھا بھی پند نہ کرے گا بلکہ اس سے ناراض ہوگا۔

پس لَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ سے صاف ظاہر ہو گیا کہ درجہ کا اندر حد شرعی سے بڑھتا ہے خدا تعالیٰ کی تنقیص ہے آگے جو ارشاد ہے اس سے ہمارا قصور جو نکتہ کے عنوان سے بیان کیا ہے بہت صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ لَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ بھی اس درجہ سمجھنے کے حلقے سے اور وہ ارشاد یہ ہے کہ

انما المسيح عيسى ابن مريم رسول الله

"یعنی مسیح عیسیٰ ابن مریم ہیں صرف اللہ کے رسول ہیں"

پس اگر آیات کے یہ معنی نہ ہوں جو میں نے بیان کئے ہیں تو درمیان میں لَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ بالکل سے بدھ معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اول آد فرمیں تو عیسیٰ علیہ السلام کا بیان ہے اور درمیان میں لَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ کے کیا معنی ہیں پس صاف ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی عزیت کے بالکل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ پر بہتان ہوگا کہ اس سے تنقیص جناب ہادی تعالیٰ کی لازم آئے گی۔ پس درجہ بھی اسی وقت تک جائز ہوگی کہ حد سے نہ گزرے۔

حدود و حد

اسی طرح حضور ﷺ کی شان میں بھی کچھ لوگ حضور کی اہانت اسی حد تک جا کر ہو گئی کہ حد شرعی سے تجاوز نہ ہو
باقی اس کی حد کیا ہے اس کو مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے بہت مختصر الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ وہ یہ ہے

بعد از خدا بزرگ تویی قدر حقیر

یعنی خواص ربوبیت کے علاوہ سب کمالات حضور کے لئے امکاناً تو سب ثابت اور حقاً عا جس میں ہدایت و اراد
اور جاہت اور خواص ربوبیت کے علاوہ اگر کوئی ایسا امر ثابت کر دے جو ہدایت سے ثابت نہ ہو تو یہ کذب اور گناہ تو
ہو گا لیکن اس سے متبعض حق تعالیٰ کی ادا دم نہ آئے گی کہ خاص یہ ہے کہ حد شرعی کے اندر دو چیزوں کی رعایت رکھو
ایک تو یہ کہ حضور کو خدا کے درجہ پر نہ پہنچاؤ

دوسرے یہ کہ دوسرا ثابت کر دے کہ روایات اس کی مساعد ہوں ان دوسروں کی رعایت کے بعد جو چاہو
ثابت کر دو کوئی منع نہیں کرتا۔ مختصر یہ ہے کہ اس باب میں نسبت الوہیت اور کذب سے احتراز رکھو لیکن چونکہ
انسانے زبان ان دونوں باتوں سے اعتدال نہیں کرتے حضور کی شان کو ایسا بڑھا دیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ تک پہنچا
دیتے ہیں اور حکایات و واقعات وہ بیان کرتے ہیں کہ روایات مجھ میں ان کا پتہ بھی نہیں اور اس کی اصلاح
ضروری ہے۔ اس لئے ہم حکایات و واقعات سے زیادہ ضروری مضمون بیان کرتے ہیں جس کو میں نے راز
و کلمات سے تعبیر کیا ہے اور اگر یہ قلم ہم نہ دیکھتے تو ہم بھی صرف واقعات مجھ بیان کرتے اس لئے کہ

لا تحکو نفعان لدا ان ذکوره هو المسک ما کثر و نہ یقتضوع

(نفعان کے ذکر کا ایسا ذکر اس لئے کہ اس کا ذکر سنگ ہے جتنا اس کو کر کر کے چٹکے گا)

اور اس لئے کہ محبوب کا ذکر بھی بلند قلمی ہے لہذا اے حکایت

دیکھو جنوں نا کیے صرا اور

ریگ کا زنگ بود انھیں قلم

تحت اے جنوں پیدا چوست ایں

کلت مطلق نام لیلیٰ کی کم

خاطر خود نا قلمی میدم

بسی حقیقت یہ ہے کہ محبوب کا ذکر بھی محبوب ہے لیکن کیا کیا جاوے اسی محبوب کے آمر کی وجہ سے یہ بھی
اختیار کیا جاتا ہے کہ محبوب کے احکام کا ذکر زیادہ احتیاط سے ہو اس لئے واقعات بیان نہ کر دیں گا نیز وقت بھی
نہیں اور ضرورت بھی نہیں اس لئے کہ عظیم تعالیٰ وہ واقعات جو علماء محققین نے کچھ روایات سے عدال کر دیئے
ہیں مشہور و اہل سنت پر مذکور ہیں اس لئے میں نے انہیں حضور کی تشریف آوری کے واقعات کے وہ حکمت اور راز بیان

کہ چاہتا ہوں جو حضور کے شریف لانے سے مقصود ہے اور نیز حضور کے واقعات اور حکایات کا بھی مقصود اور غایت اصلی رہی ہے۔

غایات قصص القرآن

اور قرآن مجید کے اندر بھی غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ چنے واقعات اور قصص حق تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں مطہر انظر ان سے ان کی غایات ہی ہیں چنانچہ ارشاد ہے۔

کتاب انزلہ الیک لتخرج للناس من الظلمت الی النور

(یعنی یہ کتاب ہے ہم نے اس کو آپ کی طرف اس لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو تاریکیوں سے نور کی طرف نکالیں)

ارشاد ہے۔ *هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَنُورِ الْغَيْبِ عَلَى النَّاسِ لَمَّا ظَلَمُوا*

(یعنی اللہ تعالیٰ ایسے ہیں کہ انہوں نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ اس لئے بھیجا کہ اس دین کو تمام دنیا میں پھیلے دے دیں)

اور فرماتے ہیں: *لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَيْكَ آلِهَةً مِنْ قَبْلِكَ وَأَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا*

(یعنی ہم نے آپ کے لئے پہلے بھی لوگوں کو بھیجا تھا اور آپ کو حق کے ساتھ بھی بھیجا ہے تاکہ آپ لوگوں کو نیک اور نیک نیت سے نواز سکیں)

ایک بار ارشاد ہے *يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفْرَ وَالْمُنَافِقَ وَالْأَعْدَاءَ وَالْبَغَاةَ*

تاکہ جو لوگ ایمان لانے میں تاخیر کریں اور ایک ٹول کے ان کو تارکیوں سے نور کی طرف نکالیں)

آیت مؤخر الذکر میں اللہ تعالیٰ نے ذکر اور رسول کو سہل سے اور بدلہ دلہا واقع کر کے کہا ایک قرار دیا ہے

اس سے معلوم کچھ سکتے ہیں کہ حضور کی ذات مقدس سے مقصود ذکر ہے ہر حال قرآن شریف کے اندر جہاں حضور

کا ذکر ہے وہاں غایت بھی حق تعالیٰ نے بیان فرمائی اس سے صاف معلوم ہوا کہ حضور کی ذات باریکات سے اور

آپ کے واقعات سے وہ غایت حق مطلوب ہے۔

پس اللہ تعالیٰ ہم پر ایمان اور ہدایت کے سبب نیک نیتوں، رہائش و رازہ غایت کو بیان کرنا میں احتیال ہے اللہ تعالیٰ کے

ارشادات کا اور نیز یہاں خشیت سے انفسل ہوگا صرف واقعات کو بیان کرنے سے یہ اتنا ہی نصیحتی نہیں مقصود کی۔

(اللہ رب العالمین و اللہ اعلم بالصواب)

سُورَةُ الْمَائِدَةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حُرِّمَتْ عَلَيْكَ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ وَلَحْمُ الْخِزْيِ وَمَا أَهْلُ
لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَفَقَةُ وَالْمَوْفُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ
وَمَا أَكَلَ السَّبْعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْنَاهُ وَمَا ذُبحَ عَلَى النَّصَبِ وَأَنْ
تُسْتَقْسِمُوا إِلَّا بِالْأَزْوَاجِ ذَلِكُمْ قَوْلُ الْيَوْمِ يَوْمِ الْكُفْرِ وَمَنْ
دِينَكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ الْيَوْمَ الْكَلْبُ لَكُمْ دِينُكُمْ
وَأَتَمَّتْ عَلَيْكُمُ الْيَمِينُ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ
فِي مَخْصَصَةٍ غَيْرِ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

ترجمہ: تم پر حرام کئے گئے ہیں مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو جانور غیر اٹھ کے ماحرود کر دیا
کیا ہو اور جو گھر گھٹنے سے مر جائے اور جو کسی ضرب سے مر جائے اور جو اونچے سے گر کر مر جائے اور
جو کسی کی ٹکر سے مر جائے اور جس کو کوئی دودھ کھانے لگے لیکن جس کو ذبح کر دیا اور جو جانور پر شیش
گاہوں پر ذبح کیا جاوے اور یہ کہ تقسیم کرو پڑ دھیر قرعہ کے تیروں کے پورے گناہ ہیں آج کے دن
جاسید ہو گئے کافر لوگ تمہارے دین سے سوان سے مت ڈرنا تم سے ڈرتے رہتا آج کے دن
تمہارے لئے تمہارے دین کو تمہارے لئے کمال کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا اور میں نے
اسلام کو تمہارا دین بنے کیلئے پسند کر لیا ہے پس جو شخص شدت کی بھوک میں ہے یا تاب ہو جانے سے طریقہ
کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو حق تعالیٰ تعالیٰ معاف کرنے والے رحمت والے ہیں۔

تفسیری نکات

شرک کی حقیقت

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بزرگ اولیاء اللہ کے نام سر کسی جانور کو ذبح کرتے ہیں یا ان کے حوالہ پر خود نماز کی صفائی وغیرہ چماتے ہیں اس میں وہ قسم کے عقائد کے لوگ ہیں ایک تو یہ کہ ان کو حاجت دہا کچھ کرایا کرتے ہیں اس کے تو شرک ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور ایک صورت یہ ہے کہ ذبح تو کرتے ہیں اللہ ہی کے نام پر مگر اولیاء کو ایصال ثواب کرتے ہیں اور ان کو قبول کچھ کر ان سے دعا کے طالب ہوتے ہیں اس میں کیا قسم ہے فرمایا کہ اس کی حرمت کی کوئی دلیل نہیں مگر عوام کا کچھ اعتبار نہیں اس لئے اس میں بھی احتیاط ضروری ہے سو یہ ایک واقعہ میں اختلاف ہے علم میں اختلاف نہیں وہ کہتے ہیں کہ سب عوام کی نیت شرک نہیں ہوتی اور ہم کہتے ہیں قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کی نیت شرک کی ہوتی ہے تو یہ ایک واقعہ میں اختلاف ہوا ہم میں اختلاف نہیں اپنی غالب واقعہ یہی ہے کہ نیت عوام کی یہی ہوتی ہے کہ وہ راضی ہو کر خوش ہو کر ہماری حاجت کو پورا کر دیں گے کسی بھی شرک ہے اور بعض اہل کی تفسیر ذبح سے کہ اس میں شرک نہ نیت شریعت الی غیر اللہ و علی اسم اللہ کو محال کہتے ہیں سو یہ ان کی عقلی ہے اور اگر ان کی تفسیر کو مان لیا جاوے اور مَا أَهْلٌ لِّغَيْرِ اللَّهِ (اور وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر کر دیا گیا ہو) میں داخل نہ آتا ہاے جب بھی وہ طبع علی نصب (اور وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر کر دیا گیا ہو) میں داخل ہوتا تو عقلی ہے اس لئے کہ دعاء ہے ہر مومن العبر اللہ (اس میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی رضا منظور ہو) کو۔

تفسیر مَا أَهْلٌ لِّغَيْرِ اللَّهِ

احقر اشرف علی کہتا ہے کہ شاید لغتوں میں اس مضمون کو کافی طور پر مذکور نہیں کر سکے اس لئے میں خلاصہ لکھ دیتا ہوں خلاصہ یہ ہے کہ مَا أَهْلٌ لِّغَيْرِ اللَّهِ کو بعض نے خاص کیا ہے اس جانور کے ساتھ جس کو غیر اللہ کا نام لکھ کر ذبح کیا جاوے اور جو اللہ کا نام لکھ کر ذبح کیا جاوے اس میں نیت قربانی غیر اللہ کی ہوں کو محال کہا ہے اور نکاح اس کا یہ ہے کہ بعض مفسرین نے اہل میں خدا اللہ (ذبح کے وقت) کی تہدنگائی ہے مگر یہ قول محض غلط ہے دوسری آیت مَا تَدْعُوهُ خُلُوعُ النَّصَبِ میں امام ہے اور وہاں کوئی تہدنگائی نہ ہو نہ ذبح نام اللہ کو بھی مثال ہے وہاں کی حرمت کی علت بجز نیت قربان کے کیا ہے یہی اسی طرح وَمَا أَهْلٌ لِّغَيْرِ اللَّهِ بھی امام ہوگا اور وہاں کے معلوم میں تاخلف ہوگا کہ مَا أَهْلٌ لِّغَيْرِ اللَّهِ میں غیر اللہ کے لئے نام نہ ہونا تاخلف ہوگا قصد قربان

ظہیر اللہ کا اگر چہ انصاف (حق) پر ذراغ نہ کیا ہو سہ اور ماکاؤ پختہ علی الطلحہ میں ذراغ علی الانصاب اس قصہ کا قریب یہ گمان کر چہ ظہیر اللہ کے لئے تاخیر نہ کیا گیا ہو پس دونوں میں عموم و خصوص من حیث ہوا اور یہی نشانہ حق ہوا گا ایک کے دوسرے پر معصوف ہوئے کا سہرہ مانکہ میں اس طبع حرمت کی قصہ مذکور ہو گا یہ قرآن مجید سے استدلال ہے مَا أَجِدُ لِغَيْرِ اللَّهِ فِي عَمَلِ الْغَنَىٰ كِي قَدِ نَبُوْنِے کی اور فقہاء نے ذراغ قدم تلامیہ (جواہر) کے آنے کے وقت اس کے قرب کے لئے ذراغ کیا ہو کی حرمت میں اس کی تصریح کی ہے وہاں ذراغ علی ام اللہ تعالیٰ (اگر چہ اللہ کا نام لے کر ذراغ کیا گیا ہو اور یہ طبع بیان کی ہے لَا اِسْمَ مَا أَجِدُ لِغَيْرِ اللَّهِ اس معلوم ہوا کہ عند السلیح کی قیام طاقی جہ داخلی احادیث ہے یا اس قید سے یہ مقصود ہے کہ ذراغ کے وقت تک وہ نیت قرب کی رہی ہو یعنی اگر ذراغ کے قبل تو پر کر لی تو پھر حرمت نہ ہے کی اور تفسیر احمدی میں جو مفسر مسطورہ الاولیاء (اولیا ہائہ کثواب پہنچانے کے لئے جو ہاں ذراغ کیا ہوا ہے) کو حلال کہا ہے وہ اس تحقیق کے خلاف نہیں ہے کیونکہ منہ میں یہ تاویل کی ہے کہ ذراغ اللہ ہے اور خدا سے قصود ان کو ایصال ثواب ہے تو یہ اختلاف و تفرق تحقیق میں ہوا کہ ان کے نزدیک عوام کی نیت قرب کی نہیں نہ کہ معصوی للطرہ (جنس میں) قرب کی نیت کی گئی ہو) کی حرمت میں اس تاویل سے خود ظاہر ہے کہ معصوی للطرہ کو بھی حرام سمجھتے ہیں اور بعض نے مبالغہ میں اس تاویل سے خود ظاہر ہے کہ یہاں قصود بیان کرتا احکام میں ان کا یہ دہانا کے بھی اس میں داخل ہے مگر تاویل و قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں قصود بیان کرتا احکام میں ان کا یہ دہانا کے عام ہونے سے استدلال و تحقیق یہ ہے کہ اس عموم میں ایک قید بھی ہے وہ یہ کہ مرد و عظم سے تجاوز نہ ہو اور یہاں تجاوز ہو جانے کا مگر اس سے طبع لازم نہیں آتی بلکہ شراک طبع سے عظم بھی مشترک ہو گا حیوان میں انصاف قطعی سے اور طبع میں ان میں قیاس قطعی سے۔ واللہ اعلم

وَلَا يَوْمَعَا جَدَّ كَيْفَ كَأَلْفِ سَنَةٍ لَّحَدِّ قَوْلٍ۔

امراض روحانی کا انجام

امراض قلب کے واسطے اس سے بھی امراض ہلکہ کا انجنت ہوتا ہے فرض یہ چل بھی ایک مرض ہے اور مرض بھی نہ ہو بلکہ شاید کہیں امراض جسمانی کا انجام تو صرف چاکہ دغی ہی ہے اور چاکہ دغی کی حقیقت کیا ہے کہو بھی نہیں بلکہ وہ تو مبالغہ میں چل امراض سے فارغ ہو جا نا ہے اس کے بعد وہ حیات ہے جو غایہ انجبار صادق قطع ہی نہیں ہو سکتی بخلاف مرض روحانی کے کہ اس کا انجام آخری ہے جو یا ہادی ہے یا غیر ہادی سمجھ ارشاد ہے۔ وہاں تو ایک دن کی سزا کے قید ہزار برس کے برابر ہے اور پھر اس حد کے ساتھ وہاں کی قید

میں استہدائی ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ ہاں کی آگ سے ستر حصہ یا دہ تجز ہے جب اس آگ کی برداشت نہیں ہو سکتی تو اس کی کیسے ہوگی۔ تمام بدن تو درکنار ایک دیاسلانی کی آگ اٹھ تک پہنچ جائے تو تحمل نہیں ہوتا اور وہ آگ تو پھیل ہوگی کہ انسان اس میں غرق ہوگا اور وہ دے تک آگ پہنچے گی اس کی برداشت کیسے ہو سکتی ہے اور کون برداشت کر سکتا ہے اور کافر کے لئے تو خطاب بدی ہے یعنی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے ہرگز ہرگز کسی طرح نہ بچ سکے گی۔

دین کا مذاق اڑانا بھی کفر ہے

اور یہ بات یاد رکھئے کہ قابل ہے کافر وہ ہے جو کفر کا کام کرے یا کفر کی بات کہے اگرچہ عقائد کفریہ نہ ہو کہ جس اگر کوئی مسلمان کفر کا کام کرے گا جیسے بلا طرز یا رکیٹ لٹاؤ بھی کافر ہو جاوے گا یا جب زبان سے کفر کفر کا کہا تو فوراً کفر مانا ہو جائے گا اس سے بھی آج کل نہایت بے پردائی اور حق ہے مثلاً مجلس لوگ کہہ دیتے ہیں کہ روزہ اور رکعتے جس کے پاس کھائے کو نہ ہو اور کچھ خیال نہیں ہوتا کہ ہم نے کس دھچکا کھاؤ کیا حال کھدہ کافر ہو گیا اب یا تو اس کو اپنے کفر کی خبر نہیں یا خبر ہے تو کفر کو خفیف خیال کرتا ہے اور وہ حقیقت یہ کفر بہت شدید اور سخت ہے۔

وقت نزول آیت مذکور

حق تعالیٰ فرماتے ہیں اَلْيَوْمَ يَنْصُرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا يَفْعَلُ اللّٰهُ شَيْئًا وَّكَانَ عَدُوًّا كَرِيْمًا کہ دن کا وہ تہوار ہے کہ میں سے مایوس ہو گئے لیکن اس بات سے کہ اس کو تائید نہیں ہو سکتی یہ غالب آ جائیں یہاں بدل احتمال بخلاف ہے اِی الْیَوْمَ یَنْصُرُ الَّذِیْ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ اِنْ یَعْلُوْهُ یَا اَنْ یُعْطُوْهُ اَمْرًا کہیں مایوس ہوئے لکن کثرت شیوعہ والنصرۃ تعالیٰ یعنی بکمال اللہ اس وقت اسلام اس قدر پکچل بھی گیا ہے کہ عادت الہیہ میں اب مٹ نہیں سکتا اور نیز اللہ تعالیٰ نے وعدہ بھی فرمایا ہے کہ یہ قیامت تک قائم رہے گا چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے چند وعائیں کی تھیں کہ میری امت حاضر عذاب سے ہٹا کر نہ ہو یہ دعا قبول ہو گئی۔ دوسری یہ دعا کی تھی کہ اس پر قلعہ جہنم نہ ہو یہ بھی دعا قبول ہوئی۔ تو اس میں وعدہ ہو گیا قیامت تک جہاد دین کا۔ تیسرے یہ کہ میری امت میں نا اقلاتی نہ ہو یہ قول نہ ہوئی تو فرماتے ہیں کہ آج کے دن کفار مایوس ہو گئے تہوار عداوت سے جب یہ آیت نازل ہوئی تو حدیث میں ہے کہ وہ دن جبہ الوداع کا تھا جس دن میں تاریکی آئی اور کوفہ کے میدان میں جمعہ کے روز نازل ہوئی وقت بھی عصر کا تھا۔ تو گویا جب یہ آیت نازل ہوئی وہ وقت تقریباً سال کا بھی آ تھا کہ دن کا بھی آ تھا حضور کی عمر شریف کا بھی آ تھا کیونکہ جبہ الوداع کے بعد عزم مسافر اور رخصت والوں کی چند باتوں تک آ پہنچا رہا ہے۔

ابتداء فی الدین

کسی یہودی نے حضرت مر سے کہا تھا کہ اگر یہاں سے ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید مناتے۔ پہلے یہ مرض یہودیوں میں تھا۔ اب مسلمانوں میں بھی یہ مرض ہو گیا ہے کہ ہر بات کی یادگار میں عید کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ آیات کب نازل ہوئی اور کس جگہ نازل ہوئی لیکن قرأت میں جتنے ابواب میں جو کہ روز نازل ہوئی ہے۔ مطلب یہ تھا کہ جہاں یہ آیات نازل ہوئی ہے وہ مقام ہمیشہ سے من جانب اللہ جائے عید ہے اور جس وقت نازل ہوئی ہے وہ زمانہ بھی من جانب اللہ عید کا ہے۔ ہمیں اور عید کی ضرورت نہیں۔ بس یہی عید کافی ہے یہ تو حقیقت تھی جو حضرت محمد رضی اللہ عنہ نے ظاہر فرمادی۔ مگر اب مسلمانوں میں ایک یہ دم پیدا ہو گئی ہے کہ وہ یہودی کی طرح ہر بات کی عید اور ہر چیز کی ایک یادگار بنانا چاہتے ہیں یاد رکھو یہ ابتداء فی الدین ہے، من ایام کوثر بیت نے عید بنادیا ہے ان کے علاوہ کسی دن کو عید بنانا حرام و بدعت ہے اور پہلے جو صرف یادگار کا یہی طریقہ تھا کہ اس دن کو عید بناتے تھے حتیٰ کہ کسی کے مرنے کے دن کو بھی عید کا دن بناتے تھے اور اب اس کے علاوہ ایک نئی ایجاد ہوئی ہے کہ یادگار کے لئے ہڑتال کرو دیتے نہ معلوم یہ ہڑتال کیا نام ہے ہڑتال سے تو بال صاف سکے جاتے ہیں ہڑتال تو ان کی اور مر مر مٹتا ہے مگر یہاں اور مردوں کا کہ وہ چارے اس دن کھائیں کہاں سے کھائیں کیسے۔ کیونکہ اس دن بازار اور تمام کاروبار بند ہو جاتا ہے جس سے مگر یہاں اور مردوں کو بے حد تکلیف ہوتی ہے مگر ان کو اس کی ذرا بہ دانا نہیں۔

یہ دم بھی بعض کفار ہی سے لے لی ہے۔ نہ معلوم مسلمانوں میں اچانک طریقہ کفار کا انکا شوق کیوں پیدا ہو گیا اب بچہ بزرگوں کی حالت نہیں دیکھتے کہ وہ کیا کر گئے ہیں اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ وہ یہ آیات نازل ہوئی اس وقت سال کا آخر تھا، ہفتہ کا آخر تھا، دن کا بھی آخر تھا، حضور ﷺ کی عمر کا بھی آخر تھا۔ ان سب چیزوں کا آخر تھا۔ اس کے متعلق ایک بات غالب ظنوں کے کام کی ہے وہ بھی مرض کرتا ہوں کہ اس آخر سے آخر حقیقی مراد نہیں بلکہ قریب آخر کے مراد ہے۔ چنانچہ سال بھی قریب آخر کے تھا۔ حضور کی عمر بھی قریب آخر کے تھی کہ ابھی قریب آخر کے تھا اور مجھے یہ چیزیں قریب آخر کے تھیں اسی طرح اس آیات کو بھی جو آخر آیات کہا جاتا ہے وہ بھی قریب آخر کے ہے آخر حقیقی نہیں ہے۔ چنانچہ اس کے بعد قُلْ اِنَّ عِلْمَ الْاَشْيَاءِ اِنْتِ

لَا تَاب ہو جائے۔ بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ صاف کرنے والے رحم کرنے والے ہیں تو ان سب میں (آخر حقیقی مراد نہیں ہے بلکہ قریب آخر مراد ہے)

احکام کی آخری آیت

اور کھ کو اس سے ایک ناکہ دیکھنا مقصود ہے اور یہ کہ یہاں ہر ایک اطفال چہ وہ یہ کہ جب دین کامل اور نام ہو چکا تو پھر علم بشر اور دہرہ کھ کا اس کے بعد کیا اور اس کا یہ جواب نہیں دیا جا سکتا ہے کہ احکام کے بارے میں جو آیتیں نازل ہوئی ہیں ان میں یہ اثر ہے اس کے بعد کوئی اور حکم نازل نہیں ہوا کیونکہ **فَلَمَّا أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَبِّئْهُنَّ حَقًّا** (الاحق) تو احکام ہی میں سے ہے اور یہ **أَلَيْسَ لَكَ لِكُلِّ وِسْطَةٍ** کے بعد میں نازل ہوا ہے تو پھر آفریں اور ایسی جواب دی ہے جو میں نے کہا ہے کہ اثر سے مراد قرآنی اثر ہے اس پر کوئی غور نہیں وارد ہوتا۔ مشکل یہ ہے کہ لوگ قرآن کو اصطلاحات مطہرے پر اٹھاتے ہیں جیسا کہ انہیں دیکھتے تھے۔ عمار میں قرآنی آفریں کوئی آفریں جاتا ہے مثلاً کوئی کسی دوست سے ملنے جاتا ہے تو کہتا ہے اب تمہارے ساتھ میری یہ لڑی ملاقات ہے اور اس کے بعد وہ کھٹک بھٹکا رہتا ہے غلام یہ ہے کہ ایوم سے مراد خاص آفریں کا دن نہیں جس پر یہ شرط ہے کہ جب آج اکمل دین ہو گیا تو اس کے بعد کوئی حکم نازل نہ ہوتا چاہے ہوا یا نہ احکام میں یہ آفریں آیت ہونا ضروری احکام ہونا چاہئے سو یہ شرط اس لئے وارد نہیں ہوا کہ ایوم سے مراد خاص آفریں کا دن نہیں بلکہ ایوم سے مراد زمانہ حاضریہ منسل ماضی و مابعد کے ہے اور کھ اور اس مجموعہ کو زمانہ حاضریہ کے معانی نہیں۔ الغرض حق تعالیٰ فرماتے ہیں **أَلَيْسَ لَكَ لِكُلِّ وِسْطَةٍ** کہ آج سے کائنات میں ہو گئے تمہارے دن سے کہ اسکو جاری یا اس پر غالب آ جائیں جب یہ بات ہے **فَلَمَّا أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَبِّئْهُنَّ حَقًّا** ان سے ڈرو مت تمہارا کچھ نہیں کہتے۔ اگر اسلام سے تم کو بہت ہے تو اس میں پختہ ہو کر کسی سے مت ڈرو۔

اسی باب بہت لوگوں کو معلوم ہے کہ اسلام کا کھ کھار سے ڈرو کہ ان سے روٹی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یہ ساتھ نہ ہوں تو ہمارا دین قائم نہیں رہ سکتا اس لئے ان سے مدد لینے ہیں یا نہ تعالیٰ اس کا رد فرماتا ہے کہ اب وہ تمہارے دین سے بچیں ہو گئے۔ پھر تم کیوں ڈرتے ہو۔ اسی کا رد کہ کھ گئے کہ ہم اس دین کو دنیا سے نہیں مٹا سکتے۔ چنانچہ ان کا پاس اس سمجھنے کی دلیل ہے کہ اور مسلمان نہیں سمجھتے ہیں اور شاہ ہے **فَلَمَّا أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَبِّئْهُنَّ حَقًّا** تو تم ان سے مت ڈرو کھ سے ڈرو یعنی ان کی خوشامد میں شریعت کے خلاف نہ کرو دین کو تباہ نہ کرو کوئی اس دین کو مٹا نہیں سکتا اسلام تو دوج ہے کہ

۔ چھانے کا کہ ایڈو بہ فرودو ہر آنس نف زعفریش ہوزو

اسلام کا معجزہ

کیا یہ اسلام کا معجزہ نہیں کہ تین ہزار میں ہیکڑ خان نے اپنے نزدیک اسلام کو لایا کہ یہ ایک کھ کھانہ کی

اور کچھ نہ کرتے آپ نے یہ نہیں فرمایا لعلیت لہوہ کہ ان کی نبوت محسن جاتی بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ قبیح ہو کر رہے غرض نہایت کے یہ سنی ہوئے کہ ہم نے ہمیشہ کے لئے اسی دین کو پسند کیا ہے جس حدیث میں ہے کہ میں نے نبی علیہ السلام پر دل ہو کر جو یہ کہوقوف کر دی گئے اور اس وقت وہی ہاتھیں روہائے گی یا اسلام ملا یا اللہ کرے تو وہ ختم نہیں ہے بلکہ اس وقت کے لئے شریعت جو یہ کہاجی قانون ہوگا جس کو نبی علیہ السلام ہماری فرمادیں گے اور بڑے عزم کا لہیفہ ہے کہ یہ بیانی لوگ مسئلہ ہمارے اور ہاتھ میں کرتے ہیں کہ اسلام نے اس کو کیوں نہ رکھا میں کہتا ہوں کہ اپنے دشمن سے ہی پوچھو وہ معریب آنے والے ہیں وَلَقَدْ ظَهَرَ لِآلِ الْمُشْرِكِينَ حُضُورُ نَبِيِّكُمْ يَوْمَ بَرْحَاءِ کہار کی دعا ہے کہ جو یہ کہے کہ نبی علیہ السلام نے تو اس کی بھی پروا نہ کی۔ ان کے ہمد میں وہی ہاتھیں ہوں گی یا اسلام یا سیف غرض میں علیہ السلام حکم اسلامی تھا کہ تم کو حضور نہ فرمائیں گے کہ پہلے جو یہ کہاجی تھا وہ آپ اس کا ملادیں گے تاکہ ان کو تاراج کیا جائے۔

پھر تَعْلِيْفُ الْكُفْرِ وَالْمُشْرِكِيْنَ تا یہاں شہد کیا جائے کہ تا یہ کہ جب ہوتی ہے کہ اسلام کا ہر حکم جو مستحب رہتا۔ سو جواب کا یہ ہے کہ اس حکم کو نبی علیہ السلام نے حضور نہیں کیا بلکہ حضور ہی نے منسوخ کیا ہے جس میں حدیث میں کہ طبع الجوزیہ خبر سے لہا ہے۔ یعنی حضور ہی خود یہ حد مقرر کر گئے ہیں کہ اسے میں نبی جب تم آؤ اس وقت کفار کے ساتھ یہ معاملہ رہا اس کی مثال ایسی ہے کہ طیب نے کسی مرتضیٰ کو مسلم دیا اور اس سے کہہ دیا کہ مسلم لینے کے بعد یہ طحانی ہے گا تو اب مرتضیٰ جو طحانی بیچا ہے اس کی اجازت نہیں بلکہ طیب ہی کا کہنا ہمارا کرتا ہے طیب ہی نے قتارہ با تھا کہ میں روز کے بعد تیر کو یہ ہوگی اسی طرح میں علیہ السلام کو حکم ہے کہ اس وقت آپ جو یہ کہوقوف کر دیں میں علیہ السلام اپنی طرف سے اجازت نہیں کریں گے بلکہ آپ ہی کے فرمان کو بہا اور میں گے غرض اِنَّ الَّذِيْنَ جَعَلَ الْكُفْرَ وَالْمُشْرِكِيْنَ (خدا کے نزدیک دین پسند یہ اسلام ہی ہے) اور تَعْلِيْفُ الْكُفْرِ وَالْمُشْرِكِيْنَ کے سنی بھی ہیں کہ ہمیشہ بھی دین ہے گا آگے ایک نکتہ ہے اہل طم کے لئے وہ یہ کہ قُلْنَ الْمُشْرِكِيْنَ تَعْلِيْفُ الْكُفْرِ یہ حکم یہاں بظاہر ہے جو معلوم ہوتا ہے اہل کے ساتھ اس آیت کا ربط نہیں معلوم ہوتا کہ یا تو وہ پختہ اسلام کی بدست وہی جاری ہے یا اب قُلْنَ الْمُشْرِكِيْنَ تَعْلِيْفُ الْكُفْرِ کا حکم نازل فرمادیا اور پھر اس ضمنوں کو لاء کے ساتھ لائے جو ترتیب کے لئے آتا ہے تو بعض نے تو اس اجمال سے گھبرا کر یہ کہہ دیا کہ لاء ترتیب ذکر کے لئے ہے ترتیب بھی کے لئے نہیں لہذا حکم مرتب ہوا اور مسلسل ہونا ضروری نہیں مگر لاء نہ میری کچھ میں آ گیا ہے کہ یہاں پر لاء ترتیب بھی ہی کے لئے ہے اور پھر بھی اجمال نہیں چاہیے معریب مذکور ہوگا جاتی جن لوگوں نے قانکر ترتیب ذکر کی کے لئے فرمادیا ہے ان پر ایک اجمال پھر بھی باقی رہتا ہے وہ یہ کہ اس ضمنوں کو اہل سے کیا جو ہوا اس ہے دینی کا کیا جواب ہے انہوں نے اس کا بھی ایک جواب دیا وہ یہ کہ

اور یہاں کلام کو مزید پر فتم کرنے کی ایک وجہ یہ بھی علماء نے لکھی ہے کہ یہ کلام آفرین ہوتا ہے اور ہی عقل و دل رہتا ہے اور اس کا اثر قلب پر زیادہ رہتا ہے تو اس نقل میں اور ہرے قول میں تھادریں ہو گئی کچھ کس میں نے تو لکھا تھا کہ مصلحتوں و رحمت پر کلام فتم ہوا ہے اور اس نقل سے معلوم ہوا مزید پر فتم ہوا ہے۔ سورہ فتح اس تھادریں کا یہ ہے کہ کلام تو رحمت ہی پر فتم ہوا ہے مگر اس مصلحت سے کہ اس رحمت پر فتم کر کے کوئی بالکل لاہر داری نہ کرنے لگے گذرانی و مصلحتی بھی دے دی۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے احکام میں تو بالکل لگی نہیں بہت آسان احکام ہیں لیکن اگر سب سب احکام پر بھی عمل نہ کر کے تو تھادیں کبھی آوے گی کہ اتنی تو فتم پر رحمت کی کہ بالکل ہلکے ہلکے احکام نازل کئے پھر اگر اس میں بھی کافلی ہو کر کے تو اس جان تھادیں آجائے گی تو یہاں رحمت تھادیں تقریر کے مخالف نہ ہوئی بلکہ اس سے رحمت کی اور تانیہ ہو گئی اسکی لکھی مثال ہے کہ پچھو اسکی آسان تھادریں اور اس کی یاد کی بھی آسان صورت تھادیں پھر اگر اس میں بھی اور تھادیں اور سستی کرے تو اس کے کان سمجھنے لگے تاکہ اس ار کے بارے سستی جلدی یاد کر لے اور پھر اس ارہیہ انعام کے لئے اس صورت میں سستی تو اس کا بالکل آسان تھا مگر وہ لاہر داری سے یاد نہیں کرتا اس لئے سمجھا اس کے کان سمجھنے لگے تاکہ اس کو یاد کرے تو یہ کو تھادیں بھی رحمت ہی کا اثر ہے ہر حال تھادریں نہ ہا۔

حاصل آیت

غلاماں آیت کا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نعمت اسلام کا کامل اور تمام ہونا ذکر فرمایا ہے تاکہ اس نعمت پر مستحب ہو کہ اس کا شکر بجا لادیں اور شکر یہ ہے کہ اس کے فضائل و برکات خود بھی حاصل کریں اور دوسروں کو بھی اس سے بہرہ ور کریں دوسروں کے سامنے بھی اس کے فضائل و برکات بیان کریں تبلیغ کریں جس کی خصوصاً اس وقت سخت ضرورت ہے خصوصاً یہ کہ اپنی بھی اصلاح کریں اور دوسروں کی بھی اصلاح کریں ان کو ترمیم دیں اور توجہ کریں تو ان میں جہاں نماز روزہ زکوٰۃ کا حکم ہے وہاں اسر بالعرف کا بھی حکم ہے اس لئے اسر بالعرف بھی کریں مگر خصوصاً کسی کے ساتھ کسی سے لڑنے لڑنے جسے اللہ جیسے لڑا ہوا خود فرض ہونے کے بھی بھی کسی عذر سے ساقط ہو جاتی ہے جیسے خاص سے لڑا ساقط ہو جاتی ہے اسی طرح یہاں بھی افتادہ خود چہاں ہی لئے میں نے لکھا ہے کہ جو کچھ کہ علماء سے پوچھ کر کر دے وہ ہر ایک کے مناسب کام بتا دیں گے۔ کسی کے تصنیف کا کام پور کر دیں گے۔ کسی کو زبانی تبلیغ و اشاعت کے لئے جو پڑ کریں گے کسی کو مالی مدد کا مشورہ دیں گے۔ کسی کو زبانی تبلیغ و اشاعت کے لئے جو پڑ کریں گے کسی کو کام کا حکم کریں گے کو تم دعا ہی کرتے رہو اور دعا کا کام تو سب ہی کر سکتے ہیں اور کام کرنے والے بھی اس میں شریک ہیں گے اب دعا کیجئے کہ خداوند کریم تمہیں علم عطا فرمادیں اور ہم کو غاہری و باطنی اصلاح کی توفیق بخشے۔ آمین

روحانی مطلب میں کوئی مرض لا علاج نہیں

غرض اس وقت تو کسی کے کفر پر تعلق نہیں ہو سکتا مگر جس زمانہ میں **حَتَّمْنَا عَلَى الْمُشْرِكِينَ** کا شہادہ ہو سکتا تھا اس وقت بھی یہ لوگ ایمانِ اطلاع اور ان کا کفر لا علاج نہ تھا۔ بلکہ ان لوگوں کے اختیار میں تھا اس طرح سے کہ ایمان لے آئے تو اس کا عدم وقوع حق تعالیٰ کو معلوم تھا مگر عدم وقوع کے قطعی ہونے سے اس کا اختیار ہی ہوتا قطعی نہیں ہوا اور میرے پاس اس کی دلیل موجود ہے جو چند مقدمات پر مبنی ہے ایک مقدمہ تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ فعلِ محبت سے پاک ہیں اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ حقیقی غیب بعدِ ماضی کے دو انہیں دیا کرتا اور اگر وجہ بھی ہے تو مریض کو مجبور نہیں کرتا بلکہ بعض تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ یہ مریض بچے کا نہیں اس کو دواست دو اور اگر کوئی حقیق اس حالت میں بھی جبرِ اہوا رہا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو علمِ غیب نہیں دیا ہے تو اچھا علیہ سے اس مرض کو لا علاج کہتا ہے مگر یہ سمجھتا تھا کہ یہ قطعی نہیں وہ قدرتِ خدا تعالیٰ پر نظر کر کے پیداوار ہے۔

حکم دو اسباب پیداوار نظر حقیق منجانب سبب مانگر

مگر حق تعالیٰ کو علمِ غیب ہے مگر عزمِ اللہ علیٰ قلوبہم سے ان لوگوں کے لا علاج ہونے اور علاج کے بغیر اختیار ہی ہونے پر دلالت ہوتی تو یہ دلالت قطعی ہوتی کیونکہ عالمِ غیب کا حکم ہے اور حق تعالیٰ اختیار کے حقیق علم ہونے ہوئے یہ حال ہے کہ وہاں ہر کچھ پیدا ہے کیونکہ **لَا يَخْلُقُ اللَّهُ تَلَفًا وَلَا ضَعْفًا** کے خلاف ہے تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ان لوگوں کو دوا پر مجبور کیا ہے کیونکہ **يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللَّهَ وَارْتَقِبُوا** میں خطاب عام ہے اور یہ آیت کی ہے مگر لفظ **يَا أَيُّهَا النَّاسُ** غرضِ عموم کو متعارف ہے جس میں تمام کفار کو تو محدود ایمان اختیار کرنے کے حقیق خطاب ہے جن میں وہ لوگ بھی تھے جن کے بارہ میں **حَتَّمْنَا عَلَى الْمُشْرِكِينَ** فرمایا گیا ہے مگر اس پر اعتبار بھی ہے کہ اگرچہ اصل و اصل خطاب غیر ایمان کے مکتف تھا مگر وہ ایمان کے مکتف نہ ہوں اور اس حکم سے مستثنیٰ ہوں تو پھر ان کو خطاب نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ کہہ سکیں گے کہ حضور ہم کو جو ترک ایمان اور کفر کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے تو اخیر زمانہ میں ہم تو حکمِ ایمان سے مستثنیٰ ہو گئے تھے آپ نے **حَتَّمْنَا عَلَى الْمُشْرِكِينَ** نازل فرمادیا تھا حالانکہ ان کا مطلب ہونا مضمون ہے کیونکہ **حَتَّمْنَا عَلَى الْمُشْرِكِينَ** کے ساتھ **وَلَقَدْ هَمَمْنَا بِالْعِصْيَانِ** بھی وارد ہے جس سے یہ ثابت ہے کہ ان کے بارہ میں **وَلَقَدْ هَمَمْنَا بِالْعِصْيَانِ** فرمایا گیا ہے ایمان کے مکتف وہ بھی تھے اس سے مستثنیٰ نہ تھے اب میرا دعویٰ ثابت ہو گیا کہ جن لوگوں کے حقیق حکم **حَتَّمْنَا عَلَى الْمُشْرِكِينَ** نازل ہوا ان کا مرض روحانی لا علاج نہ تھا اگر روحانی مطلب میں کوئی ماضی اس اطلاع ہوتا تو یہ لوگ ہوتے مگر وہ ایمان اس اطلاع نہیں تو ثابت ہو گیا کہ مرض روحانی بھی لا علاج نہیں۔

کلام اللہ میں صیغہ واحد اور جمع کے استعمال حکمت

فرمایا کلام اللہ میں کہیں صیغہ واحد و کلام کا ہے کہیں جمع کا مثلاً اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ میں واحد و کلام ہے۔ وَلَکُمْ مَغْفِرَةٌ لِّمَا تَعْمَلُوْنَ میں جمع ہے۔ کلام کے معنی یہ ہیں کہ اس میں جمع استعمال کیا گیا ہے۔ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جس مقام پر رحمت اور شفقت کا مضمون ہے وہاں واحد و کلام کے ساتھ ارشاد فرماتے ہیں۔ چنانچہ آیت مذکورہ میں تحلیل دین کا ذکر تھا جو سراسر رحمت ہے اس لئے اکملت فرمایا اور یہاں شانِ جلال و استعلاہ و عظمت کا بیان ہے وہاں جمع کا صیغہ آیا ہے کہ تم نے ایمان کیا ایمان کیا کریں گے۔ یہ بات سمجھنا آتی ہے۔

لِذَا قُمُوا إِلَى الصَّلَاةِ فَانْصَلُوا وَجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى

الْمَرَافِقِ وَانْصَبُوا رُءُوسَكُمْ وَارْجِعُوا إِلَى الْكُعُوبِ

سَبِيحٌ: اے ایمان والو! جب تم نماز کو اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو صحرہ اور اپنے ہاتھوں کو گھٹی کہیں اور اپنے سروں پر ہاتھ بیکھرو اور صحرہ اپنے پیروں کو گھٹوں سمیت۔

تفسیری نکات

نحوی قاعدہ سے ایک اشکال کا جواب

بعض افلاکات کا جواب نحوی قاعدہ سے دیا جاتا ہے چنانچہ میرے پاس ایک ملائی آئے اور کہنے لگے کہ وضو میں پاؤں دھونا جو فرض ہے اس کی دلیل کیا ہے قرآن میں تو یہیوں کہ واسطیٰ تک کا حکم ہے۔ میں نے کہا کہ قرآن میں کہاں ہے۔ کہنے لگے کہ شاہ عبداللہ اور صاحب کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے۔ مجھ پر مزاج قرآن میرے پاس ملے اور آیت دکھائی۔

فَانْصَلُوا إِلَى الصَّلَاةِ فَانْصَلُوا وَجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَانْصَبُوا رُءُوسَكُمْ وَارْجِعُوا إِلَى الْكُعُوبِ

ترجمہ: یہ لکھا ہوا تھا میں دھو اپنے منہوں کو اور ہاتھوں کو کہیں تک اور ملو اپنے سروں کو اور یہیوں کہ روٹیوں تک شاہ صاحب نے یہاں فعل مقدم کو ظاہر کیا تھا اور سب کا ترجمہ کا وہ کہ سوائے کہ رو یا دوت حصے تراجم میں مقدم فعل کو ظاہر کر کے اس طرح ترجمہ کیا ہے اور دھو اپنے پیروں کو روٹیوں تک اور بعض تراجم میں سب کا ترجمہ سب ہی سے کیا ہے اس طرح کہ سب کہ اپنے سروں کا تو اس میں لکھا تو نہیں آیا۔ اس ترجمہ پر کچھ

افعال نہیں ہو سکتا مگر شاہ صاحب کے ترجمہ میں ملائی کو یہ شہر ہوا کہ یہوں کے لئے بھی سح کاظم ہے میں بہت پریشان ہوا کہ اس افعال کا جواب تو لغوی کا تعدیہ متوقف ٹھہرا اگر میں ان کو لغوی کا تعدیہ سے جواب دوں تو اس کے یہ سستی ہیں ان کے سامنے عطف اور تقدیر کی تحقیق بیان کروں جس کو یہ سمجھ ہی نہیں تھکے آخر میں نے ان سے کہا کہ جس کلام کا یہ ترجمہ ہے یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ کلام اللہ ہے بڑے کو علماء کے کہنے سے معلوم ہوا میں نے کہا افسوس یا تو علماء اسے ایمان دار ہیں کہ وہ ایک عربی عبارت کو کلام اللہ کہہ دیں تو بچے اور بڑے بے ایمان ہیں کہ اگر وہ ایک فعل کو فرض کریں تو جو لے اس پر چپ ہوئے میں نے کہا خبردار جہنم نے بھی ترجمہ دیکھا ایسوں کو ترجمہ دیکھنا ونگہ نہ چاہئے۔

اسی طرح بہت سے افادات ہیں جن کے جواب علوم الہیہ پر متوقف ہیں اس لئے میں کیا کرتا ہوں کہ عوام کو ترجمہ خود نہ دیکھنا چاہئے۔ بلکہ اگر شوق ہو تو کسی عالم سے سہا سہا پوچھنا چاہئے غرض اس افعال کا جواب یہ تھا کہ یہاں اور جملکم کا عطف وجوہ حکم پر ہے خبر یا افعال تو یکہ نہیں بڑا افعال اس جگہ یہ بتا ہے کہ ایک قرأت متواترہ میں دو جملکم بالجوہ بھی آیا ہے اور اس صورت میں بظاہر اس کا عطف رؤسکم کے ساتھ اور فاعلسوا کے تحت میں ہے اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ اس کا عطف فاعلسوا کے تحت میں ہے جب بھی یہوں کے لئے سح کاظم لازم نہیں آتا کیونکہ عادات میں بعض افعال وادائی چیزوں کو ان کے ساتھ فعل متعلق ہوتے ہیں اقتصاد کے لئے ایک ہی فعل کے تحت میں بیان کر دیتے ہیں۔

مثلاً عادت کے متعلق یہ کہا کرتے ہیں کہ کھانا پانی ہمارے یہاں بھی کھا لیجئے گا مالک پانی تو پیئے گی چیز ہے کھانے کی چیز نہیں اصل کلام اس طرح تھا کھانا کھا لیجئے گا پانی پی لیجئے گا مگر اقتصاد کیلئے ایک فعل کو حذف کر کے دونوں چیزوں کو ایک فعل کے تحت میں ذکر کر دیتے ہیں۔

اسی طرح اگر کوئی پوچھے کہ تم نے دعوت میں کیا کیا تھا تو جواب میں کہا کرتے ہیں پاناؤ زورہ اور اخذی کرشت کھا یا تھا مالک زورہ پینے کی چیز ہے یہاں کہنا چاہئے تھا کہ زورہ یا تھا پانی چیز کی کمال نہیں جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب کھو اور جملکم کا عطف اگر فاعلسوا کے تحت میں بھی مان لیا جائے تو یہ لازم نہیں آتا کہ یہوں کے لئے سح کاظم ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ اس بار فعل کا متعلق اصل میں دونوں سے تھا ہمارا ایک فعل کو حذف کر دیا گیا اور ظاہر میں دونوں کو فاعلسوا کے متعلق کر دیا گیا اور مطلب وہی ہے کہ سح کا سح کو اور یہوں کو جو عربی میں اس کی نظیر یہ کلام ہے عطفہ لہذا و ماہ اہل دارا اور اگر فاعلسوا کے عطف کو بھی اور جملکم کے متعلق مان لیا جائے تب بھی کچھ افعال نہیں کیونکہ تعدیہ ہے کہ وہ اقراء میں محمول

اختلاف قراءۃ

اگر ہم پر غدار کے بھی قاتل تھیں اور ارجل کے کسی کو مان لیں جب بھی اس کا غیر مفسول ہونا لازم نہیں آتا بلکہ احتمال ہے کہ یہ وہ مسیح جو عیسیٰ مسیح کے وقت کیا جاوے یعنی دلک پیریاں کے کہ پاؤں کی جلد سخت ہوتی ہے اس لئے مسیح کے ساتھ کہ منہوم ہے ایک قراءۃ کا دلک کا حکم کہ منہوم ہے دوسری قراءۃ سے کا فرمایا ہوا (بخاری و مسند احمد)

إِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ

تعدیل کیا کرو کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔

کفار و مشرکین سے بھی عدل کا حکم

کہا کرو کہ کتاب یا اگلی تو کفری کرنا کہ تو قرض دینا یا ان سے قرض لینا **قَالَ اللَّهُ تَعَالَى لَا يَنْهٰكُمْ اللَّهُ عَنِ الْمُلْكِ لِمَنْ يَفْقَهُوْا فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ اِنْ تَبَرَّوْهُمْ وَقَسَطُوا إِلَيْهِمْ اِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ** حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ سے کفار کی یہاں ضروری کرنا ثابت ہے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار سے قرض لینا اور خطا منہوم کی داری کہ یہ صرف مباح ہے بلکہ مستحسن اور واجب اور ضروری ہے **قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَالَّذِي نَقِمْ لَهُمْ لِمَا ظَنُّوا اَلَالِغِ اِنَّهُمْ كَانُوا يُدْخِلُوْنَهُنَّ عَلَى الْمُسْلِمِ اِنْ كَانُوا كَافِرًا** کفار کے قصاص میں نقل کیا اور خطا انسان کا بدلا انسان کے ساتھ دینا **قَالَ تَعَالَى هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ** اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک کا فر لوطی سے پانی لیا تھا اس کا کچھویر دیں اور اس کے تمام کانوں کو قاتل سے چھوڑ دیا حالانکہ اس لوطی کا کچھویر احسان بھی نہ ہوا تھا حضور کے اظہار سے پانی اس کا اتھکری رہا تھا اسی میں سے دم گھٹاری بھی ہے **قَالَ تَعَالَى وَلَوْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ الْغُلُقَ الْغُلُقَ الْغُلُقَ** اسلام میں جس قدر اگلی تعلیم ہے وہاں پر آ نکلا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لوگ کیسے کیسے برے لفظ کہتے تھے ان تبصرون **اَو جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ** مگر کبھی حضور ﷺ نے برے لفظ کے جواب میں برا لفظ نہیں کیا نہایت سے غایت یہ لفظ تھا **لَا حِجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْاَكْثَرِ** لہذا ان کے قسم لول کے سب مراحب ہو جیں۔ **اَلَا اَنَّكُمْ تَخْتَفُونَ اِلَى الْاَشْرَارِ** وہاں خطا کفار سے اعداد لینا جبکہ اپنی تو جین یا تو جین اسلام کی موجب ہو چسے حضرت کہیں بن مالک رضی اللہ عنہ جب غزوہ تبوک سے واپس گئے اور حضور ﷺ نے ان سے بولنے چائے کو بیخ فرما دیا تو شاہد اسلام نے ان کے پاس دھڑکیا کہ مجھ کو منہوم ہوا ہے کہ تمہاری صاحب نے (ﷺ) تمہارے ساتھ تھی کا پر تاؤ کیا

ہے اور تمہاری قدر نہیں جانی آپ یہاں آجائے آپ کی قدر افزائی کی جائے گی تو انہوں نے اس قدر کوشش میں مجھ تک دیا مثلاً کفار کا احسان لینے میں اندیشہ ہوا کہ ان کے ساتھ بھی بے مروتہ حرکت کرنا پڑے گی مثلاً وہ کسی مدرسہ یا مسجد کے چند میں شریک ہونا چاہیں کہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بھی ان کے بعد میں شریک ہونا پڑے گا تو یہ مسئلہ درست نہیں جیسے ایک مرتبہ بعد مسلمانوں میں اتفاق کی ہوا پہلی جہی کہ بعد ترویج داری میں شریک ہوئے اور مسلمان ہوئی میں یہ سب تصور غم ہے اور ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان کے خلاف ہے اور من کثر سواء قوم فہم معہم کا مصداق ہے یا کفار سے بے مروتہ نہ ملنا جیسے بدعت و ماحول ضرورت سے زیادہ غری اختیار کی جائے جس کا انجام خود بھی ذلیل ہونا اور دین کو بھی ذلیل کرنا ہے ایسے ہی مروتہ کے لئے وارد ہے واخلط علیہم حضور ﷺ نے باجود رحمت ہم ہونے کے مروتہ میں غریب کو برا دلی کہ ان کو کچھ ہی کٹوا کر اور انھوں میں گرم سنا نیاں پھرا دیں گے انھیں پھوٹ گئیں اور ان کو گرم زمین پر ڈالوا دیں یہاں تک کہ مر گئے کیونکہ انہوں نے چہ راہوں کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔

گوئی باذان کردان چنان است کہ بد کردان بجائے نیک مراد

اور ہم دہم یعنی زائد از ضرورت کفار کی طرف میلان کے بھی چند مراتب یہ ہیں مثلاً جب بالکلام ان کے رسوم و عہد میں شرکت یا غلو شائد حسب کفار کی پالیسی اور بلذخوں میں آجائے

من تشبه ب قوم فہو معہم اور من کثر سواء قوم فہو معہم اور ہا انتم ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان من یحیونکم اور فتری الذین فی القلوبہم مرض یسلو عین فہم یقولون نحبہ ان یصلبنا دائرۃ ان کے بارہ میں وارد ہیں یہ سب مصلحتی اور متوجہ ہیں حال آنکہ کوئی ضرورت شدید یا اگر کوئی ہوتی ہے اس اختیار اور وارد سے اور ان افعال کو جائز سمجھ کر کرنا کسی حالت میں درست نہیں یا غرض میں خلق اور جڑ ہے اور مروتہ رحمت اور رحمی اور حسن خلق کی نسبت وارد ہے والک لعلی خلق عظیم اور مروتہ اور توفیق کی نسبت وارد ہے لا یصلحون المؤمنون اولیاء من دون المؤمنین ومن یصلح ذلک فلیس من اللہ فی شئی الا ان یظروا منہم نفعاً ومن یتر لیہم حکم لانا منہم ان اللہ لا یہدی القوم الظالمین حسن خلق کفار کے ساتھ مندوبہ مستحسن ہے اور مروتہ رحمت ممتنع اور نہ مروتہ ہواں سے ملنا اور عزائم پر ہی وغیرہ کرنا جیسے حضرت ولایت کیا میں خلق ہے اور ان کو انصاف نہ کرنا اور ان سے غرض خاطر کرنا سوا خلق اور تکبر بلکہ تصنع ہے کہ حقیقت تو قصود ان کو اور راف کہ اور ان پر اپنا اثر ڈھانڈا ہے اور صحت بے نازی سے کیسے اختیار کی جاتی ہے اور اگر کوئی بعد کوئی قدم دینے لگے انکار نہ ہو اور وہ مخلوق سے اس کو جائز کر لیا ہوا ہے۔

عارفہ حقیقت پر نظر جائے نہ کہ صحت پر مکتوں پر جانے کی صحت تو محک جہی مگر حقیقت صرف ہا بنی دہم

۴۔ ہر ایک جہنم کے لیے لیا سزا نہیں جو یہ کہی دینی دنیاوی خرابی کو مستزیم نہ ہو اس کا قبول کرنا سزا ہے دینی خرابی جیسے طمع حرام و حلال میں تمیز کرنا حق پرش میں اچلا ہونا وغیرہ اور دنیاوی جیسے نظروں میں ذلیل ہونا وغیرہ ایسے ہی ہم یہ کہی لیسبت عارف شیرازی کا قول ہے

مردے میر و قحطات نے برہم پایاوش کوئے کہ روزی انتظار است

جہنم کے شرانگہ حضرت دالہ کے سوا حق میں بار بار کھوئے ہیں۔

(۵) دعا مانگنا ہر حاجت کے لئے مندوب و مستحسن ہے ایک شخص نے دعویٰ ایک حاجت کے لئے دعا مانگی مگر کبھی وہ حاجت پوری نہیں ہوتی کسی نے کہا کہ جب مدت گزر گئی اور حاجت پوری نہیں ہوئی تو مظلوم ہوتا ہے کہ منظور خدا نہیں ہے کہ وہ حاجت پوری ہو مگر دعا سے کیا فائدہ بلکہ گنہ گستاخی ہے اگر دینا ہوتا تو اب تک دیدی ہوتی اور جب نہیں دی تو اب دعا مانگنا بھروسہ ہے کہ یہ گستاخی ہے اس نے کہا میرا کام یہی ہے کہ میں مانگوں دینا نہ دینا ان کا کام ہے میں اپنے کام کا ذمہ دار ہوں ان کے کام کا ذمہ دار نہیں اگر وہ کام میرا ہو جائے تو مانگنا ختم ہو جائے اور جب وہ کام نہیں ہوا تو مظلوم ہوتا ہے کہ مجھے تنگوانی منظور ہے مجھے اسی میں حفا آتا ہے کہ جو کام مجھ سے وہ چاہیں وہ مجھ سے ہوتا ہے اور وہ مجھے تو پاویں میں نہ چاہوں۔

یوقت ذرا اپنا اپنا انگے زیر پائے ہے کیا نصیب اللہ اکبر لے لی جائے ہے

خدا کرے کہ حرا انتظار کا نہ بنے مرے سوال کا دیں وہ جواب برسوں میں

ترب میں اس سے زیادہ حق حاصل ہے جس کام کے پورا کرنے میں ہوتا ہے

جو حرا انتظار میں دیکھا پھر وہ اصل پار میں دیکھا

اور حدیث میں وعدہ ہے کہ جس دعا کی قبولیت ٹھاکر نہیں ہوتی اور دائرہ ہو جاتا ہے آخرت کے لئے تو کافی کی جگہ پائی کے ملنے کی انتہا اللہ تعالیٰ امید ہے جس کو حاجت کی طرف سے اطمینان بھی ہو اس کو بھی دعا مانگی جائے تو اب مفت اچھا آتا ہے۔ (مہاشیختہ ص ۱۳۳-۱۳۴)

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ

ترجمہ: تمہارے پاس خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے جو ایک کتاب کا بیج (مکمل قرآن) ہے۔

تفسیری نکات دو نوعیتیں

یہ ایک مختصری آیت ہے اس میں حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی دو نعمتوں کا عطا فرمایا اور ان دونوں نعمتوں پر اپنا احسان ظاہر فرمایا۔ ان دونوں نعمتوں میں ایک تو حضور ﷺ کا وجود ہوا جو وہ ہے اور دوسری نعمت قرآن مجید کا نزول ہے۔ ایک کو لفظ نور سے ذکر فرمایا ہے اور دوسرے کو کتاب کے الفاظ سے ارشاد فرمایا ہے اور یہ تو یہ اس آیت کی ایک تفسیر کی بناء پر ہے یعنی جب کہ نور سے حضور ﷺ کا وجود ظاہر ہوا اور اسے اور اگر دوسری تفسیر اختیار کی جائے یعنی نور اور کتاب دونوں سے قرآن مجید ہی مراد لیا جاسوے تو تو یہ بدل جاسوے گی اور اس صورت میں مختلف کتاب کا نور پر ہوا جو اتحاد ذات کے تحت از حیثیت وصفت کے اعتبار سے ہو گا کہ ایسی کتاب عطا فرمائی کہ اس میں ایک صفت نوریت کی ہے اور دوسری صفت کلیت کی ہے اور اس تو یہ کی بناء پر بھی وہ اتحاد وصفت فرست نہ ہو گی یعنی وہ دو نعمتیں اب بھی رہیں گی لیکن ایک پر دلالت مطابقی ہو گی اور دوسری پر دلالت التزامی یعنی قرآن پر تو دلالت مطابقی ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور چونکہ قرآن کا نزول حضور ﷺ پر ہوا اور حضور ﷺ کی برکت سے ہم کو یہ نعمت عطا ہوئی ہے اس لئے بہر حال دونوں طریق مطابقت مذکور ہوں یا ایک بطریق مطابقی اور دوسری بطریق لزوم مگر ہر حال میں اس آیت میں دو نعمتوں کا ذکر ہے۔ الفاظ دانی کا نام علم ہوتا تو وہ معاشی کے ساتھ بھی منع ہو جاتا بلکہ کفر کے ساتھ بھی اور نہ ہر وقت اور برکت میں یہی ساری عرب کے ادیب کہتے ہوتے۔ ان کا ماننا بھی قرنی ہے نہ ان بھی تخر ہے۔

حقیقت علم

حقیقت میں علم کی حقیقت نور ہے جس کی نسبت قرآن میں ہے قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ان کو روح بھی فرمایا وَكِتَابٌ مُبِينٌ نہ تو یہ اس حقیقت میں بھی جو علم ہے امام ابو حنیفہ نے کتابیں زیادہ نہیں چڑھی تھیں مگر انہ تعالیٰ نے کتب میں ایک نور بخشا تھا کہ جس چیز کو بیان فرماتے تھے بالکل صحیح فرماتے تھے۔ اور اب کسی کو کتابی تخر ہو جاسوے مگر وہ علم نصیب نہیں جو امام صاحب کو حاصل تھا اس حالت میں اگر کوئی کہنے لگے

کدو روئے کو عظیم شے سمجھ رہی کہیں گا۔

بنت اگر حد کسا دانش آدم بکف
اور عیوں کہیں گا۔

عبار اتقا شقی و حکک ماحد کل الی ذاک الجبال یثیر
اور جب حضورؐ کی لور میں لور قرآن کی لور ہے تو اب ہمارے پاس لور علی لور ہے جیسا کہ کیا ہے۔
نہ ہو پھر مل کے کیوں لور علی لور

اس حالت میں ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ہم کو حضور سے محبت زیادہ ہے یا قرآن سے ہر ایک کی محبت
دیکھو اپنی طرف کھینچتی ہے ہم کو حضور ﷺ سے بھی تعلق محبت ہے اور قرآن سے بھی وہ اپنی طرف کھینچتی ہیں وہ
اپنی طرف کس ہمارا تو سوال ہے کہ کل سے کس نے ہم کو چھوڑ دیا ہے یا قرآن کو یا کھنڈہ ہم چھوڑ کر میں
یہ کہیں کہ مجھے اپنے سے محبت ہے تو وہ بھی قرآن ہی کی محبت ہے کیونکہ میرے ہاتھ جو کچھ لور اور دانش ہے سب
اس کی بدلت ہے اور اگر کہیں کہ قرآن سے محبت ہے تو یہ بھی اپنے ہی ساتھ محبت ہے کیونکہ قرآن سے اسی
لئے محبت ہے کہ اس نے کچھ کمال عطا تو وہ اپنی ہی محبت ہوئی تو بعض جگہ دلوں طرف سے تلازم ہوتا ہے وہاں ہر
ایک کی محبت دوسرے کی محبت کو عظیم شے سمجھ کر کسی دانش کا شعر یاد آتا ہے اسی حاکم بخش کو غیب کی خبر کیا۔

قاصد رسید و نامہ رسید و خبر رسید در حرم کہ جاں بکد الی کلم نادر

ہائے قاصد بھی محبوب کا ہے اور نامہ بھی محبوب کا ہے اب کیا کہیں کہ کسی سے سرت زیادہ ہے یہی حال
یہاں ہے حضور ﷺ قاصد ہیں اور قرآن ہمارے حق ہے ہر ایک اپنی طرف دل کو کھینچ رہے ہیں بس میں کہتا
چاہئے کہ ہمارے لئے ہر ایک میں دوسرا موجود ہے حضور نہ ہوتے تو ہم کو قرآن کیسے ملتا اور قرآن ملنے والا نہ
ہوتا تو حضور کیوں تحریف لاتے اور حقیقت یہ ہے کہ دلوں میں دونوں شاخیں موجود ہیں قرآن میں حضور کی
بھی شان ہے یعنی نور کی لور حضور میں قرآن کی شان موجود ہے یعنی کتاب میں کس کی شان ہے کہ حضور میں کتاب
کی شان کیونکہ کہ ہے میں کہتا ہوں کہ یہاں اللہ حضرت علیؑ کو ہر انسان کے حلقہ ملاتا ہے۔

وذا نیک فیک و ما شعر وذا نیک منک واما تبصر

والت کتاب المعین الذی با حروفہ یظهر المضموع

و تو ہم انک جرم صغیرہ و فیک الطوی العالم الاکبر

مہر حضرت علیؑ ہر شخص کی نسبت فرماتے ہیں کہ تم کتاب میں ہو کیونکہ انسان بطور قلم ہے لہذا یہ کتاب کا لور
نکوت کا اس میں برقی کی نظیر موجود ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهٖ يَقُوْمُوا اٰذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلٰیكُمْ اِذْ
 جَعَلْ فِیْكُمْ اَنْبِیَآءَ وَجَعَلَ لَكُم مَّلُوْكَآ وَآثَرْتُمْ مَّآ لَمْ تُثْبُوْتْ
 اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: اور جب کہا سوئی نے اپنی قوم کو اسے قوم یاد کرنا اور ان کی نعمت کا اپنے لوگوں کو یاد دلانے کا حکم دیا
 تھا اور کہہ دیا تم کو پادشاہ اور دیا تم کو بھائیوں دیا تھا کسی کو جہالت میں۔

تفسیری نکات

ارشاد فرمایا کہ جناب مولا نامہ یعقوب صاحب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو فرماتے ہیں کہ
 جَعَلْ فِیْكُمْ اَنْبِیَآءَ اور اس کے آگے فرماتے ہیں وَجَعَلَ لَكُم مَّلُوْكَآ یعنی ملک تو سب کو فرمایا اور انبیاء میں
 فیکم فرمایا کہ انبیاء بعض ہیں اس میں نکتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبوت تو بعض افراد کے ساتھ خاص ہوتی ہے
 مگر سلطنت جس قوم کی ہوتی ہے اس کا ہر فرد مراد صاحب سلطنت سمجھا جاتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا
 فِیْ سَبِيْلِہٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور خدا تعالیٰ کا قرب و محاورہ اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا
 کرو امید ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔

ضرورت شیخ نص کی روشنی میں

فرمایا کہ وہ شیخ طریقت کی ضرورت میں پیامت پیش کیا کرتے ہیں وابتغوا الیہ الوسیلة حالہا کہ اس
 میں شیخ مراد نہیں بلکہ اصل حالہ مراد میں الیہ ضرورت شیخ دوسری آیت سے ثابت ہو سکتی ہے واقعہ سبیل من
 القاب الی الامتہ اور یہ خوشیور ہے (۲) الشیوخ علی قواعد النبی علیہ السلام (شیخ اپنی قوم میں آیا ہے جیسا نبی
 اپنی امت میں) اس سے مراد شیخ طریقت نہیں بلکہ یزید علی مراد ہے۔ کیونکہ یہ متوالحدیث کہا جاتا ہے اور اس
 زمانہ میں شیخ کا لفظ شیخ طریقت کے معنی میں قطعاً استعمال نہیں ہوا۔ کیونکہ یہ حرف بالکل مستحدث ہے۔ (مخطوطات
 حکیم دوست جلد نمبر ۲ ص ۳۷-۳۸)

وَالْقِيَتَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

ترجمہ: اور ہم نے ان میں باہم قیامت تک عداوت اور بغض ڈال دیا۔

تفسیری نکات

اہل کتاب کے اتحاد کی غرض

اور اہل کتاب میں آج کل بظاہر بہت اتحاد و اتفاق دیکھا جاتا ہے اس واقعہ کی تکذیب تو نہیں مگر تو اس سے اس بات میں شبہ ہو سکتا ہے جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے یہ کفار کہتے تھے کہ اہل کتاب ان میں اتحاد و بہت نہ کیا جائے آیت کے مضمون پر کوئی شبہ نہیں اور سب اس کے اہل کتاب کا ذکر کرنے کی وجہ سے مطلق اہل کتاب کی طرف بھی ضمیر کو راہ کیا جائے تو جواب یہ ہے کہ اس عداوت سے مراد مذہبی عداوت ہے اور اب جن لوگوں میں اتحاد دیکھا جاتا ہے وہ سب سے بالکل علیحدہ ہیں ان میں جو اتحاد ہے وہ غرض و غی میں ہے۔

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ مَا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ مِنَ رَبِّكَ وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ

فَمَا أَبْلَغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّانِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي

الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿١٠﴾

ترجمہ: اے رسول پہنچا دے جو تم پر اترا ہے سب کی طرف سے اور اگر ایسا نہ کیا تو نے بھروسہ نہ کیا اس کا پیغام اور نہ تمھارا پہلے کا لوگوں سے چونکہ تمھارا نہیں دیکھا تو قوم کفار کو۔

تفسیری نکات

عجیب و غریب رابطہ

پھر چونکہ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّانِ افرانے سے آپ کو عداوت درمیں علی بن ابی طالب سے منع ہو سکتی تھی کہ اس اب تو سب کافر مسلمان ہو جائیں گے۔ کیونکہ جب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تو میں ہر کافر کو قرآن سناتا گا اور وہ بھی آپ کی زبان سے مسلمان کافر ہے۔ مگر ایسا ہونا مقدور نہیں تھا اس لئے آگے تسلی کے لئے فرماتے ہیں إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ کہ سب کے اسلام کی منع نہ کیجئے بعضوں کو حق تعالیٰ ہدایت نہ کریں گے اس طرح جملہ کا یہ رابطہ ہے بالکل سے جو شاید بہت لوگوں کے ذہن میں نہ آیا ہو۔

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُخُوهُ
صَلَّى يَقْدَحُ كَأَنَّا يَأْكُلُونَ الْعَصَا أَنْظُرْ كَيْفَ لُبِّينُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ

أَنْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ۝

ترجمہ: نہیں ہے مسیح کا بیٹا مگر رسول گذر چکے اس سے پہلے بہت رسول اور اس کی ماں ولی
چند دنوں کھاتے تھے کھانا دیکھ ہم کیسے جلاتے ہیں ان کو دلیلیں پھر دیکھ وہ کہاں لے جاتے ہیں۔

تفسیری نکات

اسی لئے حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ و مریم علیہما السلام کی نسبت کائناتیا لکلین العَصَا فرمایا مصلوٹاں دیوان
نہیں فرمایا کیونکہ اکل و شرب ان کا جدا حصہ ہے جو بول و برا کرے گا وہ پہلے کھائے پئے گا بھی ضرور تو اکل و شرب
یہ سب ہے بول و برا کا اس لئے حق تعالیٰ نے سب کو بیان فرمادیا کہ اس سے سب پر خود ولایت ہو جائے گی
صرف نہ فرمایا اس وجہ سے ہے کہ قرآن میں تہذیب کی بہت دعاویت کی گئی ہے اسی لئے بول و برا کا ذکر نہیں کیا گیا
بلکہ سب سکھ کر سے اسی پر ولایت کر دی گئی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ جنت میں تو اکل و بول و برا سے مفارقت ہوگی اس
کا جواب یہ ہے کہ جہنم اگونی نہیں کہ اکل و بول و برا سے مفارقت نہیں بلکہ دعویٰ ہے کہ بول و برا اکل سے مفارقت
نہیں دوسرے یہاں گھٹگو اکل و شرب فی اللہ ناپا میں ہے اور دنیا میں طریقین سے حلال ہے اور یہاں عیسیٰ و مریم علیہما
السلام کے متعلق دنیا ہی میں اکل طعام کا ذکر ہے پس اس بول و برا پر کیا بھیجے ہے مصلوہ تری یہ کہ اگر اس طعام
کے بعد بول و برا دنیا میں بھی نہ ہوتا جب بھی اکل و شرب مفارقت نہیں ہے تو اس لئے ہے کہ

اور ما دوسر و طر و شہد و ملک و رکاز و تاتوانے بک آری بہ فطرت نہ خودی

یعنی اس میں احتیاج سب سے زیادہ ہے۔ سارے عالم کو چکر گئے کے بعد انسان کی کشتہ حاصل ہوتی
ہے دوسرے جیسے ماورے مذکور ہوا تو شہادت حالیہ اس کے ادا ہونے پر دال دہی ہے کہ انسان اس کو خود حقیر سمجھتا
ہے اور دوسروں کے سامنے کھانے پینے سے عیا فرماتا ہے گویا کوئی عیب کا کام کر رہا ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْمُونُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَسْلَامُ
 رَجَسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ٥ إِنَّمَا
 يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ
 وَالْمَيْمُونِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَكُلْ أَنتُمْ لَكُمْ

﴿۵﴾ ایمان والوں! بات چکی ہے کہ شراب اور جھوٹا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے حیر یہ سب گندمی یا تمیں اور شیطان کام ہیں جو ان سے بالکل ناگوار دینا کہ تم کو کفر اور شیطان کی جوئے اور شراب سے یہ فرض ہے کہ آج نہیں میں دشمنی اول دے اور اگر گناہ سے اور نماز سے روک دے حق تعالیٰ نے اس آیت میں جوئے اور شراب کے دو خصائص بتائے ہیں ایک یہ ہے کہ شیطان اس کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں مخالفت اول دے گا دوسرے یہ کہ خدا نے تعالیٰ کی راہ سے اور نماز سے روک دے گا۔ جواب بھی باز نہ آئے گا۔

تفسیری نکات

ایک غلطی کا ازالہ

یہ ایک آپ ہے لیکن جملہ خاص اس کے پہلے جزو کی تفسیر کرنا اور جس بارے میں یہ جزو آیت ہے خصوصیت سے اس کو بیان کرنا مقصود ہے اور محض اس سے ایک غلطی کے رفع کا سہارا کرنا منظور ہے جس کو میں عرض کروں گا اول بطور تہیہ کے اس جزو آیت کا خلاصہ عرض کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جناب رسول ﷺ سے لوگوں نے ضرور نماز کا حکم پر چھا تھا اس کے جواب میں ارشاد ہے کہ ان میں بڑا انگڑا ہے اور لوگوں کے لئے ان میں مبالغہ بھی ہیں اور ان دونوں کا گناہ ان کے قطع سے بڑا ہے کہ بعض مغربین نے کہا کہ یہ آیت قریم ضرور دوسرے پہلے کی ہے اور اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی ہے لیکن انھوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کچھ متنازع ہوا ہے اس لئے کہ یہ جو دو لفظ اتم کبر کے یہ کچھ میں نہیں آتا تاہم ظاہر یہ ہے کہ قریم کے بعد ہی کی ہے اس پر ضروری ہے کہ اس کے بعد والی آیات ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْمُونُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَسْلَامُ رَجَسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ﴾ (اشکانی) ایمان والوں! بات چکی ہے کہ شراب اور جھوٹا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے حیر سب گندمی یا تمیں شیطان کام ہیں اس کی زیادہ تاکید ہے اس لئے لیکن ہے کہ اس آیت کو اس کے بعض لوگوں نے قطع مبالغہ پر نظر کر کے شراب کے

ترک میں سستی کی ہو اور فیہذا آیت قرآنیہ (ان دونوں میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں ہیں) میں کچھ تاویل کر لی ہو
مثلاً یہ کہ ان کو تو ہم نہیں فرمایا بلکہ محض اہم فرمایا ہے اس طرح سے کہ کسی یہ منطقی اہل البصیر ہو جاتے ہیں تو
جب یہ انتظام کر لیا جائے کہ یہ احتمال نہ ہو کہ جو کچھ ہوگا جیسے قلعہ منیرہ کی شان ہوتی ہے مگر یہ تاویل بہت بعید
ہے اس لئے نہایت شہود سے ﴿لَا تَقْرَءُ الْقُرْآنَ حَتَّىٰ تَغْتَسِلَ﴾ آج نازل ہوئی تھیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے
قبل قرآن نہیں ہوتی تھی اور مصالح للبصیر سے جواز ہر تسک نہیں ہو سکتا اس لئے کہ کسی عزم سے میں منافع کے
وجود سے اس کی ایام پر استعمال نہیں ہو سکتا بلکہ منافع کا ذکر غلطاً مشہور کر دینے کے واسطے ہے یعنی اگرچہ
ان دونوں میں منافع بھی ہیں چنانچہ قرآن تو عزم پر یہ اور میسر میں بخیر مال بہ سہولت لیکن مفاسدان کے منافع
سے زیادہ ہیں اس لئے حرام ہیں۔ یہ حاصل ہے۔

دور حاضر کی رسومات کا حال

صاف ظاہر ہے کہ عداوت اور بغض اور لہذا اور ذکر اللہ سے غافل کرنے کے لئے یہ دونوں چیزیں آ کر
ہیں اور اول اور طحاہ کی چیزیں ہیں اسطرح اس کی شرح میں فرماتے ہیں بناب دلیل ﴿تَغْتَسِلُ﴾ کلمی حال الہاک
عن ذکر اللہ لہو میسر یعنی جو چیز تھکوا ذکر اللہ سے غافل کرے وہی ہے ظاہر ہے کہ لفظ میں تو اس کو
جواز نہیں کہتے حدیث میں ہم اس کو فرمایا گیا وہاں شراک طحاہ ہے اس میں تفرغ ہو گئی کہ لہو عن العسر و
المیسر کی طحاہ لہو عن ذکر اللہ ہے۔

پس یہاں ایہا من ذکر اللہ بیاد ہے کہ وہی عداوت اور بغض ہے اس میں سبھی رسول کا حکم نکال چکے۔
حدیث کے الفاظ صاف کہتے ہیں کہ ان کا حکم بھی شراب اور جوئے کا ما ہے کیونکہ قرآن سے غافل ہونے کا
سبب ہو گئیں اگر اور طریقوں سے قلعہ منیرہ کی کر لیا جائے تو یہ کل میں سے انکی پیش کی ہے کہ اس کے سامنے کسی
دلیل کی حاجت نہیں اور اس کا جواب آپ کو کہ بھی نہیں دے سکتے جب چاہے مظلومہ کر لیتے کہ جہاں یہ نہیں ہوا
ہوتی ہیں وہاں نہاد کی گت نہیں ہوتی تو یہ وہی در شد حضور ﷺ کے میسر یعنی جوئے کے حکم میں ہو گئے اور
میسر کو قرآن شریف میں جس اور مل شیطان فرمایا گیا ہے تو میں نہیں کہتا بلکہ قرآن میں کوئل شیطان کہتا ہے
میں اور ایہوں کو جانے دیجئے یہی کیا کم فرمائی ہے کہ اس کا نام مل شیطان ہوا حکم شریقی تو یہی ہے جس کے
لئے تسک دیکھ لیا گئی کہ سوئی سے سوئی اصل دلا بھی کچھ سکتا ہے لیکن کچھ تو جس کی طبیعت میں یہ کچھ نہیں۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا

طَعَمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا

ثُمَّ اتَّقَوْا وَاحْسَنُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ

ترجمہ: ایسے لوگوں پر جو کہ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں جبکہ وہ لوگ پرہیز رکھتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور خوب نیک عمل کرتے ہوں اور اللہ تعالیٰ ایسے نیک کاروں سے محبت رکھتے ہیں۔

تفسیری نکات

شان نزول

شان نزول آیت کا یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ نے شراب کو مسلمانوں پر حرام کر دیا تو بعض صحابہ کو یہ خیال ہوا کہ ہم میں جو لوگ قریم سے پہلے شراب پیتے تھے سرگئے ہیں کہیں اس کو گناہ نہ دیا ہو لہذا یہ شبہ نہ کیا جانے کہ جب اس وقت تک شراب کی حرمت جہل نہ ہوئی تھی تو انہوں نے حرام کا ارتکاب ہی نہ کیا تھا پھر صحابہ کو ان پر گناہ کا ظہم کیوں ہوا؟ جواب یہ ہے کہ اتنی بات تو صحابہ بھی جانتے تھے کہ اس وقت حرمت شراب کا نزول نہ ہوا تھا لیکن ممکن ہے ان کو یہ خیال ہوا ہو کہ معلوم اس وقت تک جو شراب کی حرمت جہل نہ ہوئی تو اس کا سبب یہ ہے کہ شراب اب تک واقع میں حلال تھی یا یہ سبب ہے کہ واقع میں تو وہ پہلے بھی حرام تھی لیکن چونکہ ہم لوگ اس کے حامی و مددگار تھے تو دلائل اس کی قریم اس وجہ سے نازل نہیں کی گئی کہ ہم اس پر عمل نہ کر سکیں گے پھر تو صحابہ ہمارے اعتماد کا بلیت مل زیادہ ہو گئی اس وقت ہم قریم نازل ہو گیا جس صورت اول میں جن لوگوں نے قریم سے پہلے شراب پی تھی انہوں نے حلال ارتکاب کیا لیکن دوسری صورت میں حرام کا ارتکاب لازم آتا ہے کہ یہ نفس جہل نہ ہونے کے ان کو گناہ نہ ہوا ہو لیکن شاید ان کے درجات میں کچھ کمی اس لئے ہو گئی کہ وہ حرام فی نفسہ کا ارتکاب کرتے ہوئے نہ دیا سے گئے ہیں۔

اس شبہ کا ازالہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں پر کچھ گناہ نہیں ہے اس چیز میں جن انہوں نے اب تک ارتکاب کیا ہے (یعنی ظہم قریم سے پہلے شراب پینے میں تو ان پر کچھ گناہ

نہیں ہوا) جب کہ دوسرے گناہوں سے بچتے رہے ہوں اور ایمان دار رہے ہوں اور ایک اعمال کرتے رہے ہوں پھر بدلتی کرتے رہے ہوں اور ایمان دار رہے ہوں اور اخلاص سے کام لیتے رہے ہوں اور اللہ تعالیٰ اہل اخلاص سے محبت رکھتے ہیں۔

اس جگہ اصل مقصود یہ تھا کہ کڑوا کر دل کریم سے پہلے جن لوگوں نے شراب پی ہے ان پر اس فعل کی وجہ سے کچھ گناہ نہیں ہوا لیکن لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ أَكَلُوا مِنْهُ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْعَذَابُ يُعَذِّبُهُمْ مُنْكَرُ تَقْوَاهُمْ سِوَا ذَلِكَ بِمَا ظَنَرُوا کہ ان کی نئی مصلحت ہوئی ہے اس لئے آگے قصہ کلیہ کے طور پر شراب کا بھی بیان فرمایا جن کے ایمان کے بعد گناہ کی نئی مصلحت ہو گئی ہے کیونکہ اگر کسی شخص نے قریم سے پہلے شراب بھی پی ہو اور دنیا بھی کیا ہو تو یہ کتنا عجیب ہے کہ شراب کی وجہ سے اس کو گناہ نہیں ہوا لیکن یہ کتنا عجیب نہیں کہ اس کو کچھ بھی گناہ نہیں ہوا اس کا اصل باعث کایہ ہوا کہ جب دوا گ دوسرے گناہوں سے بچتے رہے ہوں جن کی حرمت اس جنت نازل ہو چکی تھی نیز ان اعمال صالحہ کو بھی بجا لاتے رہے ہوں جن کا امر اس جنت نازل ہو چکا تھا تو پھر ان کو شراب پینے کی وجہ سے کچھ گناہ نہیں ہوا۔

اب اس جگہ ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ اس آیت میں تقویٰ اور ایمان کا ذکر نہیں مروجہ ہوا ہے اس کا کیا مطلب ہے جب ان کو ایک بار مومن کہہ دیا گیا اور اس کے بعد تقویٰ سے ان کو موصوف کر دیا گیا تو پھر وہ بار صمد و ظلوا کے ذکر سے کیا مقصود ہے یہ ایمان کے بعد ایمان لانا اور تقویٰ کے بعد پھر تقویٰ کرنا کیسا ہے غمراہ ایمان کا جواب تو یہ ہے کہ ایمان کے مختلف مراتب ہیں ایک مرتبہ ایمان کا یہ ہے کہ غمراہ و مرکب سے توبہ کرے یہ درجہ ایمان کا وہ ہے جو صحت کے لئے شرط ہے کہ اس کے بغیر کوئی عمل صالح مقبول نہیں ہوتا اور ایک مرتبہ ایمان کا وہ ہے جو اعمال صالحہ سے پیدا ہوتا ہے یعنی اس کے دل میں بدعت اور جاگزین ہو جاتا اور اس پر ثبات استحکام حاصل ہو جاتا وہ بار صمد صمد اس درجہ کی طرف اشارہ ہے۔

مائل یہ ہوا کہ ایک مرتبہ ایمان لا کر وہ اعمال صالحہ کرتے رہے اور عبادت سے بچتے رہے تو اس سے ان کو ایمان پیدا ہو سکتا تھا استحکام حاصل ہوئی پھر اس کے بعد جیسے اعمال ہوتے ہیں وہی ایسی ایمان ان سے پیدا ہوتا ہے مطلقاً اور مستحکم ثبات علی ایمان کا اعمال صالحہ کے باعث ہونا ہے ہر شخص کو حاصل ہو جاتی ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ جس شخص کے اعمال ناقص ہیں ان سے جو ایمان پیدا ہو گا وہ بھی ناقص ہو گا اور اس کے اعمال کامل ہیں ان سے کامل ایمان پیدا ہو گا۔

تیسری مرتبہ اگر ایمان سے اس درجہ کی طرف اشارہ ہے کہ بعد ثبات علی ایمان کے صواب اعمال جن کو ایمان میں ترقی حاصل ہوتی رہتی ہے اس کے بعد پھر ایمان کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ ایمان کا ذکر فرمایا جس کے معنی شریعت میں اخلاص کے ہیں اور یہ نئی درجہ ایمان کا ہے اسی کو صدق سے بھی تعبیر کرتے ہیں اور صدق بھی

صاحب احسان ہی کو پوسلتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ اس کے بعد ترقی احوال سے دنیا احسان کا عطا ہوتا ہے اور یہی دنیا احسان کا مطلوب ہے اور جو شخص اس درجہ میں فائز ہوتا ہے وہ خدا کا محبوب بن جاتا ہے پھر اس کو کچھ عذاب اور گناہ نہیں ہوتا کیونکہ محبوب مطہی کو کوئی بھی عذاب نہیں دیا کرتا یہ عذاب تو ظہور ایمان کے اظہار کا ہوا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا تَقُولُوا مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَضَيْتُمْ

إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ حِينَمَا قُتِلْتُمْ كَفَرًا أَنْتُمْ تَعْبُدُونَ

﴿ترجمہ﴾ اے ایمان والو! تم پر لازم پکڑنا ہے نفسوں کو نہ نقصان پہنچا سکا تمہارا وہ نفس جو کفر اور کفر کرنے سے جبراً تم نے جاہلیت پالی خدا تعالیٰ کی طرف تم سب کو لوٹا ہے پس اللہ تعالیٰ تم کو کفار کے جوہم لوگ عمل کرتے ہو۔

تفسیری نکات

علوم کی دو قسمیں

ایک جملہ افکار ہے اور دوسرا جملہ خبریہ جو کہ حقیقی افکار ہے کیونکہ ہر کچھ خبریہ تصور بالذات نہیں ہوتا۔ حاصل یہ ہے کہ علوم دو قسم کے ہیں ایک تو وہ ہیں کہ خود وہ علوم ہی تصور بالذات ہیں جیسے عقائد مثلاً قَوْلَهُ لَقَدْ آتَيْنَاكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ بِمَا تَشَاءُ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُ آپ فرمادیجئے اللہ تعالیٰ ایک ہے ذات (اعمال کا قولا جانا) اس ذات حق ہے اس میں تو خود خبریہ تصور ہوتا ہے کیونکہ ان کے حقائق کوئی عمل نہیں ہوتا دوسرے وہ علوم ہیں کہ خود وہ علم تصور نہیں ہوتا بلکہ اس علم سے عمل تصور ہوتا ہے خواہ وہ امر ہو یا نفی یا ایسے مقام پر اگر خبریہ ہو تو وہ معنی افکار ہو گا جس کی تعلیم قرآن سے ہو جائے گی مثلاً اس مقام پر خدا تعالیٰ نے اول ایک جملہ ذکر فرمایا ہے اس کے بعد جملہ خبریہ ذکر فرمایا ہے جس سے تصور اس امر کی تاکید ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ اس امر کی مخالفت نہ کر کہ یہی معلوم ہوا کہ اعمال میں وہ خود تصور نہیں ہوتا لہذا میں اس خبر سے تعرض نہیں کرتا بلکہ صرف وہ حضرات کو قیادت ہوں ایک امر کو دوسرے نفی کو جو کہ جملہ خبریہ سے تصور ہے یعنی لَا تَقُولُوا مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَضَيْتُمْ سے یہ کہ تصور یہ ہے کہ تم دوسروں کی گمراہی نہ پڑا لیکن خود کرنے سے معلوم ہوا کہ علیکم اللہ حکم کے بیان کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ اور اگر پڑے سو قیادت افکار صرف لایضو کہم ہے لیکن جملہ الہی اللہ موجدکم جیسے کلام زیادہ حقائق لایضو کہم سے ہے کہ کلمہ سراں کو لڑ کر کیا یکساں کیا نہیں جس پر اس جملہ الہی اللہ موجدکم کو قرب فرمایا جائے پس علیکم اللہ حکم کے ساتھ موجد ہے اور اس پر مرتب ہے اور اس قرب سے

معلوم ہوتا ہے کہ عظیم بھی مقصود ہے کیونکہ حاصل اس کا یہ ہے کہ چونکہ تم کو خدا کے پاس پہنچا ہے اس لئے تم کو اپنی فکر کو دہر دہشت میں نہ پڑنا چاہیے (اصلاح کردہ)۔

إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يُعِينِي ابْنُ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ

أَنْ يُنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ

ترجمہ: وہ وقت کہ اہل یارہے جبکہ حواریوں نے عرض کیا کہ اسے یحییٰ بن مریم علیہ السلام کیا آپ کے رب ایسا کر سکتے ہیں کہ ہم پر آسمان سے کچھ کھانا نازل فرما کر؟

آیت هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ کے ایک لطیف معنی

یہ سمجھا گیا آیت هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ ان ہنزل علیہا مائدة من السماء کے کیا معنی ہیں بکا ہر وقت ہوتا ہے کہ حواریوں نے خواہش کی کہ آسمان سے کچھ کھانا نازل فرمائے اس سے تو ان کے ایمان میں کمی نہیں ہوتا ہے بلکہ ایمان کا بیان باقاعدہ تو یہ ہے کہ وہ معنی ہیں ایک معنی قدرت جو کل اہل ہے۔ دوسرا استطاعت جو ہر جتن اہل ہے جس کے بعد جو فعل لازم آتا ہے یہاں مراد یہ دوسرے معنی ہیں یعنی ہر اہل ہنزل رسول ربک علیہا مائدة اور اس معنی کو عام فہم کرنے کے لئے مجھے یہ یاد ملا کہ بہت کائنات معلوم ہوا کہ جن تعالیٰ ہمارے رب کے ہاتھ آتا ہو سکتا ہے وہ ایسا ہے جیسا آج کل کہتے ہیں کیا آپ میرے یہاں آ سکتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو مجمع البحرین ج ۱ ص ۲۸)

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ

كَأَكُونُ لَنَا عِمْدًا وَإِذْنَآ وَآخِرَآ وَآيَةً فَتُنْكَ وَأَنْزِلْنَا وَأَنْتَ

خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: یحییٰ بن مریم نے دعا کی کہ اے خدا اے خدا میرے ہنگام پر آسمان سے کھانا نازل فرما دے کہ ہم اے لئے یحییٰ بن مریم میں جو اہل ہیں اور جو ہم سب کے لئے ایک خوشی کی بات ہو جائے اور آپ کی طرف سے ایک نشان ہو جائے اور آپ ہم کو کھانا فرمائیے اور آپ سب کو کھانا دیں گے اور اچھے ہیں۔

تفسیری نکات

روح عید

اس آیات سے بعض نے عید میلاد النبی بھی استدلال کیا ہے مگر چونکہ اس کا جواب دہنا اس دور میں بیان ہو چکا ہے پس اس لئے اس وقت اس کے حلق بیان کرنا ضروری نہیں ہے اس وقت اس سے صرف یہ احتیاط کرنا ہے کہ یسعی علیہ السلام نے عید کو نزولِ مانکہ پر مرتب کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ عید کا حقیقتاً ایک روح میں اقتران ہے عید اور نزولِ مانکہ کا چنانچہ امت یعنی علیہ السلام کو مانکہ کے نزول پر عید ملی جس اس امت کو عید عطا ہونے سے بھی پانچواں ذکر معلوم ہوتا ہے کہ ان کو بھی ایک مانکہ عطا ہے جس کی ایک صورت ہے کہ تا چنانچہ غوثی کرنا اور ایک معنی ہے مشابہہ جس اس طرح سے یہ آیات دال ہے روح عید پر محمدی اسرائیل کے مانکہ میں اور ہمارے مانکہ میں یہ فرق ہے کہ ان کو بھی مانکہ صوری عطا تھا جس میں احتمالِ رد و گس (کوئی ۱۲) کا تھا اور چونکہ ہمارا مانکہ قمری ہے مانکہ معنوی کے ساتھ اس لئے اس میں کوئی رد و گس و جمع و سقوط ضروری ہو سکتا چنانچہ بنی اسرائیل کو اسی لئے ارشاد ہوا **فَإِذَا قَالَ إِبْرَاهِيمُ إِنَّهُ مُبَشِّرٌ بِتِلْكَ الْأَوَّلَادِ فَلَمَّا دَخَلَ إِلَيْهَا اتَخَذَ الْمَوَاقِفَ كَمَا اتَّخَذَ آدَمُ الْمَوَاقِفَ إِبْرَاهِيمُ يَوْمَ دَخَلَ إِلَيْهَا لِيَبْشِّرََهَا** اس کے بعد جو کوئی ناشکری کرے گا اس کو ایسا سخت عذاب ہو گا کہ کبھی کسی کو نہ ہوا ہو گا اور نہ ہو گا۔ چنانچہ انہوں نے ناشکری کی اور عذاب الہی میں گرفتار ہوئے ائمہ کرام کو وہ مانکہ عطا ہوئے ایک جسمانی ایک روحانی یا ایک صوری ایک معنوی یا ایک ظاہری ایک باطنی تاکہ اگر مانکہ جسمانی سے کم ناشکری کرنا چاہیں تو روحانی ہم کو سنبھالے رہے اور ناشکری نہ کرنے دے اور وہ روحانی مانکہ کیا چیز ہے وہ محبت و معرفت ہے حق تعالیٰ کی جس کا دوسرا عنوان شہادہ ہے جس کا وہ پڑا کر ہوا ہے۔

سُورَةُ الْأَنْعَامِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَلَكِنَّ الْآخِرَةَ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ

يَتَّقُونَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١﴾

ترجمہ: اور جس سے دُنیا کا نیکو کرنا اور بُری چیز کا نہ کرنا بہتر ہے پر ہرگز گاہوں کے لئے کیا تم نہیں سمجھتے۔

تفسیری نکات

لہو اور لعب کا مفہوم

یہاں حق تعالیٰ نے دُنیا کے لئے دو نقطہ اختیار کئے ہیں ایک لہو اور ایک لعب اور دونوں کے مفہوم میں بلاشبہ کچھ فرق ہے وہ یہ کہ لہو کہتے ہیں شغل کو اور لعب کہتے ہیں مہلت کو اس سے معلوم ہوا ہے کہ دنیا الٹا ہی چیز ہے کہ اس میں دو مہلتیں ہیں ایک لہو ہونے کی کہ یہ لوگوں کو اپنی طرف مبذول کرتی ہے اور دوسرے لعب یعنی مہلت ہونے کی کہ اس میں مشغول ہونا مہلت یعنی بے نتیجہ ہے اس پر کوئی مہلت پر ضرور جب نہیں ہوتا جیسے بچوں کا کھیل کلاس پر بھی کوئی ضرور جب نہیں ہوتا۔

اصلاح زادہ خشک

اس سے ایک اور دقیق علم کی طرف بھی اشارہ ہے وہ یہ کہ تمام حیات دنیا مذموم نہیں بلکہ وہ حیات دنیا مذموم ہے جس میں نفس لہو و لعب ہو یعنی جو بے نتیجہ ہو اور اس کا کوئی مقصد پر ضرور نہ ہو اس سے معلوم ہوا کہ دنیا

صور کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس پر شرعاً حجب ہوا اور ایک وہ جس پر شرعاً حجب نہ ہوا کہ جس پر شرعاً حجب نہ ہوا وہ موسم بہار جس پر شرعاً حجب ہوا اور طے میں رہا یا علی نہیں۔

یہاں سے اصلاح ہے عالمی فی الحال اور اس وقت کی کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز مذہم ہے، مگر کچھ ایسا کھانا کھانا اپنی سب مذہم ہے، بعض لوگ اسی خیال سے کھانا بھی نہیں کرتے کہ محبت بھی دینا ہے اور محبت کر بھی لیتے ہیں تو جان و غصہ نہیں دیتے اور اس کے حقوق مانگ نہیں کرتے کیونکہ وہ دینی کی طرف التفات کرنے کو التفات مل رہا دیکھتے ہیں۔

اور ایک دفعہ کفار نے کوئی خاص مجوزہ مالک تھا کہ یہاں تک ان کا سر ہو ہم مانیں آپ ﷺ کا دل چاہا کہ ان کی درخواست کے مطابق ہی مجوزہ کا سر ہو جائے تو اچھا ہے اس پر حق تعالیٰ نہایت شگہ کے ساتھ فرمائے ہیں۔

وَأَن تَعْلَمَ أَنَّ هَٰذَا لَإِشْرَافٌ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ غَافِلٌ عَنِ أَكْثَرِ النَّاسِ ۖ
وَأَن تَعْلَمَ أَنَّ هَٰذَا لَإِشْرَافٌ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ غَافِلٌ عَنِ أَكْثَرِ النَّاسِ ۖ

یعنی اگر آپ یہ ہیں کہ ظروں کا اعراض اور ان کا دوا یہی امر ہیں ہے (اور اس لئے آپ ہاتھ ہی کرکے طرح جان ہی جائیں) تو اگر آپ سے ہو سکتے تو میں میں سرگنگ کر آیا اس میں میں سرگنگ کر کوئی سجدہ (ان کی خواہش کے موافق لئے ہے ہم تو ایسا نہ کریں گے)۔

ضرورت زبان وانی

آگے فرماتے ہیں **فَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَغْنَىٰ عَنْهُ قُلُوبُنَا** یہاں زبانِ دہانی کی ضرورت ہے اس جگہ ہمارے گناہوں کے اعتبار سے جاہل کے ساتھ ترہم کرنا غلط ہے بلکہ یہاں ترہم یہ ہے کہ کس آپ نادان نہ بنے بچوں کی ہی غفلت نہ کیجے اور دیکھیں اس ترہم سے کبھی شفقت ملتی ہے جو اس ترہم سے ہرگز ظاہر نہ ہوتی کہ کس آپ جاہل کبھی باطنی نہ کیجئے یا نہ ایک ہی ہے نادان اور جاہل غفلت مراد ہیں مگر ہمارے گناہوں میں جاہل حقیر کے موقع میں اور نادان شفقت کی جگہ ہوا جاتا ہے اور یہ مقام شفقت ہی کا ہے اس لئے یہاں جاہل کا ترہم زبان ہی کی ضرورت ہے۔

آگے آپ کی نیت کا جواب دیتے ہیں کہ آپ خود ان کی خواہش کے موافق مجبور کیا گئے ہیں یا چاہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان لائیں گے تو اس خیال کو دل سے دور رکھتے ہیں یا نہ دالے بغیر نہیں ہیں۔

ایک ایسی چیز ہے جو کہ بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ (کانیکا) کہیں بھی اور یہ کم بحث تو مردوں کی طرح سننے ہی نہیں، اگرچہ وہ قرآن کو نہیں لیں تو پھر اس کے سوتے سوتے کسی دوسرے جگہ سے کی بھی ان کو ضرورت نہ پڑے۔ پھر خیال ہو سکتا تھا کہ جب یہاں سے تو پھر ان کم بحثوں کو بڑھادی جائے تو فرماتے ہیں

دولت ایمان نہو ایک اور جگہ ارشاد ہے وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِمَّا يَمْكُرُونَ کہ آپ ان کی حالت پر غم نہ کیجئے اور ان کے کدو سے تھک نہ رہیں۔ ایک جگہ ارشاد ہے وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُن مِّنَ السَّاجِدِينَ کہ تم جانتے ہیں ان لوگوں کے قول سے جو تھوڑی آپ کو ہوتی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شانِ عشق کے مطابق ایک آیت کی تفسیر

حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تعلم وہ لہجہ رنگ اللہی بقولوں فافہم لا یفکدو رنگ ولکن العظیم
 بہایت اللہ یجحدون ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو ان کا فہم کی باتوں سے روکا ہوا ہے کہ شہرہ خیرہ
 یہ ہے کہ اور میں نے بھی بیان القرآن میں اس کا اختیار کیا ہے کہ فافہم لا یفکدو رنگ علیہ سب ایک بلکہ
 ہندوئی تقریریں ہے فلا یفکدو رنگ اور ہم اللہ فافہم لا یفکدو رنگ اور ہم اللہ فافہم لا یفکدو رنگ
 اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیجئے کیونکہ یہ لوگ آپ کو نہیں سمجھتے (کیونکہ آپ کو تو ہم انہیں کہتے ہیں
 صادق مانتے تھے) بلکہ یہ عالم تو خدا کی آقاؤں کو سمجھتے ہیں (آپ کس نے روکا کرتے ہیں وہ آپ کو تو
 کو نہیں سمجھتے جہاں آقاؤں سے (الاحرام ۳۳)

سنا پتھر دھند میں لگ گئے اور ہوا سے کوہا ہوا اٹھنے لگے کہ اس سے یہ چھوٹی دلی رفع ہو جائے گی اور یہ

— *Chlorophyll *a**

رسول اکرم ﷺ کے غم و حزن کا افشاء

غرض بہت سی آیتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کھار کی حالت پر بہت سی حرمان و تم قہم تھیں ان آیات سے اس کے بھی کچھ گمانیں ہد گنا ہے وہ یہ ہے کہ آپ یہ چاہتے تھے کہ یہ لوگ ایمان لائے انہیں ہمارے کلمہ و ملاطفت سے آزاد کرانیں تو معلوم ہوا کہ آپ کو ان لوگوں سے نفسانی عداوت اور بغض تھا بلکہ ان کی اس رویہ حالت پر دم آتا تھا اور وہ دیکھ کر کڑھتے تھے کیونکہ اگر آپ کو ان کے ساتھ اس قسم کی عداوت اور بغض ہوتا تو آپ ہرگز ان کے ایمان لانے اور راہ راست پر آنے کی تمنا نہ کرتے بلکہ یوں چاہتے کہ یہ لوگ ہماری عمر اس کلمہ و کمرای کے حیرہ و تاریک عمار میں پڑے رہیں اور بھیگی ان کو اس سے لٹکا دیتے۔ نہ ہو کیونکہ کاہد ہے کہ اپنے دشمن کے لئے انسان خیر خواہی نہیں کیا کرتا بلکہ عداوت اس کی بدخواہی کے درپے ہوتا ہے اور اگر بدخواہی کے درپے بھی نہ ہوتا خیر خواہی کی تو صحیحاً کس نہیں ہوتی اور آپ کی یہ حالت تھی کہ یوں چاہتے تھے کہ مجھے تکلیف ہو لیکن ان لوگوں کو تکلیف نہ ہونے بائے تھی کہ جس مخلوق کے وہ مخاطب ہوتے تھے حضور ﷺ چاہتے تھے کہ وہ بخیرہ وہی جانے تاکہ اسی کو دیکھ کر یہ لوگ سنبھل جائیں اور ست کر لیں میں معلوم ہوا کہ نماز میں اسی تو یہ قرب و مشابہ ہوتا ہے جو کہی ہوا سر سے نہیں ہے جو نہ حق تعالیٰ کیلئے اس کی تعلیم کو اختیار فرماتے

اس لئے حدیث میں آتا ہے کہ دانا عرصہ اسو قلع الصلوٰۃ کہ جب حضور اکرمؐ کوئی بد فکر قریب آتا تو آپ جلدی سے نماز میں مشغول ہو جاتے ہیں یہی لئے تاکہ حق تعالیٰ سے باتیں کر کے دل بہا سکیں اور عملی و ممکن حاصل کریں۔ واقعی تجربہ مشاہدہ ہے کہ کئی بد فکر نماز میں مشغول ہو جانے سے دل بہت کم ہو جاتا ہے اور اگر سوائے قرب کم ہو تو بالکل رنج کا ازالہ ہو جاتا ہے قریب کر کے دیکھ لیا جائے زیادہ کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ حال نماز میں حق تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی ہے اور ان کی تسبیح اور تہلیل میں ہے مگر مشاہدہ کافی ہے کہ خود حق تعالیٰ کی طرف بشارت و حتم ہو جائے اگر اس میں کمی ہو تو بابت مشاہدہ میں کمی ہے اس کی تلافی کرنا چاہئے مگر جب یہ مرتبہ حاصل ہو جائے گا کہ نماز میں حق تعالیٰ کے سوا کسی طرف توجہ نہ ہے تو آپ کو کوہی اس کا خلف حاصل ہوگا اور اس وقت آپ سمجھیں گے کہ میں نے جو اس مشاہدہ کو کافی کہا ہے یہی گناہ دینا نہیں دانی کا سیاقی بندہ کی جی ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف کھینچنے کے ساتھ نماز میں توجہ صیغہ ہو جائے۔ (اصول حق تعالیٰ ص ۱۷۱)

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَخَذْنَاهُم بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۱﴾ فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَكِن قَسَتْ

قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۲﴾ فَلَمَّا تَأَسَّوْنَا أَذْكُرُوا

بِهَ فَفَتَحْنَا عَلَيْهِمُ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ وَحَتَّىٰ إِذَا فِرُّوْا بِهَا أَوْثَرُوا

أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً وَآذَاهُمْ فَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۳﴾ فَتَقَطَّعَ دَائِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ

ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۴﴾

ترجمہ: اور ہم نے امتوں کی طرف بھی بھرا آپ سے پہلے گزری تھی ہیں ظہر بھیجے تھے سو ہم نے ان کو شکست دی اور تباہی سے بکڑا تا کہ وہ اذیتیں پہنچائیں سو جب ان کو تباہی سزا پہنچی تھی وہ اذیتیں کیوں نہ پہنچیں ان کے عقوبت و سختی سے یہ اور شیطان ان کے اعمال کو ان کے خیال میں آراستہ کر کے دکھاتا رہا مگر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے یہ جن کی ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے درد سے کٹاؤ کر دیئے یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو کہ ان کوئی تھی وہ اترا گئے ہم نے ان کو دلہن بکڑا لیا تو وہ بالکل حیرت زدہ ہو گئے پھر وہ عالم لوگوں کی جزا کی اور اللہ تعالیٰ ہر قسم کی تعریف کے لائق ہیں جو تمام عالم کے پروردگار ہیں۔

تفسیری نکات

کلفتوں کی قسمیں

کلفتیں اور معیشیں و ملاح کی ہوتی ہیں، اہل ہجری خاندانی ہیں کہ ایک انہی ایک باقی آفاق ہیں ہے کہ مثلاً کوئی دشمن چڑھائی کر کے چلا آئے انہی کہ خود اپنے جہن میں کوئی مرض ہو یا ساء سے مراد آفاق ہے اور خضراء سے مراد انہی دیات ہیں اور یہاں ساجد ہے اصل کلام اس طرح ہے وَفَقَدْ أَتَيْنَاكَ لِيْلٍ أَمْعِدُنْ قِيَمَتَكَ وَتَقْتُلْ نَفْسَكَ

حَقْلِي إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ الْمَوْتُ تَوَلَّيْتَهُ لِنُسَلِّكَ وَنُحْمَرُ لَا يُفِيضُونَ ﴿١٠﴾

ترجمہ: یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آ پہنچی ہے اس کی روح ہمارے پیچھے ہوئے قبیلہ کر لیتے ہیں اور زمار کو جی نہیں کرتے۔

تفسیری نکات

لغو قہے

فرمایا کہ بعض قہے جو مشہور ہیں کہ کوئی شخص مر گیا اور قصویٰ دیر میں وہ زندہ ہو گیا اور دوسرا اس نام کا مر گیا اور اس زندہ ہونے والے نے بیان کیا کہ مجھ کو کسی مقام پر لے گئے وہاں حکم ہوا کہ تمہیں اس کو نہیں بلایا بلکہ غلام کو بلایا تھا تو فرمایا کہ بالکل لغو قہے ہیں مزارا نکل غلطی نہیں کر سکتے اگر یہ ممکن ہوتا پھر جبرئیل سے بھی ایسی غلطی ممکن ہوگی تو شیعہ کے اس قول کے صحیح ہونے کا بھی احتمال ہو گا کہ جبرئیل غلام کو وہ مقصود علیٰ ہود نیز کلام مجید میں ہے حَقْلِي إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ الْمَوْتُ تَوَلَّيْتَهُ لِنُسَلِّكَ وَنُحْمَرُ لَا يُفِيضُونَ ﴿١٠﴾ میں نے چار عالموں کو شب میں جلا دیکھا ایک تو مر چکے تھے اور ان کی تھیلی میں یہ مضمون تھا اور ایک کے زمانے میں میں پیچھا اور دو کی خدمت میں میں نے عرض کیا اور انہوں نے قبول کر لیا باقی ایسے قہے کا کوئی سرا میں اگر کوئی نقد ہو تو یہ کیا جائے گا کہ اس میں میں کو مر سام ہو گیا تھا میں اسے دیات نظر آ گئے۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى الْكُوكِبَ قَالَ هَذَا رَبِّيَ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ
لَأَحِبُّ الْأَوَّلِينَ ۝ فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِعًا قَالَ هَذَا رَبِّيَ فَلَمَّا أَفَلَ
قَالَ لَئِنْ لَمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ۝ فَلَمَّا رَأَى
الشَّمْسُ بِازِئَةً قَالَ هَذَا رَبِّيَ هَذَا أَكْبَرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يُعَوِّدُ
لِي يَوْمَئِذٍ مِثْرًا أَتُشْرِكُونَ ۝

ترجمہ: پھر جب رات کی جا رہی ان پر چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا آپ نے فرمایا کہ یہ میرا رب ہے سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں غروب والوں سے محبت نہیں رکھتا پھر جب چاند کو دیکھا چمکتا ہوا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا اگر کچھ کو میرا رب چاہتے نہ کرتا تو میں گر لوگوں میں شامل ہو جاؤں پھر جب آفتاب کو دیکھا چمکتا ہوا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے یہ قوس سے چڑا ہے سو جب وہ غروب ہو گیا آپ نے فرمایا اے میری قوم بے شک میں تمہارے شرک سے بےزار ہوں۔

تفسیری نکات

مرآة خداوندی

مشہور تفسیر قرآن ہے کہ یہاں خدا تعالیٰ نے اپنے محبوب خدا کے لیے پھر جب غروب ہو گئے تو ان کے خدائیں کو نکال کر کے کہہ دیا کہ تار کیا کہ خدا ہی کوئی ہے اور ہے کہ انکی حالت بھی سائل مگر ہمارے حضرت حلقی صاحب فرماتے تھے کہ ایسا ایم کو کتب میں دلیل بخاہرہ نظر نہی اس کی اسبت فرمایا خدا دہی ہر عظمیٰ کی طرف صفات وہ اس کی نسبت فرمایا لَا أَحِبُّ الْأَوَّلِينَ مطلب یہ تھا کہ اس کو کتب کے اندر جو مجھے نظر آ رہا ہے وہ میرا خدا ہے اور تم جو کو کتب کی پرستش کرتے ہو میں اس سے بیزار ہوں۔

غرض ہمارے حق کو مرآة سمجھتے ہیں۔ سو دوسرے لوگ تو اول مرآة کو دیکھتے ہیں اور دوسرے اول مرآة کے اندر محبوب کو دیکھتے ہیں ہمارا مرآہ پر انکی نظر نہ جاتی ہے۔

[illegible]

وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ
فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُتَرَاكِبًا وَمِنْ النَّخْلِ
مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ مِنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ
وَالزُّمُرُوقَ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ انظُرُوا إِلَى ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهِ
إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ

﴿تَفَكَّرْ﴾: اور اسی نے انہوں سے اپنی بھرنکالی ہم نے اس سے مانگے والی ہر چیز بھرنکالی اس میں سے ہر بھق جس سے ہم نکالتے ہیں اسے ایک ہنر کا ہوا اور سمجھ کے گاہے میں سے پہل کے گچھے نکلتے ہوئے اور بارغ انگو کے کھڑی حوں کے اور انہ کے آپس میں ملنے ملتے ہیں جدا جدا انگو کے گچھے ہر ایک درشت کے چل کو جب وہ پہل سے ہوا اس کے پچھے کون چیزوں میں نکلیاں ہیں۔

Abstract

تفسیری نکات

تقسیم مال و عقل میں حکمت خداوندی

بہن حق تعالیٰ کی یہ تقسیم میں حکمت ہے کہ اقل عقل کو مال کم کر دیا اور کم عقلوں کو مالدار بنادیا۔ کیونکہ کم عقل جب اپنی بڑی دولت سے محروم ہیں تو کیا وہ چند روزہ نیا شیئ بھی بہارت دیکھ لیں، پس نادانوں کے خیال کی غلطی آپ کو معلوم ہوگئی کہ اس نے مال و دولت کو اپنی سنی سے پیدا کیا ہوا سمجھا حالانکہ نہ یہ سنی ہے نہ علم و سلیقہ پر بلکہ خدا کی عطا ہے اور نقد میں تو کسب کے سبب کچھ نقص کا بھی ہے نہ بین کی پیداوار کو تو عام طور پر کوئی بھی اپنا پیدا کیا ہوا شیئ سمجھتا۔ اس کے اسباب تو ظاہر ابھی طیر و اختیار ہی ہیں۔

حقوق اللہ

اسی کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو چیز ہماری رہی ہوئی ہماری پیدا کی ہوئی ہے اس کو اللہ کے نام پر خرچ کرتے ہوئے کیوں جان بچتی ہے۔

اس کی تفسیر میں اختلاف ہے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ محمود کے اعتبار سے فرمایا ہے کہ یہ کلمہ زہون اور انار کے بچے تو یکساں ہیں مگر بھل مختلف ہیں اور بعض کا یہ قول ہے کہ یہ ہر واحد کے اعتبار سے فرمایا کہ زہون زہون میں بھی تنقہ ہے اور انار انار میں بھی اس کے بعد ارشاد ہے کہ جب بھل آجائے تو اس کو کلمہ زکام میں لاؤ اور اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرو بھل کا نئے کے وقت کیونکہ جب سب کچھ خدا کا پیدا کیا ہوا ہے تو پھر اس کے نام پر خرچ کرتے ہوئے کیوں جان بچتی ہے۔

اسے بے خوف اگر یہ سمجھتی اور بھل بیچتی ہے تو کیا ہوتا اس وقت تم اپنے گھر میں کیا لے جاتے ہو بھی کا قصہ ہے کہ ایک گاؤں میں آگ لگ گئی تو ساری بھتی بھتی بھل کر خاک پاہ ہو گئی وہی نے اسی کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

لَا تُقْرَبُونَ شَيْئًا مِّنْهُ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْفَاسِقِينَ ۝ لَا تَقْرَبُوا مَالَ الْوَالِدِ الَّذِي فِي يَدَيْهِ أَصْلَابُكُمْ ۚ إِنَّكُمْ لَعَنَ اللَّهُ عَنِ الْفَاسِقِينَ ۝

(اعلایہ جو بھتی کرتے ہو کیا تم اس کو بیچ کر تے ہو یا تم بیچ کر لے دالے ہیں یا تم چاہیں تو اس کو) جلا بھونک کر کھا کر لہر دہر دہر کر دین یا بھر جرت زدہ ہو کر کینے لگو کہ اب کے تے تے خدا سے ہے بلکہ محروم ہی رہ گئے) واقعی آدمی کیا کر سکتا ہے؟ کیونکہ ہمیں خصوصاً ذراعت میں اس کا معاملہ تو بالکل توکل پر ہے آدمی رو بہ بیع کر سکتا ہے بیع کا انتظام کر سکتا ہے بالدی کیرے لگا سکتا ہے مگر تینوں اس کا کیا انتظام کر سکتا ہے۔ پالنے

اور لوگ لے گا کیا بندہ دست کر سکتا ہے اسی طرح بارغ کا کرکھی اندھا ہو جاتا ہے اس کا کیا انتظام کر سکتا ہے فرض کھیت اور بارغ کا معاملہ اور دار بالفل تو کل پر ہے اگر تم خدا کے حق میں کوئی سی کردے تو ڈرتے رہو نہیں خدا تعالیٰ بھی تمہارے حق میں کی نہ کر دیں اور جو کچھ صدقہ و کفۃ تمہارے ہو تو مجاز خدا کا حق کہلاتا ہے ورنہ حقیقت میں وہ تمہارے ہی طرح کے واسطے مقرر کیا گیا ہے تاکہ دنیا میں تمہارے مال میں برکت ہو اور آخرت میں ثواب ملے۔ قرآن کریم میں ایک واقعہ بھی ایسے لوگوں کا ذکر ہے۔ جو خدا کا حق ادا کرنے میں جہاں چاہتے تھے۔

عشر ادا نہ کرنے کا عبرتناک واقعہ

قصہ یہ ہے کہ ایک شخص یحییٰ بازی اور بارغ والا تھا اس کی یہ عادت تھی کہ جب کھیت کا تیار بارغ کا بھل تو ڈرتا تو غریبوں کے واسطے ایک حصہ لگ کر دیتا جو اٹھ واسطے تقسیم کیا جاتا جب غریبوں کو اس کی یہ عادت معلوم ہو گئی تو وقت پر غور ہی اس کے کھیت اور بارغ پر جمع ہو جاتے اور وہ خوشی کے ساتھ ان کا حق نکال کر دے دیتا ایک مرتبہ بعد اس کا اٹھل ہو گیا تو اس کے بیٹوں نے کہا کہ ہمارا باپ بے خوف تھا جو سبکیوں کو اپنی محنت کی پیداوار میں سے ایک مشغول حصہ دیا کرتا تھا ہم ایسا نہیں کریں گے بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ ہم تو محنت کریں محنت کریں اور بڑی مصیبت کے بعد محنت کا بھل دیکھیں اور یہ غریب لوگ بیٹھے اٹھائے جارہے ہیں ان کا حق داریں جائیں۔ مگر اس زمانہ میں کچھ آگے میں شرم و لاف بہت تھا اس لئے ان لڑکوں کو یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ اگر غرباء حسب عادت جمع ہو گئے مگر ان کے جواب دینا بھی ممکن نہیں اس لئے کوئی ایسی صورت اختیار کرنا چاہئے کہ غریبوں کے آنے سے پہلے ہی بارغ اور کھیت کے کاٹنے سے فراغت ہو جائے۔ بالآخر یہ ملے پایا کہ بیج کو سویرے بھینس گے تاکہ غریبوں کے آنے سے پہلے غیر طور پر خاک کاٹ کر لے آئیں اس واسطے کہ سب کا اتفاق ہو گیا مگر ایک لڑکے نے انتکاف کیا اس نے کہا کہ باپ کے طریقہ کو نہ بدلا جائے کیونکہ غرباء کو خیرات دینے سے لپٹا ہی بھلا ہے اور اس سے کچھ کی نہیں آتی آخر ہمارا باپ بھی تو خیرات بھیجتا کرتا رہا اور کبھی اس کو پریشانی کا سامنا نہیں ہوا لیکن اس ایک کی رائے نہ چلی کڑت رائے پر بھی فیصلہ ہوا کہ سویرے بھل کر غریبوں کے آنے سے پہلے بارغ اور کھیت کاٹ لینا چاہئے یہ رائے ملے کر کے چلے گئے وہیں یہ معاملہ ہوا کہ نہایت بد لئے ہی خدا تعالیٰ کا معاملہ بدلی گیا اور ان دنوں رات بارغ اور کھیت پر عذاب جزل ہوا کہ ایک آگ آئی اور ساری کھیت اور بات کو جلا پھونک کر رکھ گئی۔ جب یہ لوگ وہیں پہنچے اور بارغ اور کھیت کو جلا ہوا پایا تو اہل تو خیال کیا شاید راستہ بھول کر کسی دوسرے کھیت پر آ گئے ہمارا کھیت یہ نہیں ہے مگر جب صبح کی روشنی پھیل گئی تو معلوم ہوا کہ اپنی کھیت اور اپنی بارغ ہے مگر جلا ہوا ہے۔

اب کہنے لگے کہ ہماری قسمت ہی بہت مٹی بھرا ایک دوسرے کو کلمات کرنے لگے کہ جری برائی کا نتیجہ ہے۔ دوسری نے کہا تیرے مشورہ کا اثر ہے۔ اب وہ لڑکا لڑکھوس نے اس دور سے مخالفت کی تھی اور کہنے لگا کہ آئیں میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے سے کیا نفع اٹھ سکتی کی طرف رجوع کر دو۔ امید ہے کہ خدا اس سے بھر نکمے اور بارگاہِ ام کو سب سے سب نے توبہ کی اور آنسو کے لئے ہاپ کے طریق پر چلنے کا عہد کیا تو دلہن سارا بارگاہِ کھمت پر ابھرا ہو گیا۔

صاحبِ اصدق خیرات سے مل کر کہیں ہوتا۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کوئی کارگر اس میں سے پانی لٹا رہے پھر مل جاتی رہے تو پانی کی آمد جتنی دیتی ہے اور اگر پھر مل نہ دے تو دیکھو ان کے ہمدست بند ہو جاتا اور کنواں سوکھ جاتا ہے۔

اسراف کی حقیقت

اب میں ایک جملہ نئی کی تعمیر عرض کر کے مدخل ختم کرنا چاہتا ہوں تاکہ لطف کامل ہو جائے وہ جملہ یہ ہے

وَالَّذِينَ يُلَاقُوا أَهْلَهُمْ بِمَرْحَةٍ

یہ جملہ وَالَّذِينَ یُلَاقُوا أَهْلَهُمْ بِمَرْحَةٍ سے مشتمل ہے ترجمہ یہ ہے کہ (اسراف نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے) از ترجمہ تو سب کی کچھ میں آ گیا ہو گا مگر قافلِ غور یہ ہے کہ وَالَّذِينَ یُلَاقُوا أَهْلَهُمْ بِمَرْحَةٍ سے اس کا کیا رہا ہے۔

عام طور پر مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ ہے کہ اوپر عزم ہے خیرا کہ وہ اپنے کارس جملہ میں یہ فرمایا گیا ہے خیرا کہ اس کا نہ کرنا بھی خیال نہ کرنا بلکہ یہ کہنا ہے اور اپنے اہل و عیال کے واسطے بھی چاہنا اگر ایسا نہ کر کے بلکہ سب خیرات کر دے تو یہ اسراف ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ مفسرین کو پسند نہیں کرتے۔

میں اس تعمیر کی صحت میں شک نہیں کرتا مگر یہ مسئلہ یہ ہے کہ بعض ائمہ فقہاء کہہ رہے ہیں کہ یہ جملہ عام طور پر اسراف میں داخل ہوتا ہے۔ جبکہ اپنے مال کے لئے شہ قوتِ کامل نہ ہو اور پریشانی کا اندیشہ ہو مگر یہ عزم کی نہیں کہ ہر شخص کے لئے اہل و عیال کا خیرات کرنا اسراف میں داخل ہو کیونکہ حدیث سے حضرت صدیق کا ائمہ ثابت ہے کہ انھوں نے ایک مرتبہ اپنا مال خیرات کر دیا اور حضور ﷺ نے ان کی مدح فرمائی جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سارا مال خیرات کر دینا باطنی اسراف میں داخل ہو گا اور حضور ﷺ نے ان کی مدح فرمائی جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بعض صورتوں پر منطقی نہیں دوسرے صورتوں میں موجود ہے۔ ومن بطوع عیوآ لھو عیوآ لہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حد ممکن سے زیادہ خیرات کرنا مطلقاً ہر قسم کی اسراف میں داخل نہ ہوتا ہے۔ وہ دہرا رہا ہوا کہ ان میں عام تعمیر سے لطف ہے اور ان کا ماضی و بعد سے گئے ہے۔

رہیل ماسبق

میر سے نزاد یک دہا یہ ہے کہ جملہ اسرار میں تو فقراء کے حق ادا کرنے کا امر ہے اور جملہ غنی میں فقراء کا حق کما جانے کی ممانعت ہے۔ (وہ اقلی حضرت حکیم الامت بیان کرنے کے امام ہیں حضرت کو ایسا رہا القاء ہوتا ہے جو کتابوں میں تلاش کرنے سے بھی نہیں مل سکتا۔ اور غوی یہ ہے کہ بے تکلف دہا اور شاہ فرماتے ہیں جہول کو لگ جائے و هذا من اہات ذوقہ فی القرآن فللہ ذو' حاصل یہ ہوا کہ پیداوار میں سے فقراء کا حق ادا کر اور سارا کا سارا غریبی سے کما جائے کہ مکینوں کا حق بھی کماؤ کہ یہ اسراف ہے اور حق قتائی مسرطن کو پسند نہیں فرماتے اور یہ اسراف اس لئے ہے کہ اس میں حد شرعی سے تجاوز ہے اور اسراف کی حقیقت یہی ہے تجاوز اس الحد نہیں مطلب یہ ہوا کہ مساکین کا حق ادا کر دو اور اخلاص کماؤ کہ مکینوں کا حق بھی نہ ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ جملہ غنی میں زیادہ خیرات کرنے کی ممانعت نہیں بلکہ زیادہ کما جانے کی ممانعت ہے۔ اور اسراف جیسے اخلاق میں ہوتا ہے مکمل میں بھی ہوتا ہے چنانچہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے کھلو او اضر ہوا ولا تسولوا۔ اور ایک آیت میں دوسرے نکال کما جانے کو خصوصیت کے ساتھ اسراف فرمایا ہے وَلَا تَلْفُتْ لِّتُؤْتُوا لَیْسَ بِذَلٰلٍ اَنْ یَّجْتَنِبُوْا اَوْ کَرٰمْ فِیْ دُوْرٍ اَوْ رُحٰی سَادِیْلٍ کَمَا جَاءَ اِسْرَافٌ فِیْہِمْ اَیُّہَا بَلٰکَاس کوئل کہتے ہیں بحر لغو و شرمایہ بھی اسراف ہی کا فرد ہے اور عرفی لکل کو اسراف سے تعبیر کرنے میں لگتے یہ ہے کہ نفس انسانی کو مال سے محبت زیادہ ہے اس لئے اس کو اسراف کی خدمت زیادہ عظیم ہے لکل کی خدمت اس کی نظر میں زیادہ نہیں اس لئے حق قتائی نے لکل کو بھی اسی عنوان سے بیان فرمایا جس سے نفس انسانی کو کراہت زیادہ ہے۔ اس لئے میر نے خیال میں یہ تعبیر لکھ چاہیہ کہ لکل علم اس سے محفوظ ہوں گے (سبحان اللہ یہ دہا تو شانہ کن ہوں میں دیکھا عجیب ہے تکلف دہا ہے جس سے آیت کی تعبیر بالکل آئند ہو گئی)

ادراک کی قسمیں

فرمایا آیت لا تسوکہ الابصار وهو یسوک الابصار سے جو مسئلہ نے اشتغال کیا ہے اس کے کئی جواب دیے گئے ہیں ایک یہ کہ ادراک ہائے نفس ہوتا ایک یہ کہ ادراک دھم ہے ایک یہ کہ ادراک مرئی تک چلا ہے۔ دوسرے یہ کہ مرئی دماغ کے قریب آ جاتا ہے جس میں پہلی قسم کی لکلی چلا دھاتی دوسری کے ثبوت کا ہے۔ اور آیت کا آخری حصہ اس کے نہایت مناسب ہے کہ یسوک لری حصہ ہے وهو اللطیف العبیر فرمایا ہے جس لطیف لا یلو کہ الابصار کے مناسب ہے اور تحریر بدک لا یسار کے مطابق ہے۔ (وہا میں جلد ۱ ص ۱۵)

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ

عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَلِكَ نَتَكَلَّمُ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا بِأَعْيُنِنَا رَبِّهِمْ

مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

ترجمہ: اور تم برا نہ کہو ان کو جن کی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا ایسے وہ برا کہتے ہیں اللہ کو بے ادبی سے بدوں سمجھے اسی طرح ہم نے عرض کر دیا ہر ایک فرقہ کی نظر میں ان کے اعمال کو پھر ان سب کو اپنے رب کے پاس پہنچاتا ہے تب وہ جتنا دے گا ان کو جو کچھ دے کرتے تھے۔

تفسیری نکات

سبب معصیت ممنوع ہے

دیکھئے جس کی برائی کرنا مباح بلکہ طاعت ہے تا کہ لوگوں کو ان سے نفرت ہو مگر جب احتمال اس کا ہو کہ یہ سبب ہو جائے گا اللہ تعالیٰ کو برا کہنے کا اس حالت میں بھی منع ہے یا بہت صاف ظاہر اس ہے کہ جو مباح بلکہ مستحب بھی سبب ہو جاوے گا معصیت کا وہ بھی معصیت ہے اس سے زیادہ کوئی سی وہ میل ہو گی کہ سبب امتناع میں طاعت تھا اور وہ ممنوع ہو گیا۔ اور حدیث مجتہدین نے حدیث میں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ سب سے بڑا وہ شخص ہے جو اپنے ماں باپ کو گالی دے صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ماں باپ کو کون گالی دیا کرتا ہے۔ فرمایا کہ یہ کسی کے ماں باپ کو گالی دے اور وہ اس کے ماں باپ کو گالی دے معلوم ہوا کہ جو فعل سبب معصیت کا ہو وہ بھی اسی کے حکم میں ہے یہاں کوئی طالب علم شہید کرے کہ اس حدیث سے اس مسئلہ پر تو استدلال جب ہو سکتا ہے جبکہ وہ فعل مباح ہو اور حدیث میں تو کسی کے ماں باپ کو گالیاں دینا ہے جو خود بھی معصیت ہے بات یہ ہے کہ میرا مطلب تھا وہ کو ثابت کرنا ہے اور قصہ کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ معصیت کا سبب من حیث الہیبت معصیت ہے تو او پہلے سے مباح ہو یا معصیت اس سے بحث نہیں ملتا اور اس حدیث سے آیات کے اگر میں غور کروں تو بہت احادیث و آیات اس مدعا پر پیش کی فرض قرآن سے حدیث سے فقہ سے یہ مسئلہ ثابت ہے۔

وَذُرُوا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهُ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ

سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝

ترجمہ: تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑ بلاشبہ جو لوگ گناہ کرتے ہیں ان کو ان کے کئے کی سزا عذاب ملے گی۔

تفسیری نکات

گناہ کی دو قسمیں

میں اس میں یہ بات بھی غلطی کہ بڑی بات یہ ہے کہ گناہ کو چھوڑا جائے اور سب کو چھوڑا جائے اور یہ بھی غلط دیا کہ گناہ دو قسم کے ہیں ظاہری اور باطنی یعنی جوارح کے حلقہ بھی اور قلب کے حلقہ بھی گناہ کی فہرست تو بہت بڑی ہے مگر میں مثال کے طور پر مختصراً کہتا ہوں کہ مثلاً آگے کا گناہ ہے کسی نامحرم کو دیکھنا سنا کر دیکھنا یا باطنی کا ایسا بدن دیکھنا کہ اس کا دیکھنا شرعاً ناجائز ہے جیسے عورت کے سر کے بال اور یہ مسئلہ عورتوں کو بھی طہانہ پانے کیونکہ وہ اس میں بہت مبتلا ہیں ایک گناہ آگے کا یہ ہے کہ کسی کی چیز دیکھ کر حرص کرے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَا تَتَّبِعُوا فِي مَتْلُبِكُمْ ۚ اَلَّذِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهٗمْ زُرْعَةٌ وَالَّذِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهٗمْ اَعْنَابٌ (ہرگز مت لالچ نہ کرو) آگےوں کو اس چیز کی طرف جرم نہ کرنا کہ ان کی آزمائش کے لئے خلق کے واسطے دی ہیں یعنی دنیا کی دولتیں وغیرہ اس کا بھی یہ مطلب نہیں کہ مال حاصل نہ کرنا بلکہ مطلب یہی ہے کہ مال کو قبلہ و عقبہ نہ کرنا کہ اس کی بدولت دینی ہی ہاتھ سے جاتا رہے اسی طرح زبان کا گناہ داخل خودی ہے غیبت ہے جھوٹ بولنا ہے آج کل کوئی بھی اس سے بچا ہوا نہیں الا ماشاء اللہ اس کا طالع یہ ہے کہ جو کچھ بولو سوچ کر بولو کہ میں کیا کہوں گا اور وہ بات خلاف مرضی حق تو نہ ہوگی پھر اس شام طالع تلافی زبان کا کوئی گناہ نہ ہوگا۔ کان کا گناہ یہ ہے کہ چپ چپ کر کسی کی بات سننے کا نہ ہاتھ کا گناہ یہ ہے کہ کسی نامحرم کو چھوئے کوئی ناجائز مضمون لکھنے پڑھنے کا گناہ یہ ہے کہ کسی ناجائز موقع پر چلا جائے اور ایک بیت کا گناہ ہے کہ بہت ہی کم لوگ اس سے بچے ہوئے ہیں جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہی طالع ٹل ہی نہیں مگر جب طالع نہیں ٹل مگر تو حرام طالع سب برابر پھر کہاں تک بھیڑنا صاف یہ گمان بالکل لٹلا ہے جس کو فقہ طالع کہہ دے وہ بلاشبہ طالع ہے وَذُرُوا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهُ ۝

اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کی دو قسمیں ہیں ظاہری گناہ اور باطنی گناہ ظاہر گناہ کی تفسیر یہ ہے کہ جو محسوس ہو اور دوسروں کو ہوا باطنی گناہ وہ ہے جو دوسروں کو محسوس نہ ہو جس معلوم ہوا کہ یہ جو ظاہر گناہ ہیں صرف یہی گناہ نہیں ہیں بلکہ اور بھی گناہ ہیں جو محسوس نہیں ہوتے یہ جو محسوس گناہ ہیں ظاہر کے یہ محسوس کیوں ہیں محسوس اس لئے ہیں کہ ان کا عمل محسوس ہے یعنی اچھے یا بُرائے آگے یا پیچھے بان و غیرہ ان جو ارج سے جو گناہ ہوتے ہیں چونکہ یہ جو ارج محسوس ہیں اس واسطے ان کے فضائل بھی محسوس ہوتے ہیں۔ اور باطنی گناہ ایسے عمل کے ہیں جو خود محسوس نہیں اس لئے وہ بھی غیر محسوس ہیں۔ وہ عمل کون ہے وہ عمل ہے قلب اور نفس تو معلوم ہوا کہ مجھے گناہ قلب اور نفس کے بھی ہیں۔

فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَكْفُرْ خَصْمَةً لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ

أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّ يَصْعَدُ فِي السَّمَاءِ

كَذَلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠﴾

وَهَذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا قَدْ فَضَّلْنَا الْآيَةَ لِقَوْمٍ يَذْكُرُونَ ﴿١١﴾

ترجمہ: جو جس شخص کو اللہ تعالیٰ راستہ پر ڈالنا چاہے ہیں اس کے پیرو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتے ہیں اور جس کو بے راہ رکھنا چاہے ہیں اس کے پیرو گناہ بہت تک کر دیتے ہیں جیسے کوئی آسمان میں چڑھتا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں پر پھکارداتا ہے اور بھی تیرے سب کا سیدھا راستہ ہے ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے واسطے آیتوں کو صاف صاف بیان کر دیا۔

تفسیری نکات

صراط مستقیم فقط اسلام ہے

پہلی آیت میں قرآن اسلام کا لفظ ہی موجود ہے اور دوسری آیت میں اسلام کا لقب صرف مستقیم ہے اور تیسری آیت میں شرعہ مذکور ہے۔ پہلی آیت میں فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَكْفُرْ خَصْمَةً لِلْإِسْلَامِ میں صراط فقط اسلام موجود ہے اور دوسری آیت میں هَذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا میں صراط اسم اشارہ ہے اس کے لئے اشارہ یہ چاہئے وہ اشارہ یہ یہاں صراط اسلام کے کچھ نہیں جس سے معلوم ہوا کہ جو اسلام ہے وہی صراط مستقیم ہے۔

قسمت ہے کہ تو یہ ہے کہ اسکی جگہ کوٹ چھانی جائے قامت چہ معنی الایہ دارالسل ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ شرارت کی سندیں ایک جگہ تیار کر کے رکھ دی ہیں اور اذن عام دے دیا ہے کہ جتنے چاہو اور شرارت ہے تعداد کوٹ لو مگر حیرت ہے کہ آ دی کیوں نہ لے اور کیوں نہ بڑھ کر ہاتھ نہ مارے اور کیوں کمال وجہ کی کوشش نہ کرے سوئی دوم پر کسی کر کے کیوں منفرد ہے یا حتی امت کیوں ہمارے کہ کچھ خطاب ہی بھگت کر جنت مل رہے گی۔ کمال وجہ کیوں نہ حاصل کرے۔ کہ جنت ابتداء اور با عذاب ملے یہ بیان ہوا اَلْهَيْكَلُ ذَا الْاَشْجَلِ کا خلاصہ یہ ہوا کہ اس کے معنی ہیں کمال ملاحتی کا مگر مظلوم دارالسلام ہی اس کمال پر دولت کرتا ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا کہ اول تو سلام مطلق ہے اور مطلق سے مراد فرد کمال ہوتا ہے مگر وہ کہ لفظ کو اس کی طرف مضاف کیا گیا ہے وہ عبادہ کا اعتبار سے اسی معنی کو مفید ہے اور مراد اس سے جنت ہے جس کو حق تعالیٰ نے کمال اس کا مگر بتایا ہے وہ اس خوف خطر کا نام بھی نہیں آگے عینو ہم کو گھنٹے اس کے معنی ہیں اس کے سب کے پاس مراد اس سے فی الاخرۃ تو معنی یہ ہوئے کہ ان کو دارالسلام ملے گا آخرت میں اس کو میں بیان کروں گا کہ عینو ہم سے مراد دار آخرت قرآن کے کلمات چلنے کی زیادہ ضرورت ہے۔ میں نے جس جگہ پر اس کا ترجمہ دار آخرت کیا ہے وہ آگے بیان کروں گا پہلے یہ کچھ لیجئے کہ عینو ہم کا اطلاق خدا تعالیٰ پر آتا ہے۔

وَكَانَ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُونِي وَلَا تَكْفُرُوا الشُّبُلُ فَتَفْرَقَ

بِكُمْ عَنْ سَبِيلِي ذَلِكُمْ وَضَعَفَم لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

ترجمہ: اور تم کو یہ بتا رہا ہوں کہ میری سیدھی راہ اس پر چلو اور مت چلو اور راستوں پر کہ تم کو جدا کر دیں گے اس کے راستے سے اور یہ تم کو یاد دلا رہا ہے کہ تم کو تم سے بچو۔

تفسیری نکات

ترجمہ سے معلوم ہوا کہ راستے بہت ہیں جن میں ایک خدا کا تقاضا ہو اور اس سے خدا دوسرے خود بندوں کے تراشے ہوئے ہیں پس ان سب راستوں میں ایک تو اتباع کے قابل اور گمراہی سب ترک کے قابل لیکن یہ ضرور ہے کہ طریق الہی کو دوسرے طریق سے ممتاز اور جدا کرنے کے لئے کوئی معیار ہو جس سے ہم کو معلوم ہو سکے کہ کس راستہ خدا تعالیٰ کا تقاضا ہو اور قائل اتباع ہے اس کے سوا دوسرے قائل ترک جس طرح معاملات حکام و رعایا میں معیار نہیں دیکھا کہ انہوں نے یہی طرح طریق نہایت کے لئے بھی معیار کیا انہوں نے یہی ہے جس کو حق تعالیٰ کا تقاضا ہے اور جس کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتے ہی اَتْلُوْا مَا اُوْحِيَ اِلَيْكُمْ وَتَذَكَّرُوْا

منسوب فرمایا کہ شیعہ اہل کو خدا نے کریم محبوب کا راستہ ہے اس عنوان سے سب کو اس کی طرف حرکت ہوگی خواہ اس اخلافت کا یہ مطلب ہو کہ یہ راستہ میرا ہی ہے اور کیا ہوا میرا تقاضا ہوا ہے یا یہ مطلب ہو کہ اس پر عمل کر تم بھگت یعنی میری رضا تک پہنچ سکتے ہو خواہ کچھ ہی مطلب ہو مگر ہر حال میں محبت کا یکساں اثر ہے کہ جب عاشق کو یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں کام کرنے سے محبوب مجھ سے راضی ہو جائے گا تو اس کو اس کام میں سب مشقتیں آسان ہو جاتی ہیں۔ لیکن اس سے بڑھ کر اگر محبوب کی توجہ بڑھ جائے تو یہ بھی علم نہ ہو مگر اس کا عمل ہو جاوے کہ وہ میرے مشفق کو دیکھ رہا ہے جب بھی کچھ اثر ہوتا ہے چنانچہ ایک عاشق رسولی عشق کی وجہ سے پتہ رہا تھا۔ اور ذرا فتنہ نہ کرتا تھا تو کوزلوں کے بعد جو ایک کزن اور لگا تو آہ کی کئی نے ہم چھاکر اس کی کیا جو تھی کہ بتا دے کہ کوزلوں پر آہ نہ کی انہیں میں ایک کوزے پر آہ کی کہاں نہ کوزلوں تک تو محبوب میرے سامنے تھا میری حالت کو دیکھ رہا تھا کہ اس کی محبت میں مجھ پر یہ مصیبت آئی تو اس وقت تک مجھے مصیبت کا احساس ہی نہیں ہوا بلکہ میں یوں کہہ رہا تھا۔

کرم عشق تو امی کھدو دلو عیبت تو نیز ہر سام آ کر خوشگما شایعہ

اس کے بعد وہاں سے چلا گیا تو اس وقت مجھے کلفت کا احساس ہوا جب اطلاع محبوب کے علم میں یہ اثر ہے تو رضا توجہ محبوب کے علم میں ہو گیا کچھ اثر ہوگا۔ اسی بناء پر جب یہاں بندوں کو یہ بتایا گیا کہ یہ میرا راستہ ہے یعنی میری رضا کا راستہ ہے یا میرا جو یہ کیا ہوا راستہ ہے یہ سن کر اس کی محبت کو حرکت ہوئی اور اب اس راستہ میں ان کو کوئی مشقت محسوس نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ سمجھیں گے کہ یہ کلفت محبوب کے راستہ میں ہے اور محبوب کے راستہ میں تو جان بھی جاتی رہے تو کچھ زیادہ نہیں تو دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس عنوان سے طریق کی گرائی کو کیا پھولوں کا سا ہلکا کر دیا یعنی وہ بات ہے جس کو میں نے ابتدا میں عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی کبھی رحمت ہے اول تو وہیں کوئی غصہ آسان کیا پھر نفس کی کشاکشی سے جو اس میں عارضی گرفتاری اور مشقت آ جاتی ہے فلاں کو اس طرح روئے کیا کہ اس آیت میں تمام دین کا خلاصہ ایسے عجیب عنوان سے بیان فرمایا ہے جس سے ساری مشقت دور ہو گئی کہ اس کو اپنا راستہ فرمایا اپنی طرف اس کی سبست فرمائی اس کا لطف عشاق سے بڑھ کر محبوب کے نام لگے کی کسی محبت ہوتی ہے۔

بعض سنیا سیوں پر ذکر و شغل کا اثر

کَلِّ لِحَدِّكَ حَسْرَةً اِنْ شِئْتَ تَتَّخِذُ مَا كُنَّ كَرَامِكَ كَاْفَرًا کبھی اس کی طرف حرکت ہوگی اور وہ اس راستہ پر چلنا چاہئے گا کیونکہ خدا سے محبت کا اثر کبھی ہے چنانچہ میں دیکھتا ہوں اور آپ نے بھی دیکھا ہوگا کہ بعض سنیا سی ذکر و شغل کرتے ہیں اور لگاؤ کو ترک کر دیتے ہیں اس کا نشانہ ہی محبت ہے کہ وہ غلو راستہ پر عمل رہے ہیں اور یہاں سے ایک بات اور بتانا چاہوں وہ یہ کہ کفار کو ذکر الہی سے گواہت میں کچھ فتنہ نہ ہو اور یہ کہ وہاں

ان کے لئے بہات کا سبب نہ ہو مگر دنیا میں ان کو بھی کچھ مل جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے
 إِنَّ اللَّهَ لَظَنُوبٌ غَفُورٌ الْمُتَعَصِّبِينَ کہ وہ کسی اٹھنے کام کرنے والے کے اجر کو خالی نہیں فرماتے بلکہ
 اگر ذرا تک طالب آخرت ہے تو اس کو آخرت میں بھی اجر عطا فرماتے ہیں اور دنیا میں بھی طالب دنیا ہے تو اس کو
 دنیا میں نیکیات نفسانیہ وقت و شوق و طمع و عطا ہو جاتا ہے یا اس کا اجر ہے۔

ترجمہ یہ ہیں میرا سیدھا راستہ ہے سو اس پر چلو جو کہ مستقیم ہے دوسری راہوں پر مت چلو وہ تم کو لاشی
 راہوں سے جدا کر دیں گی۔

ضرورت تدبیر

یا ایک آیت کا ٹکڑا ہے اس سے کہ خدا تعالیٰ نے بعض احکام اعتقاد پر اور بعض احکام عمل پر بیان فرمائے
 ہیں ان کے بعد یہ جملہ ارشاد ہوا ہے کہ ہم اس کا یہ ہے۔

خدا تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ میرا راستہ ہے جو سیدھا ہے اس کا اجراء کرو دوسرے طریقوں کا اجراء نہ کرو
 کہ وہ تم کو خدا کے راستہ سے دور کر دیں گے۔

یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا السُّبُوْحَةَ اِنْ رَاْتُمْ السُّبُوْحَةَ فَارْتَدُوْا عَلٰى اٰخِرِهَا وَلَا تَمْسُوْا بِهَا يَدَیْکُمْ وَلَا تَمْسُوْا بِرِجْلَیْکُمْ وَلَا تَمْسُوْا بِمَا رَزَقْنَاکُمْ مِّنْ اٰیٰتِہٖ فَیَذَرُہٗا سَبٰیلاً ۚ ذٰلَکُمْ لَیْسَ بِاَعْمٰلِکُمْ اِلَیَّ ۚ تَرْجِعُوْنَہٗا اِلَیَّ ۚ تَرْجِمُوْا یَا اَحِبُّوْا بَارِکَ کِتٰبِہٖ ۙ ہے جس کو ہم
 نے آپ کے بار پر نازل کیا تاکہ لوگ اس کی آغوش پر غور کریں تاکہ اہل فہم سمجھتے حاصل کریں۔

دوسری جگہ لکھا ہے فرماتے ہیں۔ اَلَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ الْقُرْاٰنَ عَلٰی غُلُوْظٍ اَلَّذِیْنَ اَتٰہُمُ الْکِتٰبَہُ لَیْسَ لَہُمْ قُرْاٰنَ مِّنْ خُوْرٍ
 نہیں کرتے یا دلوں میں قفل لگ گیا ہے۔ یہ لوگ قرآن میں غور ہی نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگ گئے ہیں کہ
 تدبیر کی تدبیر ہی نہیں دیکھتے تدبیر کرتے تو یہ حالت ہرگز نہ واقعی تدبیر کا جامد ہے کہ اس سے رست کے
 دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں اور پھر اس کے کچھ نہیں ہوتا چنانچہ فرماتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یَتْلُوْنَہَا وَلَیْسَ لَہُمْ اِلَیَّ حِزْبٌ ۚ اَلَّذِیْنَ یَتْلُوْنَہَا اِلَیَّ ۚ یعنی کیا ہم ان کو نزدیک اپنی رست چننا دیں گے اگرچہ وہ کہت
 کرتے ہیں۔

سو اس کی ہم کو کیا ضرورت ہے۔ کیا ادارے یہاں اس کے دیکھنے کی جگہ نہیں اگر بڑا بار چاہیں تو ہم بھی
 متوجہ ہوں گے اور تمہاری توجہ سے زیادہ متوجہ ہوں گے اور کام بھی تمہاری ہی توجہ سے چننا ہے۔

اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی بچہ کو آپ لینا چائیں اور لینے کو ہاتھ بڑھائیں تو اگر بچہ اپنی ہمارا کے
 بسو جب دوز سے اور کوشش کرے اگرچہ گری جائے تو آپ خود دوز کراٹھا لینے ہیں اور یہ مسافت آپ ہی کے
 باز کر لٹھا لینے سے طے ہوتی ہے۔ ورنہ اس بچے میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ خود مسافت کو طے کر سکے۔

اسی طرح خدا تعالیٰ اپنے بندے کو اپنی طرف بلاتے ہیں اگر یہ بھی کہہ دیا کہ ہاتھ بڑھائے اور کوشش کرے تو
 اس کا ہاتھ سے جذب ہوتا ہے اور اس جذب کی بدولت یہ دہاں پہنچتا ہے اور یہ فرما لگاہ و فرما لگاہ کی مسافت تو

انصاف کے ساتھ (کہ کسی کا حق اپنے پاس نہ ہے اور نہ آوے جس آئیں میں دعا کرنا حرام ہوا اور آگے نکلتے ہیں کہ یہ احکام کچھ مشورہ نہیں جن پر عمل و شمار ہو کیونکہ ہم (تو) کسی شخص کو اس کے امکان سے زیادہ (احکام کی) تکلیف نہیں دیتے (پھر ان احکام میں کوتاہی کی کیا وجہ ہو؟ اور اٹھویں یہ کہ جب تم (فیصلہ یا شہادت وغیرہ کے حقائق) کوئی بات کیا کرتو (اس میں) انصاف (کا خیال) رکھنا کہ گورہ (یعنی جس کے مقابلہ میں وہ بات کہہ رہے ہو) قربات داری ہو (جس خلاف عدل حرام ہوا) اور (تو یہ کہ) اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا کرو جیسے قسم یا نذر اس کو چاہا کیا کہ (بشرطیکہ وہ ذرا قسم خلاف شرع نہ ہو جس اس کا عہد ماننا حرام ہوا) اس کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ ہے میرا سیدہ حارسات اس کا اتباع کرو جس اس کا عہد ماننا حرام ہوا اس کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ ہے میرا سیدہ حارسات اس کا اتباع کرو جس کو خدا کا مرقع پر اسورہ مذکورہ ہیں لیکن یہ اشارہ علیٰ سبیل تنبیہ نہیں بلکہ علیٰ سبیل التعمیم ہے یعنی وہ دین جس کے یہ احکام بطور نمونہ کے ہیں سب کا سب واجب الا اتباع ہے اور اشارہ میں تعمیم کی وجہ ظاہر ہے کہ جو سب اتباع کیا گیا انہی احکام میں مختصر نہیں اور نہ حضور ﷺ کا راستہ انہی کے ساتھ مخصوص ہے جس حد کے بعد صراحتی فرمانا غرض تعمیم پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اس صراحت کے بعد احکام پر مشتمل ہر سب کو معلوم ہے خود قرآن میں ان کے علاوہ اور بہت سے احکام مذکور ہیں اور احادیث میں بہت سے احکام موجود ہیں جس مطلب پر ہر لوگوں سے بھی کہہ دیجئے کہ کیا انہی احکام کی تفصیل نہیں بلکہ دین اسلام اور اس کے سب احکام جن میں سے بعض اوپر مذکور ہوئے ہیں میرا سیدہ حارسات ہے اس کا اتباع کرو جس خدا سے حقیقت میں دین اسلام کی طرف اشارہ ہے جو احکام مذکورہ کے ضمن میں اضافہ معلوم ہو چکا ہے اور ان احکام تسد مذکورہ کے ذکر کے بعد حدیث کے بعد حدیث کی طرف اشارہ کی وجہ صحت یہ بھی ہے کہ یہ احکام مذکورہ کو ظاہر میں چند احکام ہیں مگر حقیقت میں یہ سارے اسلام کا خلاصہ ہے کیونکہ ان میں احکام و معاملات و معاشرت و عبادات کے تمام بالکل ان امور سب مذکور ہیں اور انہما کی وجہ یہ ہے کہ یہ احکام سب معلوم ہیں جو کسی شریعت میں بھی منسوخ نہیں ہوئے اس طرح یہ گویا تمام شریعت کا خلاصہ ہے ہر لفظی دلیل کو سبیل مشفقینا (یہ دین میرا راستہ ہے) میں صریح تعمیم کر دی گئی جس سے بقدر احکام غیر ظہری اور اسباب مذکور ہو گئے اور صراحتی میں مختصر عظیم کا مرقع حق تعالیٰ نہیں ہیں بلکہ حضور ﷺ ہیں کیونکہ یہاں حضور ﷺ کو تعظیم ہو رہی ہے کہ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا کیا یہ حق تعالیٰ کے معطوف ہے جو حق تعالیٰ سے ہے اور تقاضا یہاں اخیر مدح و ثناء ہے جس خطاب قیل و غیر (آپ کہہ دیں اور غیر دہی) کے بعد مختصر عظیم کا مرقع قائل ہی ہو سکتا ہے اور قائل حضور ﷺ ہیں تو اس مختصر کا مرقع بھی آپ ہی ہیں چنانچہ اس کی نظیر دوسری جگہ بھی مذکور ہے کہ ہاں بھی دین اسلام کو حضور ﷺ کا راستہ کہا گیا ہے۔

صراط الرسول ﷺ در اصل صراط اللہ ہے

قُلْ هَذِهِ سَبِيلُ اللَّهِ لَمْ يُولَدْ لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا شَيْءٌ لَّهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ الْكُتُبُ (آپ فرما دیجئے یہ میرا طریق ہے جس خدا کی طرف اس طور پر جاؤ گے کہ میں نے اس میں کوئی بدلہ نہیں کیا اور میرے ساتھ جو اے گئی اور اسلام کو حضور ﷺ کا راستہ کرنا منظور و محبت کے ہے کہ آپ اس طریق کے حامی ہیں اور نہ حقیقت میں یہ صراط اللہ ہے چنانچہ بعض جگہ حقیقت کے موافق ارشاد ہے۔ اِنَّكَ تَقْنَدُ إِلَى رَبِّكَ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ اللَّهِ وَلَئِنْ كُنْتَ تُحِبُّ الْعَالَمِينَ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ اللَّهِ وَلَئِنْ كُنْتَ تُحِبُّ الْعَالَمِينَ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ اللَّهِ (اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ایک سیدھے راستہ کی دعوت کر رہے ہیں یعنی اس خدا کے راستہ کی کسی کا ہے جو کچھ انسانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اس پر یہ سب مل وادہ ہو گا کہ جب حقیقت میں یہ صراط اللہ ہے تو ہر جگہ حقیقت کے موافق حکم کیوں نہ فرمایا بعض جگہ ہزار گنا اس کو صراط رسول ﷺ اور بعض جگہ حقیقت کے موافق صراط اللہ کیوں نہ فرمایا تو جواب اس کا یہ ہے کہ بعض جگہ حضور ﷺ کی طرف اس صراط کو اس لئے منصف کر دیا گیا تاکہ سامعین کو اس پر عمل کرنے کی ہمت ہو اور کچھ ایسے کہ میں راستہ کو طے کر سکتے ہیں اگر پہلے ہی یہ فرمایا جاتا کہ یہ خدا کا راستہ ہے اس پر چلو تو کب یہ سن کر گھبرا جاتے۔

تفسیری نکتہ

ایک بات یہاں اور قابل توجہ ہے وہ یہ کہ پہلے تو صراطی میں ضمیر حکم کا مرجع حضور ﷺ تھے جس میں اس راستہ کی طرف اضافت حضور ﷺ کی طرف تھی اور یہاں من سبیلہ ضمیر قائب فرمایا گیا ہے اس کا مرجع حق تعالیٰ ہیں حضور ﷺ نہیں ہیں اور نہ سبیلہ یا حکم فرماتے سوا اس کی تو یہ کہ اس لئے کوئی ضرورت نہیں کہ یہ اضافت تو حقیقت کے موافق ہے۔ تو یہی کی ضرورت تو صراطی میں تھی جس کا نکتہ میں بیان کر چکا ہوں اس کے بعد ارشاد ہو گا۔

وَحُكْمُكَ مَفْهُوم

اِنَّكَ تَقْنَدُ إِلَى رَبِّكَ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ اللَّهِ (اس کی خدا تعالیٰ نے تم کو وصیت فرمائی ہے تاکہ تم تقویٰ حاصل کر سکو وصیت کرنے سے مراد تاکید کی نگہ داری ہے کہ نہ کہ وصیت اصل میں اس بات کو کہتے ہیں جو انسان اپنے مرنے کے وقت مزاجوں اور دانشوں سے کیا کرتا ہے چونکہ وہ انسان کا آخری وقت ہوتا ہے اس لئے اس وقت جو بات کہتا ہے وہ خاص ضرورت کی باتیں ہوتی ہیں جن کی عمل کو وہ بہت تاکید و لازم کیا کرتا ہے چونکہ حق تعالیٰ ہم ہر وقت سے پاک ہیں اس لئے یہاں پر وصیت کے معنی خلاف تو ہونے نہیں سکتے بلکہ اس کا لازم مراد ہے یعنی حکم تاکید کی

لَسَلَاكَ تَكْتَفِيٰ یہ نتیجہ ہے اچان سر ملا فکرو کا مطلب یہ ہے کہ تم اس راستہ پر جاؤ تو امید ہے کہ تم کو حاصل مقصود حاصل ہو جائے گا اس طرح سے تم بہت آسرت سے کامیاب ہو جاؤ گے کیونکہ تقویٰ کے سنے نعت میں بتیے کے جزو حاصل یہ ہوا کہ تم مذہب سے بچو ہو گے۔

خلاصہ نجات

اور یہی خلاصہ ہے نجات کا اور شریعت کی اصطلاح میں تقویٰ کمال دین کو کہتے ہیں چنانچہ موارد مخصوص میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جائے گی۔ اس تفسیر کا مطلب یہ ہوا کہ اس راستہ پر چلتے سے تم کو کمال دین حاصل ہو جائے گا اور یہی حاصل ہے مقصود پر پہنچنے اور منزل پر وصول ہو جانے کا اس کے بعد میں اس آیت کو مضمون پر منطبق کرنا چاہتا ہوں کہ اس تفصیل کے بعد تقریر اخلاقی کی ضرورت نہیں رہی مگر میں جرمہاں اس کو بھی بیان کئے بغیر نہیں کر سکتا کہ پوری تفسیر ہو جائے کہ آیت مضمون مقصود پر مہولت منطقی ہے مگر وہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ خلاصہ صراطِ اعلیٰ سے دین اسلام کی طرف اشارہ ہے اور اسلام کو بخاندہ ہے محمود اعمال کا اور عقائد کا اس میں مجاز ان اہل ہیں اور حقیقہ عقائد ایمان کا مدلول ہیں یہی لئے کہا جاتا ہے کہ ایمان فعل قلب ہے اور اسلام فعل جوارح اور یہ اصطلاح تقویٰ ہے کہ کیا ایمان کے معنی تصدیق کے ہیں جو اولاً بالذات قلب سے صادر ہوتی ہے اور اسلام کے معنی گردن نہادان بطاعت ہیں جس کا فعل جوارح ہیں اور بعض خصوص میں بھی اسلام ایمان کا اصطلاحی اس حقیقت کے موافق وارد ہے۔ **فَالَّذِينَ لَا يَرْجُوا أَيُّنًا إِلَّا اللَّهَ سَخَّرْنَا لَدُنَّ آلِهَتِهِمْ كُنُوزَ عَالَمِينَ** (اعراب نے کہا کہ ہم ایمان لانے آپ کہہ دیجئے تم ایمان نہیں لائے لیکن یہ کہو کہ ہم اسلام لانے) لیکن یہ حقیقت لغویہ ہے اصطلاح شرعی میں اسلام نام ہے۔ محمود عقائد و اعمال کا اور ایمان نام ہے محمود عقائد کا تو شرعا اسلام عام ہے اور ایمان خاص اور یہاں یہ خدا صراطی سے جو اسلام کی طرف اشارہ ہے اس سے یہی اسلام شرعی مراد ہے جو عقائد و اعمال سب کو شامل ہے جس کا قرینہ یہ ہے کہ وہ فعل فعلوا (آپ کہیے کہ آ) میں عقائد و اعمال دونوں کا ذکر ہے اس کے بعد **وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آلِهَتِهِمْ تَبَتَّ** (یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے) فرمایا گیا ہے تو اس میں محمود عقائد و اعمال کی طرف اشارہ ہونا مناسب ہے اور ان اعمال و عقائد کو جو مراد فرمایا گیا تو تفصیل میں ہی اعمال و عقائد کی خصوص نہیں یہ بلکہ جمیع کے فرمایا ہے مقصود اچان سر ملا اسلام کا ہے جو تمام اصول و فروع کو شامل ہے البتہ ایک تحقیق سمجھنے کی یہاں ضرورت ہو گی وہ یہ کہ وہ بعض نواسی کا ذکر ہے جیسے لا عشر کنوا سوا لا تغفلوا۔ ولا تغفلوا (مت شریک کرو اور مت غفل کرو اور نہ غفلت کرو جب کوئی بات کہو انصاف کرو) اور بعض ماسودت کا ذکر ہے جیسے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَؤُلَاءِ فَتَهْتَكُوا سُبُلَ اللَّهِ** (والدین کے ساتھ احسان کرو تاہم قول پوری کرو) اور ان سب کو صراطی فرمایا اس کے اوجہ کا امر فرمایا تو

صراط کہیں عقل ہو گا کہیں ترک اور اجتناب عقل سے ہو گا کہیں ترک سے فرض خطہ صراطی سے مراد تمام وہ اعمال و امورات ہیں جو ممکن آفریت و مافیہ تصور ہیں جن کا منفعہ ہونا مستطیعاً میں و اہل ہے کہ اس حقیقت کے لئے سو عمل الی البصر وہ لازم ہے اور **وَلَا تَكْفُرُوا بِاللَّهِ قُلُوبًا ۚ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَنْفَعُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ إِن كُمْ تُعْلَمُونَ** (دوسری راہ پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی مابین تمام وہ اعمال آگئے جو مانع ہیں اللہ عزت و محض مقصود ہیں اور سحر ہوا غلطی سے ظاہر ہے۔ لیکن ان حقیقتات سے حاصل یہ ہوا کہ ہم کو ہر کام میں دیکھنا چاہئے کہ یہ فعل ممکن آخرت سے یا سحر آخرت سے ہے اب اس میں تمام شریعت آگئی کوئی مضمون شریعت کا اس سے خارج نہیں رہا۔

آگئے فرماتے ہیں مستقیماً یعنی یہ راستہ مستقیم ہے خطہ مستقیم کے معنی ایک تو لغوی ہیں یعنی **الطَّيْرُ الْعِطْلُ** الواصلہ بین النقطین (دو نقطوں کے درمیان میں جو خطوط داخل ہو سکیں ان میں جو سب سے چھوٹا ہو وہ مستقیم لغوی ہے) اور ایک معنی عرفی ہیں یعنی بے خوف و خطر راستہ عرف میں راہ راست کو کہتے ہیں جس میں کوئی خطر نہ ہو چتا نہ کھا کرتے ہیں کہ گناہ گاروں کا سیدھا راستہ یہ ہے کہ اس کو چلے جاؤ حالانکہ اس میں موڑ بھی آتے ہیں مگر مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ راستہ بے خطر ہے اس میں تم کو غلطی پیش نہ آئے گی۔ صاف سڑک چڑی ہوئی ہے اور یہی عرفی معنی اس شعر میں مراد ہیں۔

راہ راست برد اگرچہ دور است (بے خطر راستہ پر چلو اگر چہ دور)

بے خطر راستہ صراط حق ہے

اگر راہ راست کے معنی عرفی نہ لے جائیں تو لغوی معنی کے اعتبار سے اگرچہ راست (اگرچہ دور) نہیں جس میں کہیں کیونکہ جو راستہ مستقیم ہو گا وہ دوروں سے دور بھی نہیں ہو سکا بلکہ اس کے لئے فقر و فقری لازم ہے جن لوگوں کو مستقیم کے لغوی معنی عرفی معنی میں طرق معلوم نہیں وہ اس شعر کو عمل نہیں کر سکتے مگر اس حقیقت کے بعد مطلب صاف ہے کہ بے خطر راستہ کو اختیار کرو اگر چہ دور ہی کیوں نہ ہو یہ قطعاً کی حقیقت تھی اب میں کہتا ہوں کہ صراط حق یعنی اسلام کے حقائق یہ ہیں معنی مراد یہ سکتے ہیں کیونکہ صراط مستقیم بے خطر ہی ہے اور وصول الی اللہ میں وہ تمام طرق سے قرب و اقرب بھی ہے تو آپ کو اختیار ہے کہ چاہے مستقیم کو لغوی معنی پر محمول کیجئے یا عرفی پر (یا دونوں پر) یہاں سب کی گنجائش ہے اس کے بعد اشارہ ہے **وَلَا تَكْفُرُوا بِاللَّهِ قُلُوبًا ۚ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَنْفَعُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ إِن كُمْ تُعْلَمُونَ** یعنی اس راستہ (اسلام) کا اتباع کرو اور دوسرے مختلف راستوں کا اجتناب نہ کرو نہ وہ تم کو خدا کے راستہ سے جدا کر دو کر دیں گے اور دور ہو جائے اس طرح کا نہیں ہے کیونکہ وصول تو ہوتے ہیں خطہ تصور سے دور تو نہیں کرتے بلکہ اس طرح کی دوری ہے جیسے ملت کی ایک ساق کو چھوڑ کر اگر دوسری ساق پر چلے گئے تو ساق اول سے دگنا

محبت کا اثر

ہر چنگ انسان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اس لئے اس مقام پر فرماتے ہیں: **وَأَن هَلَّا صَرَاطِیْ مَسْجِدًا** کہ یہ میرا ہے۔ یہ سیدہ عائشہؓ میں اس راستہ کو اپنی طرف اس لئے منسوب فرمایا کہ سننے والوں کو حقا آئے کہ یہ محبوب کا راستہ ہے اس عنوان سے سب کو اس کی طرف حرکت ہوگی خواہ اس اضافت کا یہ مطلب ہو کہ یہ راستہ میرا ہے یا وہ کیا ہو اس پر اظہار ہوا ہے یا یہ مطلب ہو کہ اس پر چل کر تم مجھ تک یعنی میری رضا تک پہنچ سکتے ہو خواہ کچھ ہی مطلب ہو مگر ہر حال میں محبت کا یہی اثر ہے کہ جب عاشق کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کام کرنے سے محبوب مجھ سے راضی ہو جائے گا تو اس کو اس کام میں سب مشقیں آسان ہو جاتی ہیں بلکہ اس سے بڑا کہ اگر محبوب کی توجہ رضا کا بھی علم نہ ہو مگر اس کا علم ہو جائے کہ وہ میری مشقتوں کو دیکھ رہا ہے تب بھی اپنی اثر ہوتا ہے چنانچہ ایک عاشق رسولیؐ مشق کی وجہ سے پتہ نہ پاتا اور ارادہ نہ کرتا تا نوے کوڑوں کے بعد جب ایک کوزہ اور لگاؤ آوہ کی کسی نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ تھی کہ نودے کوڑوں پر آوہ نہ کی آخر میں ایک کوزے پر آوہ کی کہا تا نوے کوڑوں تک تو محبوب میرے سامنے تھا میری حالت کو دیکھ رہا تھا کہ اس کی محبت میں مجھ پر یہ مصیبت آئی ہے تو اس وقت تک مجھے مصیبت کا احساس ہی نہیں ہوا بلکہ میں یوں کہہ رہا تھا

بجز مشق تو امی کس قدر خوشنما ہے تو یزیر سر بام آ کر خوشنما شایع ہے

اس کے بعد وہاں سے چلا گیا تو اس وقت مجھے کلفت کا احساس ہوا جب اطلاع محبوب کے علم میں یہ اثر ہے تو رخصت ہو کر محبوب کے علم میں تو کیا بلکہ اثر ہو گا۔ اسی بنا پر جب یہاں بندوں کو یہ بتایا گیا کہ یہ میرا راستہ ہے یعنی میری رضا کا راستہ ہے یا میرا توجہ کیا ہوا راستہ ہے یہ سن کر اس کی محبت کو حرکت ہوئی اور اب اس راستہ میں ان کو کوئی مشقت محسوس نہ ہوگی کیونکہ وہ سمجھیں گے کہ یہ کلفت محبوب کے راستہ میں ہے اور محبوب کے راستہ میں تو جان بھی پاتی رہتا کہ زیادہ نہیں تو دیکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس عنوان سے طریق کی گمانی کو کیا پھولوں کا ہلکا کر دیا۔ یہی وہ بات ہے جس کو میں نے ارشاد میں عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی کبھی رحمت ہے کہ اول تو دین کوئی نصیحت آسان کیا بلکہ نفس کی کٹنا کٹنی سے جہاں میں ماضی گزرائی اور مشقت آ جاتی ہے نہ اس کو اس طرح دور کیا کہ اس آیت میں تمام دین کا خلاصہ ایسے سبب عنوان سے بیان فرمایا ہے جس سے ساری مشقت دور ہو گئی کہ اس کو اپنا راستہ فرمایا۔ اپنی طرف اس کی نسبت فرمائی اس کا کلفت عشاق سے بڑھ کر محبوب کے نام لگنے کی بھی محبت ہوتی ہے۔

ہیں اور با اعتبار انگوڑ کے سات سو تک مضاعفت ہوتی ہے اور سات سو سے آگے (غیر حد تک) مضاعفت ہو سکتی ہے یہ آیت سے مضاعفت کا غیر محدود ہونا معلوم ہوا ہے۔

اب حدیث لکھتے حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص ایک چھوٹا صندوق کرے تو اللہ تعالیٰ کو اس کو اپنے دست مبارک میں لے لیتے ہیں پھر اس کی پرورش فرماتے ہیں کہ جس کا وہی احد حکم طوبہ یعنی ایسے پرورش فرماتے ہیں جن میں اس کو بڑھاتے ہیں جیسے ایک تہہ لاپے ہجیر کے پرورش کرتا ہے اور بڑھاتا ہے۔

ہجیر سے کی شخصیں اس لئے فرمائی کہ عرب کے لوگ گھوڑوں کو بہت محبوب رکھتے تھے۔ اور جہاں کی یہ ہے کہ یہ ایک جنگ جو اور بہادر قوم ہے اور گھوڑا جنگ میں بڑا کام آئے والا ہے قرآن میں بھی اور فرار میں بھی اگر میدان میں قائم رہ کر عرب میں مشغول رہیں تو اس میں بھی گھوڑا کام دیتے والا ہے۔ اور اگر مطلوب ہونے کی حالت میں بھاگنے کی ضرورت ہو تو اس موقع پر بھی گھوڑے سے زیادہ کوئی جانور کام کا نہیں اور عرب میں یہی دو موقع ہوتے ہیں بھی قرار ہوتا ہے اور بھی قرار اور جیسے قرار فی الحرب (فوجی میں برقرار رہنا) شجاعت شمار ہوتی ہے اس لئے موقع سے اپنی جان بچا کر نکل بھاگنا یہ بھی دینی حواس سے ہوتا ہے اور دینی حواس جب ہی ہوگی جب کہ قلب ضعیف نہ ہو آدمی دلیر اور بہادر ہو چتا تو عرب جہاں اشعار میں قرار پر یعنی شجاعت پر فخر کرتے ہیں اسی طرح فرار یعنی میدان سے بھاگ جانے پر بھی فخر و ہمت کرتے ہیں اس لئے کہ عرب کی شاعری نہایت سادہ رنگ لئے ہوئے ہے ہم کے تفکرات وہاں نہیں ہیں۔ غرض گھوڑا قرار اور فرار دونوں وقت میں چمک کام آتا ہے اس لئے وہ عرب کو بہت محبوب تھا اور ظاہر ہے کہ چتر ہر شے کا بیکار معلوم ہوتا ہے خاص کر محبوب کا چتر قرار اور بھی زیادہ محبوب ہو گا۔ اس لئے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جیسے تم ہجیر کے کو پالا کرتے ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ اس چھوٹے کو پرورش فرماتے ہیں آگے فرماتے ہیں۔

حسبي يَكُونُ اعْظَمُ مِنْ اَحَدٍ یعنی اس چھوٹے کی اتنی تربیت فرماتے ہیں کہ وہ احد پر اسے بھی زیادہ بڑا ہوتا ہے۔

اس حدیث کے انداز اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ سات سو کی شخصیں تھوڑے کے لئے نہیں اس لئے کہ چھوٹے کے برابر اسے بڑا کر کے گلوے کے جائیں تو سات سو کی شخصیں بہا شخصوں سے بھی زیادہ بے ثواب پہنچے گی اور ان کے اعتبار سے اگر چھوٹے کے برابر جسے کے جائیں تو وہ بھی زیادہ ہو جائیں گے۔ مولا نا فرماتے ہیں

غور یاد ایں جنہیں بازار دا کہ بیک گل سے ٹری گزار دا

نیم جہاں بہت کم دھند جہاں دھند ہر جہاں دھند ہے

(المؤلفون قدّموا نسخة من المخطوطات)

چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہے اَلْحَبِيبُ الْاِمَامُ الَّذِي يَتَّقِيكُمْ كَمَا تَقُونَ وَالْمَعْلُوْمَةُ الْغَيْبَةِ الَّذِي يُخْبِتُكُمْ رَدِّهَا بِكَ
اس کی وجہ کیا ہے؟ سو اس کے بارے میں ہمارے بزرگوں کا مسلک یہ ہے کہ عجم کی تفصیل میں گفتگو نہیں
فرماتے ان کا طریقہ یہ ہے ابھعو عابھمو اللہ کہ جس چیز کو خدا تعالیٰ نے سمجھ رکھا ہے تم بھی اس کو سمجھ ہی
رکھو پس ایسا حال پیدا ہوگا کہ وہی ہے کمالاء میں حکمت ضرور ہے گو ہم کو معلوم نہ ہو اور اس باب میں ایک بات جو
بے ساختہ دل میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ اگر انسان سے طاعت و دوس اخلاص و خضوع ہوتی تو اسکے لئے مانگہ پہلے
سے موجود تھے۔ انسان کے پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ مانگہ میں اطاعت و دوس اخلاص ہی ہے ان
میں ممانعت کا مادہ ہی موجود نہیں اور انسان کے اندر مقاومت و ممانعت احکام کا مادہ رکھا گیا ہے مگر وہ ایک
خاص درجہ پر ہے اور وہ بھی تحصیل اجر کے لئے اس میں رکھا گیا ہے کیونکہ طاعت و ممانعت بلا ممانعت سے طاعت
ممانعت افضل ہے پھر جانلو گے۔

تمہارا یہ کہہ دینا میرا راستہ ہے جو کہ مستقیم ہے وہاں پہنچو

تسموین کا خلاصہ

یہ ایک لمبی آیت کا ٹکڑا ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے تمام دین کا خلاصہ ارشاد فرمایا ہے۔ دین اس کی تعمیر ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسے خاص عنوان سے بیان فرمایا ہے جس کا اثر یہ ہے کہ اس کو اس کرم کی رابطہ ہوتی ہے اور یہ حق تعالیٰ کی محبت ہے کہ وہ احکام جوئی عہد آسان ہیں مگر کثافت نفس اور مذاہمت نفس کے عارض سے دشوار ہو گئے ہیں ان کو نہایت سہل عنوان سے بلکہ شوق دلانے والے عنوان سے بیان فرمایا ہے تاکہ یہ عارضی دشواری شوق کی حرکت سے مغلوب ہو جائے اور یہ سہل ہے حق تعالیٰ کے شفیق ہونے کی حق تعالیٰ نے ہمارے ساتھ شاہد کا تعلق نہیں رکھا ہے اور جتنے خصوصیات حق تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں ان میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب بندوں کی مصیحت کے لئے ہیں۔ وہ خطا بخندہ ہیں بلکہ عین شفقت ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بچہ کوئی شے کرنے لگے تو اس کو کرنے سے اس طرح روکتے ہیں کہ ہاتھ کاٹ لیتے ہیں اور وہ چارہ مانچہ لگا کر وہاں سے ہٹا دیتے ہیں شفقت کا ہونا ایسا ہے نہ کہ اس کی حکومت کی طرح خطا بنا دیا جائے جسے حکام و مسلمان اور ان کے لوہا کا طریقہ سے کہ مٹا دیں کرنے والا ایک طرف سے

منادی کرتا چلا گیا ہے کوئی سنے یا نہ سنے کچھ یا نہ کچھ اور رحمت ہو یا نہ ہو سو یہ ضوابط ہیں اور حق تعالیٰ کے احکام میں ایسے ضوابط نہیں ہیں ہاں صورت ضوابط کی ہے سو اس کی ایسی مثال ہے جیسے عجم واد کی مقدار میں کرتا ہے وقت مقرر کرتا ہے پر یہ تحقیق کرتا ہے تو ظاہر میں یہ بھی ضوابط ہیں مگر حقیقت میں یہ محض ضوابط نہیں ہیں کیونکہ اگر یہ ضوابط مقرر ہو جائیں تو حقیقت میں بالک اور گار عیب یہ قیدیں صرف مریض کی مصلحت سے لگاتا ہے اپنی مصلحت کے لئے نہیں لگاتا اسی طرح حق تعالیٰ شانہ نے اپنی شان حکومت کے لحاظ سے ضوابط مقرر نہیں فرمائے بلکہ بندوں کی مصالح اور منافع کے لئے مصلحتیں فرمائے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرتا تو بندوں کی ضرورت تھیں احکام میں بظاہر جو کچھ قواعد ضوابط ہیں ان کا کئی شفقت ہے اور اسی شفقت کا یہ اثر ہے کہ اللہ تعالیٰ احکام کو ایسے عنوان سے بیان فرماتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بندوں کو ان کو اختیار کرنے کی رحمت پیدا ہوئی اور حق پیدا ہو جاتا ہے جیسے باپ بچے کو نصیحت کرتے ہوئے اس کی رعایت کرتا ہے کہ جتنا کھلے اور اس کی کچھ بات آجائے جتنا نچاں آئے میں بھی اس طرح شفقت کی پوری رعایت ہے۔

قُلْ إِنْ صَلَاتِي وَشُرْكِي وَنَعْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ

الْعَالَمِينَ ۖ لَا شَرِيكَ لَهَا ۖ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ

الْمُسْلِمِينَ ۝

ترجمہ: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمادیتے کہ اے محمد! میری نماز اور میری ساری مہارت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو مالک ہے سارے جہان کا اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اس طرح حکم ہوتا ہے اور میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں۔

تفسیری نکات

اسلام کامل کی تفسیر

اس آیت میں حق تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو ارشاد فرمایا ہے کہ اپنا شرب ظاہر کر دیجئے اس واسطے کہ میں امر لایا گیا ہے اور حضور ﷺ کو یہاں امر کرنے سے فرض یہ ہے کہ ہم لوگ بھی اقبال کریں۔
یہ کہ ہم صفت اسلام کے ساتھ متصف تو ہیں اور اسلام ہم میں موجود ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ وہ کامل ہے یا ناقص؟ تو اب پہلے کامل کو سمجھیں اس سے خود معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں وہ کچھ ہے یا نہیں فرماتے ہیں اپنا

لئے خالص کردہ نماز عبادت موت حیات ان سب کو اللہ ہی کا کردہ بس اتنی حقیقت ہے اسلام کمال کی اتصال تو یہ ہے جو بہت ہی ذرا سا ہے مگر اس کی تفصیل کچھ شرح اور طول چاہتی ہے اور تفصیل بھی ایک تو انحصار کے ساتھ ہو سکتی ہے اور ایک طول وسط کے ساتھ اختیار کے ساتھ تو یہ ہے کہ یہاں جو حقیقت اسلام کمال کی چار اجزاء میں اٹھائی گئی ہے کہ ان چار کو مل کر نماز اور عبادت اور موت اور حیات کو اللہ ہی کے لئے خالص کردہ اس کے معنی صرف یہ نہیں ہیں کہ ان چاروں کو صرف عقیدہ کے مرتبہ میں اللہ کی سمجھتے ہو کیونکہ اس سے تو کوئی اور فی دین کا مسلمان بھی خالی نہیں ہر مسلمان ان چار چیزوں کو ہی کیا بلکہ ہر چیز کو اعتقاد اللہ ہی کی سمجھتا ہے تو ہر کمال اور ناقص میں فرق ہی کیا ہے؟ بلکہ معنی یہ ہیں کہ ان چار چیزوں کو اعتقاد اللہ ہی کی سمجھتا ہے ان کو ان کے ہی ہر اور تابع کر دینا سب اپنے کو اللہ کی ملک سمجھتا تو ان کو اعتقاد بھی تصرف کا مستحق سمجھتا اور حال بھی معتاد ہو جاؤ یعنی دل سے عقیدہ یہ کچھ کہ یہ سب چیزیں خدا کی ہیں اور حلقہ بھی ان کے تصرف و تسلیم کر کے بالکل معتاد اور مطیع اور فرماں بردار بن جانا کہ ان چاروں میں جس طرف چلا گئیں اسی طرف کو چلنا حاصل یہ ہوا کہ حق تعالیٰ جو تصرف بندہ کی نماز میں عبادت میں حیات میں موت میں کر رہا اس کا اعتقاد و حال معتاد اور فرماں بردار ہونا اسلام کمال ہے۔ یہ تفصیل ہوئی انحصار کے ساتھ

کمال اسلام کے بارے میں تفصیل

اب قدرے طول اور وسط کے ساتھ تفصیل سنئے وہ یہ ہے کہ یہاں دو باتیں سمجھنے کی ہیں چنانچہ میں نے ابھی کہا ہے کہ حق تعالیٰ کو تصرف کا مستحق سمجھو اور تم اختیار کرو تو یہ چیزیں دو نہیں تصرف اور اختیار و تصرف تو حق تعالیٰ کا فعل ہے اور اختیار و عمار فعل ہے اب خدا کے فعل یعنی تصرف کی حقیقت بھی سمجھنا اور اس کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے اور اپنے فعل یعنی اختیار کی حقیقت معلوم کرنا اور اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے تو چار چیزیں ہو گئیں تصرف کی حقیقت سمجھنا اور عقیدہ رکھنا تصرف پر ہونا اپنے فعل یعنی اختیار کی حقیقت سمجھنا اور عمل کرنا اس پر بس اسی سے اسلام کمال ہو گا ان چاروں کو ترتیب وار بن لیجئے اول حقیقت سمجھنا تصرف حق کی ان چار چیزوں میں یعنی نماز میں عبادت میں موت میں حیات میں اس کی تفصیل مقرر ہے آتی ہے مگر اس کے فعل اس کے متعلق ایک بات اور کچھ لیجئے کہ یہ جو چار چیزیں اٹھائی گئیں یہ چار برائے نام ہیں۔ حیوانات چار ہیں اور انسان حقیقت میں نہیں ہیں بارہا اس طرح کہ صلوٰۃ کے معنی ہیں نماز اور نیک کے معنی ہیں عبادتیں اور نماز بھی عبادت میں داخل ہے تو یہ قسم بعد تفصیل ہے اس کے لئے دراصل صرف نیک کا لفظ بھی کافی تھا نماز بھی اس میں آ جاتی لیکن نماز کا نام جدا کیا گیا بغرض انتہام کے تو یہ معنی ہو گئے کہ ساری عبادتیں ملک ہیں اللہ کی تو اب ان دو جزو

میں سے ایک جزوہ گیا یعنی عبادت جس میں نماز بھی آگئی جب چار جزوہ میں سے ایک کم ہو گیا تو تین جزوہ گئے یہ تین جزوہ لے کر تقرر ہوئی اور وہ جزوہ لے کر تقرر یہ ہے کہ اس کے بعد صحیحی و معاشی آیا ہے اس کے سنی ہیں مگر امر و نہی میں داخل ہیں ایک تو یہ ہے کہ ان سے حالت حیات اور حالت موت مراد ہو تو مراد یہ کہ حیات و موت کے احکام مراد ہوں اگر حالت حیات اور حالت موت مراد ہو تو پھر یہ دونوں ہی کر ایک ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ دونوں غیر اختیاری امور ہیں اور صفت غیر اختیاری دونوں میں مشترک ہے اور مشترک صفتی و نفسی کا متحد ہونا معلوم ہو چکا ہے تو معنوں کے بعد میں بجائے چار کے دو جزوہ گئے اس طرح کہ موت اور حیات تو حالت غیر اختیاری ہوئی اور عبادت فعل اختیاری ہے تو سنی آیت کے یہ ہو جائیں گے کہ ہمارے تمام حالات اختیار یہ غیر اختیار یہ اللہ تعالیٰ کے ملک ہیں اور دوسری شق یہ یعنی جب کہ حیات اور موت سے مراد احکام ہیں جو بعد موت کے جاری ہوتے ہیں اور احکام حیات تمام ان احکام کو شامل ہے جو زندگی کے ساتھ متصل رکھتے ہیں اس میں تمام عبادتیں آگئیں نماز بھی آگئی اور بقیا احکام متعلقہ حیات بھی آگئے تو اس طرح سے تین چیزیں تو احکام حیات میں آگئیں یعنی نماز اور عبادتیں اور بقیا احکام متعلقہ حیات کو ایک چیز احکام موت میں آگئی تو پھر بھی اور چیز یہ ہو گئیں۔ فرض تین چیزیں کو یا ادا کو سب کا حاصل یہ ہوا کہ ہمارے حالات اختیار یہ اور غیر اختیار یہ پھر وہ حالات موت کے ہوں یا حیات کے سب ملک اللہ کے ہیں یہ حاصل ہے آیت کا ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ معنوں بہت مختصر الفاظ میں بھی آسکتا تھا مثلاً میں ہوتا کا احوال اور اختیار یہ وغیرہ اور اختیار یہ لفظ پھر ان سب کو الگ الگ کیوں بیان کیا گیا ایجاز کی جگہ مطلب کو کیوں اختیار کیا گیا اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ لوگوں کے مذاق مختلف ہیں اور ان سب مذاقوں پر اصلا ح مقصود ہے ہوا ایک مذاق پر آج کل غالب ہے یہ بھی ہے کہ ان کے خیال میں عبادت تو حقوق اللہ ہیں اور ان میں ہر طرح اللہ کو اختیار تصرف کا ہے جس فعل کو چاہیں عبادت قرار دے دیں اور جس کیفیت سے چاہیں اس کو مقرر فرما دیں نماز میں چار رکعتیں رکھ دیں تو بھی ٹھیک ہے اور تین رکھ دیں تو وہی ٹھیک ہے اور دو رکھ دیں تو وہی ٹھیک ہے۔ فرض عبادت میں ہر قسم کے تصرف کا حق تعالیٰ کو حق حاصل ہے۔

آیت کی بلاغت

مائل یہ ہے کہ مقصود بیان کرنا اس بات کا ہے کہ ہمارے حالات اختیار یہ غیر اختیار یہ سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں اس کے واسطے اسے لیے الفاظ کو کیوں اختیار کیا۔ اِنْ مَسَّكَ ذِي ذُنُوبٍ وَ مَسَّكَ ذِي مَسَالِحٍ کیوں کہ اس کے لئے کوئی مختصر لفظ بھی ہو سکتا تھا مثلاً کوئی ایسا لفظ جس کے سنی یہ ہوتے ہیں کہ ہمارے حالات

اللہ کے ملک میں کافی ہو جاتا تو اس کو اتنا طول کیوں دیا اس کے لئے وہ تو ہمیں جان کی گئی ہیں مگر صدمہ جان کا یہ ہے کہ لوگوں کے مذاق مختلف ہیں ایک مذاق یہ ہے کہ مہاراجت تو حق تعالیٰ ہیں اور ان میں حق تعالیٰ کو تعریف کا اختیار ہے اور اس کے احکام کا نام دینا ہے اور ہے احکام موت و حیات یعنی معاشرت اور توحید تو ان سے دین کو کچھ ملتا تو ان میں اس مذاق کی تردید کے لئے فقط نمایاں و نمائی بڑھایا۔ اس صورت میں نمایاں و نمائی سے مراد احکام حیات و موت ہوں گے اور دوسرا مذاق یہ ہے کہ موت اور حیات میں تو تعریف حق تعالیٰ کا مانتے ہیں کیونکہ مشاہدہ ہے اور یہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ اس صورت میں نمایاں و نمائی سے جس حیات اور موت مراد ہے احکام حیات و موت مراد نہیں مگر یہ لوگ احکام اور مہاراجت میں حق تعالیٰ کے تعریف کو نہیں مانتے اور اس کے معنی میں ملے جان کر دیئے ہیں کہ گزربان سے اس تعریف کا انکار نہیں کرتے اور حق تعالیٰ کو حاکم مانتے ہیں مگر ان احکام کی نمایاں و نمائی اصل پر مانتے ہیں جس سے نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ حق تعالیٰ کسی حکم کا اختیار نہیں ہے بلکہ علم ہمیشہ مصلحت کے موافق ہوتا ہے اور مصلحت ہی پر احکام کی بنا ہے۔ اس مذاق کی تردید کے لئے صَلَاتُکَ وَشُكْرُکَ کو بڑھایا تو ایک تو یہ پر نمایاں و نمائی کو بڑھایا اور ایک تو یہ پر صَلَاتُکَ وَشُكْرُکَ کو بڑھایا تو کیا مراد کا مضمون ہو گیا جس کے ہر جملہ سے ایک ایک مذاق فاسد کی تردید ہو رہی ہے یہ بات اختصار میں حاصل نہ ہوئی اس واسطے کہ ہزاروں کلموں کا انتخاب کو اختیار کیا گیا حاصل یہ ہے کہ ان چاروں جملوں میں حق تعالیٰ کو تعریف کا حق ہے ان چاروں کے نام یہ ہیں مصلحتی اور نسبی اور معیاری اور مصلحتی ان کا حکام مراد لفظوں میں بھی آ جاتا ہے اور لفظ یہ ہیں حالات اختیار یہ و غیر اختیار یہ اس اختیار پر جس نماز و غیرہ آئیں۔ اور موت و حیات غیر اختیار یہ ہیں۔

فرض ہمارے تمام حالات حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں اور ان کو ہر قسم کے تعریف کا حق حاصل ہے میں نے بیان کیا تھا کہ اسلام کامل کے دو جز ہیں ایک یہ کہ ان چاروں باتوں میں حق تعالیٰ کے تعریف کو بنا کر تو فعل حق تعالیٰ کا یہ دوسرے اس تعریف کو ماننے کا حق ادا کرنا ہے جس کا نام اختیار ہے یہ فعل بندہ کا ہے۔

رب العالمین کو ذکر کرنے کا فائدہ

حق تعالیٰ یہ حالت نصیب کریں کہ حقیقت کچھ میں آ جائے اور بروقت یا امر مختلف ہو جاوے کہ ہر ج حق تعالیٰ کی طرف سے چند کچھ قرآن شریف میں کیا بلاغت ہے یہاں رب العالمین کا تقاضا موقع سے بڑھایا ہے جس کے معنی میں تمام جہانوں کا پالنے والا اور رب العالمین میں ہر سے بدخواہ نہیں جس کو کچھ امر سختی کرتے ہیں یا خیر میں وہ سب حد سے لئے خیر فی خیر ہے مگر اس حقیقت کا انکشاف ہو جاوے تو آدمی دل و جان سے کہ

اے گا اِنْ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَقَاتِيَ يَوْمَ الدِّينِ عَلَّمْتَنِيْ ۚ اَوْ تَرَاهَا بِاَيِّ كَيْفٍ تَرَاهَا
سر پر رکھے گا اور عمر حیات میں بھی دل و جان سے تقویٰ کرے گا یہ فائدہ ہوا اللہ رُبَّ الْعَالَمِیْنَ کا اب
ایک دوسرے ہو سکتا ہے کہ کیا کسی اور بادشاہ کی سلطنت بھی ایسی ہے جس میں حکایت ہی حکایت ہو اس کے
معلق فرماتے ہیں۔

لفظ لَا تُكْرِهَنَّكَ لَهَا کی حکمت

لَا تُكْرِهَنَّكَ لَهَا اس کا کوئی شریک نہیں کسی بات میں کوئی ان کا شامل نہیں تو اس صفت پر ہیبت میں بھی
جس کا مستحق اہل حق اور رحمت اور بھی خواہی تھا کوئی ان کے برابر نہیں بلکہ دیگر ہیں کہنے کوئی بھی دوسرے واسطے
اتحاد و درجہ اور بھی خواہ نہیں ہو سکتا جتنے حق تعالیٰ ہیں جب یہ بات ہے تو ان کے تجویز کردہ احکام کے
بالے میں کیا شامل ہو سکتا ہے۔ اب سارے شہادت و روئے اور کوئی دایمہ ایمانہ مانجو مانع الایضاً اور۔

آگے فرماتے ہیں وَبِذَلِكَ يُؤْمِنُ اِنْ شَاءَ اِلَهٌ اِنْ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَقَاتِيَ تَرَاهَا میں تھوڑا ہے
اس کے ماحول ہونے کی حامل یہ ہے کہ پہلے ارشاد فرمایا کہ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ یہ شراب و طریقہ یہ ہے کہ
میں اپنے تمام حالت اختیار یہ اور غیر اختیار یہ کو حق تعالیٰ کی ملک سمجھتا ہوں سو میں کوئی نہیں کے لئے یہی بات کافی
حق حضور ﷺ کے ساتھ سو میں کو حق تعالیٰ و حق دہیت کا ہے ان کو صرف احکام مطوم ہو چکا ہی کافی ہے کہ یہ بات
حضور کو پسند ہے اور یہ طریقہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس کو خود بھی اختیار کیا ہے محبت کا مذاق رکھنے والوں کے
لئے تو اس سے زیادہ کسی چیز کی ضرورت نہیں لیکن بہت سے آدمی ضابطہ کے شیخ اور قانونی بھی ہوتے ہیں ان
کے واسطے ضرورت بھی کر دی کہ اس شراب کا رکھنے کا حکم بھی ہوا یعنی میں نے لا غور یہ شراب اختیار نہیں کیا
بلکہ ہمارے خداوندی اختیار کیا ہے اور ظاہر ہے کہ جو نہیں سکتا کہ حضور ﷺ کو حکم ہوا اور ہم کو نہ ہو کہ اگر آپ محبوب
تھے جب محبوب سے احکام میں تخفیف نہیں کی تھی تو ہم سے کیسے ہو سکتی ہے۔

اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ کا مطلب

اس کے آگے ارشاد ہے وَاتَّخَذَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ زُبُرًا اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں ظاہر ہے کہ
اپنے دور میں سب سے پہلے مسلمان آپ ہی ہیں دوسرے کو کوئی بھی مسلمان ہوا تو آپ ہی کی بدولت ہوا اس قول پر تو
حضور ﷺ کے لئے اولیت فی الاسلام اس امت میں ثابت ہوئی ہے جس کو اولیت ذیانی اضافی کہنا چاہئے۔
اور اہل لٹاکھ کا قول یہ ہے کہ حضور کو اولیت فی الاسلام بالحق الیقینی بھی حاصل ہے کیونکہ روز امت

میں جب دلائل و دلائل الست ہر حکم قرآن سے پہلے حضور ﷺ ہی نے جواب دی یعنی حضور ﷺ تمام امور میں
 و آخر میں سب سے اول ہوئے اسلام میں اور یہ تو اویس ہے اسلام پھر میں میں اور بھی دلائل سے ثابت ہے کہ
 حضور ﷺ میں بھی سب سے یعنی سب انسانوں سے بلکہ تمام کائنات سے اول ہیں کیونکہ سب سے پہلے حق
 تعالیٰ نے حضور ﷺ ہی کے نور کو پیدا کیا اور تمام کائنات کو حضور ﷺ ہی کے نور سے دیا اور ہر ملک کے
 لئے اختیار و نگرانی لازم ہے تو سب سے پہلے اسلام و اختیار و نگرانی کے ساتھ بھی حضور ﷺ ہی تصف ہوئے یہ
 اویس ہے اسلام نگرانی میں آپ اول ہیں اسلام پھر میں میں بھی اور اسلام نگرانی میں بھی پہلا و نگرانی میں
 بھی آپ اول ہیں اور وجہ نقل میں بھی آپ ہی اول ہیں اور جملہ اول مسلمانوں کے لئے سے یہ حضور نہیں کہ
 تم بھی اس اویس فی الاسلام میں میری تقلید کرو کیونکہ اس میں تو تقلید میری نہیں مگر قرآن میں حضور ہے۔
 یہ ایہ ہے جیسے چند مانتھے کے وقت کوئی بڑا آدمی کہے کہ پہلے میں دیتا ہوں کہ اس سے قرآن میں حضور
 ہوتی ہے دوسروں کو اور اس سے ایک عام قریب دیکھو جاتی ہے یا ایسا ایک فوج کو کوئی حکم ہوتا ہے اور اس کا سر
 دار ہوں اگلے کہ اس حکم کی تعمیل کے لئے سب سے پہلے میں تیار ہوں تو اس سے یا اثر ہوتا ہے کہ اس حکم کو سب
 خوشی سے قبول کر لیتے ہیں۔ آیت میں ایسے طریقہ انداز میں تعلیم کی گئی کہ کوئی پہلو نظر نہ آدائیں ہو۔

سُورَةُ الْأَعْرَافِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

التَّصَوُّر

تفسیری نکات

قرآن اصطلاحات فنون پر وار و نہیں

اس لئے اہل علم کو پانے کے کاروبار کو دیکھ کر قرآن کو سمجھا کر یہی کیونکہ قرآن اصطلاحات فنون پر وار و نہیں ہے اور اگر اصطلاح ہے بھی تو اصطلاحات شریعہ پر ہے اور نہ فنون کی اصطلاح پر ہے مثلاً حدیث شریف میں ہے کہ قرآن کے ہر حرف کے بدلے دس دس نیکیاں ملتی ہیں مثلاً اگر کسی نے اَلَمْ پڑھا تو اس کی تیس نیکیاں ملیں گئیں آگے حضور ﷺ فرماتے ہیں لا تقول اَلَمْ حرف بل اَلف حرف و لام حرف و ميم حرف تو دیکھئے اَلف اور لام اور ميم کو حرف فرمایا گیا حالانکہ اصطلاح لغت کے نزدیک حرف ہے اور اَلَمْ میں جماعت ہے و اَم ہے مگر کاروبار و اصطلاح شریعہ کے اعتبار سے یہ اَلف بھی حرف ہے یہ اَلَمْ بھی اصطلاح ہے جیسے عام کاروبار ہے یہ کاروبار حضور ﷺ کے ارشاد کے موافق ہے فرض شارع علیہ السلام کی حکام میں اَلف حرف ہی ہے گو لغت کے نزدیک اَم ہو بعض اہل علم حدیث میں اس اَلف سے بھی کسی کچھ لگے اور کسی بال اَلف مراد لیا یعنی اَلف جہاں ہے حرف کا اس میں جو تین جزو ہیں اَلف اور لام اور قاعدہ حدیث میں یہ اَلف مراد ہے اور اس پر محمول کر کے کہنے لگے کہ اس حساب سے اَلَمْ میں نوے نیکیاں ہوں گی اور یہ محفل مختلف ہے اگر حساب بڑھانے کے لئے یہ تو بیچ کی ہے تو میاں وہاں کا تو تھوڑا بھی کافی ہے اس مختلف کی کیا ضرورت ہے حاجی صاحب فرماتے ہیں۔

ہمیں ہے پانچ ایک تار بھی اگر پہنچے ہوں گے کہ چہ کرتے ہیں بہت تار فرما دیم

اور ذوق سے اگر کام لیا جاتا تو صاف معلوم ہوتا ہے اگر اَلف سے کسی مراد لیا جاتا تو حضور ﷺ اس طرح فرماتے بل اَلف حرف و اَم حرف اسی طرح لام حرف و اَلف و ميم حرف ایسا ہی ميم حرف و اَم حرف و ميم

حرف جب آپ نے اس طرح نہیں فرمایا تو معلوم ہوا کہ مراد شارع کی وہ نہیں ہے جو تم کہتے ہو اور اگر انحصار کی وجہ سے تھی تو حرف کا اطلاق تھا اور ہر سے تو کو جان کر مانا تو غلطی کی وجہ سے نہ فکر نہیں تھا تو اس میں اولیٰ کے تین حرف جان فرما رہے تھے یہ کیا کہ ہر ایک سے ایک ایک حرف لیا گیا کہ الف سے الف لیا اور لام سے لام اور ہم سے ہم یہ تو کچھ ہی کوشش لگا کر پانچوں حرفوں میں آں ہوا کہ جب نہ خود کچھ جواب نکال ہی نہیں کے مگر ہمارے ہی کو تو نہیں لگا کر دے ہی کو تو وہی نکلا ہے کہ حضور ﷺ نے یہاں کسی کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ اس کا ذکر فرمایا ہے اور عبادہ کے لحاظ سے اس میں غری کو حرف لرایا گیا ہے لہذا اس کا اور اسطرانج کے غلط سے یہ ہوتا ہے کہ مطلب اور مراد حکم میں گڑبڑ ہو جاتی ہے۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِي

مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ۝ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ

لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِينَ ۝

ترجمہ: حق تعالیٰ نے فرمایا تو سجدہ نہیں کرتا تھا تو اس سے کون سا امر مانع ہے کہنے لگا میں اس سے بہتر ہوں آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو آپ نے خاک سے پیدا کیا ہے حق تعالیٰ نے فرمایا تو اس (آسمان) سے اتر تھا تو کوئی حق حاصل نہیں کرتے تکبر سے اس (آسمان) میں رہو سکتا ہے کتب و یلیوں میں شمار ہونے لگا۔

تفسیری نکات

شیطان کو حاکمانہ جواب

قرآن میں زیادہ تر حاکمانہ ہی جواب دیے گئے ہیں چنانچہ شیطان سے جب انکار سجدہ کی وجہ پوچھی گئی اور اس نے جواب دیا اَلَمْ يَكُنْ مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ (پ ۸) تو اس کی اس دلیل کا حاکمانہ ہی جواب دیا گیا اَلَمْ نَجْعَلْ لَكَ شَجَرًا لَّذًى وَظَعْنًا ۚ فَاتَّقِ اللَّهَ ۚ إِنَّكَ كُنتَ بِلَوْحٍ لَّهُ خَبِيرٌ۔

اس طرح عقوبت لین کو بھی حاکمانہ جواب دیا ہے یعنی فرشتوں کو جب کہا نہیں کہ آدم علیہ السلام کی مخالفت پر سوال کیا تو فرمایا اِنَّ اِنَّكَ كُنتَ لَافْتَكُورًا (پ ۸) کہ تم نہیں جانتے میں جانتا ہوں اور یہی تو قرآن کی خاص بات ہے جس سے اس کا کلام دائمی اور شہادت کلام ہوتا معلوم ہوتا ہے ورنہ اگر ہر سوال کا حکیمانہ جواب دیا جاتا تو شہادت کلام نہ معلوم ہوتا بلکہ قطعی کلام معلوم ہوتا اس لئے حکیمانہ جوابات تم نہ دیے گئے ہیں اور اگر دیئے گئے ہیں تو

ماکانہ جواب کے ساتھ دیئے ہیں۔

مگر اسوں علماء مصطفیٰ کی کتابیں پڑھنے کے بعد قرآن کو پڑھتے ہیں اور اس میں بھی وہی طرز و اصول ہے
 ہیں اس لئے ان کو قرآن کا یہ الفاظ نہیں آتے جیسے کرب پر لفظ کلام ہے کہ لَنْ اَلْقَهُ لَکُمُ الْقُرْآنَ الَّذِیْ اُنزِلَ
 میں اس شہ کا ماکانہ جواب دیا گیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَا يَفْتِنَکُمُ الشَّیْطٰنُ کَمَا اَخْرَجَ اٰبُوۡنَکُمْ مِنَ الْجَنَّةِ

یٰۤاَيُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَا یُرِیْہُمَا سُوْرٰتُہُمَا اِذَا یُرٰکُمُ هُوَ وَوَقِیْلُہٗ

مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمَا اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیْطٰنِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا

یُؤْمِنُوْنَ

ترجمہ: یعنی اے نبی آدم تم کو شیطان کراہی میں نہ اے جیسا کہ تمہارے ماں باپ کو اس نے
 جنت سے نکالا لیکن ایسا کام کرایا جس سے وہ جنت سے نکلے اور اس حالت میں کہ ان سے ان کا لباس
 اجازت تھا کہ ان کو ان کے مستور بدن دکھائے وہ اور اس کا لفظ تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم ان کو نہیں
 دیکھتے ہو مگر شیطانوں کو انھیں لوگوں کا رفتی ہونے دیتے ہیں جیسا کہ انھیں ملائے۔

تفسیری نکات

خطا اجتہادی

اس میں حق تعالیٰ نے کئی باتیں بیان فرمائیں ایک تو یہ کہ شیطان تمہارا بہت پرانا آبائی دشمن ہے اس
 سے بہت بچنا چاہئے دوسرے یہ کہ گناہ کا متعلق یہ ہے کہ جتنی کبڑے چلنے سے تار جائیں اور لہر لہکا لام طاقت
 کا ہے یعنی انجام شیطان کے کہنا ماننے کا یہ ہوا کہ آدم و حوا کو ان کا ستر دکھلا دے اس میں ایک بار یک مسئلہ کی
 طرف اشارہ ہے وہ یہ ہے کہ یہ معلوم ہے کہ آدم و حوا علیہما السلام دونوں میاں بیوی ہیں اور یہ بھی کہ اپنا بدن
 دیکھنا جائز ہے اور نیز اپنی بیوی کا بدن دیکھنا بھی جائز ہے مگر اس میں کیا حرج تھا کہ آدم و حوا نے آپس میں
 اپنا یا دوسرے کا بدن دیکھا اہم بات کوئی ایسا امر بیان فرماتا چاہئے تھا کہ جو کوئی اس مذہم موہنیہ تو امر مباح ہے تو
 بات یہ ہے بعض سہامات ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے انسان کو طبعی نفرت ہوتی ہے اور یہ بات ہو چکا ہے کہ
 آدم و حوا علیہما السلام کا گھبراہٹ کا خطا اجتہادی تھی گناہ نہیں تھا لیکن تمہارے عقربان راہیں جو حرجانی خطاب

میں معتد ہے اور کامل ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حال ہاکی المال کے لئے بھول قید کے ہوتا ہے کہیں یہ
 قصص میں مومن کی مطلق القدر کے اعتبار سے نہیں ہے کیونکہ مطلق القدر تو عام ہے مومن و کافر سب کو کہیں یہ
 قصص القدر کی اس قید خدا تعالیٰ کی تعریف کے لحاظ سے ہے مطلب یہ ہے کہ یہ طریقات جس حال میں
 کہ کدورات وجہات و مساجات قیامت سے خالص ہوں یہ مومن کے ساتھ دیکھا میں مخصوص ہیں اور کفار جو
 ان سے متخلف ہوتے ہیں وہ مساجات وجہات قیامت کے ساتھ مطوب ہیں یعنی مومن کو ان طریقات کے متعلق
 کوئی سزا و عقاب نہ ہوگا اور کفار کو ہوگا اور یہ طووس من العقاب تو آخرت کے اعتبار سے ہے جو یہاں مذکور ہے
 ہائی مشاہدہ سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ دیکھا میں بھی خالص القدرت از کدورت مومن ہی کے لئے ہے اور کفار
 کے لئے کدورت سے خالی نہیں گوان کو اس کدورت کا احساس نہ ہو اور قیامت سے مومن سے ان کی الکی مثال ہو
 مگی ہے جیسے ایک شخص کل خطا چائی ہوگی آج سلطان وقت کی طرف سے اس کو کھانے پینے کو دیاجا رہا ہے اور
 اس کو غیر نہیں ہے کہ اس کا انجام کیا ہوگا اور مومن کی مثال الکی ہے کہ بادشاہان سے راضی ہے اور ان کو اپنی
 خطا سے سر اذ نرا رہا ہے پس اب واضح ہو گیا کہ طریقات کو اللہ تعالیٰ نے مومن ہی کے لئے بنے رکھا ہے نہیں
 ترک کرنا ان کا افضل نہ ہو بلکہ کھانا ہی افضل ہے اور اسی واسطے اس سے پہلے جو ظُكُوا وَطُكُوا وَكُلُّوا وَكُلُّوا
 ہے اس کے معنی میرے نزدیک ہے وَلَا تَسْوَطُوا عَنْ حُدُودِ الشُّرُوعِ اِی تحریم الاحلال فرض یافتہ
 سہاں دونوں سے کبھی معلوم ہوتا ہے کہ لگتی نہیں ہے بلکہ سچ ہے خوب کھو ذیہا اگر حلال کو حرام سمجھو گے تو اسرف
 ہو جاوے گا کھو کس تفسیر بالکل غلطی میں ہے اس لئے اسی کو میں نے اپنی تفسیر میں اختیار کیا ہے یہاں تک کہ
 تھا ان چیزوں کا جو حلال تھیں اور وہ لوگ ان کو حرام سمجھتے تھے اب کھو شہد کیا ہوگا کہ حرام اضافی مراد ہے یعنی
 اسے حلال کھو اشیاء حرام نہیں جن کو تم حرام کرتے ہو بلکہ میرے سب سے کہوہ چیزیں حرام ہیں جن کو تم حلال
 سمجھتے ہو یہ مطلب نہیں کہ یہی چیزیں حرام ہیں اور کوئی اور شے حرام نہیں ہے۔

مفتاح سعادات

اور دینی میں عیب و رمت کا ظہور ہے وہ یہ ہے کہ حرم سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اشیاء پر خوب
 لمس کو کم سے روکتے ہیں تو اس میں محبت کی کی کاشہ ہو سکتا تھا جیسے کوئی کہہ کہ کھوئی ایک رو بہ لینا زیادہ
 مت لینا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت کم ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو نرم فرمایا تو میں بدگمانی معلوم ہوتی ہے
 ہماری آزادی سب کی جاتی ہے حالانکہ

بدگمانی کردان و حرص آدمی کفر باشد نزد خوان مہتری

بہرہ لی سے اس کو دفع فرماتے ہیں کہ اسے وہ حرام کرنے والی الکی بات ہے جس نے تم کو بلا ہے تمہارا مرنے سے تمہارا دل بڑھنا تھا وہ تم کو جوہر میں لایا ہے تم تھوڑا بچہ تم پر رحمت فرمائی۔

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّي الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ
وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُثْمِرُوا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنْزِلْ بِهِ سُلْطٰنًا
وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۷۰﴾

ترجمہ: آپ ﷺ فرمائیے کہ اہل بیت میرے دہے نے حرام کیا ہے تمام فحش باتوں کو ان میں جو ظاہر ہیں وہ بھی اور ان میں جو پوشیدہ ہیں وہ بھی اور ہر گناہ کی بات کو اور باقی کسی پر حکم کرنے کو اور اس بات کو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی الکی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی سند چل نہیں فرمائی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے خدا کی بات کا دوسرے کو تم کو تم نہیں جانتے۔

شان نزول

سبب نزول اس کا ایک خاص قصہ ہے وہ یہ ہے کہ اہل جاہلیت میں ٹھلہ دیگر رسوم جہالت کے یہ بھی ایک بے حیالی کی رسم تھی کہ وہ بیت اللہ شریف کا درہ طواف کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ جن کپڑوں میں ہم نماز پڑھتے ہیں ان میں طواف نہیں کرتے دیکھئے ظاہر میں تو یہی خوبصورت بات ہے لیکن ان اہل حق نے جہالت میں یہ نہ سمجھا کہ درہ طواف کرنے میں کس قدر بے حیالی اور بیت اللہ شریف کی بے ادبی ہے۔

اہل نظر کو گناہ کا ادراک ہو جاتا ہے

اور نیز کپڑوں کے اندر سے کیا ہوتا ہے چاہئے کہ کمال اتار دیا کریں اس لئے کہ اصل ہاتھ و گناہ کا بدن کے اندر ہے گو اس شخص کو ادراک اس کا نہ ہو چنانچہ بعض اہل نظر آنکھ کی پٹکی کو دیکھ کر پہچان لیتے ہیں کہ یہ شخص بدنگاہی میں مبتلا ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غلبہ چاند ہے جسے چھڑا دی آئے اور وہ کی کوہی نظر سے دیکھ کر آئے تھے آپ نے فرمایا کہ کیا حال ہے لوگوں کا کہ سجدہ میں آتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے دھواں نکلتا ہے۔ صحابہ کی شان تو یہی ہے طاعت کا نور اور مصیبت کی ظلمت گورے بننے کا کالہ ہونے پر متوقف نہیں اور نور ظلمت دھواں ہے ایسے لوگ رنگ کے کالہ ہوتے ہیں لیکن چہرہ ان کے ایسا نور طاعت چمکے کہ بہت بخیر معلوم ہوتے ہیں ان تعالیٰ نے اسی نور کی نسبت ارشاد فرمایا ہے۔ وَمِنْ آٰتِیَاتِہٖ تُظٰہِرُ الْعٰلَمِیْنَ اَنْہٗ لَیْسَ بِہٖ ضَلٰوٰۃٌ

مولانا اس نور کی نسبت فرماتے ہیں۔

نور حق ظاہر و اندر ولی تک ہیں باشی اگر اہل دلی
(ولی کے اندر نور حق ہوتا ہے اگر کہ اہل دلی ہے تو بھی اس نور کو کچھ لے)

غرض کمال کا ان کیزوں پر اتنا نہیں ہوتا جس قدر کہ بدن میں ہوتا ہے تو اگر ایسا ہی ادب تھا تو بدن سے کمال اتار دیا جانتے تھا اور جن اصحاء سے گناہ کئے تھے ان کو پارہ پارہ کرنا تھا اور وہ اپنی اس بے حیائی کی نسبت یہ بھی کہا کرتے تھے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم فرمایا ہے۔

زینت کا لباس پہننے کی اجازت

حق تعالیٰ اس سب کا رد فرماتے ہیں اول بطور تنبیہ ارشاد ہے **لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ هُمْ يَجْعَلُونَ لِزِينَتِهِمْ أَنْسَابَ الْمَذَلَّاتِ** یعنی اے اولاد آدم ہم نے تم پر لباس اتارا ہے جو تمہارے شرمگاہوں کو چھپاتا ہے اور زینت کا لباس بھی اتارا ہے حق تعالیٰ کی رحمت تو دیکھئے کہ کس قدر بے گویا ارشاد ہے کہ اسے ظاہر اور اندر کی چیز سے اتارنے کی اجازت تو کیا دیتے انہوں نے تو تمہارے لئے زینت کا لباس عطا فرمایا ہے اور زینت کی بھی اجازت دی ہے یہاں اللہ کیا ملالت ہے آگے لباس کی مسابقت سے ایک دوسرے بہم پاشان لباس کی طرف اظہار فرماتے ہیں اور اس کی اطلاع دیتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے **وَلِيْلُكُمُ التَّقْوَىٰ وَآلُهَا تُحَافِظُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ** یعنی جبکہ ہم لباس باطنی کے بارے کو پسند نہیں کرتے جس کا اثر ظاہر ہے حیاتی بھی نہیں اس لباس ظاہر کے بارے کو کیسے پسند کریں گے اور نیز اس تمہاری حرکت سے لباس عقلی و لباس ظاہری دونوں ہاترے ہیں۔ کیونکہ ظاہری لباس کا ہونا تقویٰ میں بھی نکل ہے اس مضمون کو حق تعالیٰ نے **اِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالْمَسَاحِیْ** ایک ماحول عقلی مضمون سے رد کر فرمایا ہے کہ جس سے یہ مسئلہ عقلی ہو گیا حاصل اس کا یہ ہے کہ لباس کو جب ہم نے تمہارے لئے پیدا کیا ہے یعنی یہ امر فطری ہے تو فطرۃ بھی عقل اس کو کدہ نہیں کرتی کہ اس کو اجڑا چلے اور اس کے ضمن میں تقویٰ کی تاکید جو کہ اصل بحث ہے قرآن شریف کا اور مدح ہے شریعت کی نیز بعضوں لباس ایک نہایت عجیب طریقہ ہے **وَلِيْلُكُمُ التَّقْوَىٰ** میں ارشاد فرمائی کہ جس میں تقوا بھی رہا یہ مسابقت تصور مقام کی رہی گو بات جری تصور کو چھوڑ اور ننگی تصور کو اس میں بے حد بافت ہے کہ زبان اس کے بیان سے کہنا ہے اگر اہل علم بطور کریں گے تو کچھ نہیں گے یہاں تک تو لباس سے لے چہ بدن کو چھپانے کو محبوب خدا حق ہونے کا بیان تھا اب آگے نذر لباس کا محبوب خدا خدا جان ہوتا بیان فرماتے ہیں۔ **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا سُلُوكَ الَّذِيْنَ هُمْ يَحْتَفِظُوْنَ لِبَسَاتِهِمْ لَعَلَّكُمْ تَكُونُوْنَ مِمَّنْ يَنْسَوْنَ** یعنی اے نبی آدم تم کو شیطان کمرائے میں نہ اے جیسا کہ تمہارے ماں باپ کو اس نے جنت سے نکال دیا یعنی ایسا کام کر لیا جس سے وہ جنت سے نکلے اور اس

حالت میں کہ ان سے ان کا لباس ادا نہ تھا تا کہ ان کو ان کے دستور دین دکھائے اس میں حق تعالیٰ نے کئی باتیں بیان فرمائیں ایک تو یہ کہ شیطان تمہارا بہت پرانا آباؤی دشمن ہے۔ اس سے بہت بچنا چاہئے اور سے یہ کہ گناہ کا متعلق یہ ہے کہ جتنی چیز سے دن سے اترا جائیں اور لبر ہما میں لام حاجت کا ہے یعنی انجامِ شیطانی کے کوتاہانے کا یہ ہو گا دم و حواشیہم السلام کو ان کا ستر رکھا دے اس میں ایک بار یک مسئلہ کی طرف اشارہ ہے کہ دم و حواشیہم السلام دونوں میاں پٹی ہیں یہ بھی ہے کہ اپنا بدن دیکھنا چاہئے نہ اور نیز وہی کا بدن دیکھنا بھی جائز ہے مگر اس میں کیا حرج تھا کہ دم و حواشیہم السلام نے آپس میں اپنا یا دوسرے کا بدن دیکھا یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ دم و حواشیہم السلام کس کس وجہ میں تھے کہ ان کے لئے یہ امر مبارک بھی باعث تکبر ہوا اور نیز یہ مسئلہ بھی مستند ہوا راۃ سورۃ الحجج گویا کہ اگر آپ کے خلاف ہے۔ وقت محبت اللھم حبیب الشیطان و حسب الشیطان ما رزقنا اور کوئی سمجھے اس دعا پر سننے میں شیطان کا طیار ضرور آئے گا بات یہ ہے کہ ایک تو کسی نے کانٹیل اس کو قصور و عروغ بنا کر لانا ہے بلکہ ایک مروبعت بنا کر دونوں میں جزا فرق ہے اس دعا کا حاصل تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کیا گیا ہے کہ اسے اللہ کو ہم کو ہماری اولاد کو شیطان سے بچائیے تو اس کا تصور انیسیت صفر کے ہوا جس اثر اش کی کتاب بعد گونا گونا پس اس دعا کا ثریباً یا ہے قلھن لن یضوہ الشیطن یعنی شیطان اس کو ضرر نہ پہنچائے گا ولہذا پاک اور مقدس ہوگی اور یوں اپنے ہاتھوں بگڑیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہم کو اس قصور کے سے تے ہوئے کسی اور قصور کی حادثہ نہیں ہو جاوے گی اور بندہ کچھ سے اخلاقی پروا دلانے کے مشرب نہ ہے بلکہ اس میں آدھ حوالہ دینی کی طرف بھی اشارہ ہو گیا۔

لفظ قتل لاتے ہیں حکمت

[illegible]

مامورات کی تین قسمیں

قسط میں حقوق العباد کی طرف اشارہ ہے اور انھیں کہتا ہے کہ وہ ان کے حقوق اللہ آگے اور

نہیں کیونکہ بات میں سے بات نکل آئی کرتی ہے بلاغت کا مسئلہ ہے انکلام بزرگ عدل بمضا پناہ بلاغت کا قاعدہ ہے کہ ایک بات کو شروع کرتے ہیں اس سے دوسری بات نکل آتی تو بعد اس کو بھی بیان کر دیا اس کے بعد پھر دوسری بات کی طرف مود کرتے ہیں قرآن کا نزول اسی طرز کا مود ہوا ہے۔ مضمونیں باہمیں کے طرز پر نہیں ہو بلکہ ایساں رہا کھینچا اور تعمیر دریافت کرنے کے لئے دور تک آ پات کہ دیکھنے کی ضرورت ہے۔ لطف تعمیر کا اسی میں ہے اور اس سے سب مشکلات حل ہو جاتے ہیں۔

پناہ پناہی حکمت کی علامت ہے حضرت حاکم صاحب نے پانی پی کر مجھے خاص خطاب کیا کہ میں اشرف علی جب پانی پیتا خوب ٹھنڈا ہوتا کہ میری موت سے اشد شغل سے گرم پانی پیئے پڑ جائے کتنی ہے اشد شغل میں قلب نہیں کرتا آہ حضرت حاکم صاحب کا یہ ارشاد نقل فرمایا کہ آفراتہ تعالیٰ نے غلط پانی اور گرم کھانا اپنے بندوں ہی کے لئے تو پیدا فرمایا ہے اسراف سے اور خسار کی کے لئے خود اللہ تعالیٰ کا ہر شے ہے قیل من حرم رزقہ اللہ الہی اصبرج لعبادہ والطیبات من الرزاق قل ہی للذین امنوا فی الحیوة الدنیا خالصہ یوم القیامہ دیکھتے ہیں کہ افراد کا ذکر نہیں اس سے معلوم ہوا کہ حیات دنیا میں بھی یہ نعمتیں حاصل میں اہل ایمان ہی کے لئے پیدا فرمائی گئی ہیں اور ان کو انہیں کے قلیل میں مل جاتی ہیں۔ مگر اہل ایمان کے لئے ان طبیات کا خاص ہونا مقید ہے۔ ایک قید کی ساتھ اور وہ ہے خالصہ یوم القیامہ یعنی اس قید کی ساتھ ان کے لئے انھوں میں ہیں کہ قیامت کے روز بھی خاص رہیں کہ وراثت سے تو مومنین کے ساتھ یہ نعمتیں حیات دنیا میں اس طرح خاص ہیں کہ وہ ان کو اس طرح پر قس کہ وہ قیامت میں بھی کہ وراثت سے خاص رہیں اور ان سے وہاں کوئی ضرر نہ ہو اور کفار جو ان چیزوں کو برستے ہیں تو وہ اس قید سے نہیں برستے ہیں خالصہ یوم القیامہ کے صدق مومنین ہی ہیں جو برستے ہیں یہ قید بھی طوار کھتے ہیں پھر جو اس کی ترمیم کا اعتقاد رکھے اس کی اللہ تعالیٰ ہی رحمت فرماتے ہیں پھر آگے فرماتے ہیں کہ اور کوئی چیز یہ ممنوع ہیں قل انما حرم ربی الفواحش ما ظہر منها وما بطن والاثم والبیہوی بغیر الحق وان تشرکوا باللہ ما لم یبزل بہ سلطانا وان تقولوا علی اللہ ما لا تعلمون فرض ان سے بچ کھانے پینے سے کہنے سے منع کیا ہے کھینچے قرآن کی ترمیم ہے تو اس تعمیر کے کھینچنے سے پہلے خالصہ یوم القیامہ کی ترکیب میں میں بہت پریشان تھا اللہ کا شکر ہے کہ نہایت آسانی سے کھو میں آ گیا کہ مومنین کی انھیں اس قید کے ساتھ ہے کہ ان کے لئے قیامت کے روز بھی یہ نعمتیں کہ وراثت سے خالی اور یہ نظر ہوں گی یہ بات اور کہ کو نصیب نہیں ہیں یہ حال ہے اور حال قید ہوتی ہے حال کی جس کی کوئی ترمیم بھی گزری وہ بطلان کی یہ تحقیق قرآن مجید سے ہے تو ان پر یہ شب کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ مطلقاً قلیل رہا سے منع کرتے ہیں مگر اس پر بھی مضمون کی یہ حالت اور جہالت ہے کہ دنیا میں کوئی کی

ہو کر لی کوئی بھی کوئی باقی ہو برہملا کر کھلو ہیں ہی کے ذمہ تو رہے ہیں اس وہی شکل صادق آتی ہے کہ اسے گا کوئی اپنے گا کوئی انھیں اہل علم کو اس ملامت سے سب سے پرگز نہ کرنا چاہئے بلکہ جس کو کہتا ہوں کہ خوش ہونا چاہئے کیونکہ تجربہ ہے کہ ملامت سے آدمی دین میں زیادہ پختہ ہو جاتا ہے اس لئے کہ میرے خدو اور بیچ انسان کا طبیعتی امر ہے۔ جب چاروں طرف سے لڑا جاتی ہے تو اپنی بات کی جگہ پڑ جاتی ہے کہ اب تو سبھی کریں گے اس لئے تو میں کوئی ملامت سے ملنا کھول گیر نہ ہونا چاہئے اس سے ان کا دین پختہ ہو جائے گا۔ میں نے تو اسی ملک پر نظر کر کے ایک خاص علاج کیا تھا جس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ ایک بریلی کے خان صاحب کا پانچویں گڑھ کاٹج میں پڑھا تھا۔ خان صاحب نے میرے سامنے اسے پیش کیا کہ یہ نماز نہیں پڑھتا اس کو بھلا دیجئے ہمیں نے بلا کسی تحید کے صادق اور سچائی کے ساتھ پوچھا کہ بھائی تم نماز کیوں نہیں پڑھتے تو اس نے بے غلط کہا کہ کج کہوں میں نے کہا ہاں جی کی کہ وہ کہنے لگا بات یہ ہے کہ میں خدائی کا کمال نہیں نماز کسی کی چھوٹ اور اس کہنے کے ساتھ ہی وہ نے لگا اور کہنے لگا کہ اس کے سامنے خود میرے والدین ہیں جنہوں نے شروع ہی سے مجھے انگریزی میں لگا دیا اور دین کی کوئی تحقیر ہی نہ دی میں نے خان صاحب سے کہا کہ انٹی آپ تو نماز کو لئے پھرتے ہیں اس شخص میں تو ایمان بھی نہیں پہلے اس کے ایمان کی فکر کیجئے خواہ بے لادری ہی ہے۔ وہ بہت پریشان ہوئے اور کہنے لگے کہ اس کا کیا علاج نہیں نے کہا کہ اس کا علاج تو ہے لیکن اگر اس کی لم نہ پھگی چاہے اور بلا دلیل اس پر عمل کیا جاوے تو بتائیں انہوں نے یہ شرط بیان لی میں نے کہا کہ ان کو ملی گڑھ کاٹج سے ہٹا کر کسی سرکاری سکول میں داخل کر دیا جاوے چنانچہ انہوں نے یہی کیا تقریباً سال بھر کے بعد پھر وہی بریلی جانے کا اتفاق ہوا وہ پھر لے کر بیان کیا کہ اب وہ لڑکا پکا چھرا اور نازی ہو گیا اس وقت خان صاحب نے مجھ سے کہا کہ اب تو اس کی جہت تیار کیجئے میں نے کہا کہ ملی گڑھ کاٹج میں تو سب آزاد خیال مسلمان ہی لڑکوں کا مجمع تھا آزادی سے جو چاہتے تھے بکے دیتے تھے۔ اسلامی کے جذبہ کا کوئی محرم نہ تھا جب سرکاری سکول میں داخل ہو گیا تو وہاں زیادہ تر ہندوؤں کے لڑکوں سے ملتا پڑتا اور ان میں عادت پھیل چھڑا کر ہوتی ہے وہ وہی انگلو اسلام کے خلاف کرتے تھے۔ یہ حیرت فوری میں جواب دیتا تھا اس خد میں آ کر یہ دین پر پختہ ہو گیا اس کو کب تک خان صاحب کہنے لگے کہ کتنی ہاں یہ ہی واقعہ بھی ہے پھر تو یہاں تک کہ بہت ہنسی کہ اس نے مجھ سے بیعت ہونے کی درخواست کی گو میں نے مرید نہیں کیا کیونکہ میں انکی جلدی کسی کو بیعت نہیں کیا کرتا مگر وہ یہاں تک پہنچ گیا تھا تو میری ہی پر نظر ہو گئی کہ انسان کے اندر بیچ کا مادہ ہے چنانچہ اس موقع پر یہ بیچ ہی کام آئی جو ملامت اور اعتراض سے ابھری تو ملنا ہو گئی جہلاء کے ملامت سے چل نہ ہونا چاہئے اور اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی دیکھو یہ ہے کہ اس کے لئے جو تجویز تاجی وہی دین میں آئی حالانکہ بظاہر یہ اپنی ہی

ہوتی تھی اور اہل اہل دوسروں کی کچھ شے نہیں آ سکتی تھی اسی لئے میں اس پر تعزیر یا ایک بات بھی کہا کرتا ہوں کہ میں پر احسن وہ اس سے نکل نکال نہیں کرنا چاہئے کہ اس کی کیا وجہ اس کی کیا وجہ اگر میں میں طیب سے ہر قسم کی وجہ پر مجھے کا تو طیب بدل ہو جانے کا اہلیت اگر کسی طیب پر احسن نہ ہے تو اس کو چھوڑ دو جو تو رائیں نہیں اس سے ہر مردہ کی وجہ پر چھٹا ہاں بلکل خلاف معمول ہے اور ہرگز مناسب نہیں اب آپ اسی علاج کو دیکھئے جو اس لڑکے کا میں نے کیا تھا آپ مٹھا دیکھئے اسے میں تو میں یہ علاج میں اس کی مرض کی لم جو تب ہفتہ کچھ میں آ سکتی تھی مگر یہ بھی نہیں ہے کہ ہر یکہ اسی علاج کو دے گئے لیکن جب یہی علاج سحر بھی ہو جاتی ہے یہ طیب ہی کا کام ہے کہ نہیں دیکھ کر ذوقی طور پر مرض کی تشخیص کرے تشخیص ایک ذوقی چیز ہے اسی طرح امراض و معالی کی تشخیص بھی ایک ذوقی چیز ہے۔ (احادیث صحیحہ ص ۱۰۹)

وَمَا أَدْنَىٰ أَضْحَبُ الْأَعْرَافِ بِجَا لِيَعْرِفُوهُنَّ بِفَعْلِهِمْ وَالْوَمَا أَعْنَىٰ
عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا لَكُمْ لَكُمْ تَسْتَكْبِرُونَ

ترجمہ: اور پکاریں گے اعراف اہل ان کو کہ ان کو پہچانے ہیں ان کی نشانی سے کہیں گے
نکام آئی تمہارا سے عداوت تمہاری اور جو تم تکبر کہا کرتے تھے۔

تفسیری نکات

اہل اعراف

ہر حال قرآن مجید پر نازل ہوا ہے کہ ان کے سوا کسی کا ترکو خطاب خلیف نہیں ہوگا کیونکہ انہوں میں خلیف وہی ہے جس کی ہدایت ہو سکے اور وہیں ہدایت نہیں ہوگی۔ اسی میں کو پہنچا کسی کا بھی خطاب نہ ہوگا۔ نیز یہاں دیا میں تو کسی کو کوئی خلیف زیادہ دوس سے ہوتا کہ انہوں کے بعد ایک حادثہ کی ہو جاتی ہے اس سے ہدایت ہونے لگتی ہے مگر وہاں یہ بھی نہیں ہو سکتی۔ ﴿لَا تَجِدُ أُمَّةَ مُّذِنَ لَكُمْ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ ﴿لَا تَجِدُ أُمَّةَ مُّذِنَ لَكُمْ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ ﴿لَا تَجِدُ أُمَّةَ مُّذِنَ لَكُمْ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ وہاں ایک کمال ہی نہ ہے کہ جہاں ایک کمال ہی سوا دوسری کمال ہی پیدا کرنا جائے گی تاکہ احساس زیادہ ہو ہر کوئی کمال ملنے ملنے حادثہ ہو جاتی ہے کہ خلیف نہ ہوتی مگر وہاں تو یہ بھی نہیں آ کے تبدیل کی ہو جلاتے ہیں ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْعَذَابِ﴾ تاکہ عذاب کو دیکھیں کہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔ ﴿ذَٰلِكَ عَذَابُكَ الَّذِي تَوَفَّى الْعَذَابِ﴾ یعنی عذاب زیادہ ہی ہوتا چاہے جائے گا مگر یہ بھی شیعہ و ائمہ کا فرق ضرور ہوگا کوئی خلیف مشرک ہوتا کسی مسلمان کی نیکیاں جو کا ترکو نہیں کی یہ نہیں کہ وہ محبت اور ہے کارہوں کی نہیں ہر چیز کا ایک اثر ہے ان سے عذاب میں کچھ کی

ہوئی مگر اس کی سزا وہ عقوبت نہ ہوگا لہذا اس کا پہلا ہوا اس کا پہلا اور اگر مسلمان کو یہ ننگی ٹانگی تو قطع ہوتا اس واسطے کہ قیامت میں جن جن قسم کے لوگ ہوں گے ایک وہ جن کی ٹانگیں لڑ پڑا رہی ہوں اور بدی کم ہو وہ تو چلتی ہے اور ایک وہ جن کی ٹانگی کم اور بدی زیادہ ہو وہ چلتی ہے۔

تیسرے وہ جن کی ٹانگی اور بدی دونوں برابر ہوں گی وہ اہل اعراف ہیں چنانچہ ان میں اس سے مراد یہ ہے وہ فرماتے ہیں اہل اعراف وہ ہیں کہ من المستوف حسنہ وسبہہ چند روز اعراف میں رہ کر ان کی اجابت ہو جائے گی کیونکہ جب بہت سے اہل ناک نہایت بے نیکی اور وہ جنت میں داخل ہوں گے تو اہل اعراف کو تو بد چاہی نہایت داخل جنت ہونا چاہیے۔

کفار ذی اخلاق کے اہل اعراف ہونے کی کوئی دلیل نہیں

بعض لوگوں نے بلا دلیل کہہ دیا کہ اعراف میں کفار ذی اخلاق جائیں گے اور ان میں سے نو شیر و اس اور رحم اور حاتم کو بھی شمار کر لیا ہے کیونکہ نو شیر و اس عادل تھا اور رحم شجاع اور حاتم کی سخاوت کے سب ہی مستحق ہیں مگر یہ سب وہابیات ہے اس کی کچھ اصل نہیں ہے رحم میں اول تو جو کہ کمال ہے صرف شاہ شاہ اس کی دلیل ہے نو شیر و اس شاہ شاہ اس نے اس کا بیٹا کیا ہے کہتے ہیں کہ

منش کرد ام رحم پیلوں و گرنہ بے بود در بیجاں

تو اس کے کمال کی حقیقت اس شعر ہی سے ظاہر ہے کہ رحم کس قدر شجاع تھا دوسرے شجاعت کا قطع تو عادل سخاوت کے برابر بھی نہیں اب عادل سخاوت کو نو شیر و اس کی بابت کہا جاتا ہے کہ بڑا عادل تھا تو دیکھنا یہ ہے کہ عادل کہتے کس کو ہیں عادل کے معنی ہیں حقوق کو حدود پر رکھنا پھر یہ دیکھو کہ حدود کیا ہیں حدود وہ ہیں جن کو خدا اور رسول نے حکماً ہے کیونکہ ان کے خلاف ہے ہم کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ حدود ہیں یا نہیں تو جو ان حدود سے تجاوز ہو گا وہ عادل نہیں بلکہ ظالم ہے اس کو عادل کہنا کسی طرح صحیح نہیں ہاں ظلم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ظالم ہند ظلم دوسرا ظالم بقاعدہ ظلم تو اگرچہ نو شیر و اس ظالم ہند ظلم تو نہیں مگر عادل بھی نہیں ہاں یہ کہہ سکتے ہو کہ نیت سے عادل تھا اور عمل سے ظالم تو نیت سے حقیقت تو نہ بدلی رہی سخاوت حاتم تو اس کے مخالف کوئی روایت سب تک نظر سے نہیں گذری۔

اتفاق کے لئے محل کا ہونا ضروری ہے

لیکن یہ دیکھنا چاہئے کہ سخاوت کی حقیقت کیا ہے یا مطلق اخلاق سخاوت ہے یا اس کا کوئی محل بھی ہے اگر اس کے لئے کوئی محل نہیں تو اگر وہ اس کوئی شخص ایک لاکھ روپے بھیکے تو کیا اس کو بھی ملے گی کہ وہ مالک

اس کو کوئی تھی نہیں کہتا بلکہ جاہل محض سمجھتے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ افعال کے لئے کمال کا ہونا ضروری ہے اگر کمال میں شریعت ہوتی تھی ہے۔ والا لفظ اور کمال معلوم ہوتا ہے شریعت سے جب اس کو کمال ہی معلوم تھا اور شریعت کی اس کو شریعت تھی تو وہ کئی کیسے ہوا میں اول تو وہ کئی نہیں اور اگر ہو بھی تو کیا ہوا جب باقی تھا اور باقی کا کوئی کمال کمال نہیں مجرور و صلات کس کام کی دیکھتے اب جو شورش ہوئی تھی اس میں اگر کوئی باقی ہوا اور وہ بہت بڑا تعلیم یافتہ و شجر عالم ہو تو کیا سرکار کے نزدیک اس کے کمال کی کوئی بدھت ہوئی تھی ہرگز نہیں بلکہ اس پر تو روزِ یادہ فیض ہوا کہ جان ہو جو کہ اس نے بدھت کی ایسے ہی جو خدا تعالیٰ سے بنات کرے اس کا کوئی کمال مقبول نہیں جب تک کہ ایمان نہ ہو مجرور و دوزخ سے کیوں بچے گا اور جب اس سے نہ بچا پھر اعراف میں کیوں جائے گا جس اعراف میں تو وہی لوگ جائیں گے جن کو دوزخ سے نہایت الٹ چلے گا اور جنت میں جلدی جانے کا سرمایہ پاس نہیں چنانچہ ان مہاشاں سے روایت ہے جہاں یہ مذکور ہوئی اور وہ روایت غیر مدحک باقی اس ہے اس لئے وہ ہم میں صرف فرما کے ہے اور اہل اعراف کی حضرت کی ایک عام دلیل تو اوپر مذکور ہوئی ہے کہ جب اہل مدح کی حضرت ایمان کے سبب ہو جائے گی تو اہل اعراف کی بدھت ہوئی ہوگی دوسری خاص دلیل قرآن کی ایک آیت ہے ایک خاص تفسیر پر وہ یہ ہے وَكَانَ فِي الْقُفُوفِ وَكَانَ فِي الْقُفُوفِ وَكَانَ فِي الْقُفُوفِ وَكَانَ فِي الْقُفُوفِ اعراف پھر میں گے چند لوگوں کو جن کو وہ بچاتے ہیں ان کے نشان سے اس کے آگے ہے۔ وَكَانَ فِي الْقُفُوفِ وَكَانَ فِي الْقُفُوفِ وَكَانَ فِي الْقُفُوفِ وَكَانَ فِي الْقُفُوفِ اہل اعراف کو کہا جائے گا کہ جنت میں چلے جاؤ تو وہ جنت میں چلے جائیں گے علماء نے اس تفسیر پر بھی تفسیر نہیں کیا تو ہم تفسیر (انکار نہ کرنا) سے اعلان ہو گا ان کے دخول جنت پر یہ مضمون مناسبت کے سبب مذکور ہو گیا اس سے پہلے میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر کسی مسلمان کو تنگی ملے تو حیران اپنے ایک بھائی کا تو بھلا ہو گیا لیکن ہے کوئی مسلمان ایسا ہو جس کے حسرت و رجعت برابر ہوں اور وہ ایک تنگی تم سے لے کر بہشت میں فرما چلا جائے گا۔ چنانچہ قیامت میں ایک شخص ایسا بھی آئے گا جس کی تنگی بدی یا نکل برابر ہوگی کہ اگر ایک تنگی مل جائے تو وہ خود را جنت میں چلا جائے وہ سچو وہ سب کے پاس جائے گا کوئی اسے تنگی نہ دے گا کہ حیران تو ایک تنگی کی کی وجہ سے یہ حال ہے اور یہاں تو کتنے گناہ کے انبار ہیں ہم پر نہ معلوم کیا کیا سمجھیں آنے والی ہیں ہم کیونکر تنگی دے دیں آفراس کو ایک شخص صاحبِ درد ملے گا وہ کہے گا کہ میرے پاس کل ایک ہی تنگی ہے اس کو تو ہی لے جا کیونکہ جب حیران ایک تنگی کے کم ہو جائے سے کام نہیں چلا پھر میرا ایک تنگی سے کیا بھلا ہو گا مجھے معافی کے مقابلہ میں لے بھائی اسے تو ہی لے جا حیران تو بھلا ہو جائے وہ تنگی لائے گا اور جنت میں چلا جائے گا اس واقعہ میں اس دینے والے کی بھی اس عداوت کی وجہ سے بخشش ہو جائے گی کیونکہ اس نے بہت بڑی ہمت

اور حدود کی تو دیکھو ایک نیکی کے مل جانے سے وہ مسلمان پار ہو گیا فرض وہاں پر نیکیاں مومنین کے کام آئیں گی کفار کو کچھ کام نہیں کی اس کا یہ مطلب نہیں کہ لہذا کفار کے حق دہانے کی بجائے مسلمانوں کے ہاں چوری شروع کر دو بلکہ مطلب یہ ہے کہ چوری دعا بازی تو مسلمانوں کے مال میں بھی کرنا بہت بری بات ہے مگر کفار کے مال کی اس سے بھی زیادہ برا ہے۔

قرآن حکیم میں صرف دو فریق کا ذکر ہے

فرمایا ہوا اس سے بھی صاف لکھے کہ فریق فی الجنة و فریق فی السعير ایک فریق جنت میں ہوگا ایک فریق دوزخ میں ہوگا تو دو فریق فرماتے ہیں تیسرا فریق نہیں فرمایا اور یہ جتنی ہے کہ دوزخ سے بچے رہیں گے قواب اگر دوزخ میں نہ ہوں تو تیسرا فریق ہو گا لازماً تاہم وہ فریق فی الجنة (جنت کے فریق) میں داخل ہوئے نہ فریق فی السعير (دوزخ کے فریق) میں اب وہی یہ بات کہ بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ اعراف میں بھی رہیں جس تیسرے فریق کا بھی ثبوت ہوا مگر یہ شبہ بہت جلد اٹل ہو جائے گا کیونکہ اسی مقام پر فرماتے ہیں ادخلوا الجنة لا خوف علیکم ولا انتم تحزنون (تم جنت میں داخل ہو جاؤ تم پر کوئی خوف نہیں نہ تم رنجیدہ ہو گے) اس میں دو تفسیریں ہیں۔ ایک تو وہ جو میں اختیار کرتا ہوں کہ یہ اہل اعراف کا قول ہے اور دوزخیوں کو چڑانے کے لئے اہل جنت کے بارہ میں کہیں گے۔

اہل اعراف امیدوار جنت ہوں گے

اعولاء الذین المسلم لا ینالھم اللہ برحمۃ (کیا یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارہ میں تم حسنین کھاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کرے گا۔ فیصل لہم ادخلوا الجنة انہ دیکھو انہیں تو یہ کہہ دیا گیا کہ تم جنت میں چلے جاؤ تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم رنجیدہ ہو گے دوسرا ایک قول اور ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے اہل اعراف کے لئے ادخلوا الجنة یعنی تم بھی جنت میں داخل ہو جاؤ سو اس آیت میں تو دونوں احتمال ہیں مگر میں دوسری آیت سے استدلال کرتا ہوں فرماتے ہیں ینالھما حبیب و علی الاعتراف و رجال یمصرفون کلا بسیماہم و نادوا أصحاب الجنة ان سلام علیکم لم یدخلوا ہا و ہم یطمعون (ان دونوں کے دو درمیان ایک آواز ہوگی پھر اعراف کے لوگ بہت سے آواز دیں گے وہ لوگ ہر ایک کو ان کے قیاد سے پہنچائیں گے اور جنت والوں کو پکار کر کہیں گے السلام علیکم ابھی یہ اہل اعراف جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے اور اس کے امیدوار ہوں گے) اس سے معلوم ہوا کہ اہل اعراف کو جنت میں داخل ہونے کی امید ہوگی اور عالم آخرت عالم انکشاف حقائق ہے وہاں غلط امید نہیں ہو سکتی دوسرا استدلال اور ہے کہ سورۃ

حدیث میں ہے: **مُضَرَّبٌ بِهِمْ بِسُورَةِ بَابِ بَاطِلَةٍ لِيَهِيَ الرُّحْمَةُ وَظَهْرُهُ مِنْ لَيْلَةٍ الْعَلَابِ (مُحَرَّر)**
 کے درمیان ایک دیوار قائم کر دی جاوے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا کہ اس کے اندر وہی جانب میں رحمت
 ہوگی اور بیرونی جانب میں عذاب ہوگا۔

اہل اعراف

مگر اس سے قبل سمجھئے کہ حدیث میں ہے کہ تمہی قسم کے لوگ ہوں گے ایک وہ کہ ان کے حسابات زیادہ ہوں
 گے حیثیات سے قدر جنت میں جائیں گے ایک اعراف میں ہوں گے اب سنئے۔ **بِسُورَةِ بَابِ الْوُضُوءِ** نے
 بلا عذر اعراف کہا ہے تو اس کے دوزخ میں ایک طرف عذاب ہے اور ایک طرف رحمت ہے تو وہاں دونوں طرف
 کا اثر ہے اب دوسرا مقدمہ سمجھئے کہ موت میں سے جو چاہیے کہ وہ گناہوں کی مرافقے کے بعد جنت میں چاہیے
 گئے تو اہل اعراف جو ان سے پہلے حلف ہیں وہ کیوں جنت میں نہ چلیں گے اور گنہگاروں کی مرافقے میں سو رہی ہے جو
 صالح ہوں ہیں اس کے ہم بھی قائل ہوں گے کہ ان میں بھی قسم کے لوگ ہوں گے اس میں سے ایک قسم
 کے لوگ وہ بھی ہیں جن کے حسابات و حیثیات برابر ہوں گے اور وہ اہل اعراف میں ہوں گے مگر یہ کہ ان کے بعد
 پھر جنت میں چلیں گے اور اعراف کے تعلق یا ایک اور بات یاد آئی جو مقام میں مشہور ہے اور بالکل غلط ہے کہ
 رحم اور شیریں اور حاکم طائی یہ سب اعراف میں ہیں کے لوگوں کی بھی عجیب حالت ہے چاہیے کہ اس میں سے جو
 چاہے ہیں کہہ دیتے ہیں گویا یہی ملک کے حاکم ہیں کہ ان کے اختیار میں ہے جس کو چاہیں بھیج دیں خوب کہہ دو کہ
 اگر ان کا خاتمہ کفر رہا ہے تو محض جہنم یا شہادت یا عدالت کی وجہ سے جنت کے تعلق نہیں ہو سکتے کسی کے
 اندر کتنی ہی خبریں خوبیاں ہوں جب تک ایمان نہ ہوگا کیا ہیں۔ سمجھئے یہ شعر یاد آتا ہے۔

شاید آں نیست کہ مونس و مہمانے دارد بندہ طاعت آج باش کر آنے دارد

(محبوب وہ نہیں جو مہمانی کر اور مہم جو بال نہ کہتا ہو بلکہ جو یہیت ایک آن اور ادا میں ہوتی ہے)

آج کل بعض لوگ کفار کی ظاہری خوبیاں دیکھ کر ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کو ذلیل سمجھتے ہیں مگر سمجھئے کہ ان کا
 ایک ایمان سب کے مقابلہ میں ہے ان میں ایک ایمان کی آن لٹکی ہے کہ ان کے مقابلہ میں ہزاروں کی ساری
 خوبیاں بچ ہیں کیونکہ

شاید آں نیست کہ مونس و مہمانے دارد بندہ طاعت آج باش کر آنے دارد

(محبوب وہ نہیں جس کے مہم جو بال اور پکی کر ہو بلکہ محبوب وہ ہے جس کے ایک آن اور ادا ہو)

(ابا جنت الدائمہ ملحقہ مواظبا جلد)

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ

ترجمہ: یا اے مہرِ حق کے لئے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا بڑی برکت والا ہے اللہ جو سب سے بڑے جہاں کا۔

تفسیری نکات اصطلاحات قرآن

اس میں اٹارہ صبیحہ کے لئے ہے اور رات کو صبح کے لئے مقدم کیا گیا ہے کیونکہ قیامِ حق اور غیرِ حق کو مفید ہے اور خلقِ دوسری تفسیر کا ظاہر ہے خلق کے معنی پیدا کرنا اور امر کے معنی حکم کرنا حاصل ہے جو اگر کوئی بدعت و مکرر احکام کے تصرفات اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں وہی خالق ہیں وہی حاکم ہیں پس ہر قسم کے تصرفاتِ انبی کے لئے مخصوص ہیں یہ قدرت کے اعتبار سے خلقِ دوسری تفسیر ہے جو ظاہر بھی ہے اور چھپی بھی مگر بعض لوگوں میں یہ عرض ہے کہ وہ اپنی اصطلاحات کو قرآن میں ٹھونٹتے ہیں یہ بڑی جہالت ہے چنانچہ صوفی کی ایک اصطلاح ہے عالمِ مادی کو عالمِ خلق کہتے ہیں اور مجردات کو عالمِ امر جس کی تحصیل یہ ہے کہ تجردِ عالم کے بارہ میں تین مذاہب ہیں حاکمین کے یہاں تو اشیاءِ عالم میں مجرد کوئی نہیں سب مادی ہیں اور ملائکہ کے نزدیک بعض اشیاء مجرد بھی ہیں اور زیادہ مادی ہیں مگر مجردات کو قندیم کہتے ہیں تیسرا مذہب صوفیہ کا ہے کہ عالم میں بعض اشیاء مجرد بھی ہیں اور مادی بھی مگر سب حادث ہیں کوئی مجرد قندیم نہیں حاکمین نے نئی تجرید پر یہ استدلال کیا ہے کہ تجرود انھیں صفاتِ باری تعالیٰ سے ہے حکماء و صوفیہ نے اس مقدمہ کو رد کیا ہے اور کہا ہے کہ اس قول میں خود معاد اور علی اسلوب ہے کہ چنانچہ تم کسی شے کو مجرد نہیں مانتے اس لئے تجرود کو انھیں صفات سے کہتے ہو ورنہ اس مقدمہ کی کوئی دلیل نہیں صوفیہ و حکماء کہتے ہیں کہ انھیں صفاتِ باری سے وجوب بالذات ہے واجب بالذات بجز حق تعالیٰ کے کوئی نہیں اور مجرد میں ظاہر و باطنیات میں بھی ہیں مگر صوفیہ اور ملائکہ میں فرق یہ ہے کہ صوفیہ مجردات کو حادث مانتے ہیں اور ملائکہ قندیم کہتے ہیں بیہر حال صوفیہ کا مذہب یہ ہے کہ بعض ازاد عالم مجرد ان اللہ ہیں چنانچہ دروغ کو رد کیا کہتے ہیں اور اس کے علاوہ انسان میں بعض لطیفہ ان کو رد کثرت ہوئے ہیں اور ان کے نزدیک حقیقت انسان ان مجردات اور جسدِ مادی سے مرکب ہے ان ملائکہ کو بھی صوفیہ نے مجرد کہا ہے اور یہ ان کو کثرتِ محکم سے معلوم ہوا ہے بجز کثرت کے اس کی اور کوئی دلیل نہیں مگر ان میں نفسِ مادی ہے کہنے حالِ فی اللہ ای اس کو ملائکہ میں تھلپا یا شمار کر لیا ہے نیز صوفیہ نے فرمایا ہے کہ ان کا مقام فوقی اعراض ہے اور اس کا یہ

مطلب نہیں کہ فوق العرش انکا جہ ہے تاکہ گرد کے لئے مکان و جہ لازم آئے بلکہ فوق العرش سے مراد یہ ہے کہ ان کا کوئی مکان نہیں تو جہ اس مراد کی یہ ہے کہ عرش مسمیٰ ہے منکھ کا اور فوق کے لئے خارج ہونا لازم ہے پس فوق العرش کے معنی یہ ہوئے خارج عن الامکان باقی رہی یہ تحقیق کہ وہاں عرش مکان تو نہیں لیکن پھر کیا ہے آیا خلا ہے یا خلا بھی نہیں تو دونوں امر ممکن ہیں لیکن علماء نے جادہ لیل دعویٰ کیا ہے کہ حدود جہات کے احرنہ خلا ہے نہ ملاخلاق اس لئے نہیں کہ محال ہے اور یہ دعویٰ خود جادہ لیل ہے اور اس لئے نہیں کہ ہم کو اس کی ضرورت نہیں یہ جہبہ لیل ہے کہ جس شے کی آپ کو ضرورت نہ ہو وہ معدوم محض ہے یہ حال ہے ان کے دلائل کا جو مضحکہ خیز ہیں فرض صوفی نے عالم کی تقسیم بحرہات و مادیات کی طرف کر کے یہ اصطلاح مقرر کی ہے کہ بحرہات کو عالم امر سے تعبیر کرتے ہیں اور مادیات کو عالم خلق کہتے ہیں سو قول تو یہ ایک اصطلاح ہے دلائل مشابہتی اصطلاح لیکن اس قسم میں ایک مبالغہ بھی ہے وہ یہ کہ خلق کے سنی لغت میں مادہ میں صورت پیدا کرنا اور اس کے مقابل ہے ابدار یعنی خود مادہ کو پیدا کرنا جس کا ذکر اس آیت میں ہے یدبغ السموات والارض چنانچہ اس کے متصل ہی والذالضی نور اللہ تعالیٰ یقول لا یکن لہ کن لیکون اس پر دلائل کردہ ہے کہ یہ تعداد محض کن سے ہے اس میں مادہ کا تو نہ نہیں اور اللہ تعالیٰ تو مادہ کے بھی خالق ہیں اور صورت و کیفیت کے بھی باقی مادہ میں صورت بنانا یہ ایک وجہ میں مادہ سے بھی ممکن ہے چنانچہ نباتات و اعیانہات میں بھی ہوتا ہے کہ مادہ کے اندر نئی نئی صورتیں پیدا کی جاتی ہیں مگر مادہ کا خالق سوائے حق تعالیٰ کے کوئی نہیں اسی واسطے قرآن میں تھا کہ اللہ احسن الماکتھن فرمایا ہے احسن المبدعین نہیں فرمایا کیونکہ مبدع بحر اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں بہر حال مادیات کو عالم خلق اس لئے کہا کہ ان کا وجود مادہ اور صورت کے ملنے سے ہوا ہے ان میں مادہ اور صورت کی ترکیب ہوتی رہتی ہے اور بحرہات کو عالم امر اس لئے کہا کہ ہاں مادہ اور صورت کی ترکیب نہیں اس کا وجود صرف کل امر اور خلق کو متعلق نہیں لایا گیا ہے یہ قرینہ ہے اس کا کہ امر سے مراد امر مگر ہی نہیں بلکہ بحر میں ہے یہاں تک الحمد للہ الا لا الخلق والامر کی تعبیر تو واضح ہوگی۔

علمی اشکال

اب میں تحیم نامہ کے لئے اس کے بعد کی آیات کی بھی تعبیر کرتا ہوں کیونکہ ان کو اس مضمون کی تنظیم میں داخل ہے اور اس سے پہلے ایک شبکہ جو کلام سابق کے حقیقی ہے دفع کرتا ہوں جو کہ خلق جہ وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ جو معدوم کو موجود کرتے ہیں تو اس کی صورت دوسری آیات میں یہ وارد ہے کہ کن کہہ یا اور موجود ہو کیا تو کن میں خطاب کس کو ہے کیا معدوم کو امر ہے میرے پاس ابھی ایک خط آیا تھا جس میں یہ سوال تھا کہ کن

کس کو کہا جاتا ہے میں نے اس کو یہ جواب گھوٹا کر

بے آزدی خود ایک اندازہ خواہ کرنا چاہو کہ ایک رنگ کا

یعنی سوال اپنی حیثیت کے موافق کرنا چاہئے یہ سوال تمہاری قابلیت سے زیادہ ہے مگر اس سے کوئی بہ نہ
 کہے کہ یہ سوال لا جواب ہے گا جواب نہیں لکھا کہ آپ اپنی قابلیت کے بعد ہم سے کہیں کہ لا جواب (لا امرکا
 میثہ یعنی جی نہیں کہ اس میں صنعت کی رعایت ہے) تو ہم اس کا جواب دیں گے کہ موجود ملی کو یہ خطاب کیا گیا
 ہے کہ موجود خارجی ہو جا۔ یعنی جرحی خارج میں معدوم ہے وہ معدوم محض نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں
 موجود ہے پس ایجاد کو معدوم کا ہے اور خطاب اس شے کا ہے جو موجود ہے اور اس جواب کی ضرورت ایجاد
 اول میں ہے اور ایجاد جانی یعنی قیامت کے بعد و آخر میں تو خطاب انکی شے کو ہے جو موجود خارجی بھی ہے اور
 ملی بھی کیونکہ قیامت میں جو عالم معدوم ہو گا تو وہ معدوم محض نہ ہو گا بلکہ ہم خاص ہو گا۔ کہ صورت عالم دنیا ہو
 جانے کی بارہ ہوتی رہے گا اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم محض محال محلی ہے ہرگز نہیں ہم محض بھی حق تعالیٰ کی
 قدرت سے خارج نہیں اس پر بھی قادر ہیں کہ صورت بارہ دونوں کو فنا کروں، مگر ایجاد کروں، جیسا ایجاد
 اول میں ہوا مگر عاقلہ علی ہی واقع ہے کہ ایجاد اول کے بعد وہ موجود کو معدوم محض نہیں کرتے یہ عادت نہ
 انصاف سے معلوم ہوتی کہ قیامت میں جو عالم فنا ہو گا وہ فنا سے صورت ہے نہ محض نہیں چنانچہ ایک حدیث میں
 اس طرف اشارہ ہے ان الانسان یفنی ولا یفنی عنہ شئی الا حب اللہ (تو کا قال) کے انسان
 کے کل اجزا فنا ہو جائیں گے مگر جو بے حدی فنا نہ ہوگی قیامت میں اسی ہڈی سے انسان کا قیام قائم رہے
 جانے گا جیسا کہ محض سے درشت پیدا ہو جاتا ہے گویا یہ جزو بحر لقم کے ہے شاید کسی کو شبہ ہو کہ جب انسان کو
 جلا دیا جائے گا جیسا کہ بعض اقوام مردہ کو جلاتے ہیں تو اس وقت تو ہڈی بھی راکھ ہو جاتی ہے اس کا جواب یہ
 ہے کہ اول تو مسلم نہیں کہ سب ہڈیاں راکھ ہو جاتی ہیں کیونکہ سر گھٹنوں میں ہڈیاں جناب ہوتی ہیں اور پاں بھی لیا
 جانے تو ہم کہیں گے کہ ہڈیوں کی راکھ میں جو جزو بحر لقم کے ہے وہ قیامت تک محفوظ رہے گا مگر ممکن ہے
 کہ وہ فنا چھوٹا ہو کر محض بھی نہ ہوتا ہو جیسا جزو لا حقوی معدوم ہے تو یہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ موت یا
 قیامت سے فنا محض نہ ہوگا۔

خلق و امر

فرمایا اِنَّ رُبَّ عَالَمٍ مِّنْ عَالَمٍ مَّا كُنَّا نَخْلُقُہٗ لَیْسَ لَہٗ اَمْرٌ اِلَّا بِاِذْنِیْ وَہُوَ یَعْلَمُ سِرَّیْ ہُوَ الَّذِیْ یُخْلِیْ لَیْلًا وَیَخْلُقُ نَہَارًا
 پیدا کرتا ہوں رُبُّ اللہ تعالیٰ ہی مخلوق میں اور عالم میں امر کا چاہی ہوتا یعنی اللہ تعالیٰ ہی تخلیق و

وَالْأَنْعَامِ وَالْطُّعْمِ وَالْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ بِأَنفُسِهِمْ فِي حَقِّهَا وَإِنْ يَرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا فَلَهُمْ فِيهَا نِسْتَحْيُوا بِأَفْسَادِهِمْ فِيهَا وَتَوَلَّىٰ ۚ وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ لِّلْغَايِبِ لِقَاءَ رِجَالٍ لَّا يَعْلَمُونَ ۚ

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا
وَطَبَعًا إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٧٣﴾

ترجمہ: اور ان میں سے جو لوگ اللہ کی رحمت سے ڈر کر اس کی راہ میں اصلاح کریں، ان کی رحمت اللہ تعالیٰ کی رحمت سے قریب ہے۔ اور ان میں سے جو لوگ اللہ کی رحمت سے ڈر کر اس کی راہ میں اصلاح کریں، ان کی رحمت اللہ تعالیٰ کی رحمت سے قریب ہے۔

تفسیری نکات

فساد فی الارض

اس میں ایک امر ہے اور ایک نہی انہی ہے۔ فساد فی الارض سے اور امر ہے طاعت کا اور ماموریت ہے۔ دعا سے اور دعا ایک فرد ہے طاعت کا بھی مراد طاعت ہے۔ بعض خصوصیات کی وجہ سے ایک فرد کو یہاں ذکر کیا گیا جو اکل مالہ ہاں اس وقت ان خصوصیات سے بحث کرنا خصوصیتیں ہیں اصل دعا یہ ہے کہ ان دونوں میں اور دعا کیا ہے جس کی وجہ سے دونوں نکال دینے کے حکم پر آپ جوڑی بات معلوم ہوتی ہے کہ فساد سے منع کر کے فرماتے ہیں اور خدا کا نام لیا کرو (عبادت کیا کرو) سو ان میں جوڑی بھی ہے کہ ایک سبب ہے اور اصل ہے اور دوسرے سبب اور فرما ہے یعنی عبادت سبب اور اصل ہے۔ فساد کا اس لئے فساد سے منع کر کے عبادت طاعت کا امر کیا گیا کہ فساد فی الارض سے بچنا چاہیے جو طاعت کا اختیار کو بس اصل خصوصیت اور وجہ ہے یعنی عبادت اس کی کہی سے فساد پیدا ہوتا ہے اور اس کی ترکی سے فساد و فساد یعنی اصلاح کو ترقی ہوتی ہے جس میں مصیبت و فساد میں باہم تعلق ہے اور طاعت اور اصلاح میں باہم اور فساد و فساد میں تعلق میں یکجہ و سادہ نہیں ہیں بہت کچھ تعلق بات ہے وہ یہ کہ عبادت صرف روزہ اور نماز ہی کا نام نہیں ہے عبادت جملہ نیک کاموں کو شامل ہے اس میں معاملات بھی داخل ہیں اور معاشرت بھی اور عادات بھی اور اخلاق بھی اگر یہ سب طریقہ پر ہر سے ادا کے چاروں یعنی اس طریق سے جس کی شریعت نے تعلیم کی ہے تو ان کا ادا ہی نتیجہ ہے کہ فساد نہ ہو اس لئے آگے اور وجہ سے بھی یہ کہ ایک چیز لائے ہیں اور فرماتے ہیں إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ یعنی رحمت اللہ تعالیٰ کی قریب ہے ان سے جو عبادت میں عمل احسان بھی اختیار کرتے ہیں احسان کے معنی دینے ہیں جو رحمت میں آئے ہیں کہ ان بعد اذ لہ کمال ہے یعنی خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر عبادت کرو جس کے لئے

ظفر خطا غلط ہے تو مطلب یہ ہوا کہ نری عبادت پر بھی یہ وعدہ نہیں کر دیتا قریب ہے بلکہ اس عبادت پر ہے جس میں غلطی محض ہو آپ انصاف سے دیکھیں کہ اگر ایک جماعت ملے گی جو سب کے سب غلطی محض کے ساتھ شریعت کی تعلیم کے معافی عبادت کے اور عبادت کے معاملات کے معاشرات کے اخلاق کے پابند ہوں تو کیا ان میں بھی فساد ہوگا یا کسی کو ان سے خلافت پہنچے گی ماثلاً کھوہ فریضہ ملت انسان ہوں گے اور کسی کو ان سے ان کا کوئی تو نہیں اور ہر معجز ہوں گے چنانچہ جو افراد اس کے مصداق ہوئے ہیں ان اہل اللہ ان کے معاملات تو ان میں موجود ہیں جن سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان کا وجود دنیا میں کیسا تھا کیا ان سے کسی کو تکلیف پہنچی تھی یا ان کا وجود باعث فساد تھا نہیں بلکہ ان کا وجود باعث رحمت اور باعث دفع فساد ہوتا ہے اسی وجہ سے عالم کا علم ان پر فساد ہوتا ہے اور ہر شخص کا قلب ان کی طرف کھینچا جاتا ہے یہ بات ان میں کا ہے سے بچا ہوئی اسی چیز سے جس کا نام عبادت و اطاعت ہے اس سے ثابت ہوا کہ طاعت کو دفع فساد میں ضرور ملے ہے اور فساد اسی کے ضد ہونے سے ہوتا ہے یہ طاعت ہوا لا تفسدوا اور والاعوا میں کہ طاعت کو قائل ہے دفع فساد میں۔

فساد اور اصلاح کا مفہوم

اب ان آیتوں سے اس کو ثابت کرتا ہوں تو سمجھئے کہ ان دو آیتوں میں یہ بھی مرشاد ہے کہ لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحہا اور یہی جزو ہے جو اس وقت مقصود بالہیابان ہے یعنی اصلاح کے بعد زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔

اب یہ دیکھئے کہ فساد کیا ہے اور اصلاح کیا ہے۔ اسی کے فیصلے کے لئے میں نے یہ دونوں آیتیں پوری پڑھ لی ہیں تاکہ یہاں وہاں سے اس کی تفسیر ہو جائے تو پہلے تو یہ فرمایا ہے کہ اُولَئِکَ الَّذِیْنَ یُکَلِّمُ اللّٰهُ اَوْ یُخَلِّیْہِمْ اور بعد میں یہ فرمایا کہ وَ الَّذِیْنَ یُکَلِّمُ اللّٰهُ اَوْ یُخَلِّیْہِمْ اور دعائیں اور احتمال ہیں یا تو دعا کے وہی معنی ہوں جس کو عرف میں دعا کہتے ہیں یا دعا کے معنی عبادت کے ہوں کیونکہ قرآن میں دعا کے معنی عبادت کے بھی آئے ہیں چنانچہ بعض نے اُولَئِکَ الَّذِیْنَ یُکَلِّمُ اللّٰهُ عَنِ الْوُجُوْہِ میں عبادت کے معافی لئے ہیں اور بعض نے دعا کو اپنے معنی میں رکھا کہ طاعت عبادت کو جو اُولَئِکَ الَّذِیْنَ یُکَلِّمُ اللّٰهُ عَنِ الْوُجُوْہِ میں ہے دعا کے معنی میں لیا ہے نیز دوسری جگہ ارشاد ہے وَ مِمَّنْ نَّخْلُقُ اَنْفُسًا مِّنْ نَّحْنُ لَّہُمْ اُولٰٓئِکَ یُحٰدِثُوْنَ اللّٰہَ یہاں دعا بمعنی عبادت ہے فرض دعا دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

تو اس آیت میں اگر عبادت کے معنی لئے جائیں جب تو خلاصہ یہ ہوگا کہ اول بھی عبادت کا حکم ہے اور بعد میں بھی اور در بیان میں فساد کی ممانعت ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عبادت نہ کرنا فساد ہے اور اس سے اصلاح کی بھی تفسیر ہوگی کہ بعد انتظام عبادت ترک عبادت نہ کرنا

اگر دعا کے معنی عبادت کے لئے جائیں گے، اس لئے ظاہری معنی پر رکھا جائے تو اس وقت بظاہر یہ آیت اس دعائی کے اثبات کے لئے مفید ہوگی لیکن غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس صورت میں بہت زیادہ مفید ہے کیونکہ عبادت دو قسم کی ہیں ایک تو وہ عبادت جس سے حضور دین ہی ہے اور ایک وہ عبادت جس سے کبھی دنیا بھی تصور ہوتی ہے ہر شخص جانتا ہے کہ کبھی عبادت اپنے عبادت ہونے میں زیادہ رہی ہے۔

اب سمجھئے کہ دعا عبادت کی ایسی فرد ہے کہ اس سے دنیا کی بھی طلب ہو سکتی ہے تو اس اعتبار سے دعا دوسرے درجے کی عبادت ہوگی۔ تو جب اس کے ترک کو نسا اثر پایا گیا ہے تو جو عبادت خالصہ ہے اس کا ترک تو کیوں سو جب نسا نہ ہوگا تو قرآن اس کا دعویٰ کرتا ہے کہ عبادت کا ترک کرنا سو جب نسا دینی الارض ہے اور انتظام عبادت کو اصلاح فی الارض لہذا ہے۔

باقی یہ کہ جس وقت یہ اثر ہو رہا ہے اس وقت بھر وہ وہ اصلاح کہاں تھی جس کے بعد نسا اسے منع فرماتے ہیں کیونکہ کفار کی کثرت تھی جو ہر وقت نسا میں ہی رہتے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ مراد اصلاح سے مسلمان اصلاح کی کوئی نہ کہ یہ کہ کچھ اصلاح کو بھیج کر مسلمان اصلاح کر دیا اگر تم میں کو چھوڑو گے تو تم نسا کرو گے یہ تو آیت کا مدلول ہوا جس کا حاصل یہ ہوا کہ عبادت یعنی دین نہ ہوتا سو جب نسا ہے۔

دین کی حقیقت

لیکن اول اس کو سمجھئے کہ دین کیا چیز ہے تاکہ آپ کو ہر مدلول آیت میں عجب نہ ہو تو دین حقیقت میں چند چیزوں کے مجموعے کا نام ہے مگر ہم لوگوں نے اس وقت دین کا یہ سمجھ لیا ہے کہ پانچ وقت کی نماز، چھ لی اور اس میں سے تو یہ بھی نہیں رکھا بلکہ بعض من قال لا الہ الا اللہ وحی الوحی الہی مرحوم تفسیر کے اعتبار سے ان کا مذہب ہے اور اس پر غضب یہ ہے کہ بعض نے محمد رسول اللہ کی بھی ضرورت نہیں سمجھی میں نے اس کی تفسیر دیکھی ہے کہ (نصوح باطلہ، رسالت کا انکار، نجات کا موقوف علیہ نہیں۔

سایہ مولوی اسی کو کہتے ہیں کہ آپ کے گھر میں آگ لگی ہے لیکن آپ کو خبر نہیں، سایہ غضب ہے کہ خبر تو میں تو اسلام کی تحریف کرتی چلی جاتی ہیں اور ہم اسلام کو چھوڑتے چلے جاتے ہیں غرض ہر گھر ہم لوگوں نے دین کا ست نکال لیا ہے دین واقع میں چند چیزوں کا نام ہے اور وہ پانچ چیز ہیں۔

۱۔ عقائد ۲۔ عبادات ۳۔ معاملات ۴۔ آداب معاشرت ۵۔ اخلاق یا فنی یعنی یہ کہ ٹیکر، ہور، بانہ، تو، خراج، ہوا، خلاص، ہوا، قنات، ہو، ٹیکر، ہو، صبر، ہو، علی، ہذا، میں، ان پانچ چیزوں کا نام دین ہے حاصل آیت کا یہ ہے کہ ان پانچ چیزوں کو اصلاح فی الارض میں اور ان پانچ کے اختلال کو نسا دینی الارض میں دیکھ لیں۔

تصرف و حکمت

آلَاؤُہُ الْغَنَیِّ وَالْأَنْعَمٰ سے ثابت ہو چکا ہے کہ خالق بھی اللہ تعالیٰ ہیں حاکم بھی وہی ہیں یعنی ہیں ان کے ہر تصرف پر ماضی رہتا چاہے کچھ نکلان کو ہر تصرف کا اقتدار ہے اس پر یا یہام ہوتا ہے کہ ہر تصرف پر ماضی ہو واجب ممکن ہے جب کہ ہر تصرف مفید اور گوارا اور موافق مصلحت ہو اور اگر کوئی تصرف معتر یا خلاف حکمت ہو تو اس پر کون ماضی ہو گا ہر چند کہ اس شبہ کا ایک جواب آلَاؤُہُ الْغَنَیِّ وَالْأَنْعَمٰ میں بھی آ گیا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ غالب علی الحکمت ہیں مطلوب من الحکمت نہیں وہ اپنے تصرفات و احکام میں حکمتوں کے تابع نہیں بلکہ حکمت ان کی تصرف کے تابع ہے یہ نہیں کہ خدا تعالیٰ حکمت کو سوچ کر تصرف کریں بلکہ وہ جو تصرف کرتے ہیں حکمت خود احرار ہی ہو جاتی ہے مگر یہ جواب اذ بان عامر سے بالا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ وہ ہمارے ساتھ ہمارے مذاق کے موافق کھنگولن یا کرتے ہیں۔ اس لئے آگے اس شبہ کا دوسرا جواب دیتے ہیں جو اذ بان عامر کے قریب ہے فیصلو کہ اللہ رب العلمین یعنی اللہ تعالیٰ لوہوں کے بھرے ہیں ان کا کوئی قول و فعل حکمت سے خالی یا حکمت کے خلاف کیونکر ہو سکتا ہے آگے اس کی دلیل مذکور ہے کہ وہ رب ہیں پالنے والے ہیں یعنی ان کو تمہارے ساتھ پہنچا کی اہمیت ہے بھر یا احتمال کیوں ہے کہ ان کا کوئی تصرف خلاف حکمت یا معسر ہو گا بھر یا ہمارے حکم کی جگہ رب العلمین فرمایا ہے جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ایسے پروردگار ہیں کہ انہوں نے جمہوری حریت کی یہ صورت کی کہ محض تمہارے واسطے تمام عالم کی پرورش کرتے ہیں بلا شبہ یہ نشان ہے۔

کلید از برائے دے بار با خود ند از برائے گلے خار با

خدا تعالیٰ بار و خدا سے حراز ہیں یہ شعر صرف اسی معنی کی تفسیر و توضیح کے لئے چڑھا دیا ہے کہ ایک انسان کے واسطے اللہ تعالیٰ نے آقا و اسامان پیدا کیا ہے اور اس کا بڑا کارخانہ چاری کیا ہے۔

دعا و تقویٰ

پھر اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب ہر تصرف حق تعالیٰ کا حکمت کے موافق ہے تو بلا تقویٰ کے ساتھ دعا کیونکر جمع ہوگی اس دعا کو چھوڑ دینا چاہئے چنانچہ بعض صوفی کوہن پر تقویٰ غالب ہے یہ شبہ ہوا کہ تقویٰ و دعا جمع نہیں ہو سکتا میں کہتا ہوں کہ دونوں جمع نہ ہو سکتے تو یہاں تقویٰ و دعا کو جمع کیونکر کیا جاتا ہے کہ اول تعلیم تقویٰ کی بھی پھر دعا کا امر کیا گیا۔

فرض آگے اس شبہ کو دفع کیا جاتا ہے کہ تقویٰ سے ترک دعا لازم نہیں آتا بلکہ ہم علم دیتے ہیں کہ

تقریباً کے ساتھ دماغی کروڈنڈلوانی کیکوٹھنڈنڈا کیکوٹھنڈا اپنے پروردگار سے الماح کے ساتھ دماغی
ذات ظاہر کرتے ہوئے بھی اور آہستہ آہستہ میسرے نزدیک تقریر اور خطبہ دنوں کے مجموعہ سے الماح و اعجاز
مہدیت مقصود ہے کیونکہ الماح اور اعجاز بندگی کے وقت لہجہ ایک نہیں رہتا کبھی آواز بلند ہوتی ہے کبھی آہستہ ہوتی
ہے اس لئے وہ لفظ لانے والے جس سے اس پر صحیحہ کر دی گئی کیا ایک لہجہ اور ایک وضع کے باشندہ ہو کیونکہ تہذیب سے
مہدیت سے شعور فوت ہو جاتا ہے اس میں صحیحہ کر دی گئی کہ ماح و تقریب کے سمتی نہیں کیونکہ تقریب کا خلافت بھی
مہدیت ہے اور دماغ کا خلافت بھی مہدیت ہے بلکہ دماغی شکلگی اور کز و نیاز و نیاز و ظاہر ہوتا ہے جو حسن و نقصان
مہدیت ہے مگر یہ تقریب کے خلاف کیونکہ تقریب کے خلاف تو دماغ ہے جس سے مقصود یہ ہو کہ جو حسن نے تجویز
کر لیا ہے جو ہم مانگ رہے ہیں وہی ہو جائے تو راضی ہیں ورنہ ناراض ہیں اور دماغ سے محض اعجاز مہدیت
مقصود ہے اور دماغ کرنے والا دل سے ہر شے میں راضی ہو کر خواہ دماغ تصور ہو یا نہ ہو لیکن جو مانگا جا رہا ہے وہ وہ خط و بیان ہو
میں ہر صورت میں راضی ہوں تو یہ دماغ تقریب کے خلاف کیونکہ یہ کبھی ہے نہیں شکستہ کیکوٹھنڈا کیکوٹھنڈا کے بد معانے
سے متنبہ کر دیا گیا کہ دماغ اعجاز و مہدیت کے لئے ہونا چاہئے اور غیر کے مقابل سے مطمئن رہا ہے کہ یہاں
تقریر سے مراد اعلان ہے۔ مگر بعض دفعہ اعلان میں بے ادبی کا لہجہ ہو جاتا ہے اس لئے دفع صوت مہدیت کی
مراد ہے بے ادبی اعلان کو تقریر سے تعبیر کر کے اعلان کیا گیا کہ دماغ اعلان ہونا چاہئے کہ ساتھ ہونا

خلاف تفویض و عام

آگے بڑھ رہے ہیں ان کا کوئی ٹیوٹ (تعلقی ٹیوٹ) اس میں متبصر کر دیا گیا ہے کہ وہ کون کون سے حدود ہیں وہاں سے تجاوز کرنا پانچ مسئلہ مابین متبصر ہوا کہ بعد میں ہوا ان کے گھبراہٹ میں وہ دراصل چھوں میں سے ایک ہوا ان کے بعد سے مکمل حائل ہو گئی کہ وہ ان کے پیچھے ہیں کہ ان کا ساتھ ملے گی کہ ان سے ملے ہوئے ہو کہ ان کے ساتھ ملے گی کہ ان کے ساتھ ملے گی۔

اب ایک شب اور پاک جب تھوڑی سی کمی تھی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر تصرف پر راضی رہنا چاہئے تو پھر گناہ بھی ترک نہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ بھی تصرف حق ہی ہے اس شہ کو دفع کرتے ہیں کہ خیر و گناہ امت کرنا وَلَا تَطْغَوْا فِي الْاُلْتِغَاءِ بَعْدَ اِذْ لَوْحًا کہ جن میں فساد نہ کرنا بعد اس کے کہ اس کی دوزخی کر دی گئی ہے مطلب یہ کہ گناہ اور جہنم ہے اور ہم نے فساد کو نہایت دور و بھری علیٰ نظام کے ذریعہ سے منور قرار دیا ہے جس باب تم اصلاح کے بعد نہ کرنا اور گناہ بھی خدا کا پیدا کیا اس لئے ہے کیونکہ خالق خیر و شر ہی ہے مگر یہ تصرف بلا واسطہ حق تعالیٰ کا تصرف نہیں بلکہ اس کے اندر تم واسطہ ہو کیونکہ بندہ کا سب فعل ہے اور واسطہ مذہم ہے لہذا گناہ میں بندہ کے واسطہ ہونے پر لا تَطْغَوْا میں خطاب کے معنی سے بھی یہ حالت دور ہی ہے جس سے معلوم ہوا کہ فساد گناہ

میں بندوں کے ارادوں اختیار کو بھی دھل ہے خلاصہ تعلیم کا یہ ہوا کہ تقویٰ میں کمی ہے یہ ہیں کہ جو تصرف حق تعالیٰ کی طرف سے بلا واسطہ ہوا اس پر راضی ہو اور جو تصرف ایسا ہو جس میں تمہارے فعل قبیح کا واسطہ ہوا اس پر راضی ہونا چاہیے مگر اگر گناہوں پر جرات کرنے لگو اور ان سے بچنے کا جزم نہ کر تو حق تعالیٰ نہیں۔

اسن عامہ

اور ان پر جو میں نے کہا ہے کہ بعد اصلاحیہا کے معنی یہ ہیں کہ اگر وہ اپنی کفر و کفر کے نزول اور نبی کے مبعوث ہونے سے دشمن کی اصلاح کر دی گئی اس میں ایک بڑے مسئلہ کا واسطہ ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ اگر وہ شرع پر عمل کرنا اور وہ اپنی شر سے چمکا یہ بڑے چاروں کی اور یہی رافع ہے لہذا نکال۔

قَالُوا يَمْوَسَّىٰ اِنَّمَا اَنْ تُلْقَىٰ وَ اِنَّمَا اَنْ تَكُوْنَنَّ مَعِنَ الْمَلِكِيْنَ ﴿۱۷۸﴾

قَالَ اَلْقُوا قُلُوبَ الْقَوَاصِرِ وَالْاَعْيُنِ الثَّالِيْنَ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوْهُ

بِسُورَةِ عَزِيْزٍ ﴿۱۷۹﴾

ترجمہ: مومنین! یہاں سے سامعین نے یہ کہا کہ تم اپنا اصلاحیہ ہو یا ہم ڈالیں مومنین! علیہ السلام نے فرمایا کہ تم ہی ڈالو۔ پس جب انہوں نے ڈال تو لوگوں کی نظر بند کی گئی اور ان پر قیوت غالب کر دی اور ایک طرح کا بڑا اہل اور نکلا۔

تفسیری نکات

ساحران کو عاجز کرنے کیلئے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اجازت دی

موسیٰ علیہ السلام نے ساحران فرعون سے فرمایا تھا اَلْقُوا مَا اَلْقَيْتُمْ فَلِقَوِيْ ﴿۱۷۸﴾ (جو کچھ تم ڈالنے والے ہو ڈالو) پھر اس پر انکار ہوتا ہے کہ ساحران فرعون کا کھرو کھرو مصیبت تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو اس بحر کی اجازت کہیں دی جواب یہ ہے کہ یہ اجازت تھا کھرو کھرو کے لئے قہمی بلکہ اس سے اتفاق حق اور باطل باطل تصور تھا کیونکہ

جب وہ لوگ اچانک ظاہر کریں گے اور مومن علیہ السلام کا مصائب کوئی کرے گا تو اس طرح اظہار حق کامل ہوا
 سے ہو گا اس مصلحت اظہار حق کے لئے انہوں نے فرمایا تھا۔ اَلْقَوْلَانَا اَنْتُمْ خَلْقُونَ جو عسلی جو اب
 اضر و هو ان الامر هناك التبعيض القوا ما انتم ملقون لاني لا اعباء به فافعلوا ما شئتم كما في
 قوله تعالى هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا يَوْمَهُمُ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ

(میرے نزدیک ایک دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں پہاڑات دی جان کو عاجز کرنے کے لئے تھا یعنی توجہ
 پاکر بندگی کر سکتے ہو کہ میں پہلے سے تم کو یہ نہیں تا کہ ان کی کامل بندگی کے بعد اس کو تار و ٹھیکہ کی
 طرح ختم کر دیں اور وہ عاجز ہو کر قرا کر دیں گا) تو یہ اجازت اجازت ہو کہ مٹانے کے لئے حق کی تیکہ اس کے
 مٹانے کا طریقہ اس سے بھر کوئی نہ تھا کہ ہول و دہائی کوشش کو ظاہر کریں بعد میں مومن علیہ السلام کا مصائب نہایت
 سہولت سے داند سب کو مٹا دے یہ آیت مونیہ کے اس طرز عمل کی دلیل ہے جس سے بعض اہل ظاہر وحش
 ہوتے ہیں کہ انہوں نے منکر شرعی کی اجازت دی حالانکہ وہ منکر کی اجازت نہیں دیتے بلکہ اس کو جہ سے مٹانا
 چاہتے ہیں جس کا طریقہ اس سے بھر کوئی نہ تھا جو انہوں نے اختیار کیا۔

عظیم اور نظر بندی

فرمایا کہ یہ مسلم ہے کہ جہاد میں حق تعالیٰ نے اثر رکھا ہے مگر اس میں اختلاف ہوا ہے کہ ہاڑ کیا ہے
 آیا جہاد کے ذریعہ سے کسی چیز کے مٹانے کی تہذیبی بھی ہو سکتی ہے یا صرف نظر بندی تک ہی جہاد کا ارمحود ہے تو جو
 لوگ اس کے قائل ہوتے ہیں کہ تہذیبی مٹانے میں حق تعالیٰ نے صرف نظر بندی ہوتی ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے
 عمران فرعون کے متعلق فرمایا ہے۔ فَلَمَّا اَلْقَوْا مَصْرَعًا اَلْقَيْنَا الْخُلُوبَ وَالْفُلُوفَ فَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ فِرَارٌ وَلَا جَنَاحٌ يَخْشَوْنَ
 جس میں نظر بندی کو جہاد فرمایا گیا سو اگر جدیل میں حیر سے لگن ہوتا تو عظیم وہ ہوتا اور جو لوگ حیر سے
 جدل میں کے قائل ہیں وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے عمران فرعون کے اس حیر کو عظیم ہی تو فرمایا ہے
 لیکن یہ کہ اس سے بھی کوئی عظیم ہو اور تہذیبی میں ہے تو اس کے عظیم ہونے سے عظیم کی کیسے لٹی ہوئی۔

وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ
 إِلَيْكَ قَالَ لَنْ نَرِيْنِي وَلَكِنْ أَنْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ
 مَكَانَهُ فَسَوْفَ نَرِيْنِي فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا
 وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَنَكَ ثُبْتُ إِلَيْكَ
 وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۹۰﴾

ترجمہ: اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے وقت (مقررہ) آئے اور ان کے کعب نے ان سے بہت ہی (الطف و محبت کی) باتیں کہیں تو عرض کیا کہ اسے میرے پاس لانا چاہیے اور ان کو دکھلا دیجئے کہ میں آپ کو ایک نذر دیکھ لوں اور اللہ تعالیٰ کہ تم مجھ کو (دیکھا میں) ابھر کر نہیں دیکھ سکتے لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو وہاں رہا جی جگہ پر برقرار رہو تو تم بھی دیکھ سکو گے میں ان کے کعب نے جوں پر تجلی فرمائی تجلی نے اس کے پر لپٹا کر اسے اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچا کر کر پڑا۔ پھر صبحہ آواز میں نے تو عرض کیا یہ کعب آپ کی ذات خیر ہے میں آپ کی جناب میں مطہر کرتا ہوں اور سب سے پہلے میں اس پر یقین کرتا ہوں۔

تفسیری نکات

لَنْ نَرِيْنِي کی عجیب تفسیر

جب موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا اور تجلی کی درخواست کی اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ لَنْ نَرِيْنِي یعنی تم ہم کو نہیں دیکھ سکتے ہم میں تو موسیٰ ہونے کی قابلیت عام ہے کوئی شے عبادی روئے سے مانع نہیں اس لئے کہ اسی (ہرگز مجھ کو دیکھا نہیں جاسکتا) نہیں فرمایا مگر تم میں اس وقت رانی کی قابلیت نہیں کیونکہ ہم نور محض ہیں اور تم جسم کثیف سے محض ہو جو عمار سے نور کا تحمل نہیں ہو سکتا گویا عباد یا کس اس وقت تم میں اتنی استعداد نہیں کہ ہم کو دیکھنے کے بعد گنگ و سالم رہو اور ہر چند کہ یہ یہاں بھی نہ ہونے کے سب کو صاف سے ظاہر ہوا تھا اور اس کے سن لینے کے بعد ہر ایک مومن کو عقیدہ رانی ہم قابلیت کا کافی طور سے ہونا لازم ہے چہ جائیکہ موسیٰ علیہ السلام چونکہ موسیٰ علیہ السلام عاشق تھے اس لئے کہ عقیدہ کے اعتبار اگر وہ ان کو اپنی عدم استعداد کا ہو گیا تھا لیکن شوق اور جذبہ دعوت الہی کا حد سے بڑھا ہوا تھا اس کی اب تک کی زندگی بھی ابتدا آگے خود حق

ان کی اس حالت کی حمایت سے ارشاد فرماتے ہیں کہ جس نے اگر تمہیں آپ کی مشق ہے تو انظر علیٰ جسمک اللہ آپ
 تم اس پہاڑی طرف دیکھتے رہو اگر یہ پہاڑ سبج و سالمہ ہو اور ہماری جگہ کا تسخیر ہو گیا تو تم کو اس سے نہ غم نہ کما
 جائے گا۔ چنانچہ **هَلْخَلَقْنَا الْجَبَلِ لَیْلًا** جب اس پہاڑی فرمائی پہاڑ کو کھڑے کھڑے ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش
 ہو کر گر گئے اور زمین پر پڑا تو موسیٰ علیہ السلام قابلیت کا مشاہدہ بھی ہو گیا کہ جب پہاڑ ہوا تو اس قدر غم و حشر اور
 شدت کے نہ ظہور کیا تو میں کیا ظہور سکوں گا۔ اگر یہ شبہ کیا جائے کہ پہاڑ کو موسیٰ علیہ السلام سے کیا نسبت تھی یہ
 بتلا محض وہ ایک انسان با کمال صاحب ہونہ عظیم اللہ لہذا یہ قیاس اور تلازم کچھ میں نہیں آتا جو کہ
وَلَمَّا انشَقَّتْ سَائِغُهَا فَتَنَزَّلْنَا نَارًا (سو اگر اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی دیکھ سکو گے) میں احتیاط و جہل
 و دودھت موسیٰ کے درمیان ثابت کیا گیا ہے ممکن ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی روحانی قوت کی وجہ سے جگہ کے
 تسخیر ہو جائے تو جواب اس کا یہ ہے کہ جس جگہ کا موسیٰ علیہ السلام کو پہاڑ سے زیادہ قتل تھا وہ تو ان کو اس
 در خواست سے پہلے ہی حاصل تھی یعنی جگہ یا عقب ہارو غم کر اس وقت تو انہوں نے آنکھ سے دیکھنے کی
 در خواست کی تھی اور آنکھ کی رویت جگہ ہارو غم نہیں بلکہ بالہم ہے تو اس صورت میں جگہ خداوند تعالیٰ کی موسیٰ
 علیہ السلام کو پذیر ہوا کہ گھوٹی اور آنکھ ایک جسمانی شے ہے مگر نہایت ضعیف اور بزرگ مضبوط ہے اور پہاڑ بھی
 ایک جسم ہے اگرچہ غیر جاندار ہی کسی مگر اثر جمیع میں آنکھ بزرگ ہے ہی اور پہاڑ ہوا جو اس کے نہایت ٹھنک
 دہی ہے کہ ہر ایک بھاری بھاری ہوجو کہہ سکتا ہے اس صفت میں یہ تمام جسم جسمانی اور اس کے جمیع افراد سے
 بڑھا ہوا ہے چنانچہ خود خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں **وَاَنذَرْتُمْ لَنُفُثَ لُفُثًا** اور اللہ نے انہیں انہیں سے بڑھا ہوا ہے کہ نہ زیادہ
 سخت ہے یا آسان کا اللہ نے اس کو بڑا اور فرماتے ہیں **لَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضَ وَالْاَشْجَارَ وَالْاَنْجَامَ وَالْاَنْبِيَا**
(اللہ تعالیٰ کا آسمان اور باقیہ زمین پیدا کرنا سخت تر ہے لوگوں کے پیدا کرنے سے) اشدیت و اکبریت
 سادات اور زمین سے اس آیت سے ظاہر ہے کہ باقیہ بزرگ کے آسمان و زمین انسان سے سخت تر ہیں اور
 جلال و جمال خداوندی کے جلوہ کا قتل جب ایک ایسا جسم سخت دہی نہ کر سکا تو موسیٰ علیہ السلام کی آنکھ تو کیا
 جمال چہاں آراء کی تاب لاسکتی تھی اور وہ خود کیونکر قائم رہ سکے لہذا اپنے ضعف اور پہاڑ کی شدت کو پیش نظر
 رکھتے ہوئے جب انہوں نے پہاڑ کا حال دیکھا تو ان کو مشاہدہ سے زمین ان اپنے بغیر تحمل ہونے کا ہو گیا اور
 یہاں بظاہر ایک شبہ ہوتا ہے کہ اس تقریر سے تو معلوم ہوا کہ جگہ نہ ہوئی لیکن قطعاً جگہ آیت میں ہے اس سے
 معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو جگہ ہوئی کیونکہ موسیٰ علیہ السلام جگہ کے بعد بے ہوش ہونے آیت میں
هَلْخَلَقْنَا الْجَبَلِ لَیْلًا جس کا مطلب ہے **هَلْخَلَقْنَا الْجَبَلِ لَیْلًا** (کیسے ان کے وہاں نے جو اس پہاڑی فرمائی جگہ نے
 اس کے پہاڑ اڑائے اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے) سے صاف ظاہر ہے کہ لول جگہ ہوئی اور اس کے بعد

پہلا بھی ٹکڑے ٹکڑے ہوا اور موتی طیبہ اسلام بھی بے ہوش ہوئے لہذا موتی طیبہ اسلام کیلئے ثبوت تھی اس آیت سے واضح ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ تو مسلم ہے کہ موتی طیبہ اسلام کا بے ہوش ہونا تھی سے سوئے ہے سوئے کی دو قسمیں ہیں ایک زمینی اور دوسری دہلی تو موتی طیبہ اسلام کا بے ہوش ہونا تھی سے سوئے ہے لہذا نہ کہ نہ مانا کہ ا زمین میں، ہوائے آخر کے اختر میں تھا کہ اختر زمینی کا ثبوت ہوا تھا تو تھی کا ثبوت ہونا مگر محض تاخیر ذاتی ہے اس کا ثبوت دشوار ہے کیونکہ زمانہ سمیت پر تھی کے معنی ظہور کے ہیں اور ظہور مستلزم ادراک و دریافت کو نہیں پس ذات خداوندی کا ظہور تو ضرور ہوا چنانچہ اس کے اثر سے پہلا ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا لیکن اس کا موتی طیبہ اسلام کو ادراک نہیں ہوا بلکہ آپ نوراً بے ہوش ہو گئے لہذا تھی خداوند تعالیٰ کی فی نظر ممکن ہے اور ہو سکتی ہے مگر ہمیں ابھی اتنی قابلیت نہیں کہ ہم اس کے تحمل ہو سکیں بلکہ ہاں تھی کا خود تقاضا ہے چنانچہ عارف ہاں فرماتے ہیں۔

نکھ و تاب مستوری غبار چہ ہندی سر از روزان برادر

(حسین مستور سونے کی تاب نہیں رکھتے اگر تم روزانہ وہند کر لو تو روزان سے سر نکالتے ہیں)

ان الفاظ کا ظاہر بدلول مراد نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ دوسرے تو ظہور ہی کا تقاضا جانتی ہے بوجہ عایت رحمت ورافت کے کیا آواز ہمارے تھی سے مستغنی ہو کر کیا کریں ہم بھوک ہیں ہم میں اتنی قابلیت ہی نہیں کہ ہم اس سے فائدہ اٹھا سکیں اگر ہم میں است ہوتی تو ضرور مستغنی ہوتے چنانچہ تھی کا ہی تقاضا کے تحمل کی طاقت ہم میں تھی لہذا ہم کو اس سے فیض یاب کیا گیا لیکن یہ نہ سمجھنا کہ یہ ہماری ذاتی قابلیت کا فیض ہے اور ہمارے اندر بھی کوئی جوہر اگرچہ بقدر قلیل ہو رکھا ہوا ہے جس سے ہم خود اس کے تحمل ہو گئے بلکہ درحقیقت شدت اور طاقت بھی خداوند تعالیٰ ہی نے ہم کو دی ہے یہ بھی انہیں کی عنایات کا ثمرہ ہے اس نور کی بدولت ہمارے قلوب روشن ہیں نیز اس تحمل سے یہ بھی نہ خیال کرنا چاہئے کہ اس نے اپنی عظمت کو چھوڑ کر نقص اختیار کر لیا ہے جس کی بناء پر ہم تحمل ہوئے بلکہ وہ اسی شدت و صلوت پر مبنی ہے جیسے اصل میں تھی جس کا یہ اثر ہے کہ کئی کہ ہم نہایت ایک مرتبہ حضرت زید بن ثابتؓ کے زانو پر سر رکھے ہوئے بیٹھے تھے کہ زید اذی ہونا شروع ہوا وہ صحابی فرماتے ہیں کہ اس وقت تحمل سے یہ حالت تھی کہ قریب تھا کہ میرا لالہ چھٹ جاوے ایک مرتبہ آپؐ نے زانو پر سر رکھے تھے کہ آپؐ پر زید اذی ہوا اور اذی اس شدت کو برداشت نہ کر سکی اور بیٹھ گئی۔

تقدم ذاتی

ایک صاحب علم نے سوال کیا لَقَدْ اَتَيْنَاكَ اَلٰہِیْ خَلْقًا مُّؤْتَلٰی سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرور بعد تھی کے ہوا۔ مگر دعوت ثابت ہوئی پھر نہ تالی کے کیا معنی جواب یہ ہے کہ یہ تقدم ذاتی نہیں تقدم ذاتی ہے جس تھی اور ضرور میں کوئی زمانہ نہیں ہوا جس میں دعوت ہو۔

نور مخلوق

آیت میں یہ سوال کیا گیا کہ اداۃ الیمن میں منیٰ کو جو نور نظر آیا وہ اگر نور مخلوق نہ تھا تو رویت میں ہونگی
حقی بحر نہ ہو، **لَوْ لَا اَنْتَ لَمْ تَكُنْ** کی درخواست کی کیا وجہ اور اگر نور مخلوق تھا تو منیٰ علیہ السلام میں نور ہم میں کہ
دوسرے افراد مخلوق کو مثل نور منیٰ نظر نہ دیکھتے ہیں کیا فرق ہوا۔

جواب دیا کہ نور غیر مخلوق نہ تھا مخلوق تھا مگر چونکہ مخلوق بلا واسطہ تھا اس لئے اس کو بہ نسبت دوسرے
انوار کے حق تعالیٰ کے ساتھ زیادہ تہلوس و تعلق تھا کہ اس تہلوس زائد سے اس کو بہ نسبت دوسرے انوار کے حق
تعالیٰ کے ساتھ زیادہ تہلوس و تعلق تھا کہ اس تہلوس زائد سے اس کو حق تعالیٰ کی طرف نسبت کرنا یعنی ایک معنی
میں نور حق کہنا بھی سچ ہے کہ کلام لٹل کی بات یہ ہے کہ نزدیک کائنات ہے مگر اس خاص تہلوس کی وجہ سے اس کو
کلام انہ کہنا سچ ہے مختلف کلام زیادہ اور کے کہ اس کلام انہ کہنا جائز نہیں بلکہ سب احکامات درج ہو گئے۔

غیب کا علم محیط حاصل ہونا اسکا رخیہ کا سبب ہو سکتا ہے

اس حق تعالیٰ کی یہی بڑی رحمت ہے کہ سب کام اپنے قبضہ میں رکھا اور ہم کو کچھ بھی خبر نہیں دی کہ کل کو
کیا ہونے والا ہے۔ لوگ ظلم غیب کی تنہا کیا کرتے کشف کو کمال سمجھتے ہیں مگر کچھ سمجھتے کہ چاہی چیز ہے کہ بعض
دلوں وال جان ہو جاتی ہے غیب کا علم پیدا شاید کسی کو یہ اجمال ہو کہ قرآن میں تو ظلم غیب کو اسکا رخیہ و رخیہ
معرفت کا سبب بتلایا گیا ہے اور تم کہتے ہو کہ کشف بعض دلوں وال جان ہو جاتا ہے قرآن کی آیت یہ ہے
وَلَوْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الْغَيْبَ لَا تُنْفِكُوا كُفْرًا مِّنَ الْكُفْرِ فَذُو مَا فَتَقْتُمُونِ الْغَيْبَ اور اگر میں غیب کو چاہتا ہوتا تو خبر
بہت زیادہ حاصل کر لیتا اور مجھ کو کوئی معرفت نہ پہنچتی اس کے چند جوابات ہیں اول تو یہ کہ آیت میں تقبیہ کلیہ
نہیں ہے بلکہ جزئیہ ہے یعنی کچھ ایسا بھی ہو جاتا کہ خبر ہی خبر حاصل ہوتی اور شرمس بھی نہ کرتا (دوسرے یہ کہ
آیت میں غیب سے مراد جمیع الغیب ہے حاصل یہ ہوا کہ اگر کچھ کو غیب کا ظلم پیدا حاصل ہوتا رخیہ اور ظاہر ہے کہ
غیب کا ظلم پیدا حاصل ہو چکا رخیہ و خبر درج معرفت کا ضرور سبب ہو سکتا ہے۔

قَالَ رَبِّ ارْنِيْ اَنْظُرْ اِلَيْكَ

ترجمہ: عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اپنا چہرہ مجھ کو دکھا دیجئے

تفسیری نکات

رَبِّ ارْنِيْ اَنْظُرْ اِلَيْكَ میں یہ سوال کیا گیا کہ دادی امکان میں موی کو جو نور نظر آ یا نہ اگر نور مخلوق نہ تھا تو دعوت میر ہو گئی تھی پھر قَالَ رَبِّ ارْنِيْ اَنْظُرْ اِلَيْكَ کی درخواست کی کیا وجہ اور اگر نور مخلوق تھا تو موی علیہ السلام میں اور ہم میں کہ دوسرے امور مخلوق کو مثل نور جس قدر دیکھتے ہیں کیا فرق تھا۔ جواب دیا کہ نور غیر مخلوق نہ تھا مخلوق تھا مگر چونکہ مخلوق بلا واسطہ تھا اس لئے اس کو بہ نسبت دوسرے امور کے حق تعالیٰ کے ساتھ زیادہ مجلس و تعلق تھا کہ اس مجلسِ راز سے اس کو حق تعالیٰ کی طرف نسبت کرنا یعنی ایک معنی میں نور حق کہنا بھی صحیح ہے جیسے کلام نقلی کہ تازیہ کے نزدیک کو مخلوق ہے مگر اس مجلسِ مجلس کی وجہ سے اس کو کلام اللہ کہنا صحیح ہے بخلاف کلامِ راز و حرود کے کہ اس کو کلام اللہ کہنا جائز نہیں جس سبب ۱۵ آیات دفع ہو گئے۔ (مقالات حکمت ۱۳۳)

وَالْفَى الْاَلْوَامِ

ترجمہ: اور (جلدی سے) تختیاں ایک طرف رکھ دیں۔

تفسیری نکات

قذف کے معنی اور عجیب و غریب تفسیر

فرمایا کہ بعض لوگ یہ شبہ کرتے ہیں کہ حضرت موی علیہ السلام مطلوب انصاف تھے تختیاں پیچک دیں جواب یہ ہے کہ کلمہ "قذف" کے معنی ایک ہی ہیں قاذف فی میں قذف کے معنی یہ نہیں کہ حضرت موی علیہ السلام کی والدہ نے موی علیہ السلام کو پیچک دیا بلکہ معنی یہ ہے کہ جلدی سے دریا میں دکھ دیا یا اس طرح موی علیہ السلام نے اوج کو جلدی سے دکھ دیا تھا۔

وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا إِنْ لَمْ يَأْمُرْ اللَّهُ بِهِمْ لَبِئْسَ مَا تَعْمَلُونَ
 أَوْ مَعِيَ بَعْضُ الْأَشْيَاءِ قَالَ أَوَلَمْ يَأْمُرْ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاعْبُدُوا لِي
 يَفْقَهُونَ

ترجمہ: اور اس وقت کا حال جبکہ ان میں سے ایک جماعت نے میں کو کہا تھا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کئے جاتے ہو جن کو خدا تعالیٰ بالکل ہلاک کرنے والے ہیں یا سخت سزا دیتے والے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے دہکے ہو خدا کو خدا کرنے کے لئے اور اس لئے شاید یہاں ہوں۔

تفسیری نکات تبلیغ میں دو نیتیں

میں اس سے کیا بحث قرآن مجید میں حکایت ہے وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا إِنْ لَمْ يَأْمُرْ اللَّهُ بِهِمْ لَبِئْسَ مَا تَعْمَلُونَ اس کا صحابہ اس وقت میں سے ایک جماعت نے دوسری جماعت سے کہا کہ تم ایسی جماعت کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو خدا تعالیٰ ہلاک کرنے والے ہیں۔ یا جن پر خطاب شدید نازل فرمائے والے ہیں ایسے لوگوں کو خطاب کرنے سے کیا فائدہ؟ وَالْوَالِدُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأُولَىٰ لِلْأُولَىٰ وَلِلْأُولَىٰ لِلْأُولَىٰ وَلِلْأُولَىٰ لِلْأُولَىٰ انہوں نے کہا کہ صاحب ہم اس لئے نصیحت کرتے ہیں تاکہ ہمارے لئے ایک خطر ہو خدا کے نزدیک کہ یا اللہ ہم نے تو کہا تھا انہوں نے مانا نہیں جو ان کا کام تھا وہ ہم نے ادا کر دیا تھا ایک قرآنی بات ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ لَبِئْسَ مَا تَعْمَلُونَ کو سن کر لوگ ڈاریں شاید ان میں سے کسی کو بدایت ہو جاوے کہ نہ کہ نبی کے ساتھ سمجھانے سے امید ہے ان کے ایمان کی باریکی کی کوئی ہم نہیں یہ حکایت ہے کہ سبکی انہیں آپ بھی تبلیغ میں دیکھنے ایک مضرت صراط اور دوسری ان کے ایمان لانے کی توقع جن میں سے پہلا تصور تو قطعی اصول ہے ان شاء اللہ تعالیٰ اور دوسرا مشکل و متوقع ہے جس قسم جن کو اسلامی ماسناتے رہو ان شاء اللہ بہت کچھ اصلاح کی امید ہے اور اس سے بہت اصلاح ہوئی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا
وَإِذَا هُمْ مُنْحَرُونَ

ترجمہ: اعلیٰ جو لوگ خدا ترس ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے ٹپکا جاتا ہے تو وہ
بے گنگ رہتے ہیں۔ سوچا کہ ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

تفسیری نکات خوف کی حقیقت

خوف کے یہ معنی تھیں کہ گناہ کی طرف میلان ہی نہ ہو بلکہ یہ معنی ہیں کہ جب میلان ہو تو فوراً مذہب کا تصور
کر کے گناہ سے رک جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا
فرمایا ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ نہیں فرمایا سو یہ تو خوف عقلی تھا۔ اور ایک خوف
ہے جسے دل دھڑکنے کے ساتھ پھر اختیار ہی ہے یہ کسی طاقت بھی مطلوب نہیں گو گنہگار و رعبید ہے اور نہ بندہ اس کا
مکلف ہے مگر لوگ آج کل ایسی کو مطلوب سمجھتے ہیں اور یہ ساری خرابی و اضمحلال کی ہے انہوں نے تمام کام کاج کیا
ہے چنانچہ مصلحت میں کہا کرتے ہیں کہ تم لوگ خدا نہ ادا سے تو ڈرتے ہو خدا تعالیٰ سے نہیں ڈرتے حالانکہ خدا تعالیٰ
نے جو خوف ہے وہ طبعی ہے جیسا سانس بچھو سے خوف ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے عقلی خوف ہے کیونکہ دہلے نہیں
آتے بلکہ ان کی صفات کو یاد کر کے ان سے ڈرا جاتا ہے۔ اور عاقب سے خوف عقلی ہی ہو سکتا ہے پھر خدا تعالیٰ
سے طبعی خوف کا مکلف انسان کو کیونکہ کیا جاسکتا ہے۔

ترجمہ: اعلیٰ جو لوگ خدا ترس ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آ جاتا ہے تو وہ یاد
میں لگ جاتے ہیں سوچا کہ ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

متقین کی شان

جو لوگ اعلیٰ علم ہیں اور علم معانی سے سراسر رکھتے ہیں وہ اس آیت کے الفاظ میں خود فرمایا کہ اذ اللہ اور ان
میں فرق یہ ہے کہ لا اشرط جتنی ہوتا ہے اور ان شرط مشکوک پر ثابت ہوا کہ مس شیطان متقین کے لئے بھی جتنی
الفرق ہے ایک تو یہ اور دوسرے ﴿وَلَا تُحِبُّوا دُنيَاكُمْ فَمَن حُبَّهَا﴾ (سوچا کہ ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں) کو خیال
فرمائیے وہاں تو اس فرمایا اور نتیجہ میں فرمایا ہمدون معنی یہ ہے کہ متقین کی شان یہ ہے کہ جب ان پر شیطان کا

ذرا بھی اثر ہو جائے تو فوراً ہی مستحب ہو جاتے ہیں غیر متقین اور متقین میں یہ فرق ہو گیا کہ کس شیطان نے وہاں میں موجود ہے مگر متقین میں جذبہ بھی ہے غیر متقین میں جذبہ نہیں بلکہ اس کا قضا قضا ہے کہ متقین شیطان کے کام سے اثر سے بھی کمال طور پر مستحب ہو جاتے ہیں اس چھوٹے کو کہتے ہیں اور غیر متقین ہم جیسے چھوٹے سے تو کیا مستحب ہوں گے صریح گناہ کرنے سے بھی ڈرا کر نہیں لیتے غرض اس آیت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ گناہ شیطان کے گناہوں میں متقین کا آ جانا بھی قہر کی بات نہیں اس کا وہ حضرت امین مالک سے گناہ ہو گیا اس سے ان کی شان میں کوئی مصلحت نہ ہو نہیں آئی بلکہ اَللّٰہُ اَعْلَمُ (ہو لوگ خدا ترس ہیں) کی بنا پر متقین کے واسطے ثابت ہے کہ گناہ کس شیطان کے ساتھ ان میں طافا ہم مبصرون (سوچا یکہ ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں) کا جو رد بھی ہو گا اور یہی شان یہ متقین کی ہے اور ایسا جذبہ ہوا کہ گناہ کی قہر میں ہڈیاں ہل دیے جھکنا ان کو نہ پاجانی کہ حضور ﷺ فرماتے کہ مومن نے انکو تو یہی ہے کہ اگر وہ مومن گناہ گاروں پر ڈال دی جائے تو سب کو کٹائی ہو جائے۔

اہل تقویٰ کی حالت

حق تعالیٰ نے اس آیت میں لَا تَنْتَفِعُوْا مِنْ اٰیٰتِہٖ اِلَّا بِتَقْوٰی وَاٰیٰتِہٖ اَلْمُنِیْطِیْطِیْنَ اٰیٰتِہٖ اِلَّا بِتَقْوٰی کی حالت یہ ہے کہ جب ان پر شیطان کا اثر ہو جاتا ہے (میں بتا چکا ہوں کہ وہ اثر غفلت ہے قرآن نہ کہ وہ تو وہ نہ کہ اختیار کرتے ہیں تو وہاں غفلت کا نہ کہ ظہر اندازہ کرنا کا مطلق یہاں نہ کہ نہیں میں اس کی سخت تر شرع میں بیان کر چکا ہوں اب میں اس کی تفسیر بتاؤں گا کہ وہ مطلق کیا خود وہ ہے پہلے آیت کا حکم سمجھ لیجئے وہ یہ ہے کہ فرماتے ہیں کہ بندگان خدا کی شان یہ ہے کہ جب ان پر شیطان کا اثر ہوتا ہے یعنی غفلت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ نہ کہ اس کا علاج کرتے ہیں تو اس کا یہ ہوتا ہے کہ طافا ہم مبصرون میں تاکہ ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اس میں گناہ کی نہ مسمیت اور اثر کا بھی بیان ہو گیا اس طرح کہ جب علاج کا نتیجہ یہ ہوا کہ آنکھیں کھل گئیں معلوم ہوا کہ گناہ سے نہیں بند ہو گئی تھی اور مصیبت کے علاج سے وہ گئے تھے اسی جہاں گناہ میں بھی اثر ہے آدمی کا گئے کے وقت اندھا ہو جاتا ہے کل تک کر گزرتا ہے حالانکہ معلوم ہے کہ پچھائی ہوئی اس وقت اس سے وصل ہو جاتا ہے غیر طافا ہم مبصرون سے یہ بھی ممکن پیدا ہوتے ہیں اور جو فی نفسہ حق تعالیٰ بلکہ یہ اثر جو ہو گیا تھا یہی اس آیت کا قصور ہے کہ اس میں شعاع نہ تھی جی جی اس پر پڑتی اور دیکھ لیتی تہ کہ سے شعاعیں پیدا ہو گئیں اور وہ آنکھوں والے ہو گئے اور وہ چیز تو اس کی سوجھ بوجھ ہی اب نظر آنے لگی اور اعتبار میں البصیرہ اس پر مرتب ہو گیا اور وہ چیز جو مطلق ہے نہ کہ جو جس کو یہاں حذف کر دیا گیا ہے اب اس کی تفسیر ملتا ہوں اس کا دوسری آیت سے پتہ چلتا ہے وہ آیت یہ ہے اَللّٰہُ یُنَزِّلُ الْغَمَامَ فَاَنْزَلْنَا مِنْہٗ مَآءً کَثِیْرًا

ذکرِ غیر اللہ کا ذکر نہیں بلکہ اللہ ہی کا ذکر ہے فرضِ خدا تعالیٰ کے قطع کی چیزیں کا ذکر اللہ ہی ہے (اسی لئے حدیث میں ہے اللہ علیا معلونہ و ملعون مافیہا الا ذکر اللہ و ما والا جملة والا میں وہ تمام چیزیں داخل ہیں جو ذکر اللہ میں سمجھیں ہیں پس وہ بھی ذکر اللہ کے حکم میں ہیں ۱۲) تو ذکر اللہ میں جنت اور دوزخ اور ذکرِ انسانی و غیرہ یہ سب آگئے تو کوئی ضرورت تھا عذاب کے تخصیص کی نہ ہی کیے کہ اس میں مانع کی تخصیص ہوئی چلتی ہے کہ صرف تریب ہی مانع منحصصہ ہوتی ہے حالانکہ یہ مانع کے خلاف ہے بعضوں کو تریب زیادہ مانع ہوتی ہے اس لئے ذکر اللہ کو عام ہی رکھا جاوے جس میں سب داخل رہیں تریب بھی اور تریب بھی اور خود یاد خدا بھی چنانچہ بعضوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ان کو تریب کام دے نہ تریب جس پر غلبہ ہوتا ہے نہ کا اور قید کا وہ جو مصیبت سے دکھا ہے اس کو نہ جنت دہکتی ہے نہ دوزخ اس کو صرف یاد خدا دہکتی ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ بے حیائی کا کام آپ کے سامنے بیٹے سے نہیں ہو سکتا۔ گھاس کو یہ بھی دانت ہو کہ یہ مجھے مارے پیئے گا۔ یہاں خوف نے نہیں دہکا بلکہ باپ کی محبت سے دہکا اسی طرح بعضوں کا طلاقِ خدا تعالیٰ کے ساتھ ایسا ہوتا ہے کہ جب وہ خیال کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ دیکھ رہے ہیں تو شرابا جاتے ہیں اور اس وقت ان سے مصیبت ہو ہی نہیں سکتی یہاں صرف ذکر اللہ مانع ہوا اور بیٹے ایسے جیاد نہیں ہوتے بلکہ محتاج ہوتے ہیں تریب کے ان کے لئے بھی کام آتا ہے کہ کھٹکائے شمس کے وقت طراب الہی کو یاد کریں اور بیٹے تریب سے حوصلہ ہوتے ہیں ان سے اگر تریب سے کام لیا جائے تو رجوع ہوتے ہیں تو ان کو جنت کا ذکر چاہئے بعضوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ احسان کا اثر ان پر بہت زیادہ ہوتا ہے اگر وہ حق تعالیٰ کی نعمتیں یاد کریں تو شرماتے ہیں احسان سے دے جاتے ہیں ان کے واسطے حق تعالیٰ کی نعمتوں کا یاد کرنا ہی گناہ سے دکنے کے لئے طریقِ مانع ہے کیونکہ نعمتوں کو گناہ میں استعمال کرنے سے شرماتے ہیں۔

فرض اس کو بھی یاد کر کے بعض لوگ شرابا کھتے ہیں تو پھر کیا ضرورت ہے کہ ذکر اللہ کو بیٹے ذکر اللہ عذاب اللہ کے ہیں فرض جب کسی کو عذاب کے ذکر سے قطع ہوتا ہے اور کسی کو عذاب کے ذکر کی گواہی کا احسان کے ذکر سے لہذا ذکر کو یاد نہ ہی رکھنا چاہئے اب ایک دوسری بات سمجھو کہ آیت میں ذکر کو فرمایا اور اس کی یکجہ نہیں فرمائی سو بابِ قفل تذریح کو چاہتا ہے پس ذکر کے معنی یہ ہونے کہ تذریح ذکر میں بیٹھتے چلے جائیں اور حد نہ ہونے سے اس تذریح کا قطع نہ ہوتا معلوم ہوا ہیں دو مسئلہ کی طرف اشارہ ہو گیا ایک تو یہ کہ خطر تریب نہ کریں سکون کے ساتھ چلے رہیں دوسرا یہ کہ سلوک کو کبھی ختم نہ کریں بیٹھ چلے ہی رہیں اس میں سائیکس و غلطیاں کرتے ہیں بلکہ اضطراب دوسری اس سے بڑھ کر اضطراب یعنی کسی مقام پر کھنک کر ٹھہر جاتے ہیں اور کثرت کر لیتے ہیں مثلاً حضور قلب حاصل ہو گیا اور یاد کر لے سے یہ لکھ بیٹھ اور گیا کہ جب چاہیں طیال کو ایک طرف کر

لیں تو میں حضور قلب کو چھوڑ بیٹھیں اس کا ہر کرم کو قدرت تو حاصل ہے عیا کیوں صاحبِ دو قدرت کی کام کے لئے حاصل ہوئی ہے قدرت سے قفل میں لانے کے لئے بافکادہ کو سمجھانے کے لئے۔

مجاہدہ سے مادہ قطع نہیں ہوتا

خود اس آیت سے بھی میری اس تقریر کا ثبوت ملتا ہے کہ مجاہدہ سے مادہ قطع نہیں ہوتا تاکہ کھنکھارت میں صاف موجود ہے کہ تقویٰ کے بعد بھی میں شیطان ہر جاتا ہے فرماتے ہیں إِنَّ الشَّيْطَانَ لِرَبِّكَ لَكَاِبٌ خَفِيٌّ یعنی حقینوں پر بھی میں واقع ہوتا ہے مگر فرق ہوتا ہے اس میں اور اس میں جو غیر حقین پر واقع ہوتا ہے غیر حقین اس سے متاثر ہو جاتے ہیں اور شیطان کے پیچھے ہو لیتے ہیں اور حقین پر یہ اثر ہوتا ہے کہ كَلَّا لَوْ كُنَّا ظَاهِرِينَ لَأَبْلَعْنَا مَا تَجَنَّبَعُوا لَئِنْ كُنَّا نَافِقِينَ ہوں اور مارا چک اٹھتے ہیں اور صاحبِ بصیرت ہو جاتے ہیں دیکھئے کتابا بذا الفرق ہے لہذا کو ایک اتاری اور غافل پر چھاپ مارے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سب مال اسبابِ موت کر لے جاتے ہیں بلکہ اس کو بھی مار کر ڈال دیتے ہیں یا ہاتھ کر لے جاتے ہیں اور بھی ایک کار کردہ اور تجربہ کار اور ہوشیار پر چھاپ مارے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے قفل تو بچ جاتا ہے اور انا شاہین کا قفل ہو جاتا ہے لیکن اس کی ذات کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچتا بلکہ یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ ہوشیار ہو کر پھر سے چوکی کو اور دست کر لیتا ہے بلکہ بھی (اکوڑں) کو بھی ہاتھ لیتا ہے چھاپ مارا دلوں تک ہوا مگر اثر میں فرق ہے اس طرح فرق ہے حقین پر میں شیطان کے اثر میں اور غیر حقین پر اثر میں اور اس آیت میں تو میں شیطان کو مجتہد ہی بیان فرمایا ہے اور اس کے کسی خاص اثر کا بیان نہیں کیا کہ اس سے بچھاؤ بھی ہوتا ہے یا نہیں میں اس کا فرمایا ہے کہ میں شیطان حقین کو بھی ہوتا ہے مگر ایک دوسری جگہ اس اثر کے بعض اثرات کی قسین بھی فرمادی ہے چنانچہ اشارہ ہے وَلَئِنْ كُنَّا لَنَظُنُّكَ لَظَنًّا لَّا يَكْفُرُونَ یہ بھی حقین کی شان میں ہے تو میرے یہ کہ جب ان کو نصرت ہے تو معاف کر دیتے ہیں یہاں میں شیطان کا ایک اثر غضب مذکور ہے کہ جب ان کو نصرت آتا ہے جو شیطان کا اثر ہے تو وہ شیطان کے کہنے پر قفل کر کے حلقے غصب پر قفل نہیں کرتے بلکہ معاف کر دیتے ہیں یہاں سے معلوم ہوا کہ حقین کو نصرت بھی آ جایا کرتا ہے کیونکہ ان لوگوں میں فرق ہے بلا مقدمات پر آتا ہے اور ان مقدمات پر اور یہاں لفظ اذالایا گیا ہے تو معنی یہ ہونے کہ حقین کو بھی نصرت کا غالب ہے مگر اثر اس کا یہ ہوتا ہے کہ وہ مغلوب نہیں ہوتے بلکہ معاف کر دیتے ہیں نصرت میں شیطان کا ایک فرد ہے اس آیت میں اس کی تقریر ہو گئی۔

اس حقین کی یاد میں یہ ہے کہ بلا اثر کا سلب مطلوب نہیں ہے بلکہ اس پر غلبہ حاصل کر لینا مطلوب ہے جس سے وہ استعمال پر رہے اور یہی کمال ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ تقویٰ کے بعد

مس شیطان ہی نہیں ہوتا اور ان کو معصیت کا خیال ہی نہیں آتا بلکہ نہ کروا فرمایا کیا معنی کہ وہ سنبھل جاتے ہیں اور ہوشیار ہو جاتے ہیں حاصل یہ کہ کس تو ہوتا ہے مگر اس کو قیام نہیں ہوتا اور اس کو کس نے دلی جج کو طائف سے تعبیر فرمایا اس کے معنی ہیں گرد بھرنے والا یعنی آ یا اور بھاگ گیا اس عقل کی حالت تو یہ ہے کہ وہ اس کے دل میں جتنے نہیں اور طیر عقل کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اس کے دل میں وہ خیالات جتنے ہیں اور طائف کا ترجمہ میں نے گرد بھرنے والا کیا اس میں ایک اور اشارہ بھی ہے کہ اس کو قدرت آس پاس ہی بھرنے کی ہے قلب کے اندر نہیں جا سکتا یہ ایسا ہے جیسے ایک شاعر نے کہا ہے

عدل العو اذل حول قلب الناء و هو الا حبة منه لم سوداه

یہ حالت تو رساوی کی ہے اور تقویٰ کی شان یہ ہے کہ وہ اندرون قلب میں جا کر نہیں ہوتا ہے چنانچہ حدیث میں ہے الا ان السوء یھبوا و اشلو الی صفوہ یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہے اور یہی کی طرف اشارہ کیا یعنی قلب کے اندر ہے اور طائف کے معنی آس پاس بھرنے والے کے ہیں تو آیت اور حدیث کو حاکم یہ بات ثابت ہوگئی کہ عقل کے دل میں تقویٰ ہی کا قلب ہوتا ہے اور شیطان اندر نہیں جا سکتا اس میں شیطان کے ضعیف ہونے کو بیان فرمایا اور مالک کو نقلی دلی کر اسے قلعہ دار اور انہیں خلق کے باہر ہی شیطان ہے اسی واسطے عارف شیطان کی بالکل پروا نہیں کرتا حتیٰ کہ اس کے دغ کی طرف بھی زیادہ التفات نہیں کرتا بلکہ بزرگ کا واقعہ ہے کہ جب وہ امور باطلہ نہ مٹتے تو شیطان کو کاٹ دے کہ کہتے کہ چونکہ شریعت کی تعلیم ہے ایسے موقع پر امور نہ مٹنے کی سوا اس واسطے نہ مٹا ہوں حیر سے ڈر سے نہیں نہ مٹا تو سے کیا خوف قرآن شریف میں موجود ہے۔ **وَإِنَّمَا يُفْتِنُ الَّذِينَ اسْلَفُوا** شیطان کو کسی قسم کی قدرت اور اختیار نہیں ایمان والوں پر بلکہ عارف کو بعض وقت بجائے نقصان کے شیطان سے اتنا تلخ ہو جاتا ہے کہ وہ خود سب خیر گر خدا خواہ اور شیطان کو بڑا ہی عاقل اور تجربکار ہے مگر کبھی اس سے عقلی بھی ہو جاتی ہے وہ اس کا کلی سے کہ انسان اس کے کہنے میں آ جاوے گا بھکا تا بھار ہے کبھی اس سے نہیں چکا مگر کبھی اس کو دھوکہ ہو جاتا ہے کہ کسی کو خوب بھکا یا اور اس میں بڑا وقت صرف کیا اور اس میں اس مشغول ہوا کہ اور کاموں سے رو کیا اور یہاں اس شخص کو جس پر اتنی محنت کی تھی نہ کہ وہ کبھی بس ساری محنت ضائع ہو گئی بلکہ اور نقصان پہنچا کہ وہ شخص بے نقصانے **وَلَا يَفْقَهُ فَنَفَ نَوْفَانِ** کے اور صاحب بصیرت ہو گیا اور آئندہ کو کبھی اس کے فریب میں آنے کی امید کم ہوگئی اس بدعت شیطان کو چھوڑتا ہے کہ کس ایمان نہ کرتا تو اس وقت اور کاموں سے لگی نہ جاتا اور آئندہ وہ اس سے امید تو مٹا دیتا ہے کہ اس کی بدعت اس کی فوٹ جاتی ہے مگر یہ حیا ہے کہ بھر تقویٰ ہی پر مشرک آتا ہے اور گو کامیابی کی امید نہیں مگر بھر بھی اپنا کام کرتا ہی ہے بدعت میں تو شیطان استدعا کرنے کا قائل ہے کہ کھٹکھی نہیں۔

تذکرہ کی اہمیت

بِإِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُفٍ ﴿۱﴾ ﴿۲﴾ اُن کی شان یہ ہے کہ اَلْاِنْسَانُ لِرَبِّهِ لَكَنُفٍ ﴿۱﴾ ﴿۲﴾ جب ان کو شیطان کا ذرا سا بھی اثر ہو جاتا ہے تو تذکرہ وہ یاد کر لیتے ہیں اور وہ تیار ہو جاتے ہیں تذکرہ کا مفہول ذکر نہیں کیا اس میں اشارہ ہے کہ یاد کر لینے کی چیز کو یاد کر لیتے ہیں اس کے بیان کی ضرورت نہیں مقصود یہ ہے کہ اس وقت وارے کام لیتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اس وقت کا طالع یاد ہے مطلقاً قطع نظر اس کے کسی خاص فرد سے اور اس کے افراد وغیرہ کی قسمیں مستقل مسئلہ ہے اگر کسی فرد کو یہاں ذکر کر دے تو وہی قسمیں ہو جاتی ہیں انفرادی لگی ہو جاتی مگر کسی فرد کی قسمیں نہیں لگی اور خود کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کسی فرد کا بھی ذکر ہوتا تو بے عمل ہوتا کیونکہ خدا کا وہ یہاں صرف ضرورت تذکرہ ہے نہ کہ قسمیں اگر وہی اس کی کسی قدر تفصیل یہ ہے کہ سب جانتے ہیں کہ طالع پانچ ہوتا ہے خطا حرارت کا طالع برودت سے اور برودت کا حرارت سے ہوتا ہے۔ یہاں دیکھنا چاہئے کہ شیطان کے اثر سے کیا مرض پیدا ہوا جو مرض پیدا ہوا اس کی خفہ کا پیدا کرنا طالع ہو گا سو شیطان کے اثر سے بہت سے امراض پیدا ہوتے ہیں مگر اس سب امراض کی جڑ غفلت ہے معنی شیطان کے اثر سے اواف غفلت ہی پیدا ہوتی ہے مگر آیت میں اس کا بیان صراحۃً نہیں ہے اور اس کی جہد ہیں ایک تو یہ کہ بہت ظاہر ہے دوسرے یہ کہ تذکرہ کے قطع سے اس کا پورا کل جادہ کیونکہ ایک متعل سے دوسرے متعل پر صحیر ہو جاتی ہے اور خود خود دوسری کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے جیسے اے میں کا ذکر کر رہا ہوں کہہ کی طرف خود ذہن چلا جاتا ہے اسی طرح تذکرہ سے غفلت خود بخود دیکھ میں آ جاتی ہے تو چنداں حاجت اس کے جان کی ضروری اور کلام کی طاقت اسی میں ہے کہ تذکرہ کا ذرا بات دنگل نہ ہو جس آیت میں مقابلہ ہے غفلت اور یاد کا باقی اس سے بحث نہیں کہ کہیں یاد پایا ہے جیسے اگر مہر کے طالع جلا ہی تو کہیں کے کہہ لکھا اور اس وقت یہ کہنا ہے سوچ رہا کہ ملاؤ خود یہ پانچ لکھا اس وقت ابدال میں جو طاقت ہوگی تفصیل میں ہرگز نہ ہوگی بلکہ جتنی تفصیل ہو جتنی یاد کی کلام طاقت سے گرتا ہوا ہے خطا کوئی جہ سے ہے یوں کہنے لگے کہ طالع تمہارا یہ ہے کہ گوشت کالے کر پانی سے دھو کر بخنی پکاؤ اور اس میں سوئف دھو یاں گرم مصالح کا کھاؤ اور اس کی ہر رنگ پکاؤ پھر جاتو میں اور دوسرے مرقعوں، پچھا کر کھو اور اس ملاؤ کو کھاؤ آخر ظاہر ہے کہ اس میں اصل فقرہ کو کوئی بھی نظر احسان سے نہ دیکھے گا اس وقت طبع جواب بھی ہے کہ بھوک کا طالع یہ ہے کہ کھو کھاؤ اور یہ مستقل بات ہے کہ کیا کھاؤ اس کے لئے مستقل علم ہو جو ہے یعنی علم غرض آیت یہ یا عرض نہیں ہو سکتا کہ کھاؤ کے مفہول کی قسمیں نہیں کی جواب بھی ہے کہ مقصود کی اہمیت کی وجہ سے اس کا ذکر نہیں کیا اور یہاں مقصود غرض تذکرہ ہے دوسرے تذکرہ کی اہمیت دیکھنا بھی مقصود ہے یہ نکتہ ہوا کہ کھاؤ کے مفہول کے حذف ہونے کا۔

اثر یہ ہے کہ خود کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عمل میں اصل جملہ اشیا یہی ہے وہی مقصود ہوتا ہے جملہ غیر یہ خود مقصود نہیں ہوا اور جس غیر سے عمل غیر مقصود ہو اور کسی معنی اشیا کی بدولت نہ ہو وہ عطاء کے نزدیک عمل ہے نہیں یہاں ان دونوں قسموں کے بیان کرنے سے صرف ایک واقعی بات کی خبر دینا مقصود نہیں ہو سکتی کہ معلوم کرو کہ وہ کیا میں وہ جسم کے لوگ ہیں کیونکہ یہ فعل زمانہ ہے جس کی اپنی ماقبل سے بھی بعید ہے چہ جائیکہ خدا تعالیٰ کے کام میں ایسا ہو بلکہ مقصود اشیا ہے یعنی امر کہ اس بات کا کہ تم اول کردہ کے موافق عمل کرو دوسرے کے موافق نہ کرو اور گناہ کے ترک کی ترکیب بنا دو کہ انہوں میں جتنا ہونے کے سبب پر مطلع کرنا منظور ہے کہ اس طرح گناہ سے بچا سکتے ہیں اور انہوں میں طریق اختیار کرنے سے گناہ میں نہ جاتے ہیں موصوفین کی حالت یہ جان کی کہ جب ان کو ذرا سا بھی اثر شیطان محسوس ہوتا ہے تو وہ مذکر اختیار کرتے ہیں۔

فرمایا آج رات میں نے ایک خواب دیکھا کہ ایک طالب علم میرے پاس آیا بت شریف نہ ہوا ہے **هَذَا يَهْدِيهِ رَبِّي وَأَنَا يَهْدِيهِ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ** آیت آخر سورہ اعراف میں نے طوطی میں اس سے پوچھا کہ بھائی کو کچھ کہیں دے ہیں اور وہی اور رحمت کو مطر کہیں دلائے ہیں اس نے جواب دیا تاکہ راستہ چلنے والے پر بیان نہ ہوں میں نے کہا کہ یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہوا اس کے بعد میں نے خود کہا کہ راستہ چلنے کے لئے تمہیں چیزوں کی ضرورت ہے تاکہ دنیا کی دوسرے طریق کی تیسرے منزل کی تسکین دنیا سے کام لینے کے لئے آنکھیں شرط ہیں اور آنکھیں ہر شخص کے لئے علیحدہ ہوتی چاہتے ہیں اس کے لئے بھائی کو فتح دیا گیا اور وہی مثل طریق کے واسطے ہے اس لئے وہ مغرور لایا گیا اور رحمت مثل شرع طریق یعنی منزل کے بعد وہی تسکین اور واسطہ ہے اس واسطے اس کو بھی واسطہ لایا گیا۔

سُورَةُ الْاَنْفَالِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاسْمَعَهُمْ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا

وَهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۱﴾

ترجمہ: اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خیر دیکھتے تو ان کو سننے کی قوت دے دیتے اور اگر ان کو سنا دیتے تو ضرور مگردانی کریں گے پس مٹائی کرتے ہوئے۔

تفسیری نکات

وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ كَامْفِیْدِهِمْ

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاسْمَعَهُمْ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۱﴾
 عقل اول کی صورت معلوم ہوتی ہے تو ہر چیز کے اگر حق تعالیٰ ان (کفار) میں کچھ بھلائی اور خیر دیکھتے تو ان کو (دیں گی یا تم) سنا دیتے اور اگر ان کو سنا دیتے تو وہ ہٹ کر چلے جاتے ہوئے پیچھے ہٹ جاتے۔ عقل اول کے بقا وہ یہ اس سے ترجیح دیتا ہے کہ علم اللہ علیہم غیر اولیٰ یعنی اگر حق تعالیٰ ان میں بھلائی دیکھتے تو وہ پیچھے ہٹ دیتے حالانکہ یہ ترجیح اول کو سترم ہے کیونکہ جس صورت میں حق تعالیٰ ان کے اندر بھلائی معلوم ہوتی ہے اس صورت میں تو وہ حق بات کو قبول کرتے اس حالت میں امراض کی کڑکھن تھا کہ ان امراض پر اثر ہے خیر کے ساتھ اس کا علاج نہیں ہو سکتا اور نہ آئے گا کہ ان میں خیر ہی نہیں

اس کا جواب یہ ہے کہ آیت میں عقل اول ہی نہیں کیونکہ یہاں خدا اولیٰ ذکر نہیں

لاسمعہم اول سے مراد تو یہ ہے لاسمعہم فی حالة علم اللہ علیہم الخیر علیہم اور عقلی سے مراد یہ ہے کہ لو اسمعہم فی حال عدم علم اللہ علیہم غیراً "حاصل آیت کا یہ ہوا کہ اگر خدا تعالیٰ کو ان میں بھلائی کا

موجہات میں سے یہ کوئی تفسیر ہے جس پر سے اس کہنے پر حق وہ خاموش ہو کر بیٹھ گئے مگر میں نے ہی خود اس سے کہا کہ آپ کو جو یہ شبہ ہو کہ یہ تفسیر ضرور یہ پارا کوئی ہے تو اس کی کیا دلیل ہے مگر کہ یہ حلقہ عامہ جو جس کا ایک بار بھی قرآن کا قائل ہوتا ہے جو ہر جگہ اور رابطہ خدائی کا وعدہ ہم راہو گیا اس کے بعد ہر کوئی شخص نہیں کھڑا ہوا تو دیکھئے جو کہ یہ طالب علم معلوم دیر پڑھے ہوئے تھے اور مادی ان کے ذہن میں تھے اس لئے میرے ایک حلقہ سے ان کا شبہ مل ہو گیا۔ اسی طرح ایک اور مولوی صاحب کو قرآن شریف کی ایک آیت کے متعلق شبہ تھا وہ یہ کہ اس ٹھوس پارہ میں ارشاد ہے۔

سَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ الْفُرْقَانُ فَاَلَمْ يَكُنْ لَنَا آيَاتٌ مِنْ قَبْلُ وَكَذَلِكَ كُنَّا لَا
 نُبَيِّنُ لِقَوْمٍ قَدْ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُدًى لَعَلَّ يُعْذِرُ لِقَوْمِهِمْ إِن يَتَكْبَرُونَ
 إِنَّ الْكُفْرَ أَكْبَرُ وَمَا تَنْصُرُوا مِنْ شَيْءٍ ۚ

اس آیت میں حق تعالیٰ نے اول کفار و مشرکین کا سوال نقل فرمایا ہے کہ اگر حق تعالیٰ یہ چاہے کہ ہم سے شرک کا دور مانہ ہو تو ہم شرک نہ کرتے (مگر جب ہم سے شرک دور ہوا تو معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ ہی نے چاہا ہے کہ ہم سے شرک ہو تو ہم ہم پر کیوں ملامت کی جاتی ہے کیونکہ ہم نے وہ کام کیا ہے جو حق تعالیٰ کا چاہا ہوا تھا) مگر اس سوال کے نقل فرمانے کے بعد حق تعالیٰ نے کذک سے ترجمہ میں یک کفار کے اس سوال کا رد فرمایا اور ساتویں پارہ میں ہے ولو شاء الله عاصموں کو یعنی حق تعالیٰ حضور ﷺ کو مخاطب فرماتے ہیں کہ ان مشرکین کی حالت پر تیار نہ ہو کہ نہ کہتے کیونکہ یہ جو کہہ کر رہے ہیں اناری حقیقت سے کر رہے ہیں اگر ہم چاہے کہ یہ شرک نہ کری تو یہ شرک نہ کرتے تو آٹھویں پارہ میں جو آیت ہے وہاں تو شرک کے حلقہ حقیقت کی ہی فرمائی اور اس دوسری آیت میں اس حقیقت کا اثبات فرما رہے ہیں تو ان دونوں آیتوں میں تو فرض معلوم ہوتا ہے کہ وہ مولوی صاحب کھوٹے اس کے جواب کے طالب ہوئے لہذا وہ کہ جو بلا معلوم دیر پڑھے ہوئے کھلے ترجمہ قرآن کو بطور خود کہہ کر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم نے قرآن کو سمجھ لیا اور اس شبہ کا تو جواب دیں میں نے یہ جواب دیا کہ وہاں آیتوں میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ تو فرض ہو رہا ہے کہ جس حقیقت کی ایک جگہ کی گئی ہے اسی حقیقت کا دوسری جگہ اثبات کیا جاتا ہے حالانکہ ایسا نہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ حقیقت کی دو قسمیں ہیں ایک حقیقت تخریضی جس کا دوسرا نام فرضا اور دوسرے حقیقت تکوینی جس کا نام امارا ہے تو آٹھویں پارہ میں جس حقیقت کا اثبات کیا گیا ہے اس سے مراد حقیقت تکوینی یعنی ارادہ ہے کیونکہ وہی آیت میں حق تعالیٰ نے کفار کا عقیدہ بیان فرمایا ہے تو کفار اپنے سے شرک کے حلقہ حقیقت تخریضی یعنی حق تعالیٰ کی رضا کے حصہ تھے اور دوسری آیت میں ایک عقیدہ تخریضی بیان فرمایا کہ حق تعالیٰ خدائی حضور ﷺ کی نقل فرماتے ہیں اور وہ عقیدہ تخریضی بھی ہے کہ عالم میں جس سے بھی کفر و شرک کا دور آ رہا ہے وہ حق تعالیٰ کے علم و ارادہ سے ہوتا ہے اور یہ ہے کہ حقیقت تخریضی نہ ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَشَاءُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ
عَنكُم سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ تعالیٰ تم کو ایک فیصلہ کی چیز دے گا اور تم سے تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا۔ اور تم کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

قرآن کا ایک لقب فرقان بھی ہے

اس آیت میں حق تعالیٰ نے فرقان کو مایہ بشریت دکھایا ہے جس کو تعالیٰ پر مرتب فرمایا ہے اور اسی لئے قرآن کا ایک لقب فرقان بھی ہے جس سے معلوم ہوا کہ قرآن ہمیشہ جواز دہی نہیں بلکہ کس جواز ہے اور کس جواز سے جو لوگ حق ہیں۔ ان کے ساتھ اصل کا حکم ہے اور جو باطل ہیں ان کے ساتھ فصل کا حکم ہے پس یہ سخت غلطی ہے جس میں لوگ آج کل مبتلا ہیں کہ جہاں دو جماعتوں میں اختلاف دیکھتے ہیں دونوں کو مورد ملامت دیتے ہیں کہ تم کیسے مسلمان ہو کر آج بھی میں اختلاف کرتے ہو اور دونوں کو باہم اختلاف پر مجبور کرتے ہیں جس کا مطلب سوا اس کے اور کیا ہے کہ چند انوکھوں کو پھوڑ کر بدوین ہو جانا چاہئے اور صاحب حق حق کو پھوڑ کر باطل طریقہ اختیار کر لے اور اس کا ٹھکانا بنا کر ہے بلکہ مقتضیٰ عقل یہ ہے کہ جب دو جماعتوں یا دو شخصوں میں اختلاف ہو تو اول یہ معلوم کیا جائے کہ حق پر کون ہے اور باقی پر کون؟ جب حق متعین ہو جائے تو صاحب حق سے کچھ نہ کہا جائے بلکہ اس کا ساتھ دیا جائے۔ اور صاحب باطل کو اس کی مخالفت سے روکا جائے۔ قرآن میں اس پر ایک جگہ نص ہے۔ فَذَقُوا النَّارَ الَّتِي جَعَلَ لَهَا سُبُوغًا بَاطِلًا ۝

فَلَمَّا ذُكِّرُوا بِهِ انْكَصَرَّ عَلَىٰ عَقِبِهِ ۖ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنْكُمْ
إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ ۗ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

ترجمہ: پھر جب سامنے ہوئی دونوں فریقوں کو وہاں پھر اٹھائی اور اس پر اور بولا میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے میں دانتا ہوں اللہ سے اور اللہ کا عذاب سخت ہے۔

تفسیری نکات

کشف بلا اتباع شریعت شیطانی چیز ہے

اب کچھ لکھتے کہ بہت سے صحابہ و فرشتوں کو نہ کچھ لکھتے اور شیطان نے دیکھ لیا قبر میں جب خطاب تھا

جائے تو تدبیر سے مسلمانوں میں اتفاق ہو سکا ہے۔ میں نے کہا کہ نری تدبیر سے مسلمانوں میں اتفاق نہیں ہو سکا اور میں نے یہاں بت چمکی ہو الذی ابدک بصرة و بالعوین و الف بین قلوبهم لو افقت ما فی الارض جمیعاً ما افقت بین قلوبهم ولكن الله الف بينهم' دیکھئے حضور ﷺ جیسے خداوند تدبیر کا آقا جو اسامیٰ کو تمام مافی الارض کا اتفاق اگر ان سب تدبیروں کا نتیجہ اور حاصل دیکھئے کیا یاد رہا ہے کہ ما افقت بین قلوبهم و ما فاضل بعد مطمئن ہوئے کہنے لگے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بت چمکی میری فکر سے نہ گزری تھی اور چونکہ اتفاق کا تعلق تدبیر سے نہیں اسی لئے میں نے اس اتفاق کا بیان آج تک و فقوں میں مستحکم بیان نہیں کیا اس لئے کہ یہاں ہے جو چیز اصل ہے اتفاق کی اور احوال سالار ہیں اگر مسلمان ان کو اختیار کریں خود بخود اتفاق ہو جائے گا۔

حادثہ اللہ تعالیٰ ہماری ہے کئی کر کام ہوتا ہے دیکھئے ہو الذی ابدک بصرة میں و بالعوین بھی بخارایا گیا ہے و نہ مطمئن کے بخارے کی کیا ضرورت تھی اس میں حق تعالیٰ نے ظاہر کیا کہ آئی ہوئی اس کی ضرورت میں منت بھی ہے کئی کر کام کیا جائے غرض ہر حال میں کام کرنے کی ضرورت ہے محض ذہنی باتوں سے کہہ نہیں سکتا (اور نہ اس میں صریح ہے)

لَوْ اَكْتَفَتْ مِنْ الْوَسْبَقِ لَمَسْخُوفِيَا آخِذُ تُعَذِّبُ عَظِيمًا

ترجمہ: اگر خدا نے تعالیٰ کا ایک لوشو مقدر نہ ہو پھر تو جو عمل تم نے اختیار کیا ہے اس کے بارے میں تم کو کوئی بڑی سزا واقع ہوتی۔

تفسیری نکات

کثرت رائے کے غیر صحیح ہونے کی دلیل

کثرت رائے کے غیر صحیح ہونے کی ایک عام دلیل نہایت قوی یہ ہے کہ جنگ ہر دو میں متروہ لہدیٰ حضور ﷺ کے حضور میں لائے گئے اس وقت تک اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کران کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے حضور نے صحابہ سے مشورہ کیا خود حضور ﷺ کی رائے مبارک یہ تھی کہ کچھ فدیہ لے کر سب کو چھوڑ دیا جائے آپ تو بڑے رحم و کرم تھے۔ خود صحابہ کی بھی زیادہ تر یہی رائے ہوئی کیونکہ اسی میں مصالحت معلوم ہوئی اور مصالحت عمل ہوئی تھی کیونکہ وہ سب قیدی بڑے بڑے سردار تھے یہ خیال ہوا کہ اگر ان کو چھوڑ دیا جائے گا تو اس کی تاثیر قلب ہوگی، ممکن ہے کہ حضور کی شانِ کرم کو دیکھ کر ان لوگوں کو محبت ہو اور اسلام لے آئیں اور یہ

دائے مکمل اس وجہ سے تھی کہ خود حضور اقدس ﷺ کی بھی رائے سہارک تھی بلکہ خود صحابہ کی بھی آراء رائے اس مصلحت سے جس کا بھی ذکر کیا گیا تھی اور حضور اسی لئے کیا بھی جانتا ہے کہ کثیف دینیں معلوم ہوں جن میں سے ہر مستحکم یا ہر ایک کو ترجیح دے سکے اور مشورہ کا حاصل بھی ہے کہ سب کی رائے ظاہر ہو جائے اس لئے سب صحابہ نے آراء اپنی رائے پیش کی تھی اتنی ہی جماعت میں صرف حضرت عمر اور سعد بن معاذ اس رائے میں موافق نہ تھے کہ ان قیدیوں کو قید ہے لے کر چھوڑ دیا جائے۔ سارے مجمع میں ان دو بزرگوں کی یہ رائے تھی کہ یہ بڑے بڑے سردار ہیں ان سب کو قتل کر دیا جائے تاکہ کفر کی حرکت ٹوٹ جائے اور مسلمانوں کی یہ دعا کہ جھج جائے کہ افواہ ان میں پائی تو ت ہے کہ کسی جماعت کی یہ آوازیں کی اور کسی کو نہ ہر دلیل سے اپنے میں مدغم کرنا نہیں چاہتے سب سے مستثنیٰ ہیں جب رائے کا انتخاب ہوا تو بھی رائے منتخب ہوئی کہ قید ہے لے کر سب کو چھوڑ دیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اس وقت دیکھئے صاف اسی کثرت رائے کی صورت تھی اگر یہ طریقہ کثرت رائے کا حق ہوتا تو اس کے خلاف آیت کیوں نازل فرمائی تھی اور آیت بھی کہی نہ تھی۔ اور شاہد کوئی کثیف دین اللہ سبحانی است کفر ینہ انکض فخر ینہ عظیم ینہ یعنی اگر تمہاری تقدیر میں پہلے سے خیر نہ لکھ دی تھی ہوتی تو تم نے جو عمل کیا اس پر عذاب عظیم آتا جب یہ آیت نازل ہو گئی تو حضور کو دیکھا گیا کہ وہ رہے ہیں حضرات صحابہ نے پریشان ہو کر پوچھا کہ حضرت کیا بات ہے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب قریب آ گیا تھا لیکن رک گیا اور اگر نازل ہو جاتا تو سارے عمر اور سعد بن معاذ کے کوئی نہ بچتا سب ہلاک ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ نے لطفی دکھانے کے لئے عذاب دکھا دیا اور یہ دکھانے کے لئے اور تھوڑی لطفی صاف ہے عذاب کو ہل دیا۔ اور حضرت عمرؓ بجائے اس کے کہ فکر کرتے کہ میری رائے کے مطابق دینی نازل ہوئی بہت معلوم اور شرمندہ تھے کہ میں اس قاتل کہاں کہ میری رائے کے موافق دینی نازل ہوئی خیر یہ قصہ ہوا لیکن جن کو قید ہے لے کر چھوڑ دیا گیا ان میں سے کثرت نے بعد کو اسلام قبول کر لیا انہیں میں حضرت عباسؓ بھی تھے اگر وہ قتل کر دیے جاتے تو ان کے اولاد کہاں ہوتی اور بنو عباس کی خلافت کہاں ہوتی اور جو ان سے اسلام کی روایتی افادت ہوئی وہ کہاں ہوتی بہر حال کثرت رائے کا باطل ہونا اس سے زیادہ کسی دلیل سے ثابت ہو سکتا ہے۔ ترجمانہ وغیرہ ﷺ آپ کے قبضہ میں جہ قیدی ہیں اگر اللہ تعالیٰ کو تمہارے قلب میں ایمان معلوم ہو گا تو جو بھوکم سے (قید میں) لایا گیا ہے نہ انہیں تم کو اس سے بہتر دے دے گا۔ اور آخرت میں تم کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑی محفرت والے بڑی رحمت والے ہیں۔

مصیبت کی حقیقت

جو تم سے (اس وقت قید میں) لایا گیا ہے اور تمہاری محفرت فرما دیں گے مراد یہ ہے کہ اس جملہ میں

اسطاعتی اللہ یا مراد ہے اور حملہ یا ہراساں کرنا آفت مراد ہے۔ **یُنْظَرُ لَكُمْ** یعنی آفت میں تمہاری مغفرت لکھا دیں گے واللہ طور پر ہم کہ اللہ تعالیٰ تو بہت مغفرت فرماتے والے اور رحم فرماتے والے ہیں (اس لئے تم کو اس وعدہ میں تردد نہ کرنا چاہیے)

حاصل آیت کا یہ ہے کہ اگر تمہارے دل میں ایمان ہو تو تم کو اس مالی نقصان کا اندیشہ نہ کرنا چاہیے جو قد یہ سے اس وقت پہنچا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تم کو نیا و آفت میں اس کا خم اہل عطا فرمائیں گے اس سے معلوم ہوتا کہ ایمان کے ساتھ ہر نقصان مصیبت کا خم اہل ملتا ہے۔ اور ہر چند کہ مورد آیت کا خاص ہے مگر جس امر پر اس وعدہ کو مرتب فرمایا ہے وہ مورد کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہے اس لئے آیت سے یہ قاعدہ مفہوم ہوا کہ ایمان کے ساتھ ہر مصیبت کا خم اہل ملتا ہے۔ یہاں تو قییم پر کوئی میسر ضرور ہوا لیکن مگر دوسری خصوصیت سے اس قییم کی تائید ہوتی ہے اس وعدہ اور قاعدہ کو غور رکھ کر ایک اور حقیقت واضح ہوتی کہ وہ یہ کہ مصیبت کی حقیقت تمہارے یہی حقیقت ہماری آخر سے غائب ہوتی ہے اس لئے مصیبت سے بچنا زیادہ آسان ہے۔

اب دیکھو کہ حادثہ میں انسان یہ چاہا کرتا ہے کہ میرے مال کی لاکھیاں نہ کہ میرے جی میرے ہاتھ کے تلے ہیں کوئی ان کا لینے والا طریقہ نہ دلا ہو۔ اگر طریقہ ملے گا تو تاجر گھبرا جاتا ہے خاص کر کسی اشیاء میں جو باقی رہنے والی نہیں جیسے گل کے روز برب بہت ارزاں دلی کے بھٹا پرل کی گچی۔ کیونکہ طریقہ در کم ہونے اور برب کا رہنا دشوار تھا اس لئے دلی کے بھڑ پر یعنی اپنی خریداری پر ہی دے گیا شیروں میں تو ایسا بہت ہوتا ہے کہ شام کو برب نہایت ارزاں ہو جاتی ہے۔

خاصہ یہ کہ اگر اپنے مال تمہارے کپڑا رہے پر رنجیدہ ہوتا ہے نکل جانے پر رنجیدہ نہیں ہوتا حالانکہ وہ اپنے خریداروں کے ہاتھ ایک لمحہ دیکھ پر ہوتا ہے مگر پھر بھی وہ خریداروں کا مشتاق رہا ہے کہ کوئی میرا دل لے لے نہ دے وہ تو قوی ہی ہو تو لہ نہ ہو تو کھلی کھلی صاف ہی کسی لیکن شیخ نہ ہو تو کچھ خسارہ ہی ہی چنانچہ بعض دفعہ ایسے مال کو جس کا خریدار کوئی نہ ہو کسی قدر خسارہ سے ہی فروخت کر دیتا ہے۔

جب تجارت کی یہ حقیقت ہے تو صاحبزادہ گریں یہ ثابت کہوں کہ یہ واقعات سن کر مصیبت لازم تر تجارت ہی ہیں اور تجارت بھی ایسی جس سے بچا کر لے کسی تجارت میں نہیں ہوتا تو کیا پھر بھی مال دشمن ہائی رہے گلے دیکھیں طبی کا سکر یا لے نہیں جو فطری طور پر ہوتا ہے بلکہ میں گے اس کی ضرورت پر کام کرں کہ طبی دیکھ تو جانتا ہے جتنے وہ ثواب دہری نہ ہوگا مگر میں اس وقت دیکھنے کے حلقہ منتظر کہ ہاں کہ واقعات دیکھ مصیبت کی حقیقت معلوم کرنے کے بعد ہی عقل نہ ہوتا ہے۔

عمل صبر و شکر

خاصہ یہ ہے کہ حالات کی ماحول میں ہیں گوارد کا گوارا بھران میں سے ہر ایک کی ماحول میں ہیں احتیاجی و غیر

اختیاری یہ نکل پارہم کے حالات ہوئے جن میں سے ہر ایک کے متعلق جدا جدا حقوق ہیں اور مومن اگر ان کے حقوق کو ادا کرے تو اس کو ہم اہل ملکہ ہے اسی لئے مومن کسی حالت میں نقصان میں نہیں بلکہ ہر حالت میں نفع میں ہے اس لئے وہ نیک میں ہے۔

لعمدہ الرجل المؤمن ان اصلہ ستواء حمید وان اصلہ ضواء صبور فی کل امر لو کما قال یعنی مومن آدمی بڑی اچھی حالت میں ہے اگر اس کو رامت پہنچتی ہے صبر و شکر کرتا ہے اگر تکلیف پہنچتی ہے صبر کرتا ہے اور ہر ایک میں اس کو اجر ملتا ہے یعنی شکر میں بھی اجر ہے اور صبر میں بھی اس حدیث سے بھی یہ معلوم ہوا گیا کہ سوز غیر اختیار ہے جس کا اجر ہے وہ ان اعمال کی وجہ سے جو اختیار اس وقت مومن سے صادر ہوتے ہیں یعنی رامت میں تھ۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَنْسَاءِ إِنْ

يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرٌ أَلْفٌ بِمَا عَمِلْتُمْ أَتُؤْتُونَهُنَّ مِمَّا كَسَبْنَ

تفسیر: کہان قبہ ہوں سے فرما دیجئے کہ اگر تمہارے دلوں میں خیر ہوگی (یعنی ایمان) تو اللہ تعالیٰ تم کو اس سے بہتر چیز دے گا جو تم سے کم ہوگی۔

تفسیری نکات

مؤمن کی بشارت

یہاں مومن کو بشارت بھی نقصان مالی پر نعم اہل ملکہ کا وعدہ ہے جس کو ایمان کے ساتھ مشورہ کیا گیا ہے حاصل یہ ہوا کہ مومن کو ہر نقصان کا محض اور نعم اہل ملکہ ہے اور ان خصوص مذکورہ پر نظر کر کے ہم کو اس شخص اثر کی تجسم کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ دوسری خصوص سے تعمیم ثابت ہے کہ ہم پہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ بعد متکم میں ماہام ہے مال کو اور غیر مال کو جس میں سب افعال اور ایمان داخل ہیں خصوصاً جبکہ قاعدہ فقہیہ ہے کہ اعتبار عموم نقص ہے خصوصاً مورد کا اعتبار نہیں مگر مجھے خود اس قاعدہ ہی کے عموم میں حکام ہے اس لئے میں اس آیت پر تعمیم کا دہرائش کرتا بلکہ مجموعہ خصوص کے اعتبار سے اس مضمون کو عام کرتا ہوں۔ مگر اس کی تلاوت اس لحاظ سے ہوتی ہے کہ ایک مناسب سے دوسرے مناسب کی طرف اشارہ کرنا شیخ کے اور تمام خصوص کا پڑھنا خواہر تھا۔ کسی ایک کا اختیار ضروری تھا جس کے لئے وجہ مروت میں نے بالکل تمہید کے بیان کر دی۔

خلاصہ یہ کہ حالات اکثر یہی کہ تہارت ہونا ظاہر ہے کہ ایک عمل ہم نے نہیں کیا اور اس کی قیمت مل گئی

مگر اس کے علاوہ اسے ساتھ میں قدر معاملات بھی مل گئی ہوتے ہیں ان سب کی حقیقت کو پیش نظر رکھ کر نظم بہت بلاوجہ پائے گا بانی طبع میں الفاظ نہیں کہ وہ وہ ہو گا اور ہونا چاہئے کیونکہ اس کی وجہ سے اگر ہمتا ہے اس سے شانِ مبدعہ کا ظاہر ہوتا ہے مگر انسان پر ہونے والی نظم اور ہونے والی ہر انسان ہے انسان ہونے مگر ضرورت اس کی وہ کیسا نظم کو بلا کیا ہائے نظم کا درمیان خود مصیبت ہے جس سے راحت فرات ہونے کے علاوہ محض راحت جو اصل دولت ہے ہائے وہ بھی ضائع ہو جاتی ہے اور نظم بلا ہونے کی وہی قدر ہے جس کا ذکر ہو رہا ہے یعنی جب انسان یہ سمجھے گا کہ ہر معاملہ میں حق تعالیٰ کو کچھ نظم لپھول مطلق فرماتے ہیں تو نظم بلا ہونے کا۔ پھر وہ نظم لپھول بھی اس قدر کہ اس کا اندازہ لکھنا دشوار ہے اور مصائب پر مبرک کہ تو نہایت دشوار ہے اس پر تو وہ غیر شاعری طے کیا گیا جب ہے جس پر آیت

انصا یو فی الصّٰیرون اجموعہم بطور حساب (مستقل رہنے والوں کا سلب ہے شاعری طے گا)

میں مستحکم بھی فرمایا ہے وہاں تو لطیف لطیف عمل پر بھی بنا کار وادار مل جاتا ہے چنانچہ حدیث شریفی میں ہے کہ ایک بار اللہ اکبر کہنے سے آسمان و زمین کی درمیانی فضا بھر جاتی ہے اور جہاں لٹے کہنے سے آدمی میزانِ عمل اور اللہ سے چوڑی میزانِ عمل بھر جاتی ہے۔

یہ اس لئے فرمایا کہ شاید کسی کو اللہ اکبر کا ثواب سن کر یا احتمال ہو کہ نہ معلوم میزانِ عمل بھی کسی چیز سے بھری ہوگی۔ کیونکہ ممکن ہے وہ آسمان و زمین کی فضا سے بھی زیادہ اور ایک عمل سے اگر فضا بھی بھر جاتا ہے تو ممکن ہے وہ آسمان و زمین بھرنے کے لئے کافی نہ ہو اور ہم کو ساقہ پڑھنے کا میزانِ عمل سے مخصوص طالب علموں کو ایسے احتیاطات بہت ہوتے ہیں کیونکہ اس کے نزدیک تو کھورا بھی حوصلے کے برابر ہو سکتا ہے۔

سُورَةُ التَّوْبَةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَلِئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ آلَ اللَّهِ أَنْ يَكُونَ مِنْكُمْ مَنْ يَبْغِي الْوَحْشَ وَالْجَبَلِ وَالْجَنَّةِ وَالْجَنَّةِ وَالْجَنَّةِ وَالْجَنَّةِ
فَقَاتِلُوا آلَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ٥٥

ترجمہ: اور اگر تم اللہ کے رسول کو دوسروں اور ان کے گھرانے میں سے کسی کو بھی نہیں چاہو
تو تم لوگ آل کفر سے لڑنا چاہئے۔ ان کی ایمان دہی نہیں ہے کہ ان کو نصیحت ہو۔

تفسیری نکات

کفر سے حربی نہیں ہوتا

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس میں اختلاف ہے کہ ذی اگر حضور ﷺ کی
شیان میں گستاخی یا کسی قسم کی اذیت کرے تو وہ حربی ہو جاتا ہے یا نہیں اس کے حلقی عرض کرتا ہوں کہ
گستاخی کی ایک صورت تو یہ ہے کہ طریق مداخلت و رسالت کی لٹی کرے سو یہ کفر تو ہے مگر کفر سے حربی نہیں ہوتا
اور ایک صورت یہ ہے کہ طریق ضمن و استواء کے رسالت کی لٹی کرے اس صورت میں عداوت جاتا ہے اس
باب میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَلِئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ آلَ اللَّهِ أَنْ يَكُونَ مِنْكُمْ مَنْ يَبْغِي الْوَحْشَ وَالْجَبَلِ وَالْجَنَّةِ وَالْجَنَّةِ
سے تو ان جگہ میں تحقیق ہوگی۔

أَجْعَلْتُكُمْ سِقَايَةَ الْحَاجَةِ وَعِزَّةَ السَّجْدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهِدَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللّٰهِ

ترجمہ: کیا تم لوگوں نے حجاج کے پانی پانے کو اور مسجد حرام کے پاؤں رکھنے کو اس شخص کے برابر قرار دیا ہے جو اللہ کے لیے جہاد کرے اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہو اور (اللہ کے واسطے) انہوں نے ترک وطن کیا ہو اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو یہ لوگ برابر نہیں اللہ کے نزدیک۔

تفسیری نکات

سبب افضلیت معیار ایمان ہے

قرآن مجید میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب افضلیت کی بات اس کا سبب ایمان ہے۔ یعنی جس چیز کو ایمان سے زیادہ محترم ہوگا وہ زیادہ افضل ہوگی اور اسی وجہ سے ایمان کے ساتھ ایک دوسری صفت یعنی جہاد فی سبیل اللہ (اللہ کے راستے میں اس نے جہاد کیا) کو بھی ذکر کر دیا کیونکہ وہ اعلا وکبر اللہ کا باعث اور اسلام کے پھیلانے میں یقین ہے اور مکمل اس کی یہ ہے کہ کوئی عمل ایسا نہیں کہ بدل اس کے دوسرے عمل یا عمل متبادل نہ ہوں مثلاً ایسا نہیں کہ نماز بدل دکانہ کے قبول نہ ہو اور زکوٰۃ بدل رائج کے بجز ایمان کے کہ اس پر تمام اعمال مقرون ہیں پس اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ حقدی کو سن کل الوجہ افضل کہنا غلطی ہے چنانچہ ایمان عمل حقدی نہیں اور پھر سب سے افضل ہے اور یقیناً سے یعنی ایمان کے افضل الاموال ہونے سے ان لوگوں کی غلطی بھی معلوم ہو گئی جو کہ غیر ایمان کو اہل ایمان پر افضلیت دیتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ مسلمانوں سے قتال قوم اچھی ہے البتہ اگر ایسے مسلمان سے مسلمانوں کو غیرت دلانا مقصود ہو تو مضائقہ نہیں بعض لوگ بے حد حرکت کر دیتے ہیں کہ اہل انھیں مسلمان ہو کر بھی اہل ایمان میں کوئی جھوٹ چلاں سے تو مسلمان ہی نہ ہوتا تو بہتر تھا یہ سخت غلطی اور مکمل ہے۔ ایک شخص مجھ سے کہنے لگے کہ بڑا ہی کو مسلمان نہ کرنا چاہئے اسلام کو ایسے مسلمانوں سے بچ لگنا ہے میں نے کہا کہ اگر اسے مسلمانوں کو ٹھانے تو تم کو ان سے خوشحال دے گا قہر دے اہل کہاں کا دیکھے ہیں ایسے لوگ جہاد جنگی کے مسلمان ہونے کو بوجہ حقیر کے پسند نہیں کرتے مگر پھر کو جب قیامت آئے گا ان کو کھسکا دیا ہو جائے گا کہ ہم جن کو اہل یقین کی کیا حالت ہے اور حقدی کی اگت

۔ فسوف نرى اذا المكشف العذار المومن تحت رجليك ام حصار

(ایسے مخترب تو اسے غائب دیکھے گئے گا جس وقت کہ خدا قسم ہو جائے گا یا حیرت سے پیوں کے پلے

گھڑا ہے یا کہ کہ عاصیان جنگ میں کس قسم کے سوار پر چڑھ پائی ہے۔ اسی طرح دنیا کی زندگی ایک قسم کا غبار جب موت واقع ہوگی اور دنیاوی پرہوشم ہو جائے گا۔ اس وقت حقیقت حال نما ہو جائے گی۔

اسی طرح سو سن میں دار کا فر با کمال کے مقابلے میں آپ دیکھیں گے کہ ایک شخص جو صرف ایمان والا تھا اور کوئی عمل اس نے اچھا نہیں کیا اس کو قوی عدت کے بعد عذاب سے نجات ملے گی اور کہا جائے گا **لَا تُلَاحِظُ الْعِلْمَ وَلَا الْفِعْلَ وَلَا الْخَيْرَ فَمَنْ تِلْكَ** (جستے میں داخل ہو جاؤ آپ نہ تمہیں کوئی خوف ہو گا نہ کسی کا قسم اور اس کے مقابلے میں ایک ایسا شخص جو کہ دنیا میں بڑا اعلیٰ صریحان با کمال تھا لیکن دولت ایمان سے محروم تھا وہ اب آج ختم میں رہے گا اور بھی اس کو کھانا نصیب نہ ہو گا۔

مسلمان اور کافر کی مثال

اس کو واضح طور سے یوں سمجھو کہ اگر گورنمنٹ کی، مایا میں وہ شخص اس کتاب جرم کریں ایک تہ چوری میں باغزو ہو اور دوسری حالت میں تو اگر چہ سزا دیوں کوئی جائے گی لیکن چور کی سزا محدود کہ ہوگی ایک دن یا سب سے زیادہ ہوگا کہ وہ سزا محنت کر بھرا اپنے گھر آئے اور جیل سے سب کرے یہ وہ باقی بھی خطاب سے نجات نہیں پائے گا اور زندگی بھر سزا کی تکلیف میں رہے گا اور باچا بھی کاظم ہوگا کہ زندگی ہی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ گو وہ کتنا ہی بڑا اعلیٰ فاضل ہو اور وہ بڑے باطل چال کنندہ جرات مند ہو۔

صاحبزادان ایک آفتاب ہے اگر بڑا دلوں بدلی کے ٹکڑے اس پر جاگ اویں جب بھی اس کا نور فاضل ہو کر رہے گا اور جھلک جھلک کر روشنی پڑے گی اور کھر کی خوش و غلائی آنکھ کی ہی چمک ہے جو کہ باطل عارضی ہے۔ دوسری مثال لیجئے اگر ایک گلاب کی شاخیں کسی گمراہ میں لگا دی جائیں اور اس کے مقابل کاغذ کے ویسے ہی پھول بنا کر رکھ دیے جائیں تو اگر چہ اس وقت کاغذ کے پھولوں میں زیادہ روشنی اور شادابی ہے اصل گلاب کی وہ حالت نہیں لیکن جیسے جلد بادش ہو جائے پھر دیکھیں گے کہ گلاب کی رنگ آتا ہے اور کاغذ کے پھول کیسے بد رنگ ہو جاتے ہیں۔ اگر مسلمان اگر چہ دنیا میں کسی حالت میں ہوں لیکن قیامت میں جب امر و نہی کے ساتھ دیکھا کہ اس کا اصلی رنگ کیا کچھ گھمراہ ہے اور کافر کی زندگی برقی حالت پر کیوں پائی پڑتا ہے ماسخ غیرت آتی چاہئے کہ مسلمان ہو کہ اسلام کی حقیقت جان کر اپنے منہ سے کافر کو مسلمان پر فضیلت دے اور مسلمان کی خدمت اور کافر کی تعریف کرے۔ جب معلوم ہو کہ ایمان انکی بڑی چیز ہے تو اس کے ساتھ جتنی دل بکھڑا دے تجھیں ہو گا وہ افضل اہل کی لیکن تجھیں بال ایمان کو بھٹا دار و شاد ہے۔ کیونکہ بعض ایسے اعمال ہیں کہ وہ خود اسلام کا حق ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ وہ اسلام ہی میں ہیں۔

تو مبادیہ اعمال ہیں جو کہ بتی ہوں اسلام کا چنانچہ آیت میں ایمان کے ساتھ اسی عمل کو ذکر کیا گیا ہے۔ جس سے اسلام کو قوت پہنچتی ہے۔ اور مسجد حرام کی تعمیر خدا اسلام پہنچی ہے۔ پس یہاں سے معلوم ہوا کہ مسجد کی خدمت سے دین کی مدد اور اس کو قوی بنا کر زیادہ افضل ہے اس طرح اور جس قدر اعمال ہیں سب میں یہی دیکھنا چاہئے جیسے تعلیم و حکم و عمارت و یعنی اصلاح خلق۔

پس وغیرہ و کائنات سے اصلاح خلق میں زیادہ فضیلت ہوگی کیونکہ یہ بتی ہے ایمان کی تکمیل کا مگر یہ انضیلت ہا شمار مبادیہ کو کہ فی نفسہ ہے ورنہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو عمل فی نفسہ افضل نہیں وہ کسی عارض کی وجہ سے زیادہ قابل توجہ ہو جائے اور کسی خاص وقت میں اس کی طرف توجہ کرنا زیادہ افضل ہے جیسے وضو کہ نماز سے افضل نہیں لیکن بعض اوقات بعد شریعت نماز کے زیادہ ضروری ہو جاتی ہے۔ یا مثلاً و حکم کہنا کی نفسہ تحلیہ للعبادۃ سے افضل ہے۔

لیکن جبکہ عطا پر خصوصاً بعد ضرورت مراد ہو چکے تو بجا ضرورت ہر وقت اس میں مشغول رہنے سے یہ بہتر ہوگا کہ کسی وقت عبادت کے لئے تعلقہ بھی تیار کرے اور کسی وقت اپنی بھی مگر کرے اور خدا کی یاد میں لگے اور اس کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے۔

وَالْيَعْمُوا الصَّلَاةَ وَالْأَنْكُوْنُوا مِنَ الْعُشْرِكِيْنَ (الروم آیت ۳۱)
(اور نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے مت ہو)

تارک نماز کے لئے وعید

آگے فرماتے ہیں وَلَا تَكُوْنُوا مِنَ الْعُشْرِكِيْنَ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ مشرکین میں سے مت ہو اس میں غور کرنے کی یہ بات ہے کہ نماز کے کلم میں اور اسی نبی میں جوڑا گیا ہے۔ اس میں ایک کلمہ ہے وہ یہ کہ مشرکین عرب حج کرتے تھے مگر نماز نہ پڑھتے تھے چنانچہ حج کرنے والوں کو نہ دہکتے تھے اور نماز نہ پڑھنے والوں کو سخت تفتیشیں پہنچاتے تھے سو وہ حج کے خوف نہ تھے مگر نماز کے بالکل خلاف تھے اور یہود نصاریٰ نماز نہ پڑھتے تھے۔ حج نہ کرتے تھے اس لئے حج نہ کرنے پر حدیث میں یہودی یا نصرانی ہو کر مرنے کی وعید کی گئی ہے۔ اور یہاں آیت میں ہے نماز کی مشرک سے تشبیہ دی گئی اور گویہ دونوں مرتے ہیں کافر لیکن یہود و نصاریٰ سے مشرک اور زیادہ برے ہیں کیونکہ یہود و نصاریٰ سوحد تو ہیں گمان کی توحید کا رآخہ اور کافی نہیں اور عدم مغفرت میں دونوں برابر ہیں تو لازماً کافر کفار دوسرے عبادت کے ترک سے زیادہ برا ہوگا پس مطلب یہ ہوا کہ نماز چھوڑ کر مشرکوں کے مشابہت ہو اور اس عنوان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسا کوئی کام نہ کرنا چاہئے جس میں کفار کے ساتھ مشابہت ہو اب رہا یہ آیت میں وَالْيَعْمُوا الصَّلَاةَ پر کیوں نہیں اکتفا کیا تو اس میں نکلتا ہے

ہے کہ مسلمان نے نمازی سے غفلت پیدا کی تو کون کوئی ایسا نہیں جس کو شرک سے نفرت نہ ہو کیونکہ قرعہ حید پر
 غصص کو عجب ہے بلکہ قرعہ حید کی ضد معلوم ہے۔ جب فرمایا کہ نماز پڑھا اور شرک نہ خواہ اس شرط سے وحشت ہو
 گی یہ ایسا ہے جیسے کہا جانے کہ اعانت اختیار کرو اور باقی نہ خواہ اس کے معنی یہی ہوتے کہ اعانت اختیار کرو
 اور باقی نہ خواہ اس کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ اعانت اختیار کرنا بیعتوں سے بچنا ہے اور ترک اعانت
 بیعت سے بچا یہی نماز پڑھا شرک سے بچنا ہے۔ اور نہ پڑھا شرک بنا ہے۔ گویا کے معنی یہ نہیں کہ نماز نہ
 پڑھنے سے اولی کا فرار اور شرک ہو جاتا ہے کیونکہ یہ عقیدہ اہل سنت کے خلاف ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ یہ عمل
 شرکوں کا سہا ہے جیسے حدیث میں وارد ہے من لوک الصلوۃ معصدا للحد تکفر عدلا یعنی کام کافروں کا
 سہا کیا جیسے کہتے ہیں کہ کھانا پینا اور گویا اس کے یہ معنی نہیں کہ واقعی پیمانہ ہو گیا بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ
 پیمانوں کے سے کام کرنے لگا تو نماز نہ پڑھنے والے کو شرک فرمانا جس معنی عقلی تو نہیں ہے مگر جس معنی میں بھی
 اولیٰ کلمات موشل ہے شرک ہے۔ ہر کوئی نہیں اس واسطے اللہ تعالیٰ نے نفرت ماننے کے لئے اقیعوا الصلوۃ
 کے ساتھ ولا تکتونوا من المشرکین بھی بڑھادیا۔ کیونکہ صرف نماز کے حکم سے اتنی تاکید نہ ہوتی اور اس
 سے یہ بات بھی معلوم ہوتی کہ شرک بنا ترک نماز سے بہت زیادہ برا ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جب ایک
 چیز کو دوسری چیز سے تعبیر دی جاتی ہے تو وہ شہرہ مشہور میں زیادہ ہوتی ہے خواہ زیادتی کسی مثبتیت سے ہو مثلاً
 کہتے ہیں کہ زید شیر ہے۔ یعنی ایسا بہادر ہے جیسا شیر تو اس میں ضرور ہے کہ بہادری شیر میں زید سے زیادہ
 ہے۔ ایسے ہی جب ترک نماز کو شرک بننے کے ساتھ تعبیر دی گئی تو یہ بات مسلم ہوتی کہ شرک ترک نماز سے
 بھی زیادہ برا ہے تو شرک کہ تقدیری چیز ہوئی۔ (ادب الاسلام لحدیث علامہ خیر اللہ مال)

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَمْسُكُوا بِرَبِّهِمْ فَسَمَاءٌ مِّنْ دُونِ السَّمَاءِ لَمَّا أُنزِلَتْ فَذُكِّرُوا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْفَاسِقِينَ

میں اس وقت مشغول ہوں کوئی دوسرا کام نہ ہو

۔ بفرار دل زمانے نظر برباد ہوئے ۔ یہ ازانکہ چتر شاہی ہر روز پڑا ہوا ہے

(ایک ذات فرار دل کی ساتھ نظر گزراں خواہ صحت کی طرف بہتر ہے چتر شاہی سے ہر صحت کی ہوا سے)

اور ۔

خوشا وقت و فرم روزگارے کہ پارے پر نور از دل پارے

(مبارک ہے وقت اور گزراں جب ایک محبت ہے محبوب کے وصل سے سرفراز ہو)

اور وہاں کی یہ ہے کہ ہر شے کے ہمارے لئے ایک سبب ہوتا ہے اور نسبت جس کی بدولت وہاں بھی
 عاثر ہو گیا ہے اس کی عاثر سبب یہ ہے کہ کسی وقت صرف عقل مع اللہ ہے اور یہاں سے ان لوگوں کی غلطی بھی

معلوم ہوگئی ہوگی جو کہ مثبت تک پہنچ کر اپنا کام بالکل پورا دیتے ہیں اس سے اس کی نسبت ضعیف ہو جاتی ہے اور نقص نہ ہو جاتا ہے۔

خاص یہ ہے کہ جو اہل اسلام کاغلی ہوں وہ افضل ہوں گے اس بقعہ کو محفوظ کر کے اہل میں فیصلہ کر لینا چاہئے اور جس کو اس قدر قوت نہ ہو کہ خود فیصلہ کر سکے وہ کسی عالم سے پوچھ لے لیکن ہر شخص بدعت نہ کرنا تو ضرور ہے اور ہر شخص کو اس کی تائید نہیں ہو سکتی جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے کہ بعض روایات اہل غیرہ کا نقل بھی کسی عارض کی وجہ سے افضل ہو جاتے ہیں تو ایسے مواقع پر دریافت کر لینا چاہئے کہ اہل اگر کئی نقل لیا ہو کہ اس کی ضرورت ممکن ہو اور کوئی دوسرا نقل اس وقت اس کے مقابلے میں آیا ضروری نہ ہو اگرچہ یہ فیصلہ اہل حق ہوں اس کو کرنا چاہئے مثلاً ایک بار جبہ گزنی اور لٹائی پریشان ہیں یا صید گاہ گزنی تو ایسے مواقع پاس کا کہنا یا ضروری ہے۔ خاص یہ ہے کہ جن اہل کی ضرورت مستحکم ہو اور وہ مطمئن ہوں وہ اس کو کرنا چاہئے اگرچہ مفقود ہو اور چہل ضرورت نہ ہو اور اپنی رائے سے ایک نقل کو دوسرے نقل پر ترجیح نہ دینا چاہئے۔ بلکہ کسی عالم سے اختلاف کرنا چاہئے جیسے مثلاً بخاری شریف کا حاشیہ کرنا یا کئی خریف کو کھانا کھانا دینا۔ اب اس کے مقابلے کے لئے یہ بھی جان کر دیکھنا سب سے کہ جس طرح حسانات میں تداخل ہے اسی طرح گناہوں میں بھی شکوت ہے۔ لیکن جس طرح حسانات میں اشتقاق کرنے کی ضرورت ہے کہ کس نقل کو کیا جائے اور کس کو چھوڑ دینا ہے اسی طرح حسانات میں اشتقاق کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ سب کو چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ چھوڑنے سے گناہ سب گناہ ہیں اور حرام ہیں۔ اکثر لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ کھانا کام بہت ہی گناہ ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر چھوڑ دو تو ہم کہیں بار کھانا کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی ایک چنگاری کی نسبت ہم جیسے کہ کیا یہ چنگاری بہت بڑی ہے یا کھانا تو صاحبہ جس طرح ایک بڑا کھانا مانا۔ مگر کہ چھوڑ دے گا اسی طرح ایک چنگاری بھی مگر مگر کہ چھوڑ دے گی تو ایمان کے فقر کو ایک چھوڑ گناہ بھی دیا اسی بار کہ دے گا جس طرح بہت بڑا گناہ تو سب سے بڑا چاہئے بعض لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ رشوت لینا زیادہ گناہ یا سود کھانا میں کتنا ہوں کہ یہ کیوں نہیں پوچھا جاتا کہ بیٹا بڑا زیادہ گناہ ہوتا ہے یا باخانتا کہ جو حکم گندہ اس کو کھانا لے کر آئیں غرض یہ ہے کہ حسانات میں تو تداخل کو دریافت کرنا کہ گناہ سب چھوڑ دو

فصل الاعمال

اب مناسب ہے کہ اعلیٰ درجے کے معیار بیان کر دیا جائے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عَلَّامُ الْغُیُوبِ (الغیب کا علم کرنے والا)

گناہ کے پانی پانے کو اور مسجد حرام کی تعمیر کرنے والوں کو ان لوگوں کے برابر کیا ہے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔

اس کی شان نزول میں مختلف قصے آئے ہیں جن کی تفصیل اس وقت مختصر نہیں اتنی قدر مشترک ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں بعض لوگوں میں گفتگو ہوئی تھی کہ ایک جماعت اپنے اعمال کی وجہ سے اپنے کمالِ افضل سمجھتی تھی اور یہی جماعت اپنے تئیں خدا تعالیٰ سے آیت میں افضلِ اعمال کا ٹیٹل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی جماعت افضل ہے تو جس آیت کا یہ ہے۔

کیا تم جانیں کہ پانی پانے اور مسجد کی تعمیر کرنے کو اس شخص کے اعمال کے برابر کرتے ہو جو خدا پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہو اور اس نے دین کو نفع پہنچایا ہو یہ دونوں جماعتیں ہرگز برابر نہیں مطلب یہ ہے کہ قیامت سمجھو اور حکایت جان ایمان باللہ والہاے نکلے اللہ کی برابر نہیں ہے کیونکہ جہنم کا مفعول مسافہ کو قرار دیا ہے جو کہ قتل ہے تو تصورِ اعمال کا تاخلف بیان کرنا ہے وہی یہ بات کہ ایک جانب میں تو جہنم کا مفعولِ اعمال کو دیا اور دوسری جانب میں کاف کا مفعولِ مومنین کی ذات کو قرار دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ جو ابھی دھن میں آئی کہ جو لوگ عمرین مسجد تھے وہ اس وقت تک کافر تھے اور عملِ ایمان کا نیک تھا اگرچہ خصوصیتِ عمل کی وجہ سے اس پر کوئی ثمر و مرتبہ نہیں تھا تو اس جانب میں اعمال کو اکر کر کے یہ ظاہر کیا کہ اب بعدِ عامل کے مومن نہ ہونے کے یہ اعمال مقبول ہی نہیں لیکن اگر اس سے قطع نظر بھی کی جائے تو نفسِ اعمال کو دیکھا جائے تب بھی اپنے مقابلِ اعمال سے کم ہیں اور دوسری جانب میں ذات کو کاف کا مفعول بنا کر یہ ظاہر کیا کہ ان اعمال کی یہ حالت ہے کہ ان کے اختیار کرنے سے ثواب مل کرنے والا بھی مقبول ہو جاتا ہے بالفرض اس آیت میں انضیلت مسافہ و عمارت کے دعوے کی تحلیل ہے اور یہی اس دعویٰ کا وہی تھا جو آج کل عوام الناس میں ہے یعنی عمل کا نفع حاصل ہو اور عام ہوا اور عمل کی صورت مہارت کی ہی ہو۔ مسافہ الحاج میں تو نفع عام اور نفع حاصل تھا اور تعمیر مسجد کی صورت مہارت کی تھی اس لئے ظاہراً اسکی انضیلت کے اس میں زیادہ تھے اور اس کی تحلیل کر کے خدا تعالیٰ ظاہر ہے کہ انضیلتِ افعال گناہوں میں ہے لیکن اس میں یہ بات غور کرنے کے قابل ہے کہ جن اعمال کو اللہ تعالیٰ نے افضل قرار دیا ہے ان میں وہ اس انضیلت کی کیا ہے اور اس میں غور کرنے سے یہ مسئلہ بھی مل ہو جائے گا کہ نفع کا زم سے نفعِ دھڑی افضل ہے یا نہیں اور نفع یہ یا نفعِ اعمال کی کیا ہو سکتی ہے یا نہیں۔

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ
وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ
كَسَادَهَا وَمَسَاكِينُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنْ لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ
وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرٍ ۚ وَاللّٰهُ لَا
يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ٥

ترجمہ: یعنی تم لوگو! اپنے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بھائیوں اور کھپے والے اور وہ مال جس کو تم نے
میت لیا ہے اور وہ تجارت جس کے کھانے کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے اور وہ مگر جو تمہیں محبوب ہیں
تمہارے نزدیک خدا اور اس کے رسول ﷺ سے اور اس کے راستہ میں جہاد کرنے سے یہاں تک کہ
اللہ اپنے حکم کو لا دے اور اللہ تعالیٰ ہے سبھی کرنے والوں کو منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

تفسیری نکات

پہلے وعید میں ہے مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں مذکور ہوئی ہیں خدا سے اور اس کے احکام سے زیادہ محبوب
ہیں تو ان کا حکم اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی کلمی رحمت ہے کہ محل حب مساکین پر اور نہ رضا
بالساکن پر وعید ہے یعنی مکان کو پسند کرنے پر بھی وعید نہیں ہے اس لئے کہ اچھا اور پسندیدہ مکان بنانے کی
اجازت ہے اب وعید کا ہے پر مگر اس حب پر ہے کہ وہ خدا سے زیادہ محبوب ہوں جب محل وعید ہیں اس میں بھی
مطلق محبوب ہونے تو مکان کا نہ مرعوبی ہو بلکہ محل وعید ہے نہ محبوب ہونا بلکہ صاحب کن اللہ ہونا (یعنی اللہ سے
زیادہ محبوب ہونا) محل وعید ہے۔ اگر کوئی شخص ہفتہ ضرورت مکان خرچائے جس میں اسراف نہ ہو تو کوئی خرچ
نہیں اور یہ ہر شخص خود کچھ سکا ہے کہ اس کو کتنا مکان ضروری ہے کیونکہ ضرورت کے درجہات مختلف ہیں اور انہیں
درجہات کے لحاظ سے ضرورت پات بھی مختلف جبرہ آسائش و راحت کے لئے کافی ہو جاتا ہے اور کسی کو ایک بڑا
مکان بھی مسئلہ ہوتا ہے ہر حال عموماً چلتا اور بڑا مکان ماننا شرعاً ماذون فیہ (اس میں اجازت ہے چنانچہ اس کے
عدم جواز کا کسی کا بھی مذہب نہیں ہے ایک شخص زیادہ سردی میں طائفہ لٹو رہتا ہے اور ایک شخص کا جائز اچھی بجلی
رضائی میں چلا جاتا ہے دونوں کا سہل گزر جاتا ہے ہر حال ہر شخص اپنی ضرورت کو خود ہی سمجھ سکتا ہے وہ بھی جائز
ہے بشرطیکہ اس میں اسراف اور حدود و شریعہ سے تجاوز نہ ہو اور جب کا اشتقاق نہ ہو کیونکہ یہ درجہ لائش کا ہے جو

علامہ کی بھی کجی مراد ہے کہ جو دنیا معزز ہیں اس کو چھوڑ دیکر ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ علماء کی امانت کو ایک ہی جلسہ میں سن کر فیصلہ کر لیا گیا انہوں نے کسی دوسرے جلسہ میں یہ بھی تو کہا ہوگا کہ جب دایا وہ مذہب ہے جو غالب ہو جب میں یہ بارہوی متعلق ہو وہ مذہب نہیں چنانچہ نور قرآن ہی میں ہے۔ قل ان حکمن لہم فیکم و لہما کم و احوا لکمکم النبی قولہ احب الیکم من اللہ و رسولہ الآیہ دیکھئے نور قرآن ہی کی تصریح سے جب دنیا منع نہیں بلکہ صحبت دنیا یعنی اللہ و رسول سے زیادہ محبوب ہونا منع ہے تو علماء اس کے خلاف کب تعلیم دے سکتے ہیں بعضوں کو یہ غلطی ہو گئی کہ مطلق محبت کو مذہب سمجھا چنانچہ ایک صاحب نے مجھے لکھا کہ یہی بچوں کی محبت دل سے نہیں جاتی میں نے لکھا کہ یہی بچوں کی محبت سے تو گھبراتے ہو لیکن بہت سی اور چیزیں بھی تو ہیں جن سے محبت ہے ان کو کیوں نہیں چھوڑتے یا چھوڑنے کی کوشش نہیں کرتے۔ یہ اس میں پانی سے محبت ہے بلکہ اس میں کھانے سے محبت ہے نیند میں سونے سے محبت ہے ان چیزوں کے بارہوی بھی نہ چھوڑے گا کہ ان کی محبت نہیں جاتی کیا یہی بچے ہی مطلق کے لئے وہ سمجھے ہیں اگر تمہارے نزدیک عارف ہی ہے جس کو غیر اللہ کی محبت بالکل ضد ہی ہو تو عارف تو تم یہی بچوں کو چھوڑ کر بھی نبھائے کیا اور ضرور بات زندگی سے محبت ہوتے ہوئے تم اپنے معیار کے مطابق عارف ہو سکتے ہو اس تو معلوم ہوا کہ غیر اللہ کی بھی مطلق محبت ہونے کے معنی نہیں ہے بشرطیکہ اللہ اور رسول کے محبت کے حرام اور حصاد نہ ہوں یہ سب مولیٰ مولیٰ باتیں ہیں کوئی انھیں کی بات نہیں ہے وہ کھینے حضرت عمرؓ سے بڑھ کر تو ہم زاد اور تارک غیر اللہ ہو نہیں سکتے لیکن جب فاسد کی سلطنت پر قبضہ ہوا ہے اور وہی آری بڑی اور دولت مند سلطنت تھی کہ اس کے مقابلہ میں صحابہ کی سلطنت کی کوئی حقیقت نہ تھی جس کا نظاہری جب بھی تھا کہ ہاں ایک ہی نامہ ان میں سلطنت مدت و واسعے برابر چلی آ رہی تھی اور چکر تو عادت و تدارک سے نکلتی رہتی رہیں لیکن وہاں کیا انہوں ہی کی سلطنت برابر قائم رہی اور اتنے بات سے مخلوق ہی غرض وہ بڑی پرانی سلطنت تھی جب وہ فتح ہوئی تو وہاں سے لٹکی عجیب و غریب چیزیں مل گئیں محبت میں آئیں کہ اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں بھی نہیں آئی تھیں بڑے بڑے خانہ خانہ قائم مسجد نبویؐ میں لاکڑا بھر کے گئے جن کو دیکھ کر بھی آنکھیں چکا چوند ہوتی تھیں۔ ان میں ایک قالین ایسا تھا کہ جس میں پھول بولے ایسے خوشنما بنے ہوئے تھے کہ دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ یہ قالین ہے بلکہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک کھانا بہت سبز و شاداب باغ ہے جس میں طرح طرح کے درخت ہیں اور اس میں پھل لگے ہوئے ہیں پھول کھلے ہوئے ہیں معلوم تو باغ ہوتا تھا اور تھا قالین صنعتیں پہلے بھی تھیں لیکن پہلے وہاں نہ تھا کہ انہیں جس جگہ ان کو کمال سمجھا جاتا تھا اور جہاں اس کے کمال کو ہزاروں میں لاکڑا بچا جائے اور نفع حاصل کیا جائے ان کو چھپایا جاتا تھا اور اس کو سکھانے اور تانے سے گل کیا جاتا تھا تو اس ابھر میں ایسی ایسی صنعتوں کی چیزیں تھیں حضرت عمرؓ نے ان چیزوں کو دیکھا تو جواثر ان پر ہوا اور جو رائے انہوں نے ظاہر کی وہ دیکھنے کے قابل ہے اس کے بعد کیا

ان پر یا ان کے بھروسہ پر یہ اصرام لگایا جاسکتا ہے کہ وہ مطلقاً ترک دنیا کھاتی ہیں پہلے تو آپ ان کا تذکرہ فرمایا کہ ان کو کچھ کر دے اور پھر یہ دعا کی کہ اللہ یہ تمہیں عرض کرتے کہ آپ ان چیزوں کی محبت اور بدلے سے نکال دیجئے کیونکہ آپ کا ارشاد ہے زمین للناس حب الشهوات من النساء والنسب والقطاير المعنطرة من اللعب القضة والخيال المسومة والاعلم والحرث جب آپ نے خود ان چیزوں کی محبت کی، ہمارے قلوب میں حریں فرمادیا ہے تو اس کے داخل ہونے کی دعا کرنا تو سخت گستاخی ہے لیکن یہ عرض ہے کہ ان چیزوں کی محبت کو آپ اپنی محبت کی جھین یاد دیجئے جہاں اللہ کہا بھی رہا فرمائی اور کیسا حقیقت کو سمجھا دیں کی دو مختلف تفسیریں ہیں اور وہ اختلاف اس میں ہے کہ یہ جتنی لعلوں ہے اس کا قائل کون ہے ان چیزوں کو جو محبت حریہ (سبح الیاد) کردی گئی تو اس کا حریہ (بکسر الیاد) کون ہے یعنی اس ترغیب کا قائل کون ہے یعنی اس میں اختلاف ہے کہ اس ترغیب کے قائل حق تعالیٰ ہیں یا شیطان ہے اب یہاں ضرورت علم کی ہے افعال میں ایک مرتبہ فطن کا ہے اور ایک کسب کا سو مرتبہ فطن میں تو اللہ تعالیٰ قائل ہیں اور مرتبہ کسب میں شیطان یعنی اس ذہنیت کے پیدا کرنے والے اور خالق تو حق تعالیٰ ہیں انہوں نے یہ چیز قلوب میں پیدا فرمادی اگر تم اس کو اپنے عمل میں استعمال کرو تو وہ خیر ہے اور اگر غیر عمل میں استعمال کرو تو وہی شر ہے۔ یہ استعمال مرتبہ کسب کا ہے اور اس مرتبہ میں شیطان تصرف ہوتا ہے (الامانات الجسد ۱۰ ج ۱ ص ۲۳۶-۲۳۷)

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ

بَعْدَ عَاوِهِمْ هَذَا

ترجمہ: ان مشرکوں کو نہایت ناپاک ہے اور یہ لوگ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آنے پائیں۔

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ ارغ کی عجیب تحقیق

فرمایا: إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ اس کے معنی ہیں ان کے قلوب ناپاک ہیں کیونکہ اگر کسی کا فخر کا غلبہ نہ ہوا اور یہ بھی آیا یا حقائق کے بعد مگر یہ نہ لے تو غرض نہیں کہا جائے کہ اس سے معلوم ہوا جو اسٹاٹس ظاہری میں نہیں بلکہ متناظر میں اس سے جیسے عبادات میں کہتے ہیں تم بڑے ناپاک ہو یعنی تمہارے عقائد غراب ہیں جس سے قرینہ یہ ہے کہ اگر مثلاً بطور ہوا المسجد الحرام بعد عاویہم هذا اگر غرض لیکن ہے تو اس ایک مالک الیہ کسی اس کے بعد فرمایا کہ بعد سے کہتا لیکن تو جانتے ہیں لیکن اگر ان سے نہ لیا جائے تو میں بڑا غرض ہوں گئی بات یہ ہے کہ ہماری قوم میں دنیا کی لیاقت، ہی نہ دین کی اگر ان میں قابلیت ہو تو کیا خدا بخیل ہے ان کو سلطنت نہ دے گا جب ان میں قابلیت تھی اس وقت کہ کسی کو آگاہ فطن تھی اور اب یہ کہیں دہی۔ (ملفوظات مجید ص ۱۵ ج ۱ ص ۲۷)

اسلامی لشکر کے شکست کی علت

بارہ ہزار لشکر کی علت کے سبب شکست کھاسکا ہے فرمایا ایک بار حضرت مولانا قاضی احمد رضا نے فرمایا کہ

لَنْ يَغْلِبَ اِنَّا عَشْرٌ اَلْفًا عَنْ قَلَّةٍ

یعنی حضرت رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ بارہ ہزار مسلمانوں کا لشکر قلیت تعداد کی وجہ سے بھی دشمنوں کے مقابلہ میں مغلوب نہ ہوگا اس کا مطلب کچھ شے نہیں آیا حالانکہ ثابت ہے کہ بارہ ہزار مسلمانوں کی تعداد کی وجہ سے بھی شکست کھا گئے۔

حضرت مولانا کی برکت سے میرے ذہن میں فوراً جواب آ گیا میں نے عرض کیا کہ حدیث شریف کا مضمون بالکل بے فائدہ ہے آقا ﷺ نے حکم فرمایا ہے کہ قلیت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوگا لیکن ہمیں فرمایا کہ کسی اور سبب سے بھی مغلوب نہ ہوگا لہذا یہاں بارہ ہزار یا بارہ ہزار سے زائد کے لشکر شکست کھا گئے اس کی وجہ قلیت نہیں بلکہ کوئی دوسری علت ہوگی۔

چنانچہ اس کی تائید کتب حدیث و تارخ سے بھی ہوتی ہے بلکہ قرآن شریف میں بھی مسلمانوں کا فزودہ جن میں مولانا مغلوب ہوا یا قہر نہ لند کہ ہے حالانکہ فزودہ جن میں مسلمان بارہ ہزار تھے لیکن پھر بھی مولانا مغلوب ہو گئے اور اس کی وجہ قلیت نہیں تھی بلکہ ایک ایسی غلطی مرض خود پرندی و جب قاضی کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح ہے۔

يُضَاهُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ مَا كُنْهٖ سَوَالِهٖ اٰتٰى رِيًا فَلَكَؤُنَ

ترجمہ: یعنی ان لوگوں کی سی باتیں کرنے لگے جو ان سے پہلے کا فزودہ تھے جس خدا ان کو چاہتا کہ اسے یہ کوہ چار ہے ہیں۔

تفسیری نکات

کلام الہی میں جذبات انسانی کی رعایت

اللہ تعالیٰ نے احکام میں ہمارے جذبات کی بھی رعایت فرمائی ہے ایک بات اور یاد آتی ہو کہ اسے فرمائیوں نے ترجمہ قرآن کے جس میں پوچھی تھی میں ان کو سورہ ابرہہ کا ترجمہ چھار ہوا تھا جب یہ آیت آئی ہضاحون ہو فکون (ہر بھی ان لوگوں کی سی باتیں کرنے لگے جو ان سے پہلے کا فزودہ تھے جس خدا ان کو چاہتا کہ اسے یہ کوہ چار ہے ہیں) خدا ان میں ان فرزند علیؑ کا ملاز کو چاہا کہ اسے یہ کہاں لائے چاہے ہیں تو ایک لڑکی سے سوال کیا کہ یہ کہتا ہے اللہ میں جب سب کچھ کر سکتے ہیں مجرہ کیوں کوستے ہیں یہ سوال اس

تَحْمَدُ فَاُولَئِكَ رُفُفٌ وَفُحْفُفٌ) (وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے سات آسمان اور زمین ان کیساتھ زمین مائیں)

نبی رانہی سے شناسد

اسی طرح بعض مصنفین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان علی رانہی کہنے کے معنویت اور آپ کے ان اللہ معاد کہنے کی افضلیت ثابت کرنے کے لئے ایسے وجوہ بیان کئے جن سے موسیٰ علیہ السلام کی انحرک حاکم سے قاصر ہونا مترشح ہوتا ہے۔ نمونہ یاضد اگر یہ صنف ایسی مجلس میں حاضر ہوں جس میں رسول اللہ ﷺ اور موسیٰ علیہ السلام شریک نہ کئے ہوں تو کیا اس شخص کی یہ عزت ہوگی کہ اس مضمون کو ان کے سامنے بیان کر سکے۔ ہرگز نہیں ملادو اس کے کہ موسیٰ علیہ السلام کے خلاف حجاج ہو خود آنحضرت کے بھی خلاف ہو حقیقت اس امر کی یہ ہے کہ اس موقع پر آنحضرت پر وارد ہوا تھا اور اس مقام کا بھی اعتقاد تھا اور یہ سادک اور عادل کے اعتبار میں نہیں اگر وہ وارد جو موسیٰ علیہ السلام پر تھا ہمارے آنحضرت پر بھی اس وقت وہ وارد ہوتا تو آنحضرت بھی یہی اِنْجِیْلِیْنِیْ نَبِیِّیْنِیْ سَیِّدِیْنِیْ فرماتے اور اگر موسیٰ علیہ السلام پر وہ ہوتا جو ہمارے آنحضرت پر تھا تو وہ بھی ان اللہ معاد فرماتے باقی ان واردوں کی قسمیں اس میں بھی محن و چین سے کلام مناسب نہیں اس لئے کہ شیخ اکبر کا ارشاد ہے کہ چونکہ ہم ہی نہیں اس لئے انبیاء کے مذاق کا ادراک ہم نہیں کر سکتے پس جیسا کہ ولی دہلوی شناسد مسلم ہے اسی طرح نبی رانہی شناسد واجب المسلم ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

إِنَّا قُلْنَا لَكُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرْضَيْتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ

فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۝

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راست میں کوئی کر دو تم زمین کو کتنی سے تمام لینے ہو کیا تمہیں آخرت کے ساتھ جلد میں دنیا کی زندگی پسند ہے سو آخرت کے حساب میں دنیا کی زندگی بالکل کم و بیش ہے۔

تفسیری نکات
جہاد میں سستی کا ایک سبب

یہ ایک امت ہے جس میں حق ہمارا خدا تعالیٰ نے دین کے ایک خاص کام میں سستی کرنے پر ہدایت فرمائی ہے۔ ہر گھل کی کوٹھی کو فرماتے ہیں تم دین کے کام میں سستی کرتے ہو کیا حیات دنیا پر راضی ہو گئے ہو اور یہ سستی جو تم میں آگئی ہے تو کیا آخرت کی ضرورت اور خیال تم کو نہیں دیا پھر فرماتے ہیں کہ آخرت کے مقابلے میں حیات دنیا کی سزا تو بالکل ہی قلیل ہے بلکہ کبھی نہیں اور ہمارا اس کے کم ہونا پھر راضی ہو جیٹھ اس سے اتنی محبت ہے کہ اس کو اپنا قرار دیا کہتے ہو اور اسی لئے اس دنیا کی کام سے سگھراتے ہو یہ تو ایسی چیز نہیں کہ آدھی اس کی حیات پر راضی ہو جائے یہ ہے جنہوں میں ملت کا اور اسی کو بیان کرنا مقصود ہے اس کا حاصل اس کے نزدیک سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ خدا تعالیٰ اس لوگوں پر ہدایت کر رہے ہیں جنہوں نے دنیا پر ہدایت کر لی ہے اور آخرت کو بھول گئے ہیں اور دنیا کو محبوب سمجھتے ہیں مسلمان ایسا تو کوئی نہیں ہے کہ اس کا یہ عقیدہ ہو کہ آخرت کو کوئی چیز نہیں مگر حالت ضرورت ایسی ہے کہ ان کے بڑا دُعا اور محاللات سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی سکر ہو کہ وہ جتنی محبت دنیا کی ہے آخرت کی وہ محبت اور اس کا اتنا عشق نہیں ہے چنانچہ ہاں کو کشتال کرد گی کچھ کیس کرد دنیا میں قیام کی بات ہم لوگ کیا کیا خیالات پکارتے ہیں کہ ہم ہیں دین کے ہیں نہیں گئے بہو آئے گی جاننے اور ہو گی ہوں ہم غلام ہوں گے لڑائی کھڑے ہوں گے وغیرہ وغیرہ اب انصاف سے دیکھو تو کیا آخرت کے حقائق بھی کبھی ایسی انٹھیں ہوئی ہیں کہ مگر جانیں گے تو خدا کے سامنے جانیں گے جنت ہو گی اس میں دعائے اور مکانات ہوں گے پس حوریں ہوں گی قابل کبھی بھی یہ انٹھیں نہیں ہوں گی بلکہ خیال بھی بہت ہی کم آتا ہے۔

علم خلاف امید ہونے سے جاتا ہے جو شخص کسی چیز کے بارے میں یہ امید رکھے کہ یہ ہم سے جدا ہوگی اس کو اس چیز کے جدا ہونے کا علم ہوگا ورنہ کوئی بھی علم نہ ہوتا چاہے اس میں کسی اور کی بات ہے جس پر یثباتی کے علم کی گنجی کر ہاوں۔ یہ ہے فرق اس لوگوں میں جو دنیا کو اپنا کمر بگھنے ہیں اور ان میں جو دنیا کو اپنا کمر نہیں بگھتے اس کو خدا تعالیٰ فرماتے ہیں **وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ فِي الْفَلَاحِ** **۱۱**۔ اُن لوگوں میں جو ایمان لائے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ آفریت کو کثرت سے یاد کیا جائے اس سے دنیا کی محبت دل سے نکل جائے اور آفریت کی محبت اور آفریت کے مذاہب سے غافل ہیں بچا کر دیکھ کر سوچا کر دیکھ کر ہم کو رہا ہے اور خدا کے سامنے جاتا ہے پھر ایک دن ہمارا حساب ہوگا اگرچہ ہمیں حالت سے توبہ کی بڑی نصیحتیں ملیں گی ورنہ سخت عنت

خدا ہوں گے اور کس سے کہا کہ وہ اسے اللہ تو دنیا کو چھوڑنے والا قبر میں تھے سے سوال ہوگا اگر اچھے جواب دے گا تو اب الہ آباد کا جگن ہے نہ نہ سما کی تکلیف ہے مگر تجھے قیامت کو اٹھنا ہے اور اس روز کلام نامہ اعمال اڑانے جائیگی گئے تجھے بلے مراٹھ سے گزرتا ہوگا پھر آگے یا جنت ہے اور یا دوزخ ہے اس کو روزانہ سوچا کہ اس سے آخرت کے ساتھ تعلق ہوگا اور دنیا سے دل مڑو جانے گا اور موت کے مرا تھے سے لگن ہے کہ کسی کو یہ غلطیاں ہو کہ اس سے تو دشت ہوگی اور جی گھبرانے گا اس کا طمان ہے کہ جب دشت ہونے لگتے خدا تعالیٰ کی رحمت کو یاد کیا کہ اور سوچا کہ اس کو اپنے بندوں سے اتنی محبت ہے کہ میں کو بھی اپنے بچے سے اتنی محبت نہیں ہے تو اس کے پاس جانے سے دشت کی کوئی چیز نہیں اور اگر اس مرا تھے کے بعد پھر کبھی دنیا کی طرف دل راغب ہو اور گناہ کو بھی چاہے اور کوئی گناہ صادر ہو چکا ہو تو مرا تھے کی تجویز کے ساتھ تو بہ کر لیا کہ وہ تو بہ کا حتم یہ بھی ہے کہ اگر کسی کا حق تمہارے ذمے ہو اس کو بہت جلدی ادا کر دو اس سے حق شامادہ تعالیٰ خدا تعالیٰ سب گناہوں کو معاف کر دے گا پھر ان شامادہ تعالیٰ تمہارے لئے آخرت کا دانی میں ہوگا اور آخرت کا شوق پیدا ہونے کی میں نے ایک کتاب لکھی ہے اس کا نام ہے شوق دہن اس کا مطالعہ بھی بہت مفید ہوگا حاصل سب کا یہ دعا کہ دنیا کی محبت ایک مہلک مرض ہے اور اس کا طمان موت کی یاد ہے اور اس سے قوتل سے بچنے کے لئے خدا کی رحمت کامل یقین اور اس کا استحصا رہے۔

يَخْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضَوْكُمْ وَاللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ
أَنْ يُرْضَوْهُ إِنَّ كَانُوا مُؤْمِنِينَ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: یہ لوگ تمہارے سامنے (یعنی تمہیں) کہاتے ہیں تاکہ تم کو راضی کر لیں (جس میں اللہ و جان محفوظ رہے) مگر اللہ خدا اور اس کا رسول زیادہ حق رکھتے ہیں کہ اگر یہ لوگ بچے مسلمان ہیں تو اس کو راضی کر لیں۔

تفسیری نکات

ارضاء رسول ﷺ کی دو جہتیں

آیت میں وَاللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضَوْهُ 'تمہیں فرمایا کہ حضور ﷺ میں دو جہتیں ہیں ایک نسبت مع اللہ ایک خصوصیت ذات اور مقصود فی الدین آپ کا راضی کرنا بحیثیت رسالت ہے نہ لحاظ ذات گو یہ راضی بلحاظ نسبت رسالت کے حضور ﷺ کی ذات کے ساتھ بھی محبت کو مستزم ہوگا اور اس وقت آپ کی

ذلت میں بیٹھ ہی کے ارضاء کو بھی دل چاہئے گا مگر واسطہ اس دینی کامی وہ اول ہی ہے غرض پہلا طہارت
درمات کے آپ کا ارضاء میں ارضاء حق ہے اور اسی وجہ سے برصود میں خمیرہ واد کی دانی کی ہے جو درج سے حق
تعالیٰ کی طرف اور یہاں میں سے مراد حق قطعی نہیں جس میں اتحاد میں کل جید کا تحقق مثل انسان و حیوان باحق
کے شرط ہے بلکہ یہ صوفی کی خاص اصطلاح ہے ان کے نزدیک حق کا معنی وہ ہے جس کو وصول الی الحق میں
داخل ہو اور غیر وہ ہے جو وصول الی الحق میں کل ہو سلا تا فرماتے ہیں ۔ اصطلاحیت مراد الہی

رضائے معتبر

ہاں اس تک یا یک شہ ہو سکتا ہے کہ منافقین تو رسول اللہ ﷺ ہی کی رضاء کے واسطے قسمیں کھاتے تھے
مگر کَلِمَةُ وَرَسُولًا اَسْمٰی اَنْ فِیْ طَعْنٍ میں رسول کا ذکر کیوں کیا گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول ﷺ
کو راضی کرنے کا اہتمام نہ کرتے تھے اس شہ کا جواب کلمہ لکھتے مضمون جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ کی رضائن
حقانی کی رضاء کو عظیم ہے تو جب انہوں نے حق تعالیٰ کو راضی کرنا نہیں چاہا تو گویا حضور ﷺ کو بھی راضی کرنا
نہیں چاہا لہذا اعتقاد لازم سے طرد کا تقاضا لازم ہے۔

دوسرے چونکہ حضور ﷺ ان کی شرارتوں سے راجع تھے اس لئے آپ بنا بریں بھی ان سے راضی نہ
ہوتے تھے لیکن ان کی قسموں کے بعد آپ گرفت کو متوقف کر دیتے تھے اور کبھی کو کافی سمجھتے تھے ورنہ دل
میں وہ بھی جانتے تھے کہ حضور ﷺ ہماری قسموں سے راضی نہیں ہوئے۔

مگر میرے نزدیک یہ سب جواب یہ ہے کہ رسول کی ارضاء کو نہ جیتیں ہیں ایک ارضاء پر حیثیت سلطنت
دوسرا ارضاء پر حیثیت رحمت و رسالت اس کے بعد سمجھتے کہ منافقین کا قصد یہ تو ضرور تھا کہ حضور ﷺ ہم سے
راضی رہیں مگر یہ قصد محض پر حیثیت سلطنت اس غرض سے تھا کہ ان کے اسوایہ الناس محفوظ رہیں اور اس
حیثیت سے آپ کی رضائن میں دوسرے مسلمانوں کو رضاء کے طلق حق اور برصود میں داخل نہ کر دینے خالق
اور حضور ﷺ میں جو دوسری حیثیت و رسالت اور نظیر حق ہونے کی قسم اور اسی حیثیت سے آپ ﷺ کی رضاء
میں رضاء حق ہے جس کی ان کو پروا نہ تھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہ ظن کی رضاء کو رضائے خالق پر ترجیح دیتے تھے اور وہ رسول ﷺ کو بھی یہ حیثیت
ظنون محض ہونے کے راضی کرنا چاہتے تھے حالانکہ حضور ﷺ کی رضاء شرما یہ حیثیت تابع حق ہونے کے
مطلوب ہے جس کی مثالوں کو پروا نہ تھی اس لئے کَلِمَةُ وَرَسُولًا اَسْمٰی اَنْ فِیْ طَعْنٍ میں رسول ﷺ کا
ذکر کیا گیا اور خدا یا گیا کہ جس حیثیت سے تم حضور ﷺ کو راضی کرنا چاہتے ہو وہ مطلوب نہیں اور جو مطلوب
ہے اس حیثیت سے تم ان کو راضی نہیں کرنا چاہتے پس اللہ رسول میں بیعت ہو رسول اس کے پادہ استخفی ہیں کہ

ان کو راضی کرو جس آپ اللہ کا رشتہ اور گیا۔

اور یہاں سے معلوم ہو گیا کہ رسول ﷺ کی رضا و محبت وہی محبت مطلوب ہے جو اس حیثیت سے ہو کہ آپ رسول ﷺ اور مطہر حق ہیں دوسری حیثیت سے آپ کی رضا و محبت مطلوب نہیں۔

ہاں اگر پہلی حیثیت کے ساتھ دوسری حیثیات بھی متبع ہو جائیں تو اور بھی اور ہے ورنہ صرف دوسری حیثیات کافی نہیں مثلاً ابوطالب کو حضور ﷺ سے بہت محبت تھی مگر وہ صرف اس حیثیت سے تھی کہ آپ ان کے بچے تھے یا بعض کہہ کر کہ آپ سے اس لئے محبت تھی کہ آپ مائل کابل تھے اور اب بھی بعض مصنفان یہ روپ آپ کی عقل و بصیرت و استقلال و غیرہ کی تعریف بہت شد و د کے ساتھ کرتے ہیں ان حیثیات سے آپ ﷺ کی محبت و رضا و شرفا کافی نہیں بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ رسول ﷺ ہونے کی حیثیت سے آپ کے ساتھ محبت کی جائے اور اس ہی حیثیت سے آپ کی رضا و شرفا مطلوب ہے۔

الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ
وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَكُمْ فَيَسْأَلُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللَّهُ
مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

ترجمہ: یہ ایسے ہیں کہ کل صدقہ دینے والے مسلمانوں پر صدقات کے بارے میں طعن کرتے ہیں اور ان لوگوں پر جن کو بجز محنت و مزدوری کے اور کچھ بھر نہیں دیا جاتا یعنی ان سے سخر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اس سخر کا بدلہ سے گا اور ان کے لئے دردناک سزا ہوگی۔

تفسیری نکات

شان نزول

اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے پندہ کی ترتیب دی تھی تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کہ تم لوگوں نے کہا تو بھی نہ گا اور ایک صحابی نے کہا کہ انے لائے۔ منافقین دلوں پر فتنے۔ ایک کو یہاں کار بٹا ایک کو بے شرم حق تعالیٰ اس کو بھلا کر دیکھ سکتے تھے۔ ایک آدمی میں فرماتے ہیں۔ میں نے تفسیر منطوری میں یہ حدیث

دیکھی ہے کہ مجھے اپنے قبول بندے کو بھرنے پر ایسا طعناً ہے جیسے شیر کے بچوں کے بھرنے پر شیر کو۔
دوسری حدیث قدسی میں ہے عن عاتلی ولیناً لقد ازلک بالحراب (کہ جو میرے بول سے عداوت رکھنے
اس کو میری طرف سے اعلان جنگ ہے)

یہی تجربہ کہ دم دریں دم مکافات باورد کھائیں ہر کہ در افتاد برافاقت
اور فرماتے ہیں

پسے قوسے را خدا رسوا نہ کرو تاویل صاحب دلی نامہ جلد ۱۰

ایک قبول بندے کے ستانے پر شیر کے شیر جاہ کر دینے گئے ہیں حق تعالیٰ اپنے قبول بندے پر طعن کو
نہیں دیکھ سکتے۔ فرماں کا بدلہ لیتے ہیں۔ اسی طعن کے بارے میں فرماتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یَاۡمُرُوْنَ بِالْعَدْلِ وَاُولٰٓئِکَ مِمَّنْ یُحِبُّہُمْ اَللّٰہُ لَا یُحِبُّ اَللّٰہُ اَلْمُنَافِیْنَ اُولٰٓئِکَ یُحِبُّہُمْ اَللّٰہُ
وَمُحَمَّدٌ رَّسُوْلُہٗ ۚ وَیُحِبُّ اَللّٰہُ اَلْمُؤْمِنِیْنَ اُولٰٓئِکَ یُحِبُّہُمْ اَللّٰہُ ۚ وَیُحِبُّ اَللّٰہُ اَلْمُحْسِنِیْنَ

کہ جو لوگ طعن کرتے ہیں ان لوگوں پر بھی جو رحمت ظاہر کرتے ہیں صداقت میں اور وہ مومن ہیں اور
ان لوگوں پر بھی جو نہیں پاتے فرج کرنے کو کھرا اپنی طاقت کے موافق۔ تو جو ان سے خسر کرتے ہیں انھوں نے
خسر کا بدلہ لے گا اور وہ بدلہ یہ ہے۔ ولہم عذاب الیم۔ کہ ان کو سخت عذاب ہو گا۔ آگے اس کو ابھی طرح
مواہر فرماتے ہیں کہ آپ ان کے لئے انتظار کریں یا نہ کریں ہمارے۔ اگر آپ سحر مزہ بھی انتظار کریں
گئے تو خدا تعالیٰ ان کو نہ بخشے گا۔

اس سے کوئی بہ نہ سمجھیں کہ کوئی گناہ ایسا بھی ہے کہ وہ توبہ و انتظار سے بھی نہیں بخشا جا سکا۔ کیونکہ اس
آیت میں یہ حضور کو اشارہ ہے کہ آپ ان کے واسطے کتنا ہی انتظار کریں ہم نہ بخشیں گے۔ بات یہ ہے کہ وہ لوگ
خود انتظار نہ کرتے تھے اور حضور ﷺ کی دعا و انتظار اسی وقت منہ ہو سکتی ہے کہ گناہ کرنا والا خود بھی توبہ کرنا
چاہے۔ حق تعالیٰ نے یہ تو نہیں فرمایا کہ یہ لوگ انتظار کریں یا نہ کریں ہم بخشیں گے۔ اگر یہ فرماتے تو شبہ کی
گنجائش تھی کہ کیا ایسے گناہ انتظار سے بھی معاف نہیں ہو سکتے تو اگر وہ خود انتظار کرتے تو ایک مرتبہ اَللّٰہُمَّ اِنظُرْ لِی
کہنا بارود کی طرح گناہوں کو آزار دہ ہے (حق اسرار و اسرار ہندوستان حق برائش میں ۱۸۳۲ء)

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ
مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ
وَرَسُولِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿٢٢٣﴾

ترجمہ: آپ کو چاہے ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں اگر آپ ستر بار بھی استغفار کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت نہ کریں گے کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتے۔

تفسیری نکات

یہاں عدد سبعمین سے مراد کثرت ہے

یہاں ایک افعال واجب طاعت دیا ساتھ میں اس کو بھی مل کے دیا ہوا افعال یہ ہے کہ حضور ﷺ نے آیت اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ کو کثیر پر محمول فرمایا حالانکہ یہاں کام سے پہلے تو یہ ہوا اللہ کرتا ہے کیونکہ قرآن سے یہ ہے کہ چاہے آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ استغفار کریں اگر آپ ستر بار بھی استغفار کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت بھی نہ کریں گے یعنی وہ لوگ باغی ہیں ان کے حق میں سزا ہی ہیں چنانچہ اہل بدعت اس کو خوب سمجھتے ہیں۔

فَإِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً مِنْ عَدُوِّهِمْ سے کثرت مراد ہے عدد خاص مراد نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ چاہے آپ کتنا ہی استغفار کریں ان کی مغفرت نہ ہوگی مگر حضور ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ میں ستر سے زیادہ استغفار کروں گا اس کی کیا وجہ ہے آپ کو واضح العرب ہیں آپ نے آیت کو کثیر پر اور عدد کو کثرت پر کیوں محمول فرمایا۔

اس افعال کا جواب ثانی میں نے کہیں منقول تو دیکھا نہیں مگر وہ نکالوں پر میری نظر زیادہ ہے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے میں نے جو جواب سنا ہے وہ بیان کرتا ہوں کہ میں نے کثرت سے بھی اس کی تائید نہ کی اور اگر کثرت سے تائید نہ کی ہو تو حضرت مولانا کو قیاس تعالیٰ نے فنی تفسیر سے خاص ذوق عطا فرمایا تھا۔ ان کے جواب کو ہم حجت سمجھتے ہیں۔ مولانا نے اس کا یہ جواب دیا تھا کہ یہ ایک مطلب کا مرقعہ تو یہی ہے کہ لئے یہ عدد سبعمین سے بھی خصوصیت مدعا نہیں بلکہ کثرت مراد ہے۔ مگر حضور ﷺ پر اس وقت رحمت کا

حال غالب تھا غلبہ رحمت سے آپ نے صورت کلام ترک فرمایا تو اس جواب سے اظہارِ توبہ دے دیا مگر اس سے صوفیہ کے ایک قول کو تشبیہ کرنا پڑے گا۔ وہ یہ کہ صوفیہ کا قول ہے کہ کالمیں پر غلبہ حال نہیں ہوتا تو اس میں یہ قید لگانا پڑے گی یعنی اکثر نہیں ہوتا کالمی ہوگا ہے اور یہ قید محض مولانا کے جواب کی وجہ سے نہیں بلکہ احادیث مجسماں کی تائید کرتی ہیں

چنانچہ واقعہ بدر میں جب مسلمانوں کا کھار سے مقابلہ ہونے والا تھا حدیث میں آتا ہے کہ اس وقت رسول ﷺ عرض فرمایا کہ میں تمہاری ہمت کے ساتھ دعا فرما رہے تھے کہ اسے اللہ اپنے وعدہ و وعید کو پورا فرمائے اور مسلمانوں کو قلبِ عطا فرمائے حتیٰ کہ جیش میں یہ بھی فرمایا

اللهم ان تھلك هذه العصابة لم تعد بعد اليوم

(اے اللہ اگر یہ قوم بھڑکی سے ہلاک ہوگئی تو پھر میں میں آپ کی عبادت نہ ہوگی۔)
اللہ اکبر! خدا تعالیٰ سے یہ کیا جہاد ہے کہ اگر مسلمان اس واقعہ میں مطلوب ہو گئے تو پھر کوئی آپ کا نام نہ لے گا صاحبِ آخر یہ کیا عطا و عفو تو تھک جائیں گے تاہم میں کرتے کرتے مگر ان سے بلکہ جواب دہانے گا کہ اس صوفیہ کا جواب نہایت سہولت سے دے دیں گے کہ اس وقت آپ پر غلبہ حال تھا تمام جہاد کی کیفیت غالب تھی لہٰذا سارا حال مرتفع ہو گیا مگر یہ جواب اس کو مختص ہے کہ صوفیہ کے اس قول کو مشہور و تشہیر کیا جائے۔

محروری ایمان کا اثر

اب ایک اظہارِ اور دہرایا۔ وہ یہ کہ ہم نے تسلیم کیا کہ آیت کی صورت تجھ کو قتل نہیں مگر اس سے محض جہاد معلوم ہوا جو آپ تو نہیں معلوم ہوا تجھ سے جس طرح منافقین کی نماز پڑھتے کا ہوا لہٰذا ہے ترکِ صلوة کا جواب بھی لہٰذا ہے مگر حضور ﷺ نے صلوة کو ترکِ صلوة پر کیوں ترجیح دی آپ نے نماز پڑھی کیوں اس کے لئے کوئی مریض طاعتا جاتا ہے ورنہ آپ کے قتل کا صہٹ ہوا لازم آئے گا۔

اس کا جواب ایک تو مودعین نے دیا ہے کہ اس دن حضور ﷺ کی اپنے خلف ترین دشمن یہ رحمت و شفقت دیکھ کر بہت لوگ مسلمان ہو گئے تھے تو گویا آپ کے قتل میں یہ فائدہ و اور یہ حکمت تھی اور دشمنوں کو یہ دکھانا منظور تھا کہ رسول ﷺ کو اپنے قتل کے لئے کسی سے بھی عداوت نہیں بلکہ وہ دل سے اپنے دشمنوں کے لئے بھی رحمت و مغفرت کے خواہاں ہیں (جب تک حق تعالیٰ ممانعت نہ فرمادیں) اگر قتل کے لئے کسی سے آپ کو دشمنی ہوتی تو عبد اللہ بن ابی کے قتل میں اپنا قبضہ مبارک ہرگز نہ دیتے نہ اس کی نماز پڑھتے نہ دشمن میں شریک ہوتے کیونکہ شرعاً آپ کے دشمنان میں سے ایک کام بھی نہ تھا مگر آپ نے شفقت و رحمت سے سب کچھ کیا اور اس کی دشمنی بہ کچھ بھی انصاف نہیں فرمایا۔

ایک جواب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے دیا ہے کہ حضور ﷺ نے عبداللہ بن ابی کے والد میں اس مسئلہ کو حل فرمایا ہے کہ خمر کات کے گھر و سر پر کوئی اندھے جوں ایمان کے سب سے کار ہیں چنانچہ یہ کہہ کر ان ابی کے پاس گئے خمر کات سے جو گئے تھے حضور ﷺ نے اپنا قبیلہ مبارک اس کے گھن میں دیا بھلا یہ بات کس کو نصیب ہوتی ہے آج کل کوئی بہت کرے گا خلاف کہہ کا گوارہ نہ دے گا مگر خلاف کو حضور ﷺ کی نصیحت سے کیا بہت حضور ﷺ کا جسد اطہر عرض ہو کہ سب سے افضل ہے اور اگر خلاف کہہ کو نصیب نبی کے برابر مان بھی لیا جائے تو یہ دولت کس کو نصیب ہو سکتی ہے کہ حضور ﷺ کا صواب مبارک اس کے منہ میں پڑے عبداللہ بن ابی کے مرنے کے بعد آپ نے اپنا صواب بھی اس کے منہ میں داخل دیا تھا وہ تو آپ کا جڑ تھا جس کی برکت لباس سے بھی زیادہ ہے پھر آپ نے اس کے جنازہ کی نماز بھی کیا اس کے لئے دعا سے منفرت فرمائی بھلا یہ شرف آج کس کو نصیب ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ صحابہؓ کے لئے اس کے جنازہ کی نماز پڑھیں مگر یہ جوں تمام باتوں کے عبداللہ بن ابی کو ان خمر کات سے بچو بھی قطع نہ ہوا کیا تک وہ ایمان سے محروم تھا حق تعالیٰ نے صاف فرمایا۔ **وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ** **وَمَا تِلْكَ الْفِتْنَةُ الَّتِي كُنْتُمْ تُبْغُونَ۔**

سَبْعِينَ مَرَّةً تَكْثِيرُ كَلِمَةٍ دَارِوہ

حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے عبداللہ بن ابی منافق کے جنازہ کی نماز پڑھائی حضرت عمر فاروقؓ نے اس کے ساتھ اختلاف کیا اور عرض کیا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **لَنْ تَقْبَلَ لَهُمْ نَفْسٌ وَلَا نَفْسٌ وَلَا نَفْسٌ** **لَنْ تَقْبَلَ لَهُمْ نَفْسٌ سَبْعِينَ مَرَّةً قُلْنَا لَئِنْ يَقْبَلُوا لَئِنْ يَقْبَلُوا لَئِنْ يَقْبَلُوا** حضور نے جواب فرمادہ فرمایا خیر فی قاتلہ یعنی مجھ کو اللہ تعالیٰ نے منع نہیں فرمایا بلکہ اختیار دیا ہے اور فرمایا ساری علی اہل بیت یعنی میں سزا سے زیادہ استفادہ کروں گا اب یہاں پر دو اشکال ہیں ایک اشکال یہ ہے کہ حضورؐ عقل زبان ہیں اور اس طرح اس وجہ کے ہیں کہ کفار خدا تعالیٰ کے حکام کی عصیان و بغاوت کو حضورؐ کی طرف نسبت کرتے تھے کہ یہ آپ کا حکم ہے اور ہر شخص کو یہ کہتا ہے کہ **لَنْ تَقْبَلَ لَهُمْ نَفْسٌ وَلَا نَفْسٌ وَلَا نَفْسٌ** ظہیر کے لئے نہیں بلکہ تمہارے لئے ہے جس کی تصریح سورہ منافقین میں کر دی گئی ہے **مَنْ أَتَىٰ ظَہْرَ ظَہْرٍ لَّهِمْ لَقَدْ كُفِرُوا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ** اس طرح صحابہؓ تمہارے لئے نہیں بخیر کے لئے ہے چنانچہ سورہ منافقین ہی میں اس کی بھی تصریح ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا مَنَافِقِينَ** واقع ہے جب معمولی اہل زبان اس کو بھی کہتا ہے تو حضورؐ نے ظہیر دیکھ کر کہے گئے اس کا جواب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے یہ ارشاد فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے غایت رحمت کی وجہ سے انھوں سے تمسک فرمایا حتیٰ کی طرف انکسائے نہیں فرمایا۔

واعظین کی ایک غلطی پر تنبیہ

عام واعظوں کی ایک غلطی یاد آئی وہ یہ کہ قرآن مجید میں ہے **فَلْيَتَذَكَّرُوا فَلْيَتَلَوْا عَلَيْهِمْ** (پس چاہئے کہ تم انہیں یاد دلاؤ اور وہ تم کو پڑھیں) اس کا مرہمت ہے اور مسلمانوں کو طاعت کرتے ہیں کہ تم واجب کو ترک کرتے ہو قرآن میں تو کثرت پکا کام ہے اور تم بالکل نہیں دیتے مگر یہ ان واعظین کی غلطی ہے یہاں معنی امر مراد نہیں بلکہ امر مجھے خبر ہے جس میں کفار کی سزا اور عذاب کا ذکر ہے جس کی دلیل سیاق و سباق ہے چنانچہ اس سے پہلے ارشاد ہے **اِذْ تَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ فَتَقُولُ هَؤُلَاءِ نَارُ الْاَشْجَارِ اَمْ هُمْ شُعَبُهَا** اور اس کے بعد ارشاد ہے **(پس چاہئے کہ تم انہیں یاد دلاؤ اور وہ تم کو پڑھیں)** جس سے صاف معلوم ہوا کہ یہ پکا امر ہے اور ظاہر ہے کہ سزا اور چیز ہو سکتی ہے جو سزا پانے والے کے اختیار میں نہ ہو بلکہ سزا اپنے والے کے اختیار میں ہو اگر یہاں معنی انشاء مراد ہوں گے تو محکمہ پکا مخاطب کے اختیار میں ہو گا اور وہ جزا نہیں ہو سکتا جس ثابت ہو گیا کہ یہاں معنی انشاء مراد نہیں بلکہ خبر و مقررہ مقصود ہے کہ ان شریکین کی سزا یہ ہے کہ وہ تھوڑے دنوں میں قتل کیل لیں اور اس کے بعد زیادہ وہ نہیں گئے اپنے اعمال کی سزا میں اور خبر کا انشاء کی صورت میں استعمال کرنا ایسا ہے جیسا کہ ہمارے علماء وہ میں بھی کہا کرتے ہیں کہ اب سر بکڑ کر دو تہمارا بھی سزا ہے معنی اب وہو کے اور اپنے لئے کی سزا سمجھو گے۔ پس اسی طرح قرآن کا یہ بخاور ہے جس سے معنی امر مقصود نہیں ہوا اگر بعض اعمال امر ہی مقصود ہوتا تو سیاق و سباق کی وجہ سے غائب کفار ہی ہوتے مسلمانوں کو پھر بھی خطاب نہ ہوتا اس لئے واعظین کا اس سے مسلمانوں کے لئے کثرت پکا کام امور ہوتا ثابت کرنا غلط ہے یہ سچ میں ملاحظہ ہوا ایک فاضلہ قلمبر سے یہ بیان کر دیا گیا ہے۔

شریعت میں جہنم کی ممانعت نہیں

بعض لوگوں نے **فَلْيَتَذَكَّرُوا فَلْيَتَلَوْا عَلَيْهِمْ** سے یہ سمجھا ہے کہ شریعت میں جہنم کی ممانعت ہے یا استدلال غلط ہے کیونکہ یہاں محکمہ پکا دیا ہوا نہیں بلکہ فلسفۃ الاصولہ مفہوم ہے اور **فَلْيَتَذَكَّرُوا** امر معنی خبر ہے کہ آخرت میں یہ لوگ زیادہ رہیں گے جیسے ہمارے علماء وہ میں بھی کہا کرتے ہیں اب سر بکڑ کر دو معنی اب وہو کے یہ بھی خبر ہے امر معنی طلب نہیں اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ اس کے بعد **فَلْيَتَذَكَّرُوا** کا لفظ **فَلْيَتَذَكَّرُوا** مذکور ہے جس سے صاف معلوم ہوا ہے کہ یہاں وہ محکمہ قلیل و پاکیزہ مراد ہے جو ان کے اعمال پر بخاور جزا کے موجب ہوا کا محکمہ پکا دعویٰ مراد نہیں۔

علاوہ ازیں یہ کہ دوسری تفہیم بھی اس معنی کی ملتی کہ وہی ہیں جنہاں لوگوں نے اس آیت سے کہے ہیں

کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ معجزات مبارک اپنی جگہ اس میں ہوتے بھی تھے مگر اس کے ساتھ یہ بھی تھا کہ رات کو ظلمات میں روایا کرتے تھے۔ کائنات الیوت الیہزار و رہبان اللیل

نیز حضور ﷺ بھی ہتھ تھے مگر حضور ﷺ کی آواز اسی کے وقت نہ تھی حتیٰ کہ صرف دندان مبارک نمایاں ہو جاتے تھے۔ کان جل علیہ حکمہ البسم اور اسی کا خلاصہ میرے خیال میں یہ ہے کہ حضور ﷺ پر غم کا غلبہ تھا کان معر اصل الحزان دائم الفکرة اور یہ جزاں میں مکمل کر لیں یا نہیں آ کر لیتی ہے۔

فَلْيَصْطَلُوا وَلْيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ کہ بتنا تم چاہتے اور وہ نام بہت چاہتے۔

اس سے ہتھ اور رونے کا حکم ثابت کیا ہے کہ وہ ناقص ہے ہتھ سے حالانکہ اس آیت کا یہ دلائل نہیں آیا بہت منافقین کے بارہ میں ہے۔ انہی کے حلق پہلے سے جان چلا آ رہا ہے طلیح حکو کا میں ہم کی ضمیر منافقین کی طرف ہے اور خبر بصورت انشا اور حاصل ترجمہ یہ ہے کہ وہ دنیا میں تھوڑے دنوں ہتھ رہیں مگر قیامت میں زیادہ روئیں گے اس آیت میں منافقین کی اخروی حالت بیان کی گئی ہے کہ یہ لوگ دنیا میں کچھ دنوں کو فاس میں پھرا کرتے ہیں اور دعا ہی دیتا ہے یہ مطلب تھا آیت کا نہ یہ کہ رونے کی غرضیات اور ہتھ کی خدمت جیسا آج کل کے مدعی کہتے ہیں اور قیلا سے دنیا کی زندگی مراد ہے اور اس کے مائل کثیرا سے آخرت کی زندگی مراد ہے مطلب یہ ہے کہ آخرت میں خوب دل کھول کر رونے کے اور ہتھ بھی نصیب نہ ہو گا جزاؤں پہناؤں کا کٹاؤں کی وجہ سے اس کا ترجمہ ہے غرض یہ آیت آخرت کے حلق سے طلیح حکو ۱۰ و لیسکو ۱۱ امر ہے فقط اور خبر ہے مقل۔

مگر معیت تو یہ ہے کہ لوگوں نے اسی آیت دیکھ لی اور تہجد کا شروع کر دیا نہ قیام کی خبر ہے نہ دعا بعد کی اب تو آپ کو مظلوم ہوا کہ قرآن کا کھنڈہ ایک کا کام نہیں اس کے بعد آیت نازل ہوئی۔

جس میں منافقین پر غلا بٹا دینے اور ان کے دُشمنوں میں حرکت کرنے کی صاف صاف ممانعت ہے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے بعد میں بڑی غصت ضرور ہوئی کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ کبھی حرات کی آپ کا ایک کام سے دعا کہتے تھا (میرا کیا منصب تھا حضور ﷺ تو سب سے زیادہ ایک بات کو جاننے والے ہیں)

حضور ﷺ نے منافق کے منہ میں لعاب مبارک کیوں ڈالا؟

خبر یہ واقعہ تھا۔ اس میں بہت مشکوک اور حکام ہے کہ آپ ﷺ نے بلا جواز قَوْلُ لَقَدْ لَعَنَهُمُ اللّٰہُ اور یہ جتنے کے بعد اس منافق کی لڑائی میں پی کر دیا طالب طاعت مبارک ہیں طالب طعن کو خود مل کر لیں گے مگر اس میں اس بات کا خلاصہ حضور ہے کہ حضور ﷺ نے اس منافق کو اپنا کہہ دیا کیوں پہنایا اور اس کے منہ میں لعاب دیا مبارک کیوں ڈالا۔

شراف حدیث نے تو یہ لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے اس کے بچے کی خاطر سے جو مجلس سونیں تھے یہ سب یکجا کیا (تا کہ اس کو معلوم ہو جائے کہ حضور ﷺ کی طرف سے اس کی ہدایت کی سطح میں کوئی کوتاہی نہیں رہی آپ نے دعا بھی کروائی نماز بھی پڑھائی جو حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے بھی عطا فرمایا ہے اب بھی اگر اس کی مغفرت نہ ہو تو یہ خود اسی کا قصور ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس مناقب نے جنگ جند کے موقع پر حضرت عباسؓ (محمد رسول ﷺ) کو ایک کردہ پہنایا تھا آپ نے اس کی منکافات میں سر کرنے کے بعد اسے کردہ پہنایا (بلکلیع شے زائد) یہ سب جو چیزات شراف نے کی ہیں مگر ان باتوں سے ہم کو شفا نہیں ہوئی ہمیں تو اپنے استاد علیہ الرحمہ کی بات پسند آئی کہ حضور ﷺ نے اس مناقب کے ساتھ یہ معاملہ اس لئے فرمایا تا کہ امت کو یہ ضروری مسئلہ بخلا دیں کہ اگر کسی شخص ایمان نہ ہو تو پھر چاہے اس کے پاس لاکھ تمکات ہوں اور چاہے رسول ﷺ جیسا شخص اس کے ہمارہ کی نماز بھی پڑھو اور رسول ہی کا پیس اس کا کفن ہو جائے اور حضور ﷺ کا کتاب مبارک بھی اس کے کند میں پڑ جائے بسبب بھی ہدایت نہیں ہو سکتی اس لئے تمہارا تمکات کے علاوہ اور کوئی نند ہے۔

شان نزول

یہ ایک آیت ہے سورہ ہجہ کی اس کا شان نزول ایک خاص قصہ ہے مگر مجھ کو اس سے ایک عام مضمون استنباط کرنا مقصود ہے اور وہ مضمون ہے فی قصہ قدیم مگر چھ نکاتوں میں اس عنوان اور طرز خاص سے نہیں چڑا اس لئے نہ معلوم ہوگا اور یہ میں نے اس لئے کہہ دیا ہے کہ عوام کو مروت ہو گئی ہے کہ سن کر کہہ دیتے ہیں کہ یہ جو کوئی نئی بات نہیں تو میں بول ہی کہہ دیتا ہوں کہ مگر باقتدار معنوں کے یہ مضمون نیا ہو چکے ہیں یہ مضمون جو کہ ان کی امیدوں کے باوجود کمر سبز کرنے والا اور کوتاہیوں کی اصلاح کرنے والا اور شکستہ دلوں کو قوی کرنے والا ہے اس معنی کو جدید ہوگا کہ اس اسلوب خاص سے ان کے کان اس کے آشنا نہیں ہوئے اولاً میں اس آیت کا شان نزول بیان کرتا ہوں۔ اس کے بعد اس مقصود کو مصرعاً بیان کر دوں گا مصرعاً اس لئے کہا کہ شان نزول سے اس کی اشارہ نہیں ہو جاوے گی اور نیز شان نزول سے یہ آیت مل بھی ہو جاوے گی اور اس پر میرا مقصود موقوف ہے قصہ یہ ہوا تھا کہ جناب رسول ﷺ نے اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے مقام حنوک کا سفر فرمایا تھا۔ یہ مقام مدینہ طیبہ سے دور ہے شام کی جانب ہے اور گرمی کی اس زمانہ میں شدت تھی اور نیز مسلمانوں پر اس وقت جنگی بھی تھی غرض بہت سے مواقع تھے جس لئے حضور ﷺ نے اس سفر میں معمول سے زیادہ احتیاط فرمایا اور درنگی اس طرف ہو گئی بہت سے مقامات گزرے اور بعض روکے رہنے والے اکثر موقعات تھے ان کے رہنے کی وجہ تو خالق تعالیٰ اور بعض صحابہ بھی ہو کہ کھل کے اور نیز بیٹھے کام کرنے والے ہو قرآن شریف مقابہ و محالہ یہ بھی سمجھا کرتے ہیں کہ سب کی شرکت اس واقعہ میں ضروری نہیں لیکن چونکہ حضور ﷺ نے اس سفر کا حرج و احتیاط

الف ایسی طو یعنی ضرور ایسی ہوگا اگر چاہو ذر کی ناک مٹی میں ملے یعنی کوتاہی مراد کے خلاف ہو چپ
ابو ذر یہ حدیث بیان فرماتے تو مزہ لینے کے لئے وان و علم الف ای طو بھی فرمایا کرتے تھے۔

فَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَمْ يُلَاحِظُوا أَهْلَهُمْ بِمَا عَمِلُوا مِنْ بَغْيٍ وَكَفْرٍ ۚ لَئِنْ لَمْ يَرْجِعُوا إِلَى اللَّهِ وَأَنِبُوا لَأَسْفَحَنَّ ۚ
بارے میں ہے۔ اس سے ہشہ اور وہ نے کا حکم ثابت کیا ہے کہ وہ نا اہل ہے ہشہ سے حالانکہ اس آیت کا یہ
دلیل نہیں آیا یہت منافقین کے بارہ میں چنانچی کے متعلق پہلے سے بیان چلا آ رہا ہے فلیصحبکوا میں ہم
کی ضمیر منافقین کی طرف ہے اور یہ خبر ہے بصورت انکے مادر حاصل ترجمہ یہ ہے کہ وہ دنیا میں خود سے ہوں ہشہ
ر ہیں بھاری امت میں زیادہ وہ نہیں گے اس آیت میں منافقین کی اخروی حالت بیان کی گئی ہے کہ یہ لوگ دنیا
میں بکھودوں کو بخش لیکن بھرا آخرت میں وہ انی رہتا ہے یہ مطلب تھا آیت کا نہ یہ کہ وہ نے کی غفلت اور ہشہ
کی خدمت جیسا آج کل کے دلی سمجھتے ہیں اور قلیلیا سے دنیا کی زندگی مراد ہے اور اس کے مقابل کثیر سے
آخرت کی زندگی مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آخرت میں خوب دل کھول کر دے گے اور ہشہ بھی نصیب نہ ہو
گا۔ جزاء بعد کانوا ابعثلون" خود اس کا قرینہ ہے فرض یہ آیت آخرت کے متعلق فلیصحبکوا اولیٰ سکوا
اس پر لفظ اور خبر ہے مٹی۔

مگر معصیت تو یہ ہے کہ لوگوں نے ذرا سی آیت دیکھ لی اور نتیجہ انا شروع کر دیا تاہم اہل کی خبر ہے نہ
بھدی اپنی آپ کو معلوم ہوا کہ قرآن کا کھتا ہر ایک کا کام نہیں۔ (الحال الہامی و ساطع حقیقت دل و دہر)

وَأَخْرُوجَهُمْ مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَنْزَلْنَاهُمْ فِي دِيَارٍ غَيْرِهَا ۚ لِيَكْفُرُوا عَنْ مَا عَمِلُوا ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۚ

عَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۚ خُذْ مِنْ

أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ

صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۚ

اور بکھرا اور لوگ ہیں جو اپنی خطا کے مقرر ہو گئے جنہوں نے ملے جے عمل کے تھے کچھ بھلے
اور بکھریے سو اللہ سے امید ہے کہ ان کے حال پر رحمت کے ساتھ توبہ فرما دیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی
مظہرت والے بڑی رحمت والے ہیں آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعہ
سے آپ ان کو پاک صاف کر دیں گے اور ان کے لئے دعا کیجئے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے
موجب السکون ہے اور اللہ سنتے ہیں اور جانتے ہیں۔

تفسیری نکات

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَلَمْ يَمْلِكُوا إِلَّا الْقَوْلَ سَعْيًا نَحْنُ اللَّهُ لَا يَتُوبُ عَلَيْهِمْ خَلْقًا لَّنْ غُلُوبًا تَتَوَدَّعُونَ
 شروع کو دعا سے ان تکلفیں کی غفلت کا بیان کہ جو مرد حضور ﷺ کے لئے اور اس کے بعد حاضرین کا ذکر
 ہے اس کے بعد یہ بت ہے جس کا ماحول یہ ہے اور ایک گروہ اور ہے جنہوں نے اپنے گناہوں کا توبہ کر لیا گو
 غلط اسکی انہوں نے عمل صالح اور عمل بد دونوں کو غلط کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مغرب ان پر رحمت کے ساتھ رجوع فرما
 دیں گے اور اللہ بخشنے والے رحم فرمانے والے ہیں اور بخشنے ایسے تھے کہ پہلے سے ان کی کچھ میں کچھ نہیں آیا کر کیا
 کریں مگر شریف آدمی کے بعد کچ کہہ دیا اور ان کو مہلت دی گئی ان کی شان میں اور اللہ ہے
 وَالْمَغْرِبُ مُتَوَدِّعُونَ لِيُتَوَدَّعُوا قَوْلًا لِّقَوْلِهِمْ تَتَوَدَّعُونَ تَتَوَدَّعُونَ تَتَوَدَّعُونَ تَتَوَدَّعُونَ تَتَوَدَّعُونَ
 ميعاد دینے لگے ہیں یا تو ان پر اللہ تعالیٰ رجوع فرمادیں یعنی ان کی توبہ قبول فرمادیں اور یا ان کو عذاب دیں اور
 ان کیلئے یہ غم ہوا کہ ان سے کوئی نہ بولے نہ جی نہ بچے نہ دوست اب چہرہ جاتے ہیں غائب ہے جماعت کی
 ناز و خجستہ کے لئے جاتے تھے۔ لیکن کوئی ان سے نہ بولتا تھا۔

حضرت کعب بن مالکؓ اور ان کے احباب کے واقعات

ان میں سے ایک کعب بن مالکؓ اور ان کے دوست تھے کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں تو بڑی تھا
 اپنے سب کام کرتا تھا اور سب بجایا تھا ہاں تھا اور حضور ﷺ کی خدمت میں بھی جاتا تھا۔ حضور ﷺ نے
 پھر پڑھتے تھے لیکن جس وقت میں نہ پڑھتا تھا تو حضور ﷺ کو دیکھتے تھے اور میرے جود دوست تھے وہ ذرا ضعیف
 تھے انہوں نے یہ کیا کہ میں گھر میں بیٹھ کر دعا شروع کیا اور فرماتے ہیں کہ مجھ کو زیادہ گھر اس کا تھا کہ اس
 دست میں میں ہر کیا تو کیا شتر ہوگا اور حضور کی اگر اس معیاد میں وفات ہوگئی تو پھر اس غم کا منسوخ کرنے والا
 کون ہوگا۔ یہ تصور بندہ کرشت حق تھا۔ حق تعالیٰ نے بھی ان کی اس حالت کو بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے
 لِيُتَوَدَّعُوا قَوْلًا لِّقَوْلِهِمْ تَتَوَدَّعُونَ قَوْلًا لِّقَوْلِهِمْ تَتَوَدَّعُونَ قَوْلًا لِّقَوْلِهِمْ تَتَوَدَّعُونَ قَوْلًا لِّقَوْلِهِمْ تَتَوَدَّعُونَ
 ان پر تلگ ہوگئی زمین ہاں جو اس کی کٹاؤ کی کے نور تلگ ہوگئی ان پر ان کی جائیں اور انہوں نے یقین کر لیا کہ
 کوئی تمہارا نہیں اللہ سے گھر اس کی ہی طرف اللہ اکبر ان حضرات کو کیا مشق تھا اور کیا استقامت تھی اسی دست
 میں شاہد انسان کو اس واقعہ کی خبر ہوئی اس نے کعب بن مالکؓ کے نام تک لکھا کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ تمہارے
 صاحب نے تمہارے ساتھ تھی کا بہتا دیا ہے اور تمہاری قدر نہیں جانی آپ یہاں آ جائیے آپ کی قدر افزائی
 کی جاوے گی اور منتظر اس کا یہ تھا کہ یہ سازش تھی اس بات کے لئے کہ ان میں سے بڑے بڑے آدمیوں کو میں

تو دلوں میں جب آدمی غلامی کرتا تو اس نے لوگوں سے یہ چھڑا کر کتب میں مالک کہاں ہیں تو لوگ بولے نہیں
 اٹھا کہ چراغ کا معاملہ خدا تعالیٰ اس کو سمجھتے ہیں کہ ان کے حلق میں ہر کوئی شخص یہ چھڑا تو جواب نہ دیتے تھے
 اشد کہ یہ کہ جس میں طرح کتب میں مالک ایک اور قصہ بیان فرماتے ہیں کہ ہر ایک چھڑا دعائی تھا ایک
 مرتبہ وہ بارش میں تھا میں بھی وہاں جا پہنچا تو مجھ سے بولے نہیں مجھ کو سخت دہرایا میں جب انہوں نے یہ غلامی کیا
 تو بہت پھرت کر دئے کہ اٹھا کہ اب میں اس حالت کو پہنچ گیا کہ میرا لوگ میرے بارہ میں طبع کرنے لگے ہیں
 اور پھر جواب نہیں دیا اور غلامی میں بھوکہ دیا فرض اس طرح یہ اس دن گزرے اس کے بعد حق تعالیٰ کی رحمت
 حضور ہوئی چنانچہ آیت **وَالْفُرْقَانِ فُرْقَانًا لِّدَعْوَانَا** کے بعد آیت **لَقَدْ نَالَ اللَّهُ عَلَى الظَّالِمِينَ وَالْأَعْيُنُ**
رَأَتْ مِنْهُمْ مَا هِيَ كَرِهَتْ کے بعد آیت **وَالْفُرْقَانِ لِنُفُوسٍ شَانٍ** میں ان حضرات سے بندھنے والوں کے
 لئے قول قرآن کی بشارت ہے چاروں اس آیت میں متعاہد اور متجانس انداز میں آیت کے لئے تو یہ قصہ ہے غلامی وصال
 ہے اس طرح اس کی خبر سے ترس آیت کا پہلے گزر چکا ہے یہاں اس کی کہ خبر فرض کی جاتی ہے اس طرف یہاں
 اس طرف فعلی کو فرمایا کہ حضراتوں سے اپنے آپ کو نہ صوابی اسلام و کلام دیا کہ ہم سے جو اہم ہوا ہے اور حالت ان
 کی یہ ہے کہ کل صاب یعنی اس طرف ذوق کو کل بدعتی تحفہ میں گزرا جو کہ کے ساتھ ملا دیا۔

جہاد فرض عین اور فرض کفایہ

اس مقام پر ایک طالب علم نے عرض کیا ہے کہ جہاد میں جہاد فرض کفایہ ہے جب ایک جماعت نے
 اس فرض کو ادا کر لیا تو سب کی طرف سے ادا ہو گیا بلکہ جہاد کے کیا معنی ہیں جواب اس کا یہ ہے کہ حضور نے اس
 فروع کے لئے ہر عام فرمایا تھا اس لئے وہ فرض عین ہو گیا تھا اور حضور کی شان تو اہل بدعت ہے اگر امام مسلمین کسی
 امر میں کامیابی ہو کر نہ تو وہ فرض عین ہو جاتا ہے نہ اس کے ارشاد ہے **عَسَى اللَّهُ أَنْ يَكُونُوا عَالَمِينَ** اس سے ہے کہ
 اللہ تعالیٰ ان پر عوام فرمادیں گے۔ یہ شاہی تھا وہ ہے چنانچہ حکام کہتے ہیں کہ تم کو امید رکھنا چاہئے اور کہتے ہیں
 کہ ممکن ہے کہ تمہارا یہ کام ہو جائے اور حضور دعا بھی ہوتا ہے اور یہاں تو وعدہ ہے نہ کہ قریب ہو گیا تھا
 چنانچہ حضراتوں سے کھڑا دیکھتے تھے کہ اس کا وعدہ کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو بادشاہی عطا فرماتے ہیں اس
 میں ایک خاص شان اور آواز پیدا ہو جاتی ہے۔

کلام الہی کی ایک عجیب شان

جس کا اعتبار ہوتا ہے کہ اس کے فعل اور قول میں ایک اتحاد کا کائنات ہے جس وعدہ بھی اگر کسی سے کرتے
 ہیں تو وعدہ کے مینہ سے نہیں کرتے اس لئے کہ وعدہ ہوتا ہے ہر دوسروں کو مطالب کا حق حاصل ہو جاتا ہے اور یہ ایک

قسم کی مطلوبیت ہے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ تم کو امید رکھنا چاہئے اور کہتے ہیں کہ شاید ہم اس کو یوں اور چونکہ حق تعالیٰ تو اس حکم کے احکامین اور سب بادشاہوں کے بادشاہ ہیں اس لئے بھی ان کے کام کا بھی اندازہ ہے بلکہ حقوق کے کام میں خود وہ مفت حکم کا بادشاہ ہو کسی نہ کسی حکم مطلوبیت اور خصوصیت کا انداز ضروراً چاہئے گا اس لئے کہ وہ قطعی ایک ہی دست قوت کا مطلوب ہے اور حق تعالیٰ کے کام میں اول سے آخر تک وہ یکہ یکے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا حکم کسی سے نہ بنے دلائل اور سب پر غالب ہے۔

تفسیری نکتہ

طامل جن حضرات کی توبہ قبول ہوئی تھی اس فرقہ میں وہ اپنا سب مل دے اور یہ دیر نہ بولائے اور حضور کی خدمت میں پہنچ کر اپنی حق تعالیٰ کی رحمت دیکھنے فرماتے تھے کہ اے رسول اللہ! میں نے خدا کو کفو نہ تھا تو کفو بن گیا یعنی ان کے دلوں میں سے توبہ اسلام صدقہ لے لیجئے کہ اس سے آپ ان کو پاک کریں اور ان کو صاف کریں بیچنا اس آیت میں علی کی شکل الشافعی ظہور اور ترکی دونوں کے مطلق ہے یہاں پر ایک سوال ہوتا ہے کہ ظہور اور ترکی تو ایک ہی شے ہے اگر صرف ظہور ہی اکتفا فرماتے تو کافی تھا ترکی میں کیا کچھ ہے کچھ اس میں یہ ہے کہ وہ چیزیں ہیں ایک تو آگ دوسرے آگ کا اثر یا پھر آگ کو کہ باستانی اور ایک اس سے آگ لگنا یعنی ایک تو مسیت ہے جو آگ ہے اس کا اثر تو ظہور ہے اور دوسرے مسیت کا مادہ ہے اس کا اثر تو ترکی ہے تو مطلب یہ ہے کہ صدقہ قبول کرنے سے ان کے گناہ بھی پاک کیجئے اور گناہوں کا مادہ بھی دور کر دیجئے آگ سے ارشاد ہے واصل علیہم اور ان کے لئے دعا بھی کیجئے یہاں سے ایک بات کام کی معلوم ہوئی وہ یہ کہ آج کل جو یہ دہانے ہے کہ اگر کوئی شخص کسی معروف غیر میں بگھو بیہ دتا ہے تو کمزے ہو کر اس کا شکر یہ ادا کرتے ہیں یہ بالکل بے موقع ہے ہم کو ایسے موقع میں اس کے لئے دعا سکھائی گئی ہے چنانچہ ارشاد فرمایا واصل علیہم اس کے لئے شکر یہ ادا کرتے جس کے ساتھ احسان کیا ہو وہ شخص ہم کو نہیں دیتا اسلام کی خدمت کرتا ہے اور اسلام کے ساتھ اس کو ہم کو برا مطلق ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے اِنَّ اَصْحٰبَ الْاَوْثَانِ كَانُوْا مِنْ اَمْرِ شَيْءٍ سَمِعُوْا بِمَدْعٰتِ زِبٰنَتِمْ وَاٰتٰتِمْ وَاَنْتُمْ كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اس پر نظر کرنے سے بھی اس شہ کو توحید ہوتی ہے بلکہ اس آیت کے سننے اور یہ مان لے جاویں کہ تم کو اور مادہ گناہ کا جانا رہتا ہے تو شہ اور زیادہ قری ہوتا ہے اور ارشاد ہے اِنَّ الْاَوَّلٰی تَحْلٰی عَنِ الْاٰثَمٰتِ وَالْاٰثَمٰتُ تَحْلٰی عَنِ الْاَوَّلٰی شریف میں ہے ان وحمی صلیب علی عطیسی ان آیات سے اور اس حدیث کے عموم سے یہ شہ بہت سی قوی ہوتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ حسات کے ہوتے ہوئے بیٹا کیوں رہتے ہیں حسات کا اشتقاق یہ ہے کہ سب دور ہو جائیں چنانچہ صحابہؓ کے اندر وہ غلط نہیں تھا پھر ایسی توحید کون سی ہے جس سے یہ غلط کی حالت شدہ ہو

کمال ہوگی اور جو اللہ تعالیٰ تعالیٰ اور توفیقہ اللہ تعالیٰ سے ملے گی اس میں جو کمال کرے اس میں وہ باتوں کی بہت ہونا چاہئے ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ خوش ہوں دوسرے یہ کہ جس کے بعد اس کمال کا ملکہ جائے کہ جس سے جس کے اندر احتمال پیدا ہو جاتا ہے۔ حق تعالیٰ کی خوشنودی تو حضور صلی علیہ وسلم کے ہاں کافور ہے اب ہم لوگ اپنا حال دیکھیں کہ کمال نہ دیتے ہیں تلاوت قرآن بھی کرتے ہیں روزہ بھی رکھتے ہیں صدقہ خیرات بھی ہندو رحمت دیتے ہیں لیکن ان اعمال میں ہماری نیت کو بھی نہیں ہوتی پس اعمال یہ ہیں لیکن ملائمت ان میں نہیں ہے۔

صدقات واجبہ کا امر

چنانچہ ارشاد ہے **لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُنَّ جُزْءٌ مِّمَّا كَسَبْنَ ۚ وَبَرًّا ۖ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَعَسَىٰ أَنْ يَكُونَ مِمَّنْ يَلْعَبُ ۚ** اے ایمان والو جب تم جناب رسول ﷺ سے پوشیدہ بات کرنا چاہو تو پہلے کہو صدقہ دے دیا کرو مہاجات رسول ﷺ کا خبر ہے کہ اعمال صالحہ میں سے ہے جس اس کے ارادہ پر صدقہ دینے کا حکم ہوا اور یہاں اللہ کا پاداشت ہے ہوں نہیں فرمایا **لَقَدْ مَوَّاهِبْنَكُمْ لِقَاءَ ۙ** اس لئے کہ اس میں کسی طرح کو یہ شہ کرنے کی گنجائش ہو سکتی تھی کہ ان کے رسول ﷺ نے بھی اپنی کمالی کے بھی خوب اسمک ٹال رکھے حساب یہ شرعی نہیں ہو سکتا اس لئے کہ صدقات واجبہ کا مال جیسا کہ میزاسر سے اس صدقہ کا واجب مضمون ہوتا ہے حضور ﷺ اور حضور ﷺ کی ارادہ کے لئے بطریق بنی ہام کے لئے حرام تھا اس لئے کہ صدقہ کو مبالغہ اس سے فرمایا ہے اس صدقات واجبہ بنی ہام کے لئے جائز ہیں اور آپ کے لئے وہ بھی حرام تھے۔

تفسیر اور ترکیب

الاصل جن حضرات کی تہ قبول ہوئی تھی اس خوشی میں وہ اپنے سب مل مدد پر یہ غور کرے اور حضور ﷺ کی خدمت میں صبح کر یا حق تعالیٰ کی رحمت دیکھئے تو را آیت **مَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَعَسَىٰ أَنْ يَكُونَ مِمَّنْ يَلْعَبُ ۚ** خداوند تعالیٰ ہم سے کفر اور اس صدقہ کے لئے لکھے کہ اس سے آپ ان کو پاک کریں اور ان کو صاف کریں۔

آیت میں علی شکل لغت از تلخ اور ترکیبوں کے متعلق ہے یہاں پر ایک سوال ہوتا ہے کہ تفسیر اور ترکیب تو ایک ہی شے ہے اگر صرف تلخ پر ہی اکتفا فرمائے تو کافی تھا۔ ترکیب میں کیا کتبہ ہے اس میں یہ ہے کہ دونوں چیزیں ہیں ایک تو آگ دوسرے آگ کا اثر پاہوں کہو کہ باستانی اور اس سے آگ لگتا یعنی ایک تو مصیبت ہے دوسرے آگ ہے اس کا ازالہ تو تفسیر ہے اور دوسرے مصیبت کا مادہ ہے اس کا ازالہ ترکیب ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ صدقہ قبول کرنے سے ان کے گناہ بھی پاک کیجئے اور گناہوں کا مادہ بھی دور کر دیجئے آگے

ارشاد ہے وحصل علیہم اور ان کے لئے دعا بھی کیجئے یہاں سے ایک بات کام کی معمول ہوئی وہ یہ کہ آج کل جو یہ رواج ہے اگر کوئی شخص کسی مصرف خیر میں کچھ دینا چاہتا ہے تو کمزے ہو کر اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں یہ بالکل بے موقع ہے۔ ہم کو ایسے موقع میں اس کے لئے دعا سکھائی گئی ہے چنانچہ ارشاد فرمایا وحصل علیہم اس لئے کہ شکریہ ادا کرے جس کے ساتھ احسان کیا ہو وہ شخص ہم کو نہیں دیتا ہے اسلام کی خدمت کرتا ہے اور اسلام کے ساتھ اس کو اور ہم کو برابر تقاضا ہے۔ اس کی تو ایسی مثال ہے کہ ایک باپ کے چند بیٹوں اور ایک بیٹا باپ کی کچھ خدمت کرے اور بیٹے اس کا شکریہ ادا نہ کریں گے اس لئے کہ جیسا کہ باپ ہے ایسے ہی اس کا بھی ہے۔ ہم پر اس نے کیا احسان کیا ہے۔ جو شکریہ ادا کریں یہی شکریہ ایسے موقع پر بالکل بے گل ہے شکر یہ تو جب ادا کیا جاوے جب کہ کوئی کچھ دے شکریہ ادا کرنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خود کما جائیں گے یا یہ شخص یہ سمجھتا ہے کہ اسلام میرا یہ دوسرا مسلمان ہی نہیں بلکہ ہر باپ کی عقیدہ ہے کہ وہ اپنے جیسوں میں شکر یہ ادا کرتے ہیں تو ان کی دیکھا دیکھی بھی ایسی ہی کرنے لگے اور اس پر کیا غصہ ہے۔ سب تو ہر کام انہیں کے طریقہ پر کرنا چاہتے ہیں چنانچہ کسی کی تقریر میں جب کوئی مضمون پندرہ تا ہے تو اس پر تالییاں بجاتے ہیں حالانکہ تالییاں تو اہانت کے موقع پر بھائی جاتی ہیں۔ یہ ابھی تہذیب سے تہذیب کیا تضاد ہے۔

ترجمہ: آپ ﷺ ان کے مالوں سے صدقہ (جس کو یہ دیتے ہیں) لے لیجئے جس کے لینے کے ذریعے سے آپ ﷺ ان کو گناہ کے آثار سے معاف کرنے والے ہیں چاہے آپ کی دعا ان کے لئے موجب شہنائی (عقب) ہے اور اللہ تعالیٰ مرطب بنے ہیں اور مرطب جانتے ہیں۔

آیت ملکوں کا شان نزول

کہ رسول ﷺ فرود آجوں ملک اشرف لے گئے تھے۔ اور جو مصلوبین کے سب کو ساتھ چلے گا حکم دیا گیا تھا۔ مگر کچھ لوگ فرود آجوں نہیں گئے دینہ دی میں رہ گئے جن میں زیادہ تر منافقین تھے اور وہ چار ٹکسین بھی تھے۔ آپ کی دائیں پر منافقین نے تو آکر سولے کھانے کر دیئے کہ ہم کو اس خدا ماننے تھے۔ یہ سب خوش آ گیا تھا مگر ٹکسین نے اپنے نکاح کا صاف صاف قرار کر دیا کہ ہم کو کوئی خدا ماننے نہ تھا۔ ہم صلی کا علی اور سستی سے پیچھے رہ گئے حضور ﷺ نے منافقین کا دوسری کر ان کو مصلوبین میں داخل کر کے رخصت فرمایا اور ان ٹکسین سے فرمایا کہ تم یہاں اسطرح خدا کے پیرو ہو خواہ صاف فرمادیں یا سزا جو دہ کر دیں چنانچہ یہاں سب سزا سب مسلمانوں کو ان سے قطع تعلق کا حکم دیا گیا کہ کوئی ان سے بات نہ کرے اور سلام و کلام نہ کرے یہاں ان کے بعد ان کو تہ نازل ہوئی تو یہ حضرات خوش خوش حضور ﷺ کے پاس آئے اور شکر یہ قبول تو ہیں مگر اپنا دل حضور ﷺ کے پاس لائے کہ اس کو کافر نے میں سے صرف فرمایا جائے حضور ﷺ کو ان کا بل قبول کرنے

ایک صورت ملائی بان دونوں باتوں میں بہت بڑا فرق ہے تو فرماتے ہیں کہ قصوں میں اس کی ترقیب تو ہے کہ خرچ کر اگر خرچ کر کے تو اس کا ثواب یہ ہے کہ لَنْ يَخْلُقَ اللهُ شَيْئًا إِلَّا وَهُوَ يُعْطِيهِ لِمَنْ يُشَاءُ ایک دوا و رسات سو گداس سے بھی زیادہ ۔

خود کہ یا ہدایں جنیں بازار ما کہ یک گل بکری عجز ما

اور فرماتے ہیں

نیم جاں بتا محمد جاں دوچ انچہ دو دھت لیا یہ آں دوچ

تو یہ ایک تہادت سکھائی تھی کہ اگر اس پر عمل کرو گے تو بڑے نتائج حاصل ہوں گے مگر تم کہیں ہر تہادت میں بھی کجی کرتے ہو اس کا طریقہ تو یہی جھگڑے ملنا کیا نقصان ہم نے تو تمہارے نفع کی بات بتلائی تھی نہیں مانتے مت مگر ابھی نہیں میں چاہا اسی کو رشاد فرماتے ہیں فَهَذَا كَلِمَةٌ مِنْ رِيسَالٍ وَمِنْ رِيسَالٍ وَهِيَ اَيْتِسْنُ عَنْ تَقْدِيرِ يَمِينِ اس نکل سے خدا کا کچھ ضرر نہیں تمہارا ہی ضرر ہے ۔ وَلِلَّهِ الْفَيْضُ وَلِلَّهِ الْفَيْضُ خدا نئی ہے اس کو کسی کی پروا نہیں ہاں تم کھانا جو تمہاری حاجت ہی کو دیکھ کر یہ رائے دی گئی تھی کہ اس کے راست میں وہ گتے تو مال ہو جاؤ گے ۔ نہیں مانتے تو تمہارا ہی نقصان ہے ملنا کیا بگڑا اس آیت کی یہ تقریب ایک عالم صاحب نے سن کر بہت خوشی ظاہر کی اور دعا کی دی اور کہا آج اس کا مطلب سمجھا ہوں ۔ پہلے تو بڑے تردد میں تھا کہ اس آیت میں یہ کیا مفاد ہے کہ اول آیت میں تو سوال کی گئی معلوم ہوتی ہے اور آخر میں خود سوال ہے اب معلوم ہوا کہ کوئی مفاد نہیں کیونکہ دوسری آیت میں سوال نہیں ہے بلکہ ترقیب ہے ۔ اتفاقاً ہی تکمیل اللہ کی اور وہی آیت میں گئی ہے سوال کی اس ترقیب سے سب مشکلات ختم ہو گئے مگر ایک شہدہ کیا مفاد یہ کہ اگر ہم خرچ نہ کریں تو دین کا سب کام چھوٹ ہو جاوے یہ عاری کیسے قائم رہیں اور مسجدوں کی خدمت کون کرے ۔ اگر ہم خرچ نہ کریں تو رفتہ رفتہ دیا سے دین پر نصرت ہو جاوے تو اس اقبال سے پہچان الی ظہرے ۔ اس ناز کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ہاں بے شک جہاں تمہارا ہی مدد سے کام چلتے ہیں اگر وہ یہ نہ ہو تو خلافت سے قائم نہ ہیں دویہ کی اور دینے والے کی تو وہ اپنی ضرورت ہے مگر خاص تمہاری ذات شریف کی خدا کو ضرورت نہیں ۔ اگر تم اس کام کو چھوڑ دو گے تو اوطاق علی دوسری قوم کو بدل دیں گے کہ جانے تمہارے وہ اس دینی خدمت کو کرے گی ۔ اسی مضمون کو فرماتے ہیں وَلَيْسَ يَخْلُقُ اللهُ شَيْئًا إِلَّا وَهُوَ يُعْطِيهِ لِمَنْ يُشَاءُ اس کا مطلب یہ ہے کہ واقعی دین کا کام خرچ کرنے سے چلتا ہے مگر وہ خرچ کرنا تم پر متوقف نہیں جہاں اللہ کی حاجت ہے یہ سہولت میں رشاد ہے اس طرف کہ یہ خرچ کرنا ایک عہدہ ہے تم مالک نہیں ہو ۔

اٰمَنَ اَنَسَ بُنْيَانُهُ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ
 اَمْرٌ مِّنْ اَنَسَ بُنْيَانُهُ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارٍ بِهٖ
 فِي نَارِ جَهَنَّمَ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ لَا يَزَالُ
 بُنْيَانُهُ الَّذِي بَنٰوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّا اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ
 وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

ترجمہ: ہمراہ اس شخص بہتر ہے جس سے لے اپنی عمارت (یعنی مسجد) کی بنیاد خدا سے ڈرنے اور
 خدا کی فرمائش پر ہوگی ہو یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گمراہ (یعنی ملحد) کے کنارے پر
 جو کہ گرنے ہی کو ہو رہی ہو پھر وہ (عمارت) اس (بنی) کو لے کر آتش روزخ میں گر پڑے اور اللہ
 تعالیٰ ایسے عاملوں کو (دین کی) گمراہی و جان کی یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے بیشمار کے دلوں
 میں (کانٹا سا) ٹھکنے دے گی پس مکران کے (وہ) دل ہی اگر تباہ ہو جائیں تو خیر اللہ تعالیٰ بڑے علم
 والے بڑی حکمت والے ہیں۔

تفسیری نکات

شان نزول

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اٰمَنَ اَنَسَ بُنْيَانُهُ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْرٌ مِّنْ اَنَسَ بُنْيَانُهُ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارٍ بِهٖ
 خاص مسجد کے بارے میں نازل ہوئی ہے مگر مجھے اس طے شدہ کمال کردگار مساجد اور عمارت کی تعمیر کا حکم
 بیان کرنا ہے اور اس پر ہر تعمیرات کو قیاس کرنا ہے فرض یا بہت مسجد خاص کے قصہ میں نازل ہوئی ہے۔
 شخص قصہ کا یہ ہے کہ یہ مذکورہ کے قریب ایک محلہ ہے قیاس کا نام ہے رسول ﷺ جب ہجرت کر کے
 مدینہ منورہ تشریف لائے ہیں تو اول ہی محلہ میں قیام فرمایا۔ ہر شہر میں تشریف لائے تھے تو زمانہ قیام میں جس
 جگہ آپ ﷺ نماز پڑھتے تھے وہاں اس محلہ کے مومنین مخلصین نے ایک مسجد بنائی اور اس میں نماز پڑھا
 کرتے مکی نے خوب کہا ہے کہ

در منزلتیک جا ناں روز سے رسیدہ باشد با خاک آستانش دارم مریدانے

معاہنین نے جو کہ اسلام کی تاریخ کی تدویروں میں ہر وقت نگہ رہے تھے یہ سوچا کہ ایک مکان مسجد کے نام سے جدا کیا جائے اور پھر اس میں وہ مسجد کی شکل ہو اور واقع میں انجمن مولوں کا یہ پختہ اور ماسر رہا ہو دیا گیا جو کہ اسلام کا فتنہ دشمن تھا اور ماسر کا یہ نقل شاہد م سے مکمل نقل تھا اور ماسر نے مسلمانوں کے ضعف پر نظر کر کے یہ کہا کہ میں ہر اہل اسلام کے مقابلہ کے لئے لشکر و اس کا جس سے اسلام بچتا رہا ہو چلائے گا۔

ان لوگوں نے اپنی کثرت اور مسلمانوں کی قلت دیکھ کر یہ خیال بنا کر لیا تھا مگر یہ نہ سمجھے کہ خیر ہوں کی چاہے کتنی ہی کثرت ہو مگر جمیع کی قلت بھی ان کے نیست و نابود کرنے کے لئے کافی ہے مسلمانوں کے ساتھ تو ایک پھری ان اٹھ سوا کی چھی کر کاہر کسی صورت سے بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اور فرسوں کو آج کل بھی چھری مسلمانوں کے پاس نہیں رہی اور اگر ہے بھی تو بیوقوفوں ہے کہ وہ یہی ہے۔ کیونکہ مرغیاں سالی سے مسلمان بہت کم ہوتے رہے ہیں اس لئے کانٹوں کا بھی ان پر غلبہ ہو جاتا ہے اگر مسلمان اس چھری کو تیر کر لیں یعنی خدا تعالیٰ کی مرضی کرنے کی کوشش کریں تو پھر وہی سوندہ ساندے آ جائے جو کبھی پہلے تھا۔

فرض ان لوگوں نے انجمن کی نیت سے مسجد کی شکل میں ایک مکان اس فرض سے جدا کیا اس میں خیر یہ اسلام کا مشورہ کیا کریں گے۔ مسجد کی نیت سے ٹکس دیا تھا۔ صرف سورہ مسجد کی شکل چھی فرض جب وہ مکان چار ہوا تو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ ایک ہزار ہا مل کر ہزار چھ لکھ تو پھر وہاں نماز ہونے لگے گی۔ تو کو یا حضور جزری کا تھا جیسے بیخ ہسکی رہ جزری کرائی جاتی ہے۔

حضور ﷺ نے جدا گانہ مسجد بنانے کی وجہ پر بھی کہنے لگے کہ ہماری نیت ہر اہل ایک ہے۔ مصلح عام مسلمانوں کی آسائش کی فرض سے بنائی چھی تاکہ مسرت و سہولت ہو کر ہر روزی میں سایہ کی ضرورت ہوتی ہے ایک مسجد میں سب ہائیں سکتے۔ اس سے گنجائش ہوگی۔ یہ کوئی چار صلیف دور نہ جائے تو پاس کے پاس میں ہزار چھ لکھ حضور ﷺ نے ہمارے میں ملحق ہونا کر دہہ کر لیا۔ فرض حضور ﷺ نے وہ ہمارا پایا کہ تو کہ سنا کہ اس میں ہزار چھ لکھ ہمارے تعالیٰ نے آپ کو حقیقت حال کی اطلاع کر دی اور وہاں نماز چھ منے سے منع فرما دیا اور یہاں سے ازل ہوئی۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَتَاهُمُ الْخَيْرُ أَوْلَىٰ مِنْ كُلِّ خَيْرٍ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ فِتْنَةٌ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَسِعَ كُلُّ شَيْءٍ عِلْمَهُ وَسِعَ كُلُّ شَيْءٍ عِلْمَهُ
وَالَّذِينَ آمَنُوا أَتَاهُمُ الْخَيْرُ أَوْلَىٰ مِنْ كُلِّ خَيْرٍ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ فِتْنَةٌ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَسِعَ كُلُّ شَيْءٍ عِلْمَهُ
وَالَّذِينَ آمَنُوا أَتَاهُمُ الْخَيْرُ أَوْلَىٰ مِنْ كُلِّ خَيْرٍ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ فِتْنَةٌ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَسِعَ كُلُّ شَيْءٍ عِلْمَهُ

اور ایسے ہیں کہ جنہوں نے ان فرض کیلئے مسجد بنائی ہے کہ ضرر پہنچا نہیں اور فتنہ کی باتیں کریں

قلب اور موت

اس کا ایک مطلب تو ظاہری ہے کہ یہ ارمان لوگوں کے دل سے بھی نہ نکلے گا جو اس کے کان کے دل ہی قطع ہو چاہی اور یہ مراد ہی ہے تو یہ حسرت نکل سکتی ہے کیونکہ جب دل بند ہے گا جو کل ہے حسرت کا تو پھر ارمان اور حسرت کس طور سے باقی رہے گا۔ پس ایک تو یہ توجہ ہے **﴿اِنَّ تَقْنَعَكُمْ فَلَا تَنْفَعُ﴾** کی کہ بعد از موت کے اس خاص حسرت سے رحمت ہو چاہے گی۔

ایک توجہ یہ بھی بیان ہو سکتی ہے اور یہ نہایت لطیف ہے کہ **﴿اِنَّ تَقْنَعَكُمْ فَلَا تَنْفَعُ﴾** تاکہ یہ ہے الم حسرت اور ارمان کی کہ ان کو حسرت اور ارمان ہمیشہ رہے گا اور یہ ٹھک ہمیشہ رہے گی۔ موت سے بھی یہ ٹھک دور نہ ہوگی کیونکہ قلب کو موت نہیں آ سکتی اس لئے کہ قلب کی وہ قسمیں ہیں ایک تو قلب جو مفقہ و مہربانی ہے۔ دوسرا قلب حقیقی جو کل اور اوقات ہے مگر وہ غیرہ کا حصول بھی ہی قلب سے ہوتا ہے۔

یہ قلب جس چیز کو ہوا کرتا ہے اس کی وہ ضروری ہے اس وجہ سے کہ یہ قلب ہمیشہ باقی رہتا ہے اس لئے کفر بھی باقی رہتا ہے عاشق جو ہوا پاک ہیں وہ ہمیشہ باقی رہتے ہیں عشق کا یہ بھی باقی رہتا ہے اگر کوئی کسی پر عاشق ہو چلا ہے تو یہ عشق مرنے سے چھوٹا نہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی اس مصیبت میں گرفتار رہتا ہے بعض عشاق مرنے کے بعد اس لم سے دستکار ہو جاتے کہ وہ کسی کرتے پھرتے ہیں بالکل غلط ہے اس لم سے واقع میں جدائی مشکل ہے کیونکہ قلب حقیقی کو موت نہیں آتی ہوتا اس کی کیفیات ذلک یعنی میں فرض کیا کہ اگر قلب کی تعمیر قلب حقیقی کی جلد سے تو چونکہ قلب حقیقی کو موت نہیں۔ اس لئے اس کے ارمان اور حسرت کو بھی وہم رہے گا۔ اس فقرہ پر **﴿اِنَّ تَقْنَعَكُمْ فَلَا تَنْفَعُ﴾** میں استقامت اور جفا کا اس شعر میں ہے۔

ولا یب فیهم غیر ان سیم لهم ہم کل من قران الکتاب

ای ان کان لهم فہم ذاک و هذا لیس حبب فامیب فیم املا

اسی طرح یہاں پر مطلب ہے کہ ان کے ارمان جب نکلیں جب کہ قلب ہلاک ہو چلا ہے اور وہم ہلاک قلب بہت ہے لہذا وہم حسرت و ارمان بھی وہاں نہایت ہے۔

حاصل یہ ہے کہ یہ نتیجہ ہے ان کی غفلت کے غیر تقویٰ اور رضوان حق کے لئے ہونے کا تو حلالات غیر تقویٰ رضوان حق پہنچی ہوں گی ان کے ہاتھوں کے لئے ہے یعنی لازم حاصل رہے گی۔ مگر تقویٰ اور رضوان اور جس عبادت کی بنا پر تقویٰ اور رضوان پہنچا وہ تیری غیر بہتر ہے لہذا ظہور اللہ تعالیٰ جانتے والے ہیں کہ کس شخص کی کیا سمیت ہے اور وہ بحکم بھی ہیں کہ انہیں حکمت سے مبرا کر کے ہیں اور حال دنیا کو کہ کو صاحب بڑا کھڑا ہے ہیں۔

ترجمہ: کہ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں سے امن کی جان و مال کو جنت کے بدلے لے لیا ہے۔

عارفین کی محبت و معرفت میں اضافہ

تو دیکھئے اپنے کو شہری قرار دیا اور غریب نے دانا ظاہر ہے کہ پہلے سے مالک نہیں ہوتا تو کو پیام فرماتے ہیں کہ جان و مال سب تمہارا ہی ہے مگر ہمارے ہاتھ فروخت کر دانا کبر آپ نے شفقت خداوندی کو دیکھ لیا ایسی شفقت کسی کو بھی ہو سکتی ہے ہرگز نہیں اس جگہ عارفین نے ایک نکتہ خوب بیان فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے جو اپنے آپ کو غریب اور ظہیر کیا اس کو کون کر حرام تو خوش ہونے کا اس جان و مال کے بدلے بڑی دولت ہم کو ملے گی مگر اہل تحقیق اس آیت کو نہ کر شرمندہ ہو گئے کہ حق تعالیٰ اپنی ملکوت جان اور مال کو ہماری جان و مال فرماتے ہیں اس سے شرمندہ اس لئے ہوئے کہ ہم لوگ ان چیزوں کو چونکا چا کھتے ہیں حق تعالیٰ نے بھی اسی کے موافق کام فرمایا اور پردہ پوشی کی ہمارے خیال کی ظاہری کر کے ہم کو سوائیں فرمایا نصیحت نہیں کیا بلکہ محبت سے اس خیال کو بظاہر سمجھا کر دیا کہ ہاں یہ جان و مال تمہارا ہی ہے ہم اپنا نہیں کہتے مگر تم اس کو جنت کے بدلے ہمارے ہاتھ بیچ ڈالو عارفین پر یہ اثر ہوا اس آیت کا جس سے ہمارے شرمندگی کے ان کے سراپ نہیں رہے اور اس سے حق تعالیٰ کی محبت اور معرفت ان کو زیادہ ہو گئی۔

بذل نفس

اب میں طالب علموں کے کام کی ایک بات بتاتا ہوں کہ اس مقام پر شبہ ہو سکتا ہے کہ بذل نفس تو خاص خاص کاموں میں ہوتا ہے یعنی قتال میں جس کا آگے ذکر کر چکا ہے۔ مخلصون علی سبیل اللہ تو بذل نفس کیسے ہوا تو سمجھو کہ خدا تعالیٰ نے خود آگے چل کر فرمایا ہے۔

لَا تَحِبُّوا النَّفْسَ الْفُتُورَةَ لَكُمْ لِكُلِّ شَيْءٍ تَرْتَدُّونَ فِيهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ (۱۳۶) وہ ایسے ہیں جو کہ تو بہ کر نئے والے میں جو کرنے والے روزہ رکھنے والے کو برا کرنے والے۔

یہ آیت اس شہ کو بالکل داخل کر کے بظاہری ہے کہ یہ سب کام بذل نفس ہی میں داخل ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کمال ہے کہ آگے ارشاد ہوتا ہے۔ وَبَشِّرِ الصَّالِحِينَ صَافِیوں کو بشارت دیجئے۔

یہ المؤمنین اسی میں المؤمنین سابق کا اعادہ ہے۔ پس ان اعمال کے بعد یہ حکم دینا کہ اسے چھوڑ دیجئے ان مؤمنین مذکورین کو بشارت دے دیجئے صریح طور سے دل ہے۔ کہ جس اشرفیاء میں اس سوال کا جواب ذکر تھا وہ یہ اعمال ہیں پس یہ سب بذل نفس ہو گیا اس تقریر سے یہ معلوم ہو گیا کہ اگر تمام شریعت بطور بذل نفس اور بذل مال کی تفصیل ہے۔

ہے قوت کا تو یہ پیش قوت کے بعد ہو گی تو عقلاً ثابت ہو گیا کہ یہی شرط قوت ہے اس واسطے کہ ثابت ہو گئی
اس آیت میں تا ثبات پر مقدم کیا تو حاصل یہ ہوا تو یہ کہ اول الاموال ہونے کا کیا اہم امور یہاں سے جن
اموال پر تو بچتی تھیں ان سب سے مقدم تو یہ ہے سو قوت پر نگہ تو یہ کہ لئے شرط حلی ہے لہذا وہ تو یہ پر مقدم
ہوئی ان کے سوا باقی اموال پر تو یہ مقدم ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی طاقت گنج نہ ہو گی بلکہ تو یہ کہ کوئی بعض
افراد پر کہ ایسے بھی ہیں جو شرط صحت ہیں تمام اموال کے لئے اور وہ تو یہ بن المظفر ہے چنانچہ سب جانتے ہیں
کہ بلا اس کے کوئی عمل بھی گنج نہیں ہو سکتا۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ

لَهُمُ الْجَنَّةُ،

ترجمہ: خدا نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض
خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔

تفسیری نکات نفس و مال

اسی وقت اس میں ایک لطیف ذہن میں آیا فرماتے ہیں اَنْفُسُهُمْ وَ اَمْوَالُهُمْ یہ نہیں فرمایا
اعمالہم - و اموالہم اشارہ اس طرف ہے کہ اموال تو نہیں نفس و مال تو ہے نہ کہ وہی مال خرچ ہو نماز پڑھی
نفس پر قرب ہو ایں وہی خرچ کیا گوہ نفس و مال عبادت مقصد یہ نہ کسی مگر شرط یہ کہ انہیں اموال میں مصروف نہ ہو
چاہئے وہ عمل کمال نہ ہو کیا ممکن ہے اس رحمت کا کہ گھوڑا مر گیا بھول کے وہ دام دیئے جو گھوڑے کے تھے
انفسہم میں یہ لطیف ای وقت کہجے میں آیا بہر حال یہ چاہئے اس کی تفسیر نہ ہو مگر میری فکر یہ اس تفسیر پر متوقف بھی
نہیں دوسری خصوص میں بھی یہ مضمون موجود ہے لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ لِنَفْسٍ لِّمَالٍ حِسَابٌ سِوَا مَا مَلَكَ تَمَامًا بِمَا كَسَبَ

وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ

ترجمہ: اور اُن کی حدود کا خیال رکھنے والے

تفسیری نکات

ہر کام میں حفظ حدود کی اہمیت

فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی بہت سی چیزیں سورہ توبہ کی اس ایک آیت میں جمع فرمائی ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے شروع ہو کر بہت سی صفات محمودہ بیان فرمائے کے بعد فرمایا (وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ) اس سے معلوم ہوا کہ تمام صفات محمودہ اس وقت محمودہ ہیں جبکہ وہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر ہیں ان میں اگر لاپرواہی پیدا ہو گیا تو صفت محمودہ نہیں رہتی اور ہر کام اس وقت صحیح و قبول ہوگا جبکہ وہ حفظ حدود کے ساتھ ہو۔

توبہ عبادات پر مقدم ہے

وَاللَّهُ لَذِي بَيْنِ الْمُتَّقِينَ أَكْبَرُ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (ما صاحبہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی) یہ تو معاملہ کا بیان ہوا کہ حق تعالیٰ نے متقین سے بیع و شرا کا معاملہ کیا ہے اور بدلہ میں کا ذکر بھی ہے اے گے ان کی اس حالت کی تفصیل ہے وہ یہ ہے کہ ان یون امائدون اللہ تعالیٰ (وہ ایسے ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں عبادت کرنے والے ہو کر گئے ہیں) اس میں تاہم ان کو مقدم کیا سب صفات پر حتیٰ کہ عبادتوں پر بھی قرآن شریف واضح حکام ہے اس کی ترتیب کے اندر بھی ضرور کوئی بات ہے وہ یہ بھی ہے کہ توبہ مقدم ہے تمام صفات پر اور تمام صفات کمال اور مجموع عبادات کا لطف اور کمال بھی توبہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے ایک آیت اور پورا آئی اس میں بھی یہی مضمون ہے وہ یہ ہے عَلَی رَأْفَةِ رَبِّیْ عَلَّمَکُم مَّا کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ لَئِنْ لَّمْ یَدْعُکُم بِتِلْکَ الْاٰیٰتِ لَکُنْتُمْ فِی الشُّکُوفِ (اگر ظہیر رحمت تم کو توبوں کو مطلق دینے میں تو ان کا یہ درکار بہت جلد تمہارے بدلے ان کو تم سے ابھی دیکھا دے دے گا جو اسلام والیاں ایمان والیاں فرمانبردار مانی کرنے والیاں توبہ کرنے والیاں عبادت کرنے والیاں روزہ رکھنے والیاں ہوں گی۔ کچھ بچہ اور کچھ کھوار ہیں اس میں بھی تا نکات مقدم ہے۔ عبادت پر اس سے ثابت ہوتا ہے کہ توبہ عبادت پر مقدم ہے اور ظاہر ہے کہ توبہ بھی عمل ہے اور عبادت بھی اعمال ہیں۔ اور یہ عبادات سے مقدم ہے تو توبہ بول اعمال ہوئی اس آیت پر ایک شہ ہے وہ یہ کہ اس میں تا نکات کا لفظ عبادات پر تو مقدم ضرور ہے جس سے توبہ کا مقدم ہونا عبادت پر ثابت

ہے مگر اول افعال ہوتا تو یہاں سے نہیں نکلتا کیوں کہ آیت میں اس سے بھی مقدم چند الفاظ ہیں اور وہ یہ ہے مسلمات سموت و قانات ذریعہ کی وجہ سے کہا جاسکتا ہے کہ چوتھا مرتبہ قانات کا ہے تو یہاں اول ہوا جب مستغنی ہوا جب کہ آیت ان تھن کی طرح اس میں بھی سب سے مقدم ان بات ہوتا اس کا جواب بہت ظاہر ہے کہ نگہ میں نے تشریح کر دی ہے کہ یہ کے اول افعال ہونے کے معنی یہ ہیں کہ بجز ایمان و اسلام کے سب افعال پر مقدم ہے اور ان دونوں کا مقدم ہونا تو مسلم ہے ان کے بغیر تو افعال کیسے بھی ہادھے ہوں گے مگر ایسے ہوتے ہیں جیسے ایک بائی ہو کہ سلطان کی امداد کی کرتا ہے اور دفاع عام کے کام بھی بہت کرتا ہے مگر یہ بائی تو یہ کام اس کے بیکر ہیں اس طرح ایمان و اسلام ہے کوئی عمل بدلان کے کچھ بھی نہیں نورانیہ تو الگ دینی سب ایک شہ اور ہے کہ مسلمات اور سموات کا مقدم تو قانات پر کچھ ہو گیا مگر آیت میں ایک نقطہ قانات کی قانات پر مقدم ہے جس سے تو یہاں اول ہونا پھر باطل ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قوت فضل قلب ہے یہ تو یہ ہے مقدم ہے اس واسطے کہ تو یہ عادت کو کچھ ہیں اور عادت بھی ہوگی بلکہ قوت ہے کیونکہ جب تک ذہنی جھک جاتا مگر قلب میں نہ ہو تو کسی فعل پر عادت کیوں ہونے لگی اور بھی تر صرف قوت کا تو یہ ہیں قوت کے بعد ہوگی تو حفظا ثابت ہو گیا کہ تو یہ کی شرط قوت ہے۔ اس واسطے قانات کو بھی اس آیت میں قانات پر مقدم کیا تو حاصل یہ ہوا تو یہ کے اول افعال ہونے کا کہ افعال یا سہو بہا میں سے جن افعال پر تو یہی نہیں ان سے مقدم تو یہ ہے صرف قوت چکر تو یہ کے لئے شرط عقلی ہے لہذا وہ تو یہ پر مقدم ہوئی ان کے سبب باقی افعال پر تو یہ مقدم ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی عادت کچھ نہ ہوگی۔ بلکہ تو یہ کے کوامض افراد تو یہ کا ایسے بھی ہیں جو شرط صحت ہیں تمام افعال کے لئے اور وہ تو یہ ہیں مگر ہے چنانچہ سب جانتے ہیں کہ جہاں کے کوئی عمل بھی کچھ نہیں ہو سکتا۔

توبہ عن المعاصی شرط کمال ہے

لیکن بانی افراد تو یہ کے یعنی تو بہن المعاصی متقین کے نزدیک شرط کمال ہیں یعنی نورانیہ کسی عمل کی بنا اس کے نہیں ہوئی کوئی قول اور جانے جیسے ایک بار رہی ہو کہ وہ آقا کی خاطر مانی کرتا ہے اور آقا اس سے کشیدہ ہے لیکن آقا فرمایا ہے کہ کمال اس کے ساتھ کا پکا ہوا کمال ہے۔ یہ صلیت ہو اور صوفی ہے مگر اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اول میں کشیدہ ہے۔ اور خود ہادی کمال بھی رکھا ہوا ہے کمال کمال ہے مگر کمال کی بات بھی نہیں کر سکتا اور جب یہ ہے کہ جب اس کو صحت ہوا آقا سے جدا اگر ضابطہ کا ذکر ہے جب تو میرت چہ کی است کہ قش مرواں جائے اس کو اپنی ذمہ داری پوری کرنے کا خیال ہوگا آقا نبی کے ساتھ کمال کمال ہے یا مفتاح جس کے ساتھ اسے کمال لینے سے مطلب نہیں ایسا دی کا تو ذکر نہیں آکر اس کا ہے جو میرت اور صحت اور میرت یا نفس آقا کے سامنے میر

۱۔ کہیں سب ۲۔ میرت کا کچھ ہے کہ انہیں کے سامنے آئے ۳۔ قش

مطلع ہونے کی حالت میں خدمت میں حاضر ہوا اور اس کا اور کھنگلی اور راحت فرحت اور نشاط بدوں تو یہ اور
محصرات کے معافی ملے ہوئے نہیں پاسکتا اور یہ بات ثابت ہے کہ خدمت اس کی ویسے بھی قبول ہوگئی تھے
آقا نے کہا تھا تو کیا ہے اور بیچک نہیں دیا اس کو یہ قسم نہیں کیا کرتے کہ اگر کے پھر وہ بارہا کہوے اور اس شخص مل
کی تجدید پر نفس موجود ہے میں اپنی طرف سے نہیں کہتا ہوں۔ من بعمل مضل لولا عیوایہ وہا (پس)
جو شخص ذرا برابر کھلی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا اس میں حق تعالیٰ نے شرط نہیں کی تو یہی برخلاف اس کے
ایمان کو بہت جگہ شرط بنا رہا ہے صحت اعمال کے لئے اور تو یہ من العاصی کو نہیں شرط نہیں کیا۔

بلا تو یہ کے عمل میں فورانیت نہیں ہوتی

جس سے یہ حاصل ہوا کہ نفس مل تو قبول کرنا نیت اس میں نہیں ہو سکتی اور اس فورانیت نہ ہونے کا
بعض امور میں حد سے تعبیر فرمایا ہے چنانچہ حدیث میں ہے۔ من لاقته صلاة العصر فقد وئرا اعدا
ومسك (جس شخص کی عمر کی نماز فوت ہوگئی تو کو اس کے اہل و عیال چاہو گئے۔) اور ایک روایت میں اس
کی تعبیر ہے حد علی (یعنی اس کے اعمال ہی ضائع ہو گئے۔) اور حد مل کا برا تاخر کفر ہے مگر یہاں ایک عمل
فری کو بھی چاہا فرمایا اس طرح اور بعض اہل کو بھی چاہا فرمایا ہے۔ (اہل و عیال حد سے متاثر نہ رہا)

وَمَا كُنْ اللَّهُ لِيُخْصِلَ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَذَا يُهْمَرُ حَتَّىٰ يَبَيِّنَ لَهُمُ مَا

يَعْتَكُونَ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

ترجمہ: کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عادت نہیں کہ کسی قوم کو پامالت کے بعد گرا کر دے جب تک کہ ان کے
لئے مایہظون کو جان نہ کر دے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

تفسیری نکات

ایک شبہ کا جواب

اس پر یہ شبہ ہو کہ غنیہ کے یہاں تو عید بدوں ارسال رسول کے بھی واجب ہے اور اس کے ترک سے
ظلال و عذاب کا قریح ہوگا۔

جواب یہ ہے کہ یہاں یہ بھی فرمایا ہے یعنی تو نہیں فرمایا اور جان ارسال رسول پر موقوف نہیں عمل سے
بھی ہو سکتا ہے پھر اس کے حلقہ میں فرمایا ہیں۔ مثلاً یہ کہ کسی شخص کی عمل کمال نہ ہو اور وہ مجنون و مستور بھی

نہیں لیکن اس کی عقل تیار اور رسول کے توحید کے بچانے کو کافی نہیں اس کو خطاب ہوگا یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ بعض اس طرف گئے ہیں کہ اپنے نفس کو خطاب نہ ہوگا اور معاملہ ہے مگر حقیقت عقل کی وجہ سے معذور ہے اور بعض نے کہا کہ خطاب ہوگا اور یہ مسئلہ وَمَا لَكُمْ لِمَتَّعْتُمْ بِذُنُوبِكُمْ لَا تَتَذَكَّرُونَ (پ ۱۵) کے معارض نہیں کیونکہ اس کا ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ اس میں خطاب دنیا میں ہے اور نہ گفتگو خطاب آخرت میں ہے گو یہ جواب ضعیف ہے کیونکہ کئی خطاب دنیا میں بدل عزیمت ہے مگر خطاب آخرت کو کیونکہ خطاب دنیا میں ہے جب دہاں ایست وکل کے خطاب دنیا میں ہوتا تو خطاب آخرت بدل دہاں نہ ہوگا اور جواب دہی یہ ہے کہ یہاں رسول عام عقل کو بھی اور ظہیر کو بھی یہ مسئلہ کے چند فروغ میں ہیں کہ خط و ہوا کی فروغ میں نہیں مگر میں نے انہما اشارہ کر دیا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ

ذُو الْفَضْلِ مِنَ اللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ

ترجمہ: خداوند مہربان اور بخشنے والا ہے انسانوں اور زمین کی وہی جلاتا اور بار بار ہے اور جہاں اللہ کے سوا نہ کوئی بار ہے نہ دہکار۔

تفسیری نکات

احکام تکوینیہ و تشریعیہ کا پورا اختیار حق سبحانہ و تعالیٰ کے قبضہ میں ہے
 إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ سے ثابت ہوا کہ احکام تشریعیہ کے مقرر کرنے کا حق تعالیٰ کو ہوا
 اختیار ہے کیونکہ وہ صاحب مصلحت ہیں اور اسی سے دوسرے مقتدر یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو احکام تکوینیہ کے
 مقرر کرنے کا بھی پورا اختیار ہے کیونکہ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ ہر قسم کے احکام کو عام ہے تشریعیہ کو
 بھی اور تکوینیہ کو بھی مگر کوئی شے موم کو تسلیم نہ کرے کیونکہ موم و شخص کا کہنا مجتہد ہی کا کام ہے مگر اس آیت
 میں ایک جملہ ایسا موجود ہے جس سے آیت کا موم واضح ہو گیا اور اہل حق و علیینہ ہے کیونکہ ایسا وہاں نہ تھا
 احکام تکوینیہ ہی سے تھا۔

تمام موم و انکار کا علاج

اس آیت میں تمام موم و انکار کا علاج بتایا ہے۔ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر
 طرح تصرف کا حق ہے ہم کو کسی مجرم کا کوئی حق نہیں تو اس آیت میں ہم کو توبہ کیا گیا ہے کہ ہم کو توبہ عبادت تو
 نحو عبادت کے مطابق کوئی مجرم اپنی طرف سے نہ کرنا چاہئے۔

وہ چپ چاپ ہیں جو چاہیں کر سکتے ہیں تم کو اس میں داخل رہ متھو! کا کوئی حق نہیں یہی تعلیم ہے جس سے آیت میں دی گئی ہے اس پر عمل کرنے سے تم کی جڑی کٹ جائے گی یہاں طبی علم ہو گا تو دوسرے پر نہیں ہو گا اور طبی علم بھی اس لئے ہوتا ہے کہ اس میں شکستیں ہیں ہمارے لئے بڑی حکمت یہ ہے کہ تم سے شکست کی مثالیں پیدا ہوتی ہے جس سے تکبر و غرور و غیرہ کا علاج ہو جاتا ہے اس کے علاوہ اور بھی شکستیں ہیں۔

فرض کرنا کہ جو بھی خدا تعالیٰ کی چیز سمجھو کہ اس کی امامت چھوڑ دو، ہمارے پاس ہے پھر اس کے نفوت ہونے پر کیا وہ مطالعہ ہو گا۔

مجلات

وَمَا تَكْتُمُونَ ظُنُونًا لِلْجَنَّةِ فَلَمَّا ذُكِّرُوا بِهِ عَاذُوا فِي الْكَلْبِ الْمَلُوفِ (پہلے ہی کہہ دیا کہ جہنم میں جاؤ گے، مگر وہ لوگ اس کا جواب دینے سے انکار کرتے تھے اور کلب (گلاب) سے ڈرتے تھے۔)

جواب کا حاصل یہ ہوا کہ خدا کے ساتھ ہمارا کوئی دوسرا نہیں دوست نہیں اس لئے کسی دوسرے کے ہمراہ اور سمجھنے پر گمراہوں کا انکشاف نہ کرنا چاہئے۔ مگر اس سے شیطانت کی لٹی اور ہم نہیں آتی کیونکہ شیطانت تو خدا تعالیٰ کے ملاں سے ہوئی۔ مَنَی کَاللّٰہِ نَبِیُّ الْخَلْقَةِ یَعْنٰہُ کَالْاَبْدَانِہِ (پچھ) تو یہ بات اس شخص کے متعلق ہوگی جس کو اللہ تعالیٰ خود بخود چاہیں گے اور جس کی ولایت و نصرت وہ نہ چاہیں گے اس کے لئے ان شیطانت ہی کیوں دینی گے۔ نیز اس آیت میں اس شبہ کا ٹھیکہ نہ جواب بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کو اور مسلمانوں کو استغفار لعشر کین سے کیوں منع فرمایا بلکہ ان کو استغفار کرنے دے دیتے اور خود استغفار کو قبول کرتے پابند کرتے۔ اس کا ٹھیکہ نہ جواب اس طرح دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارا کوئی دوست نہ ہوگا نہیں جس تم بھی آدمی دینی اسی سے کرو جو خدا کا دوست ہو اور جو خدا کا دشمن ہو اس سے دشمنی کرو یا جس کفار سے دینی نہ کرو اور استغفار بھی اسی کی طرف ہے۔ اس لئے کفار کے واسطے استغفار نہ کرو نہ کیونکہ اللہ تعالیٰ تم بھی ان سے عداوت ظاہر کر دے

فرض یہاں تھے مضمون جسے مکتبی میں الاستقامت کا حیثیت حاکمیت و مکتبی میں الاستقامت کا حیثیت حکمت و حکم
تا مکتبی میں تھیوں اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَٰلِمْ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۱۳) ہے تاکہ اللہ ہی کے لئے ہے مخلقت آسمانوں کی اور زمینوں کی۔

اس کا رد یا نقل سے یہ ہے کہ اس جگہ یہ سوال ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کو صحابہ کو مستفاد و معطر کین سے کیوں منع فرمایا بلکہ میں دہا ہے کہ وہ مستفاد کرتے رہے پھر اللہ تعالیٰ چاہے اس کو قبول کرتے یا نہ کرتے اور مشرکین کو کھینچے پس جیسے اس سوال کا جواب **اِنَّ كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَالْكُفْرَانِ لَا يُؤْتٰهُنَّ اَنْ يَخْرُجُوْا مِنْهَا** میں دیا گیا ہے اور جواب **ما كَلَمَہُ** کے بدلے **مخلط** آسانوں اور بدیہیوں میں ہے اس لئے ہم کہتے ہیں کہ تم کو مستفاد نہ دے گا کہ وہی۔

مالکیت اور ملکیت

اور تعالٰیٰ فرماتے ہیں إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ یعنی ناکہ بھی ہو سی ہے نیک بھی انہی کا ہے یہاں تک کہ کمال مراد ہے جس کے ساتھ ملک بھی جمع ہو کر کہ بدل اس کے ملک باقیں ہے اور خدا نقصان سے کسی سے ہی لئے ملک ہوم الفاسقین میں مالکیہ اور گیت سے وہاں کو جمع کیا گیا ہے وہاں قرآنوں میں اور قرآن نہیں کہو ان میں کے ہیں۔

ہر ایک کا مفہوم ثابت کرنا لازم ہے کیونکہ ضرورت دونوں کی ہے ایک جہت سے کلیت میں قوت ہے اور ایک جہت سے الحکیت میں اس لئے مقصود دونوں کو جمع کرنا ہے اسی لئے میں نے کہا کہ یہاں ملک سے مراد ملک کامل ہے یا جن کو کہ لازم ملز میں ملک کے لئے ہے تو ایک ملک ہونا اسی سے ثابت اور ملک ہونا لفظ ملک سے ثابت اور ایک آیت میں ذکر اقدس کو ایک ساتھ مل میں جمع کرنا فقہاء کے عمل سے ثابت ہے۔

چنانچہ حَتَّى يَكُونُوا مِنْ عَمَلِهَا میں فقہاء نے دونوں قراءتوں کو جمع کر کے احکام صحیحہ کے ہیں اسی طرح میں نے دُرُودُ الْاَتَمَّ لَیْلِ الْاَتَمِّ میں دونوں قراءتوں کو جمع کیا ہے کہ دونوں کے مجموعہ کا مطلب یہ ہوا کہ دونوں کو مل کر دھویا کرو کیونکہ ان پر پانی بہا لیا عموماً کافی نہیں ہوتا۔ اسی لئے فقہاء نے دُک کو مطلقاً اور دُکِط کو مطلقاً اور دُکِطِط کو مطلقاً مستحب کیا ہے اسی طرح مالک، یحییٰ الدین میں دونوں کو جمع کیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ وہ مالک، یحییٰ کو خصوصاً مستحب کیا ہے اسی طرح۔

ترجمہ جہاں اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ ملک مطلق آیا ہے وہاں کبھی مجموعہ افراد ہو گا اور نہ کبھی ایک کے اعتبار سے کبھی لازم آتا ہے اور کبھی نکتہ ہے مین ذلکی ذلک کہ جس میں دو اشخاص کے جمع کرنے میں کیا کنگ ولی دوست کو کہتے ہیں خواہ وہ نصرت پر قادر ہو یا عاجز ہو اور نصیر کا معنی معاون کو کہتے ہیں خواہ دوست ہو یا نہ ہو اللہ تعالیٰ نے دونوں کو جمع کر کے متاد یا کہ اللہ تعالیٰ کو تم سے قطع بھی ہے اور وہ تمہاری نصرت و اعانت پر بھی قادر ہیں اور اس مضمون کو سیف مصرع کے ساتھ بیان کر لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمہارا کوئی بار و بار نہ ہو نہیں اس مصرع میں اس طرف اشارہ ہے کہ بس اللہ تعالیٰ ہی سے قطع نہ رکھو اور کسی سے بالذات قطع نہ رکھو۔

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَلُّوا أَن لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

ترجمہ: اور ان تین شخصوں کے حال پر بھی توبہ فرمائی جن کا معاملہ مٹری پھڑ دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب (ان کی پریشانی کی بہت بڑھ گئی کہ) زمین باوجود فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی اور وہ خود اپنی جان سے شک آ گئے اور انہوں نے سمجھا کیا کہ خدا (کی گرفت) سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی پھر اس کے کہ اس کی طرف رجوع کیا جائے۔ (اس وقت وہ خاص توبہ کے قائل ہوئے) پھر ان کے حال پر (بھی) خاص التوبہ فرمائی تاکہ وہ آئندہ بھی رجوع نہ کریں بلکہ شہادۂ تعالیٰ ان پر بہت ہی شفیق مہربان ہے۔

تین صحابہ کا واقعہ توبہ

اس آیت میں ان حضرات کی توبہ قبول ہونے کی بشارت بھی دی گئی ہے اور اس کے ساتھ ان کی صداک حالت کا بھی بیان کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان تین صاحبوں کی توبہ بھی قبول کر لی جن کا معاملہ مٹری رکھا گیا تھا یہاں تک کہ جب ان کے لوہے زمین باوجود فراخی وسعت کے شک ہو گئی اور وہ اپنی جان سے بھی شک آ گئے تو حق تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی اور وہ ان کے حال پر توبہ کی تاکہ وہ آئندہ بھی ایسے مواقع میں توبہ نہ کرتے رہیں بلکہ اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والے بڑے مہربان ہیں حضرت کعب کی اس بات پر کہ کعبہ اس بات کا اندیشہ تھا کہ اس حالت میں اگر سرگیا تو حضور ﷺ میری نماز نہ پڑھیں گے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی ایک تحریر بار آئی مولانا نے حدیث سوال قبر کے اس مسئلہ کی شرح میں کہ میت سے پوچھا جائے گا کہ خدا ارسل یہ کو ان صاحب ہیں اور بعض اہل کشف کے اس قول کی حکمت میں کہ قبر میں حضور ﷺ کی صورت ہر شخص کے سامنے پیش کی جائے گی اور دیکھا کر سوال کیا جائے گا کہ یہ کون صاحب ہیں مسلمان تو صورت دیکھتے ہی قہقہے لگیں گی اور یہ سے پہچان لے گا اور یہ سناؤ کہ کعبہ محمد ﷺ لیتا جاتا تھا یا لیتا و الہدی

کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ ہیں جو ہمارے پاس ہجرت و ہدایات لے کر تشریف لائے تھے یہ فرمایا کہ حاصل ہماری موت کا تحقیق توبہ تھا کہ ہم سب حضور ﷺ کے سامنے مرتے اور حضور ﷺ ہمارے جنازے کی نماز پڑھتے مگر بعض حکمتوں کی وجہ سے یہ صورت مقصد نہ ہوئی تو اب کم از کم محبت کا یا اثر ہونا چاہئے کہ حضور ﷺ ہماری قبر ہی میں تشریف لائیں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور (مسل میں) ان کے ساتھ رہو

تفسیری نکات

اس آیت کے دو جز ہیں۔

اعجاز قرآن

۱- اتَّقُوا اللَّهَ ۲- كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ

یہ قرآن کا آغاز ہے کہ وہ جملوں میں ہر ایک کو بھرا دیتا چاہی بھی تحصیل معلوم کر لینے کے بعد آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان دو جملوں میں کتنے بڑے مضمون کو حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے قرآن کے جملوں کی تفسیر مختلف عوائد سے ہو سکتی ہے اس لئے ممکن ہے کہ اس آیت میں بھی کسی مفسر نے دوسرا عنوان اختیار کیا ہو مگر وہ اختلاف محض عنوان ہی کا ہوتا ہے مضمون میں ایک ہوتا ہے اس آیت کے معنی جو میں سمجھا ہوں وہ یہ ہیں کہ اتقوا اللہ میں خصوصاً ذکر ہے اور كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ میں اس خصوص کے طریق کا ذکر ہے کیونکہ جس لوگوں نے قرآن کو نظر سے نہ دیکھا ہے وہ غلط سمجھتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ قرآن میں قصاص کے ساتھ طریق کا ذکر بھی اکڑا کر فرمایا کرتے ہیں اور یہ ان کی عادت شفقت و رحمت ہے کہ وہ اپنے بندوں کو کسی بات کا حکم فرما کر حیران و پریشان نہیں چھوڑتے بلکہ اس کا طریق بھی ساتھ کے ساتھ دکھا دیتے ہیں کہ یہ کام اس طرح سے ہو گا یہ طریق اختیار کرو اس عادت پر نظر کر کے میرا ذوق یہ نکلتا ہے کہ اس آیت میں بھی جملہ اولیٰ میں قصص کا بیان ہے اور ثانیہ میں طریق کا یعنی تقویٰ مقصود ہے اور معیت صادقین اس کے حصول کا طریق ہے عبادت و ذکر یہ سمجھنے کے حق تعالیٰ نے دین کامل حاصل کرنے کا امر فرمایا ہے اور معیت کا لین اس کا طریق بتلایا ہے۔

اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو

امر تقویٰ

اس میں اول تقویٰ کا امر ہے یہ بات تو اوپر ثابت ہو چکی کہ ہر قصود میں وجہ کمال مطلوب ہوا کرتا ہے اب یہ بات ثابت کرنا رہی کہ تقویٰ کمال دین ہے یا نہیں خصوصاً شریعہ میں نمود کرنے سے یہ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا تقویٰ کا امر اور افضل قرآن میں جس قدر ہے غالباً کسی چیز کا آثار نہیں۔ اس سے اس کا حکم بالظاہر ہوتا معلوم ہوا اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ تقویٰ کا استعمال شریعت میں دو معنی میں ہوتا ہے ایک اور دوسرے پہنچنا

اور مال کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصود پچاسی ہے یعنی معاشی سے مگر جب اس کا ارادہ ہے کہ جو جب کسی چیز کا خوف دل میں ہوتا ہے۔ تبھی اس سے بچا جاتا ہے۔ تقویٰ کا معنی اول میں استعمال **لَا تَنْكُفُوا وَتَهْتَفُوا** میں ہے اور بچنے کے معنی میں استعمال اصولی کثیرہ میں اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے **انقصوا الدار ولو بشق صخرة** پچاسیم سے اگر چہ ایک گرا چھوہارے کاوے کہ یہاں بچنے ہی کے معنی میں بچنے ہیں دار نے کے معنی نہیں دین سکتے۔

فرض استعمال دونوں معنی میں وارد ہے لیکن اصل مقصود احراز میں المعاشی ہے اور خوف علی الاطلاق مقصود بالذات نہیں بلکہ وہ ذریعہ اور سبب ہے احراز میں المعاشی کا۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اصل مقصود تقویٰ بمعنی احراز میں المعاشی ہے۔ اور حکایہ افرانی سے بچنے کا کمال دین ہونا ظاہر ہے کیونکہ اس میں دالے طرائف و روایات و اختلاف ابن اکرہ متاسب داخل ہیں کوئی مقصود شرعی اس سے خارج نہیں مطلب یہ ہوا کہ غدار بھی چھو کیونکہ ترک حلوہ مصیبت ہے۔ زکوٰۃ بھی دو کیونکہ ترک زکوٰۃ مصیبت ہے۔ اسی طرح حرام مایوسات کا چھوڑنا مصیبت ہے تو اس میں مایوسات کے ہوا کا حکم بھی ہے اور حرکات کے ترک کا بھی اور کمال دین کے بھی اور احراز میں تو تقویٰ کا کمال دین ہونا ثابت ہو گیا۔

دوسری دلیل ایک اور ہے جس سے تقویٰ کا کمال دین ہونا ثابت ہے وہ یہ کہ حدیث میں ہے **الا ان التقویٰ ههنا و اشار الی صلوٰۃ**

رسول ﷺ نے اپنے سید مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں تو تقویٰ ہی رہاں ہے۔ یعنی تقویٰ کا اصل قلب ہے ایک مقدمہ یہ ہوا اس کے ساتھ دوسری حدیث کو ملائے۔

الا ان فی الجسد مضطحة الا صلحت صلح الجسد كله و الا فسد الجسد كله

الا وهي القلب

یعنی جسم میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو جاتا ہے تو تمام بدن درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو تمام بدن بگڑ جاتا ہے کہ اس کو وہ قلب ہے۔

(اس حدیث سے بعض جاہل مولویوں نے یہ سمجھا ہے کہ جس اصل مقصود اصلاح قلب ہے اعمال ظاہرہ کی یکجہ درست نہیں یہ بالکل غلط اور صریحاً زندقہ ہے اور اس کا خط ہونا خود اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ آپ فرماتے ہیں کہ جب دل صالح ہوتا ہے تو تمام بدن صالح ہو جاتا ہے اور جب دل بگڑ جاتا ہے تو تمام بدن بگڑ جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اعمال ظاہرہ ملامت قلب و فساد قلب کی دلیل ہیں لیکن جس شخص سے اعمال صالحہ صادر ہوں یہ اس کے قلب کی صلاحیت کی دلیل ہے اور جس اشکال سے صادر ہوں یہ اس کے

قلب کے لگاؤ کی دلیل ہے کہ صلاحیت قلب کے بعد اعمال صالحہ کا ترک ممکن نہیں اور جو شخص اعمال صالحہ کو ترک کر کے صلاحیت قلب کا کافی کرتا ہے وہ ناجائز ہے کہ یہ مسلم کا اصل مقصود اصلاح قلب ہے مگر وہ اعمال صالحہ کی عادت اور اعمال صالحہ سے اجتناب سے متعلق نہیں ہو سکتی بلکہ اعمال بخیرہ و برکات کا نہیں (تمام جامع)

اس حدیث سے اصلاح قلب کا معنی یہ ثابت ہے کہ وہ کلی حدیث ہے یہ معلوم ہو چکا کہ تقویٰ کا اصل گل اور موصوف قلب ہے اور اس سے لازم آتا ہے کہ تقویٰ سے اصل اصلاح قلب کی ہوتی ہے تو ان دونوں مقصدوں سے تقویٰ کا عظیم صلاحیت کامل ہونا ثابت ہو گیا اور صلاحیت کامل کی تکمیل دین ہے۔ پس یہ قولی حجت ہو گیا کہ تقویٰ تکمیل دین ہے اور (قلب نگل تقویٰ) اس حدیث میں اس لئے فرمایا کہ تقویٰ ہی سے اجتناب منہ بصیحت کا سبب خوف خداوندی ہے اور گناہ ہے کہ خوف کا اصلی گل قلب ہے (ایہا ربک جملہ اولیٰ کے حلقہ کا مقدمہ)

صادقین کی تشریح

دوسرے حلقہ کی بابت میں نے یہ کہا تھا کہ واضح الصدقین بیان ہے۔ مقصود مذکور کے طریق کار کہ حاصل اس کا معنی مع الصدقین ہے۔ پس صادقین ہی کا ایک عنوان ہے اور حق کے معنی کا لکھن فی الدین کی معیت ہے پس صادقین کے بھی وہی معنی ہوں گے یعنی کمال فی الدین کا طریق کا لکھن فی الدین کی معیت ہے۔ پس کُلُّهُمْ اَوْفَاءُ لَعَهْدِهِمْ قَوْلِهِمْ تَابَ اُولَئِكَ اِلَى الْاٰلِیْنِ ہوں گے کیونکہ صادقین سے معنی مشہور صادقین فی القول مراد نہیں بلکہ صالح فی الدین مراد ہیں۔ جیسے دوسرے علماء میں بھی کچھ آدمی کو سچا کہتے ہیں اور اسی معنی کے اعتبار سے حق تعالیٰ نے بعض انبیاء علیہم السلام کو صدیق فرمایا ہے۔

وَ اُولَئِكَ فِی الْكِتَابِ لَا یُغْفَرُ لَنَافَعُ اَنْ یَّکُنْ جُزْءًا مِّنْهُمْ اُولَئِكَ اُوْرَاسِیْ صِدْقٍ کَا وِہِدِہُمْ عَدُوْتِہُمْ کَے ہے مگر شہداء صالحین کا وہ پہلا گروہ ایک مدت میں حق تعالیٰ نے اسی ترتیب سے ان درجہات کو بیان فرمایا ہے۔

وَالَّذِیْنَ آمَنُوا لَوْ لَمْ یَنْقُضُوا عٰہِدَہُمْ عَلٰیہُمْ فِی الْاٰلِیْنِ وَالْاٰخِرِیْنِ وَ اَلْاٰلِیْنِ وَالْاٰخِرِیْنِ وَ اَلْاٰلِیْنِ وَالْاٰخِرِیْنِ وَ اَلْاٰلِیْنِ وَالْاٰخِرِیْنِ

اور سورہ فی الدین بھی کمال فی الدین ہے جس مع الصدقین کی تو یہ مع الصدقین ثابت ہو گئی نیز اس کی دلیل ایک آیت ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں لیس البیان قولو اوجوہکم بلکہ یہ آیت احق سے میرے دونوں دلوں کو ثابت کر رہی ہے یعنی اس سے تقویٰ اور صدقہ دونوں کے معنی کمال دین ہونا ثابت ہو رہا ہے۔

پہلی آیت اس طرح ہے۔

لَیْسَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَ اٰمَنُوا قَبْلَ الْمُنٰوِرِ وَالْمُنٰوِرِ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا قَبْلَ الْمُنٰوِرِ
وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا قَبْلَ الْمُنٰوِرِ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا قَبْلَ الْمُنٰوِرِ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا قَبْلَ الْمُنٰوِرِ
وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا قَبْلَ الْمُنٰوِرِ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا قَبْلَ الْمُنٰوِرِ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا قَبْلَ الْمُنٰوِرِ

یہ ہے کہ اس میں احتمال سے مطلق خبریت کی گئی نہیں کی گئی ہے بلکہ اس کے برکاتی ہونے کی بھی مراد ہے۔
 رہا یہ کہ اس مضمون کی اس جگہ ضرورت کیا تھی۔ احتمال شرق و مغرب سے برکاتی کی گئی کیوں کی گئی۔ اس بات سے یہ کہ اس سے پہلے تو اہل قبلہ کا مسئلہ ذکر ہوا ہے۔ جس میں کفار و مشرکین نے بہت شور و غل کیا تھا اور اس وقت ان کی تمام تربیت اسی میں رہ گئی تھی کہ مسلمانوں کا بھی جب دین ہے کبھی کسی طرف مڑ کرتے ہیں کبھی کسی طرف تو حق تعالیٰ ان کو صحیحہ فرماتے ہیں کہ تم تو اس بحث میں ایسے پڑ گئے کہ گویا مشرق و مغرب کی طرف مڑ کرنا کوئی بڑا قصور ہے۔ حالانکہ یہ قصور نہیں بلکہ شرعاً کفار و منافقین میں ہے جس پر عاقبت ہے کہ متعصبہ کو چھوڑ کر غیر متعصبہ کی بحث پر اکتفا کر لیا جاوے۔ مشرق و مغرب کی طرف مڑ کرنا یہ برکاتی نہیں بلکہ برکاتی وہ ہے جس کا آگے بیان آتا ہے اس کا اہتمام کرو۔

مشرق و مغرب کے ذکر میں نکتہ

مشرق و مغرب کی تفصیلات ذکر میں ایک نکتہ کی وجہ سے ہے اس سے قبلہ کا مشرق و مغرب میں محصور کرنا مقصود نہیں کیونکہ جن لوگوں سے کہہ مقصد کارخانہ جانب شمال میں ہے ان کا قبلہ شمال ہے اور جس جگہ سے کہہ کارخانہ جنوب میں ہے اس جگہ کا قبلہ سمت جنوب ہے چنانچہ ہندوؤں کا قبلہ جنوب ہے اسی لئے حدیث میں اہل ہند کو فرمایا گیا ہے کہ اگلی مشرق اور مغرب کا اشتباہ کے وقت تم لوگ مشرق یا مغرب کی طرف مڑ کرنا اس سے معلوم ہو گیا کہ قبلہ مشرق و مغرب میں محصور نہیں بلکہ اس جگہ مشرق و مغرب کی تفصیلات میں نکتہ یہ ہے کہ تمام جہات میں سے کئی دہائیوں میں مغرب و مشرق کا زیادہ مشہور ہیں جب ان کا غیر مقصود ہوتا ہے ان کو دوسری جہات کا مقصود نہ ہونا چاہی اس سے واضح ہو گیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ مشرق و مغرب کی جہت میں اتنا زیادہ تغافل نہیں کے زیادہ محسوس ہے۔ بلکہ ان لوگوں کا انداز انہی دو جہات کا علم حاصل ہوتا ہے اور دوسری جہات کا علم ان کے واسطے سے ہوتا ہے۔ چنانچہ مشرق و مغرب کی جہت کا بھٹا شمال و جنوب کے جانے پر متوقف نہیں ہر شخص جانتا ہے کہ مشرق و جہت ہے جہد سے آفتاب نکلتا ہے اور مغرب وہ ہے جہد آفتاب ڈوبتا ہے اور شمال و جنوب کی معرفت وہاں مشرق و مغرب کے نہیں ہو سکتی چنانچہ شمال و جنوب کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے کہ مشرق کی طرف مڑ کر کے کھڑے ہونے سے داہنے ہاتھ کی سمت جنوب ہے اور بائیں ہاتھ کی سمت شمال ہے کسی یہ دونوں جہتیں اصل ہو گئیں اور جنوبی و شمالی ان کی فرع ہیں اور ظاہر ہے کہ اصل کے غیر مقصود ہونے سے فرع کا غیر مقصود ہونا خود ہی کچھ شے آ جاتا ہے مثلاً وہ آدمی ہے کہ شریعت میں لکھل اخلاف مفید معلوم نہیں تو مشرق و مغرب میں کا قبلہ ہے مگر اگر قدرے شمال و جنوب کی طرف مائل ہو جائے مگر زیادہ فاصلہ نہ ہوگی اس طرح گویا مشرق و مغرب میں شمال و جنوب بھی آگئے۔

میں مطلب صرف یہ ہے کہ کسی جہت کی طرف بھی مذکر نامہ کافی نہیں بلکہ کافی وہ ہے جس کا آگے ذکر ہے **وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ** یہاں دونوں جنٹیں چاروں ہیں ایک یہ کہ مسند ایک کی جانب میں مضاف کو متقدم کیا جائے۔ **وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ** یہ کہ مسند کی طرف مضاف متقدم مانا جاوے یعنی **وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ** یہاں دونوں کا ایک ہے۔

عقائد کا بیان

خواہ یہ کیا جائے کہ بھلائی کافی اس شخص کی بھلائی ہے یا کافی بھلائی وہ خود شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور قیامت کے دن پر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے میں ذات و صفات کے متعلق جس قدر احکام ہیں سب آگے۔ اور قیامت کے دن پر ایمان لانے میں جہل و سواد صاحب و کتاب و جنت و دوزخ وغیرہ کے سب احکام آگے۔ **وَالْمَلَائِكَةُ** اور فرشتوں پر ایمان لانے یعنی ان کے وجود کا کمال ہوا اس میں تمام مصلحتات داخل ہیں اور فرشتوں کی خصوصیات اس لئے کی گئی ہے کہ شریعت کے معلوم ہونے کا اور واسطہ ملا لگایا ہیں اور کتاب اور کتاب پر ایمان لانے یہاں کتاب بعینہ مطرود لایا گیا ہے حالانکہ کتب متاخرہ ہیں اور ایمان لانے کا سب پر واجب ہے (کوئی منسوخ ہے یا کوئی نہیں) اور اسی وجہ سے دوسری آیتوں میں بعینہ جمع اختیار کیا گیا ہے۔ کمال میں **وَاللَّهُ** و **عَلَّا نَكْتُمُ** و **نَكْتُمُ** و **رَسُولَهُ** یعنی یہاں بعینہ مطرود اختیار کرنے میں اشارہ ہے ایک امر کی طرف دہرے کہ قرآن ایسا جامع ہے کہ وہ تمام کتب متاخرہ پر حاوی ہے اس لئے اس پر ایمان لانا کو سب پر ایمان لانا ہے یا یہ کہا جاوے کہ کتب متاخرہ میں سے ہر کتاب دوسری کتاب پر ایمان لانے کا امر کرتی ہے جس کو سب مل کر ہر کتاب واحد کے ہیں ان سب پر ایمان لانا محمولہ کتاب واحد پر ایمان لانے کے ہے (اور جو شخص ایک کتاب کو مان کر دوسری کا انکار کرے وہ حقیقت میں پہلی کتاب پر بھی ایمان نہیں رکھتا) لیکن یہ ہم ایمان کا ہے اور عمل کرنا سب کتابوں پر چاروں نہیں بلکہ عمل صرف باطن پر ہوگا کیونکہ وہ مقدم کے لئے خارج ہے اور ایمان اور عقیدوں پر ایمان لانے یہاں تک تو اہمات عقائد مذکور ہیں آگے اخلاق داخل کا ذکر ہے۔

اعمال شریعہ کی اقسام

اعمال شریعہ کی دو قسمیں ہیں۔ طاعات و دیانات دوسرے معاملات (معاملات کی پھر دو قسمیں ہیں ایک متعلق اسوئیل کے دوسرے متعلق غیر اسوئیل کے ہیں۔ ان میں طاع و طلاق و حاکم و حدود و غیرہ داخل ہیں) اور دیانات کی بھی دو قسمیں ہیں ایک طاعات بدنیہ دوسرے طاعات مالیہ اسی طرح اخلاق کی دو قسمیں ہیں حسن و سیر اخلاق حسن کے ساتھ مصروف ہونا مقصود شرعی ہے اور اخلاق سیر سے خالی و منحرف ہونا مطلوب

ہے۔ صفا کہ آگے ان سب کے اصول ذکر ہیں جن میں طاعات مالہ کا ذکر مقدم کیا گیا کیونکہ بہت لوگ طاعات دینیہ میں بہت اگلے جوتے ہیں اور طاعات مالہ میں ان کا یہ حال ہوتا ہے۔

گر ہاں چلی مضافہ نیست گزر چلی سخن دریں ست

چنانچہ ارشاد ہے **وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ** اور بنا ہوا مال اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو طاعی جی کہ خیر اور اللہ کی طرف راجع ہو جیسا کہ بھی ظاہر ہے تو اس علم اخلاق کا بھی ایک اصل عقیم مذکور ہوگا یعنی مال خدا کے راست میں محبت اللہ کی جو سے دینا چاہئے۔ اس میں ایک تو محبت الہی کے حاصل کرنے کی تعلیم ہوئی کہ خدا سے محبت پیدا کر لی جانی چاہئے محض ضابطہ کا تعلق نہ ہونا چاہئے دوسرے اخلاص کی تعلیم اور یاد دہانی کی ممانعت ظاہر ہوئی کہ مال طرح کرنے میں کسی کی مدد و شاد و شریہ و غیرہ کا منتظر نہ ہو بلکہ محض خدا کی محبت اس کا سبب ہونا چاہئے اور اخلاص بھی اخلاق یا فنیہ کا ایک بڑا رک ہے۔

اگر مریض خیر مال ہے تو حقیقی یہ ہوں گے کہ ایسا مال جس سے محبت ہو اور مال کو تعلق ہو خدا کے لئے طرح کر دے اس میں ایک تو طرح کرنے کا ادب ذکر ہوا کہ اللہ کے واسطے معمولی طرح کرنا چاہئے دوسری مال شریعہ چاہئے دوسرے علم سلوک کا یہ مسئلہ بھی اشارہ مذکور ہوا کہ محبت مال جو کہ طبعی ذمہ ہے اس کا طاعت یہ ہے کہ جس چیز سے محبت ہو اسی کو مال کی راہ میں طرح کر دے وہ چار بار دینا کرنے سے جب مال کا مرض چار بار ہوگا۔

لَوْ لِي الْمُلْكُ فِي مِثْلِ مَا تَمْرَاتٍ دَارِ الْمَلِكِ ہیں۔ یہی کہنے بھی ان میں آگئے۔ جن کا عقد مرد پر واجب ہوتا ہے اور دوسرے غریب رشتہ دار بھی آگئے جن کو کچھ دینے رہتا اور ان کا خیال رکھنا مستحب ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اور قیاموں کو بھی دے اور مسکینوں کو بھی دے اور مسافروں کو بھی یہ سب صدقات مالہ ہیں کیونکہ زکوٰۃ کا بیان آگئے آ رہا ہے۔

اب یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ طاعات مالہ کا ذکر طاعات دینیہ سے کیوں مقدم ہوا۔ اس کا جواب تو میں نے دے دیا کہ بعض طبائع میں نفل کا مار زیادہ ہوتا ہے وہ طاعات دینیہ کی بہت خوب کر لیتے ہیں اور مال دینے سے جان چراتے ہیں اس لئے طاعات مالہ کا اجتناب مقدم کر دیا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ طاعات مالہ میں سے صدقہ مالہ کو صدقہ واجب یعنی زکوٰۃ پر کیوں مقدم کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض لوگ خدا تعالیٰ سے ایسا ضابطہ کا تعلق رکھتے ہیں کہ زکوٰۃ مقررہ کے علاوہ اور کچھ خیرات نہیں کرتے۔ اس میں کنا نہیں مگر نصف تعلق مع اہل حق کی دلیل ضرور ہے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے صدقات مالہ کو زکوٰۃ سے مقدم فرمایا جس سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ زکوٰۃ واجب ہے وہ تو تمہارا کردہی کے لیکن اس کے علاوہ بھی کچھ صدقہ خیرات موقع موقع پر جمع کرتے رہنا چاہئے ۛ

دیکھئے اگر کوئی محبوب یا کوئی بادشاہ ہم سے یہ کہے کہ اے کس موقع میں تم اور میں خرچ کر دو تو غور کیجئے اس وقت ہمارے دل کی کیا حالت ہوگی کیا ہم دوسروں پر خرچ کریں گے۔ ہرگز نہیں بلکہ محبوب کو خوش کرنے یا بادشاہ کی نگاہ میں جاننا رہنے کے لئے ہم روکی جگہیں خرچ کریں گے ورنہ چار تو دے ہی ڈالیں گے اس لئے خدا تعالیٰ سے عہد کا تعلق نہ رکھنا چاہئے۔

اس کی کوئی وجہ سے صدقات نامہ کو حدود مقررہ مالہ سے مقدم کیا بلکہ طاعت دینی یعنی صلوات سے بھی مقدم کر دیا لیکن بعد میں جب ذکوہ کا ذکر فرمایا تو نماز کو اس سے مقدم کیا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وجہ کے اعتبار سے نماز ہی مقدم ہے چنانچہ کچھ لوہم نے ذکوہ کا ذکر اس کے بعد کیا ہے اور جن صدقات مالہ کو نماز اور ذکوہ سے پہلے بیان کیا ہے وہاں تقدیم کی وجہ محض اجسام بالثبات ہے نہ کہ وجہ کا زیادہ ہونا وجہ نماز کا طاعات مالہ سے بڑھا ہوا ہے اور ذکوہ کا وجہ صدقات نامہ سے بڑھا ہوا ہے سبحان اللہ خدا تعالیٰ کے کلام میں ہر چیز کے وجہ کا کتنا لحاظ ہے۔ یہی باتیں ہیں جن کی وجہ سے بشر کی محفل اس کلام کو کچھ کر پکراتی ہے کہ اتنی رعایتیں انسان ہرگز نہیں کر سکتا۔

وَفِي التَّوْقَاتِ اور اچھے دلوں کو بھی دے اور گردن پھرانے میں بھی یہ بھی صدقات نامہ کی ایک فرد ہے اس میں اس قدر تفصیل ضروری ہے کہ دیگر خصوص شریعہ سے سائین کا لفظ ان سوال کرنے والوں کے ساتھ مخصوص ہو گیا ہے جو مجاہد کی وجہ سے سوال کرتے ہوں جن کا پیش سوال نہ ہو گیا ہو جو لوگ مضبوط چلنے کے سوال کو پیش نہ لائے ہوئے ہیں ان کو چاہا جائے نہیں تا ان کو سوال کرنا جائز ہے۔

وَفِي التَّوْقَاتِ اور گردن پھرانے میں یہ قیدیں اور تقاضوں کے حلقہ ہے اور اسی کے علم میں یہ صورت بھی ہے کہ جو شخص قرض کے اندر بندھا ہو اس کی حالت گرد جانے کہ یہ بھی گردن پھرانے میں داخل ہیں۔
وَأَقْرَبُ الصَّلَاةِ وَأَنْتَ أَعْلَمُ اور نماز کی پابندی کرے اور ذکوہ ادا کرے یہاں ذکوہ کو نماز سے اصل کے مطابق موخر کر دیا جس کا تعلق اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

حقوق العباد کی اقسام

یہاں تک طاعات دینی و طاعات مالہ کے اصول نظام ذکر ہوئے آئے کے حقوق العباد کا بیان ہے۔
وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا اور ہر ایک عہد کو چاہا کرتے ہیں جب عہد کر لیتے ہیں ہر چند کہ حقوق العباد میں بعض حقوق ایسے ہیں جو ایمانائے عہد سے مقدم ہیں مثلاً قرض کا ادا کرنا طاعات میں خیالات نہ کرنا لیکن اس پر حق تعالیٰ نے صرف ایمانائے عہد کو بیان فرمایا ہے جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ عہد ہر ایک ایسے حقوق العباد کو ادا کرتے ہیں جن کا مطالبہ کرنے والا ان سے کوئی بھی نہیں کیونکہ ایمانائے عہد خدا ملامت نہیں گویند بعض

کے نزدیک واجب ہے کہ اس سے خود بخود یہ بات معلوم ہو گئی کہ جس حقوق کا مطالبہ کرنے والا موجود ہو ان کو تو ضرور ادا کریں گے اور ایسی کتنی کی چیز سے سوا دے میں دھت کو دین پر مقدم فرمایا ہے اس سے حقوق الہیہ کا سبب معلوم ہو گیا کہ جب حق تعالیٰ کو ان حقوق کا بھی اہتمام ہے جس کا مطالبہ کوئی نہ ہو تو ان حقوق کا مطالبہ بھی موجود ہو گا کہ بقدرہ عقل اہتمام میں ہو یہاں بطور مثال کے بعض حقوق کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ یہ حقوق الہیہ اور بھی ہیں۔ اگرچہ لوگ نظام الہیہ کو حقوق الہیہ کہتے ہیں۔

صبر کی حقیقت اور اس کے اقسام

آج کے اوقات کا ذکر ہے۔ وَالظَّالِمُونَ فِي بُيُوتِهِمْ لَا يَخْلُفُونَ فِي بُيُوتِهِمْ وَلَا يَخْلُفُونَ فِي بُيُوتِهِمْ وَلَا يَخْلُفُونَ فِي بُيُوتِهِمْ۔ اور وہ لوگ میر کرنے والے ہیں جنک دینی میں اور دنیوی میں اور ان کے وقت۔

ہر چند کہ اخلاق کا طبقہ بہت ہیں لیکن حق تعالیٰ نے ان میں سے اس مقام پر صرف صبر کو بیان فرمایا ہے اور اس کے تین مواقع بیان فرمائے ہیں جب اس شخص کی یہ ہے کہ صبر ایسی صفت ہے جس کے حاصل ہو جانے کے بعد بقیہ اخلاق کا حصول خود بخود ہو جاتا ہے کیونکہ صبر کے معنی صرف یہی نہیں ہیں کہ غریزہ و غریب کے مرنے پر مستقل حوصلہ رہے یہ بھی صبر کی ایک فرد ہے لیکن صبر کی حقیقت اس سے عام ہے صبر کے معنی صفت میں جس کے ہیں۔ یعنی وہ کہنا اور بھی معنی شریعت میں بھی ہیں۔ صرف ایک تیز یاد ہے یعنی حبس النفس علی ما نکرہ انسان کا اپنے نفس کو اس کی ناکاہ بات پر دے کہنا اور ناکواری کے اقسام پر شرعاً صبر کی تین قسمیں ہیں۔

صبر کی اقسام

۱۔ صبر علیٰ النفس ۲۔ صبر علیٰ المال ۳۔ صبر علیٰ العمل

صبر علیٰ النفس یہ ہے کہ نفس کو کسی کام پر روک لینا یعنی اس پر جم جانا اور قائم رہنا مثلاً نماز کو دیکھ کر دیکھ کر پابندی کرنا اور بلا اتقان کو ادا کرتے رہنا۔

صبر علیٰ المال یہ ہے کہ مال کے وقت نفس کو دوسری طرف التفات کرنے سے روکنا اور ہر حق مستحق ہو کر کام کو بھلا کر مثلاً نماز پڑھنے کو مٹانے یا ذکر میں مشغول ہونے تو نفس کو یہ سمجھا دیا کہ یہ بھی اتنی ہی بیک تم سوائے نماز یا ذکر کے کہ کوئی کام نہیں کر سکتے پھر دوسرے کاموں کی طرف توجہ کرنا مقصود ہے حتیٰ کہ وہ تکبیر کو نماز یا ذکر ہی کی طرف متوجہ رہتا جائے۔ جب یہ بلکہ رائج ہو جاتا ہے تو سب اعمال ایک ٹھیک ادا ہوتے ہیں۔ بعض لوگوں کو تو انھیں شریعت کی پابندی تو نصیب ہے اس لئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کو صبر علیٰ العمل کا درجہ حاصل ہے لیکن اعمال کو بھلا کر وقت وہاں کے آداب و حقوق کی رعایت نہیں کرتے گناہ کو دیکھتے ہیں جس

جو شخص اس صفت سے موصوف ہو اس کو صادق الاقوال کہتے ہیں۔

افعال کا صدق یہ ہے کہ ہر فعل مطابق امر و نہی شرعی کے خلاف نہ ہو جس جس شخص کے افعال ہمیشہ شریعت کے موافق ہوں اس کو صادق الافعال کہا جاتا ہے۔

اقوال کا صدق یہ ہے کہ وہ سنت کے موافق ہوں۔ پس جو اقوال خلاف سنت ہوں وہ اقوال کااذب ہیں اور جس شخص کے اقوال و کیفیات سنت کے موافق ہوتے ہوں اس کو صادق الاقوال کہتے ہیں۔

یہ صدق احوال کے یہ معنی بھی ہیں کہ وہ احوال ایسے ہوں جن کا اثر صاحب حال پر باقی رہے یہ نہ ہو کہ آج ایک حالت پیدا ہوئی پھر راتوں کو وہی ہو اس کا کچھ بھی اثر باقی نہ رہا جیسا کہ بعض لوگوں کو کسی وقت خوف کا یا توکل کا ظہور اپنے اوپر معلوم ہوتا ہے لیکن بعد میں اس کا کچھ بھی اثر نہیں رہتا اس کو صادق الاحوال نہ کہیں گے یہ مطلب نہیں کہ احوال کا ظہور ہمیشہ رہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کا اثر ہمیشہ رہتا رہتا جائے کہ جو حالت طاری ہو وہ بعد میں قائم ہو جائے اس میں ساکین کو بہت دھوکا ہوتا ہے۔ بعض دفعہ وہ مجلس اہم سے یہ کچھ لیتے ہیں کہ ہم کو تسلیم و رضا یا توکل اور جا کا حال حاصل ہے مگر تھوڑے عرصہ کے بعد اس کا کچھ بھی اثر نہیں رہتا جس سے اس حالت کا ان کا وہم ہوتا ظاہر ہو جاتا ہے فرض صدق شریعت میں صرف اقوال کے ساتھ خاص نہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے اور اس نکتے سے بہت سے علماء میں اتفاق ہو جاتا ہے۔

اب ایک بات یہ نہ گئی کہ جب تقویٰ اور صدق دونوں کا کمال دین ہوتا ہے تو کیا تو سوال یہ ہوتا ہے کہ اس آیت میں تقویٰ کا ذکر مقدم اور صدق کو موخر کیوں کیا گیا کیونکہ آیت کا مقصود اس طرح بھی حاصل ہو سکتا ہے کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا صِدْقُوا وَ کُنُوا رٰعِیِّیْنَ۔

اس کے بھی وہی معنی ہوئے کہ اے مسلمانو! دین کا مال حاصل کرو اور کالمین کے ساتھ رہو جب یہ مضمون صدق کو مقدم اور تقویٰ کو موخر کرنے سے بھی حاصل ہو سکتا تھا تو پھر تقویٰ کو مقدم کیوں کیا گیا ہے؟

میرے نزدیک اس میں نکتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت قرآنیہ کے متبع سے تقویٰ کے دو درجات چند درجہ معلوم ہوتے ہیں اور صدق کے دو درجات مختلف نہیں بلکہ اس کا ایک ہی درجہ ہے۔

عورتوں اور مردوں کو حکم مشترک

جس طرح مردوں کو کمال دین حاصل کرنے اور اپنی اصلاح کرنے کا حکم فرمایا ہے وہ حکم عورتوں میں بھی مشترک ہے گو خطاب میثد کے اعتبار سے ظاہر مردوں کو ہے۔ لیکن حکم مشترک ہے۔ پس کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ حق تعالیٰ کو مردوں ہی کی طرف توجہ ہے عورتوں کا اعتناء نہیں ہے۔ یہ ہم پہلے بھی ہو چکا ہے اور عقلاً ماں و باپ کا محبت سے مدد عطا ہونا ہے کہ اگرچہ اس طرح اس سے کسی نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ میں دیکھتی ہوں

والی عورتیں اور بکثرت خدا کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے اس آیت میں مردوں اور عورتوں دونوں کا ذکر دو دفعہ بدو دفعہ کیا گیا ہے (اور عورتوں کی قناتا کا متعلق یہ تھا کہ اس جگہ صرف عورتوں ہی کا ذکر ہوتا مردوں کا ذکر ان کے ساتھ مقرر ہوتا کیا جاتا مگر اس خطا میں اشارہ ہو گیا جواب کی طرف چونکہ اکثر احکام مردوں اور عورتوں میں مشترک ہیں چنانچہ یہی احکام دیکھ لو کہ ان میں کسی کی کچھ تفصیل نہیں اس لئے عورتوں کا ذکر جدا کرنے کی ضرورت نہیں جو احکام مردوں کے لئے ہیں وہی عورتوں کے لئے ہیں ۱۲ ص ۱۲)

دوسری بات کہ ہر جگہ ایسا ہی کیوں نہ کیا گیا جیسا اس آیت میں دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ کیا گیا ہے اس کی وجہ ہیں ایک جہنگ کی اور ایک جہ ترنج کی جنگ کی وجہ تھلیب ہے تھلیب کے معنی یہ ہیں کہ ایک نوع کو دوسری نوع پر غلبہ دے کر ایک کو ذکر کر کے دونوں کا ارادہ کر لیا جائے ۱۳ ص ۱۲) مثلاً باپ ماں کو والدین یا ابوین کہا کرتے ہیں اسی طرح اہل عرب چاند اور سورج کو قرین کہہ دیتے ہیں حالانکہ ابوین کا تعلق قرین سے وہ باپ اور قرین کا قرین ہے وہ چاند کا برہمن باپ ماں کو ابوین کہنا غلط معلوم ہوتا ہے ان کو اب دام کہنا چاہئے اسی طرح چاند اور سورج کو قرین کہنا بھی بظاہر غلط ہے ان کو قرین کہنا چاہئے لیکن چونکہ اسی طرح مہارت طویل ہو جاتی ہے اس لئے اہل زبان اب دام کی جگہ تھلیب بمرض اختصار ابوین اور قرین کہہ دیتے ہیں اسی طرح اگر قرآن میں مردوں اور عورتوں کے لئے جدا جدا صیغہ استعمال کیا جاتا تو احکام میں خلل ہو جاتا اس لئے تھلیب صیغہ نہ کر ہی میں صیغہ کو بھی داخل کر لیا گیا جس سے کلام میں اختصار پیدا ہو گیا البتہ ایک دو جگہ عورتوں کے صیغہ کو ذکر کو حذف کرنے کے لئے ان کے واسطے جدا صیغے بھی استعمال کئے گئے تاکہ ان کی تھلیب ہو جائے اور انکی مقدار سے ایسا احکام بھی ثابت نہیں ہوتا۔

درجات مرد و زن

اور ترنج کی وجہ یہ ہے کہ عورتیں تابع ہیں مردوں کی ہر طرح سے ملحقیت کے اعتبار سے بھی چنانچہ آدم علیہ السلام کے ایک جزو سے حوا علیہا السلام کی پیدا ہوئی ہے۔

یعنی حق تعالیٰ نے ان کی بائیں ہڈی میں سے کوئی مادہ نکالا پھر اس مادہ سے حوا علیہا السلام کو پیدا کیا جس کا اثر یہ ہے کہ عورتیں عموماً مردوں سے مختلف کمزور ہوتی ہیں ان کے تمام قوتی جسمانی اور دماغی مردوں کے برابر نہیں ہوتے نیز قرینیت کے اعتبار سے بھی وہ مردوں کے تابع ہیں چنانچہ کما اور بھیجی کرنا حرامت کرنا محبت و مشقت کے کام کرنا مردوں کے حلق میں اور پکنا کھانا عورتوں کے حلق میں ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ عورتوں کی اصل یہ ہے کہ وہ پردہ دار ہوں اور تعلقات انتظامیہ کے لئے پردہ مانع ہے اس لئے اسوا انتظامیہ ان کے حلق نہیں ہو سکتے انتظام کا حلق مردوں ہی سے ہو سکتا ہے اس وجہ سے تمام تر تعلق انتظام کا مردوں کے سپرد کیا گیا پس جہاں دیگر انتظامات ان کے حلق میں ہیں وہاں عورتوں کی اصلاح کا انتظام بھی مردوں کے سپرد کیا گیا اور

جب مردوں کے حلقہ مورقوں کی اصلاح کا انتظام ہے تو وہ ان کے سردار ہوتے اور یہ قاعدہ ہے کہ سلطنت کی طرف سے جو احکام صادر ہوا کرتے ہیں ان کے مخاطب سردار ہوتے ہیں، دیکھو ان کا خطاب نہیں کیا جاتا اس کی کچھ ضرورت بھی جاتی ہے کیونکہ لوگ خود کچھ نہیں سمجھتے کہ جب سردار ان احکام کے مخاطب ہیں تو چھوٹے بھی ان کے ساتھ ضرور شریک ہیں مگر سردار اپنے ماتحت لوگوں کو ان احکام کی اطلاع بھی کر دیتے ہیں اور ان سے کام بھی لیتے ہیں اسی طرح قرآن میں اکثر مردوں کو احکام کا خطاب دیا گیا ہے چونکہ وہ مورقوں پر سردار ہیں تو ان کے خطاب ہونے سے مورقوں کا ان احکام میں شریک ہونا خود کچھ نہیں آتا ہے مگر مردوں کے واسطے کہ مورقوں کو احکام سے بھی اطلاع کریں اور ان سے کام بھی لیں۔

کیونکہ سرداروں کے واسطے کام ہمیشہ ہوتا ہے کہ اپنے ماتحت لوگوں کو احکام سلطنت سے مطلع کرتے رہیں اور ان سے کام لیں اگر وہ اس میں کوتاہی کریں گے تو ان سے بھی باز نہیں ہوگی انہوں نے کہا آج کل مردوں نے یہ بات یاد کر لی ہے کہ ہم مورقوں کے سردار ہیں مگر ان کو یہ خبر نہیں کہ سردار کے فرائض کیا ہوتے ہیں وہ خالق مورقوں کو احکام سے مطلع کریں اور مطلع کریں کس طرح سردار صاحب کو خود ہی خبر نہیں اور ان سے کام لیں یعنی جن کو احکام معلوم بھی ہیں اور وہ مورقوں کو احکام سے مطلع بھی کرتے ہیں اور اس کی تکمیل دانت نہیں کرتے کہ ہمارے گھروں میں ان احکام پر عمل بھی ہونا چاہیے انہیں فرض جو احکام آجیے ہیں جن میں اشتراک کی خاصیت ہے جیسے نماز روزہ وغیرہ ان میں مردوں کو خطاب کافی ہے۔

دین و خواتین

اس تہجد کے بعد یہ بات سمجھنا آگئی ہوگی کہ اس آیت میں جو کہش نے اس جنت عداوت کی قسمی جس طرح حق تعالیٰ نے مردوں کو تکمیل دین کا حکم فرمایا ہے اسی طرح وہ حکم مورقوں کے لئے بھی ہے اور جو طریق کمال دین کے حاصل کرنے کا مردوں کے لئے اس میں مذکور ہے وہ طریق مورقوں کے لئے بھی ہے جن حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُفْلِحُوا إِلَّا بِإِذْنِهِ وَتَوَكَّلُوا عَلَيْهِ

ترجمہ: اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو (خدا سے ڈرو) اور بچو لوگوں کے ساتھ جو ہوا
یہ تو اس آیت کا ترجمہ ہے اور پہلے بیان میں اس بات کو اچھی طرح ثابت کر دیا گیا ہے کہ تقویٰ اور
صدق سے کمال دین ہوا ہے۔

پس حاصل یہ ہوا کہ اے مسلمانو! دین میں کمال حاصل کرو اور کمالین کے ساتھ جو ہیں اس میں اول حق تعالیٰ نے تکمیل دین کا حکم فرمایا ہے پھر اس کا طریق بتلایا ہے کہ دین میں کمال ہونے کا طریق ہے کہ جو لوگ راجح فی اللہ ہیں ان کی صحبت حاصل کرو (احقر جامع عرض کرتا ہے کہ اس آیت سے امتداد یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جب تک دنیا میں قرآن اور اسلام کا جو ہے اس حالت تک ہر زمانہ میں کمالین کو اچھی دجو ضرور

رہے گا کیونکہ جب تک دلائل قرآن ہے اس وقت تک ہر شخص اس آیت کا قاطب ہے اور اس آیت میں کمال دین کا طریقہ صحبت کا لکھنا دکھایا گیا ہے بصورت اس طرح کا نکال بدوں تحقق کا لکھنے کے نہیں ہو سکا اور اور شرح میں کے لئے حصہ دلائل نکال دینا خلاف اصل ہے اس لئے یہ بدی ثابت ہو گیا کہ ہر زمانہ میں کا لکھنے کا وجود ضرور ہے گا گو وہ قبل ہی ہوں پس جو لوگ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ مصائب آج کل اہل کمال کہاں ہیں اب تو کمال کا حاصل ہونا دشوار ہے۔ یہ آیت اشارہ پروردگاری ہے (فہم ۱۲ ج ۱) کیونکہ کا لکھنے کی صحبت سے اعمال میں سہولت بھی ہوتی ہے اس طرح سے کہ ان کی برکت سے کائنات میں تسکین ہو جاتا ہے جو کہ اکثر اعمال میں حرام ہوتا ہے نیز ان کی صحبت سے طریق عمل بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ کسی عمل کو کس طرح ادا کرنا چاہئے یہ بات محض مسائل جاننے سے حاصل نہیں ہوتی جب تک کسی کو عمل کرتے ہوئے نہ دیکھا جاوے اور یہ بات بھی دین ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ نبوی کاموں میں بھی طریق عمل معلوم کرنے کے لئے اہل کمال کی صحبت ضروری ہے اگر کوئی شخص یوں چاہے کہ محض کتاب دیکھ کر قسم قسم کے کھانے پکانے کے لئے قوانین جو سکنا جب تک وہ کسی ماہرین سے ہر کھانے کی ترکیب عملی نہ سیکھے گا۔ اس وقت تک بھی اس کو کھانا پکانے کا طریقہ معلوم نہ ہو گا اور اگر کسی نے کتاب دیکھ کر عمل شروع بھی کر دیا تو اس کو قدم قدم پر دشواریاں پیش آئیں گی چنانچہ جب چاہے اس کا تجربہ کر لیا جائے اور یہی حال ہر عمل کا ہے کہ محض ترکیب جان لینے سے کسی عمل میں کمال حاصل نہیں ہو سکا بلکہ استاد سے سیکھنے کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔

أُولَٰئِكَ يَرْوُونَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّقَرَّةً أَوْ مَزِينٍ ثُمَّ

لَا يَتَوَبُّونَ وَلَا هُمْ يَذْكُرُونَ

ترجمہ: اور کیا ان کو نہیں دکھائی دے گا کہ یہ لوگ ہر سال میں ایک بار یا دو بار کسی نہ کسی آفت میں پھنسنے رہتے ہیں مگر پھر بھی باز نہیں آتے اور نہ کچھ سمجھتے ہیں۔

تفسیری نکات

شامت گناہ

مگر لوگ اس قسم کے مصائب کو نہیں سمجھتے کہ یہ بلاں گناہ کی سزا ہے چنانچہ اکثر ایسے وقت کہا کرتے ہیں کہ معلوم نہیں کون سا گناہ ہوا تھا جس کے سبب یہ تکلیف پہنچی پڑی اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب جانتے ہیں کہ تکلیف گناہ کے سبب ہوا کرتی ہے مگر تعجب صرف اس پر ہے کہ کونسا گناہ ہم سے ہو گیا تھا مجھے تو کون

کے اس قہر ہی پر قہر ہے کیوں کہ ہم میں وہ ایسا کون ہے کہ ہر وقت کسی نہ کسی گناہ میں مبتلا نہیں رہتا اور جب ہر وقت گناہ میں مبتلا رہیں تو قہر تو آفات میں مبتلا نہ ہونے پر کرنا چاہئے تھا بہر حال یہ ثابت ہو گیا کہ گناہ کرنے سے دنیا کی بھی پریشانی ہوتی ہے اور آخرت کی الگ الگ دہائی اب خدا تعالیٰ کی رحمت کو کیجئے کہ فرماتے ہیں کہ اس سخرت سے جو وَفَدُوا الظَّالِمِينَ لِيُشْفَوْا بِأَرْبَابِهِمْ (تم ظالمی گناہ کو بھی چھوڑ دو اور اپنی گناہ کو بھی چھوڑ دو) آپ نے دیکھا کہ کتنی بڑی سخرت سے خدا تعالیٰ نے بچایا ہے۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: تمہارے پاس ایک ایسے عزیز و کریم شخص آئے ہیں جو تمہاری نفس میں سے ہیں جن کو تمہاری سخرت کے بات نہایت گراں گزرتی ہے جو تمہاری شفقت کے بڑے خواہش مند رہے ہیں ایمان والوں کے ساتھ بڑے ہی شفقت اور مہربان ہیں۔

رُوفٌ رَّحِيمٌ کا مفہوم

اس آیت نے حق تعالیٰ شانہ و لفظ ارشاد فرمائے رُوفٌ کا مصدر ہے رافعت جس کے معنی ہیں شدت و صحت اور شدت ایک کیفیت ہے تو اس میں مبالغہ کیا ہے اور رحم میں بھی مبالغہ ہے اور یہی تعاطل کے شاید اس میں ہو کر انہیں جوہر کا حامل ہو جو کہ آپ میں رحمت کرنا بھی زیادہ ہے اور کما بھی۔

سُورَةُ يُونُسَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنَّنُوا
بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آلَتِنَا غَافِلُونَ ۚ أُولَٰئِكَ مَا لَهُمْ لَنَا
بِهَا كَانُوا لَا يَكْسِبُونَ ۝

ترجمہ: جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا شوق نہیں ہے اور وہ دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے ہیں
(آخرت کی طلب سے غافل ہیں) اور اس میں کسی نیکانہی سے بھی (آئندہ کی کچھ خبر نہیں) اور جو لوگ
ہماری آیتوں سے غافل ہیں جیسے لوگوں کا تمنا ہمارے اعمال کی وجہ سے دور رہے۔

تفسیری نکات

چار افعال پر تہاڑ

اب وہ باتیں بھی سن لیتے جن پر اس آیت میں تہاڑا گیا ہے فرماتے ہیں کہ جو لوگ ایسے ہیں کہ ہمارے
پاس آنے کا یقین نہیں رکھتے سو اس سے تو ہم بری ہیں لیکن اس سے بے گہری نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کے نہ
ہونے سے گمراہی ہو سکتی ہوگی تو ضرور اور دوسری بات یہ فرمائی کہ وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنَّنُوا
وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آلَتِنَا غَافِلُونَ کہ جو حیوانہ دنیا پر راضی ہیں اور اس پر مطمئن ہو گئے ہیں اور جو ہمارے
احکام سے غافل ہیں یہ کل چار چیزیں ہیں ان پر فرماتے ہیں أُولَٰئِكَ مَا لَهُمْ لَنَا
بِهَا کہ چار پر سزا ہے تو ان چاروں کا نام سوم ہوا تا بہت ہو اور احتمال نہ کیا جائے کہ شاید مجموعہ یہ یہ سزا ہوگی اور ہم
مجموعہ سے بری ہیں کیونکہ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا یہ جو ہم میں نہیں پایا جاتا سو بات یہ ہے کہ یہاں اول تو اس

انسان کی کوئی بات نہیں اور مصطفیٰ ہوا اور میں ہی ہر واحد بھی مقصود ہوا کا قادم ہوتا ہے۔ اور شاید اس سے بے غلری
ہو نہیں سکتی دوسرے کا اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی تاریخوں پر انکشاف کرنا اور دوسرے اعمال کا بھی نا کر
کرنا ظاہر ہے کہ عینت تو نہیں ہے اور اگر اس کو عزم جزی میں یکجہ داخل نہ ہو تو محض عینت ہوتا اور تم آئے گا کہ سب
داخل ہوا پس سب کا وہ مہم اور فرائض ہونا ثابت ہو گیا ان چار چیزوں میں سے ایک تو عینت نام میں نہیں ہے
اس دفعہ سے تو ہم بھینا رہی ہیں اور ایک میں شر ہے یعنی الخیر کا جو ہم اس میں ملک ہے کہ ہم میں ہے یا نہیں
کیونکہ اس کی تفسیر یہ ہیں ایک تو یہ کہ عقیدہ نہیں اس لئے غفلت ہے اور احکامات نہیں ہوتا اس سے تو ہم بچے
ہیں یا مطلق غفلت مراد ہوتا اس میں ہم جھکا ہیں۔ رہے بچ کے دوا جہاں میں ہم بھینا جھکا ہیں اور دونوں ایک
ہیں مگر قدرے غفلت ہے یعنی ایک تو مرتجہ عمل ہے اور ایک مرتجہ شیع کا کہ نیکو خدا تو امر علی ہے اور امر بینان
امر علی ہے تو بعض دفعہ تو ایک فعل کو عینت ہند کرتا ہے مگر وہی نہیں ہوتی جیسے کراہی دیا یا شہادت کے لئے سفر
کو عینت ہند ہے مگر اس کے ساتھ وہی نہیں اور بھی ایسا ہوتا ہے کہ وہی نہیں ہوتی ہے مگر عینت ہند کرتا ہے
جیسے زنا وغیرہ فرض بھی رضا ہوتی ہے اور امر بینان نہیں ہوتا اور بھی بالکل جس حالت نہایت سخت ہے کہ خدا
اور امر بینان دونوں ہوں تو کفار کو تو فعلی مہم یہ بات ہے مگر اکثر مسلمانوں کو کہ چنانچہ ہند کی تو کمل دلیل یہ
ہے کہ اگر دینا اور دین میں دو مہم ہو جیسے مقدمات میں یا رشتہ لینے میں یا جیسے بعضوں کے پاس دینیں دینی
ہوئی ہیں تو ان سب کو جانے ہیں کہ گناہ ہے مگر دل سے ہند ہے کہتی رہا نہیں ہوتا بلکہ جب ان کی اصلاح کی
راہ دی جاتی ہے تو کیا جاتا ہے کہ یہ بات کے معاملے میں مانع کیا جائے نہیں فرض فعل سے ہند کرتے ہیں
اور ترجیح دیتے ہیں اگرچہ عقیدہ ایسا نہیں ہے۔

رضا بال دنیا سے بہت کم لوگ خالی ہیں

[illegible]

رضا بالدنيا کا حکم

جو امور اس آیت میں بیان کئے گئے ہیں اگرچہ سارے ادارے اندر موجود نہ ہوں مگر بعض کا پایا جانا محقق ہے گو گناہ کی برائے نہ پائے جاتے ہوں چنانچہ آیت کے جزو اول یعنی **إِنَّ الدُّنْيَا لَافْتِنٌ** کا ترجمہ ہے کہ دنیا فتنہ ہے جو لوگوں کو فتنہ تعالیٰ سے اور مسلمانوں سے شک پرہی میں کیونکہ حق سبحانہ تعالیٰ کی رضا کا تو ہر مسلمان کو اعتقاد ہے یہ جزو ثانی جو **وَالْآٰخِرَةُ خَيْرٌ مِّمَّا تُكْسَبُ** مسلمانوں میں ہے۔ لیکن مگر دوسرا جزو یعنی **وَالَّذِينَ يُؤْتُوا مَالَهُمْ طَائِفَتًا مِّنْهُ لِيَتَغَنُّوا بِهِ وَأَنذَرُ لَهُمْ فَيُضْلُوا بِهِ مَا كَانُوا بِآيَاتِهِ يَلْمِزُونَ** تو موجود ہے گو گناہ سے کم وجہ میں ہو مگر یہ ضرور اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ جس رضا بالدنيا پر وہ یہ ہے شاید یہ شرط دوم، یا ثالث یعنی شرط ہائیکل ہو مگر مسلمان اس کا مورد نہ ہو گا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ذوق لسان کے بالکل خلاف ہے ہر اہل لسان سن کر یہی کہے گئے کہ ان اہل کی بھی صحیح قصود ہے بلا شرط آخری ہائیکل کے آگے ارشاد ہے **وَالَّذِينَ يُؤْتُوا مَالَهُمْ طَائِفَتًا مِّنْهُ لِيَتَغَنُّوا بِهِ وَأَنذَرُ لَهُمْ فَيُضْلُوا بِهِ مَا كَانُوا بِآيَاتِهِ يَلْمِزُونَ** کی تفسیر یہ ہے کہ جو عجب پر شفقت موصوفہ ہے تفسیر کا یہ گناہ رضا حیاتیات دنیا انسان کا سرطینی ہے جو اختیار میں نہیں اگر مطلق رضا حیاتیات دنیا مصیبت ہوتی تو کوئی فرد انسانی بھی اس سے بچ سکتا کیونکہ دنیا کی زندگی سے کن راضی نہیں اس لئے ضرورت خارج ہوئی تفسیر کی اگر تفسیر ساتھ کے ساتھ نہ ہوتی تو اس آیت سے لوگوں کی کثرت جاتی پس شفقت اسی میں ہے کہ ساتھ کے ساتھ تفسیر کر دی جائے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں **وَالَّذِينَ يُؤْتُوا مَالَهُمْ طَائِفَتًا مِّنْهُ لِيَتَغَنُّوا بِهِ وَأَنذَرُ لَهُمْ فَيُضْلُوا بِهِ مَا كَانُوا بِآيَاتِهِ يَلْمِزُونَ** اس قید کے بعد جانے سے معلوم ہو گیا کہ رضا حیاتیات دنیا مصیبت و مذموم ہے جس کے ساتھ اطمینان بھی موجود مصیبت نہیں کیونکہ یہ امر طبعی ہے چنانچہ ایک اور آیت میں اس کی تصریح ہے **فَلْيَنذِرُونَهُمْ إِن كَانُوا لَا يَفْقَهُوا إِلَّا وَفْوَ وَاذَرُوا الْكَيْدَ وَأَنذِرُونَهُمْ إِن كَانُوا لَا يَفْقَهُوا إِلَّا وَفْوَ** اور تفسیر کے ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ **وَالَّذِينَ يُؤْتُوا مَالَهُمْ طَائِفَتًا مِّنْهُ لِيَتَغَنُّوا بِهِ وَأَنذَرُ لَهُمْ فَيُضْلُوا بِهِ مَا كَانُوا بِآيَاتِهِ يَلْمِزُونَ** اس آیت کے تحت ہے کہ آپ کو دیکھئے اگر تمہارے باپ اور تمہارے چچے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیوی یاں تمہارے قریبے اور تمہارے دو اسواں جن کو تم نے حاصل کیا ہے اور وہ تمہارے جس کے خدا ہونے سے تم دارے ہو اور وہ مکان جن کو تم پہنہ کرتے ہو تم کو کھلے سے اور اس کے رسول سے اور اس کے راستہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہوں یا تم یہاں دیکھ اس پر ہے کہ یہ چیزیں اللہ و رسول ﷺ سے زیادہ محبوب نہ ہوں تو ان پر دیکھ نہیں کیونکہ ان چیزوں کا محبوب ہونا امر طبعی ہے معلوم ہوا کہ ان چیزوں کو پسند کرنا اور ان پر خوش ہونا اور مطلق رضا عمل دیکھ نہیں اہل حیات دنیا پر ممکن ہوا عمل دیکھ ہے اگر اطمینان کی حالت ہو تو قابل طاعت ہے ورنہ نہیں اب یہ سمجھنا چاہیے کہ اطمینان کس کو کہتے ہیں کہ جس پر دیکھ اور ہے اطمینان کے معنی سکون کے ہیں جو مقابل ہے حرکت کا مطلب یہ ہو گا کہ میرا اور تیرا یا میرا اور تیرا ہو گیا ہے کہ اس سے قلب و ذہن کو آگے حرکت ہی نہیں ہوتی آگے خیال ہی نہیں چلا جیسے کوئی چیز مرکز پر ٹھہر جاتی ہے کہ آگے نہیں بڑھتی اس پر دیکھ ہے وہ آج کل کا کل جلدی یہی حالت ہوتی

ہے کہ جو جس حالت پر ہے اسی پر ٹھہرا ہوا ہے آگے قدم ہی نہیں بڑھاتا ہم کو ساری فکر حیات دنیاوی کی ہے تنہائیں فی الدنیا کی یہ حالت ہے کہ جب بھی تذکرہ کرتے ہیں تو دنیاوی کا حتیٰ کہ دل میں ہوتے ہیں جب بھی دنیاوی کا تذکرہ ہے کچھ پوچھتے ہیں کہ تھہرے یہاں اناج کا کیا حال ہے بارش کیسی ہوئی نرغ کیا ہے فرض ہر مجلس میں دنیا کا ہی تذکرہ کرتے ہیں حالانکہ دل کا موقع تو ہے فکری اور فرحت کا ہے مگر اس کو اس میں بھی دنیا ہی کی فکر ہے اس سنا کے حرکت ہی نہیں ہوتی دنیا ہی پر سکون و قرار ہو گیا ہے حاصل یہ ہے کہ آخرت کی فکر نہیں آگے درشاہ ہے *خُفِرَ عَنْ يَتِيمَتَا يَعْقُوبَ* یہ ہے کہ باوجودیکہ ہماری مثالوں کو دیکھتے ہیں مگر ہر عامل ہیں ان تینوں مسئلوں کا یہ حاصل تھا جس سے اصل جرم یہ ثابت ہوا کہ ہم کو حیات دنیا پر بالمشجان ہو گیا یعنی حرکت الی الا فرحت نہیں ہوئی اب یہ سمجھنے کہ حرکت الی الا فرحت جو کہ مقابل ہے سکون کا نہیں قسم کی ہوتی ہے ایک حرکت اعتقادی دوسری عملی تیسری حالی یعنی آخرت کی دامن میں ہر وقت بے چین رہتا اور اس کا دل ہوتا کھار کو کسی قسم کی حرکت بھی نہیں کیونکہ ان کا اعتقادی اور مست نہیں مسئلوں کو حرکت اعتقادی تو حاصل ہے مگر حرکت عملی اور حالی نہیں یعنی ذرا دل آفرین کا اہتمام ہے حال کی دامن میں اس کی کا دل ہی نہیں یہ مرض قریب قریب عام ہے اور عوام تو عوام خود کھسے چھوٹی کی حالت یہ ہے کہ ہمارے قلوب آخرت کے لئے بے چین نہیں ہیں جیسے کسی پر کوئی مقدمہ دائر ہوتا ہے اور اس وقت بے چینی ہوتی ہے کہ کسی وقت بھی قلوب کو قرار نہیں ہوتا ہر وقت اس کی دامن اور اسی کا فکر اور خیال ہوتا ہے۔

بڑا علاج اس کا بھی ہے کہ آخرت کے تمام امور کو سوچا کر کہ میں مرکز قبر میں جاؤں گا وہاں سوالات ہوں گے اگر تمکک جواب دے دیا تو راحت ہوگی اور غضاب ہوگا اسی طرح میدان قیامت کی سختیوں کو سوچے کہ اللہ تعالیٰ کے دورہ حساب کے لئے کھڑا کیا جاؤں گا اس کے بعد علیٰ سراطی پر چلتا ہوا گا بھر جنت یا دوزخ میں ڈالا جاؤں گا فرض سارے امور کو سوچا کرے اور اس کے ساتھ ہی کسی بزرگ سے تعلق قائم کرے اور اگر ممکن ہو سکے اس کی محبت میں رہے اور اس کے حقوق محبت ادا کرے۔

حب دنیا کے مراتب

حب دنیا کے بھی مراتب مختلف ہیں کسی کم ہے کسی میں بڑا اور کفار میں بڑا ہے۔ مسلمانوں میں کم کم ہیں ضرور اور کچھ جڑ ہے تمام گناہوں کی کیونکہ حب دنیا میں مگردین کم ہوتی ہے جس وجہ کی حب دنیا ہوگی اسی وجہ کی مگردین کم ہوگی اگر کامل وجہ کی حب دنیا ہے تو کامل وجہ کی دین سے بے فکری ہوگی جیسا کہ کفار میں حقیقی ہے اور مسلمانوں میں جس وجہ کی حب دنیا ہے اسی وجہ کی دین سے بے فکری ہے تو یہ دل ہے حب دنیا کو ان امور میں کسی کا میں ذکر کر رہا ہوں اور کفار میں تو یہ مرض ہے ہی اس میں یہ ہے کہ ہم میں بھی پایا جاتا ہے۔

اور اگر یہ اعتراض کیا جاوے کہ اس آیت کو کیوں اختیار کیا گیا۔ یہ کفار کے بارہ میں ہے چنانچہ
 إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا يَسْتَكُونُوا يَسْتَأْذِنُوا هَؤُلَاءِ هُمُ الْمُتَكَبِّرُونَ اس میں سرخ ہے مسلمانوں کو اس سے کیا حلق؟ یہ شہ بہت لوگوں کو ہوا ہو گا
 کیونکہ کفر لوگوں کا خیال یہ ہے کہ جو آیتیں کفار کے بارہ میں ہیں مسلمانوں سے ان کو کچھ حلق نہیں اور اسی
 لئے لوگ بے فکر بھی ہو گئے ہیں کہتا ہوں کہ یہ دیکھنا چاہئے کہ جو حدیں کفار کے بارہ میں وارد ہیں ان
 حدوں کی بناء کیا ہے آیا کفار کی ذات ہے یا کفار کے اعمال ہیں۔ ظاہر ہے کہ بناء حدیں حدوں کی اعمال ہی
 ہیں جو کفار میں پائے جاتے ہیں اور ازاں کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو نہ کسی کی ذات سے محبت ہے نہ کسی کی
 ذات سے نفرت ہے نہ ہیث الذات خدا تعالیٰ کے نزدیک سب برابر ہیں۔

طالب علمانہ اشکال کا جواب

یہاں ایک اور طالب علم نے شبہ ہو سکتا ہے وہ یہ کہ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ آیت کفار کے بارہ میں ہے اور حدیں
 جن اعمال پر وارد ہے ان میں بیعت فرمائی بھی ہیں اس سے یہ لازم آتا ہے کہ کفار مختلف بافروغ ہوں حالانکہ
 فقہاء ماصولین کے نزدیک کفار مختلف بافروغ نہیں رہی لئے انہوں نے تصریح کی ہے کہ اگر کفر نقل اسلام
 لائے کہ لازم ہے جو تو اس کی لذت نہ ہوگی کیونکہ وہ مختلف ہی نہیں اسی طرح بھلا اسلام کے ان نمازوں کی قضاء
 واجب نہیں اس سے کفار کا مختلف بافروغ ہو لازم نہیں آتا اور اس طرح کہ کفار کو جو خطاب ہو گا وہ اصل میں
 عیس کفر ہو گا بخلاف مسلمان کے کہ اس کو جو سزا ہوگی وہ ترک فروغ ہوگی ہر کی ہاں کافر کی سزا میں بجز ترک
 فروغ کے اضافہ ہو جائے گا اور عقوبت بڑھ جائے گی یہ نہیں کہ نفس ترک فروغ پر سزا ہوگی۔

اس کی مثال ایسا ہے جیسے وہ بانی ہوں جو حکومت کی اطاعت نہیں کرتے مگر ان میں ایک قوم ہے کہ
 بھارت بھی کرتا ہے اور اس کے ساتھ ملک میں شورش بھی کرتا ہے اور دوسرا بھی کرتا ہے مگر تارائی کی ذات ہی
 تک ہے شورش نہیں کرتا ظاہر ہے کہ بھارت پر سزا اور ان کو بھی بھارت کے ساتھ شورش بھی کرتا ہے اس کی
 سزا میں بجز شورش نہ کرنے والے کے اضافہ ہو گا اس صورت میں اصل سزا تو بھارت پر ہے مگر یہ شورش
 کے اس میں اضافہ ہو گیا ہے۔

کافر تارک فروغ کی مثال شورش کرنے والے بانی کی سی ہے کہ کفر کرتا ہی ہے لیکن باوجود کفر کے
 فروغ کو بھی بجا نہیں لاتا تو اس کو اصل سزا تو کفر ہوگی مگر ترک فروغ کی وجہ سے سزا میں زیادتی ہو جائے گی
 اور اس کافر کی مثال جو بعض فروغ کو ادا کرتا ہے جو شرط والا ایمان نہیں جیسے محل وقوع یا مصلحت اس بانی کی
 سی ہے جو شورش نہیں کرتا اس کو اصل سزا کفر ہوگی ترک فروغ سے اضافہ اور زیادتی نہ ہوگی اب شہ کفار کے
 مختلف ہونے کا جائزہ اور مسلمان کی مثال اس محرم کی سی ہے جو بانی نہیں اس کو صرف ترک فروغ پر سزا ہوگی

برکت کی مراد اس کو نہ ہوگی کیونکہ وہ باقی نہیں ہے آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر فردغ کے مکلف نہیں مگر پھر بھی ترک فردغ پر عتاب ہوگا کیونکہ یہی اس کے لئے کسی تو مسلمان جو کہ فردغ کے مکلف ہیں وہ آیت سے زیادہ مورد وعید ثابت ہوں گے کیونکہ جب غیر مکلف یا فردغ کو بھی ان فردغ کے ترک سے ضرر ہوتا ہے تو جہاں فردغ کا مکلف ہے اس کو ان کے ترک سے کیوں ضرر نہ ہوگا۔

وَإِذَا مَنَّ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ أَهْلِيهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ غُطُّوهُ مَرَّكَانَ تَعْرِيدُ عَنَّا إِلَىٰ مُضِيٍّ فَتَكُنْ لَكَ

زَيْنٌ وَالْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۹﴾

ترجمہ: اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارنے لگتا ہے لئے بھی پٹھے بھی کڑے بھی پھر جب ہم اس کی وہ تکلیف اس سے ہٹا دیتے ہیں تو پھر اپنی اصلی حالت پر آ جاتا ہے کہ گویا جو تکلیف اس کو پہنچتی تھی اس کے ہٹانے کے لئے بھی ہم کو پکارا ہی نہ تھا ان حد سے نکلنے والوں کے اعمال میں کو ابھی طرح متحسن معلوم ہوتے ہیں جس طرح ہم نے ابھی بیان کیا ہے۔

تفسیری نکات

مصیبت کے وقت انسان کا حال

حضرت علیؓ نے ایک کارے پر پوچھا کہ تمہارے کتنے خدا ہیں اس نے کہا سات ہیں چار زمین میں اور ایک آسمان میں آپ نے فرمایا کہ مصیبت کے وقت کا خدا کون ہے اس نے کہا کیا انسان دلا تو مشرکین عرب بھی مصیبت کے وقت ایک خدا کو ہی پکارتے تھے مگر بعد وصال میں مصیبت کے وقت بھی دوسروں ہی کو پکارتے ہیں جیسری قسم وہ ہے کہ گناہ کو یاد کر کے تدارک بھی کرتے ہیں اور مصیبت کے وقت خدا ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں لیکن وہ حالت ہوتی ہے

ایکادیں بوقت سحر اول شعلی وقت دبا جہ شعلہ

ہار چوں سے دھند ہر کار شرفی الجوش و جہ شعلہ

(سرکاری ملازم کو کرنی سے طمعہ کر دینے یا نہیں تو وہ ایسے ایک ہی جاتے ہیں کہ میں معلوم ہوتا ہے کہ گویا اپنے زمانہ کے حضرت شعلی اور ہار جہ کے جیسے بہت بڑے ولی ہیں اور پھر جب اپنی ملازمت پر آ جاتے

خدا تعالیٰ کی قدرت بزرگ موجود ہے بلکہ دیا میں تو بہت سی تدابیر پہنے کی ممکن تھی میں اگر کوئی آفت آئے تو اس سے بچنے کی تو کوئی تدبیر ہی نہیں مثلاً اگر وہ ریل گاڑیوں میں تصادم ہو جائے تو کوئی صوت پہنچنے کی ہو یہ نہیں سکتی یہ خلاف جہاز کے کہ اگر ٹوٹ جائے تو فرق ہوتے ہوئے بھی اس کو بہت بزرگ جاتی ہے۔ دوسرے جہاز اکثر کنارے کے قریب ہی ہوتا ہے کہ وہاں سے دھڑکا آ جاتا بھی ممکن ہوتا ہے تو جو شخص مسند میں خدا سے دار سے اور تنگی میں نہ دار سے وہ کس قدر نادان ہے دوسرے اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ مسند میں زپار خطرہ ہے تو یہ بھی تو ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ وہ دار مسند ہی میں بھیج دیں اور اگر انکی ہوا کو مسلا کر دیں کہ وہ کشتی کو توڑ پھوڑ کر ٹکڑے کر دے اس کی خدا تعالیٰ فرماتے ہیں **اَمْ اَرَاَيْتُمْ شُرَكَاءَکُمْ فِیْ سَاطِئِ الْمَیْمَنِ** اور یہ کچھ اسی کے ساتھ حاصل نہیں بلکہ یہ صاحب مصیبت کو کہا جاسکتا ہے کہ کیا پھر یہاں نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالیٰ پھر اسی قدر میں تم کو پھنسا دیں صاحب اپنے کو کسی وقت خدا تعالیٰ کے ہنسنے سے بھلا ہوا نہ سمجھتا کہ وہاں کو پھوڑ دیا دیکھو گناہ میں مصیبت اس لئے آتی ہے کہ اس سے خدا تعالیٰ ناراض ہیں اور یہ بات سب گناہوں کو عام ہے اگرچہ وہ کسی قسم کا گناہ ہو تو جب خدا تعالیٰ ناراض ہوئے اور ہر قصداں کے جہنم میں ہے تو ممکن ہے کہ پھر کسی قصہ میں جھکا کر دے دیکھو اللہ تعالیٰ کو جب حضور ہوا تو فرود کو ایک جگہ سے پریشان کر دیا اہل سر نے لکھا ہے کہ فرود کی یہ حالت تھی کہ سر پر چھت گئی تھی تو جین آتا تھا تو وہ مجھراب بھی تو مسوہ ہے اور خدا تعالیٰ کتاب بھی تو وہی قدرت ہے دیکھو کہاں فرود اور کہاں جگہ مگر خدا تعالیٰ نے دکھا دیا کہ ہمارا ایک معمولی سپاہی بھی کافی ہے ایک چوٹی اگرچہ بظاہر نہایت چھوٹی اور معمولی چیز ہے لیکن جب خدا تعالیٰ چاہے ہیں تو اسی سے ہلاک کر دیتے ہیں اور جب ان کی طاقت ہوتی ہے تو کسی سے کچھ بھی نہیں ہو سکتا میں نے متعدد مرتبہ دیکھا ہے کہ سر میں تل ڈال کر سر کے نیچے والے رتھ کر سونگیا ہوں اللہ کر دیکھا دال پر بیچ نہیں چڑھی بیٹیں لگی سر میں ایک توڑتی بھی نہیں پانی کی مٹاس سے چھانے والا کون ہے مگر خدا کے اور اگر وہ نہ چھانے تو اہل اورو پریشان کرنے کو کافی ہے ایک بادشاہ کا قصہ ہے کہ اس کی ناک پر بار بار ایک ٹکھی آ کر ٹھٹھکی تھی اس نے شک کر کہا کہ معلوم نہیں ٹکھی کو کیوں پھینکا ہوا گاڑ رہے تھے کہ اس واسطے پھینکا گیا ہے کہ کھجورین کا کھجور لے حاصل یہ ہے کہ زرا منہیں کہ خدا تعالیٰ کی طاقت کہ تم میں تو ایک ٹکھی کی طاقت کی بھی تاب نہیں پس اگر پہنچے کی کوئی صورت ہے تو یہی کہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔

خلاصہ آیت

غلام یہ ہے کہ دیا میں ایسا تو کوئی انسان نہیں جس کو کوئی حادثہ پیش نہ آئے۔ اور کوئی بات اس کی مرضی کے خلاف نہ ہو انسان تحت القدر ہے مستقل نہیں ہے اگرچہ ہر امر میں انسان کی ایک مستقل جگہ ضرور ہوتی

ہے جیسے اس کا زمین استخراج کر لیتا ہے۔ مگر کیا یہ جانتا ہے کہ ہر اس میں کی خواہش کے مطابق نہیں ہوتا چنانچہ ارشاد ہے **وَلَا يَخْلُقُ الْإِنْسَانُ مَا يَشَاءُ** یعنی انسان کو اس کی ہر خواہش ملتی نہیں تھا یہی انسان کی بہت کمزوری ہیں مگر ملتی کم ہیں بلکہ جو خدا تعالیٰ چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے وہی انسان کے لئے بھتر ہوتا ہے اگرچہ اس میں نقص کی بھری انسان کا محسوس نہ ہو لیکن اس کے تجوہ را کر لو کیا جائے تو اس کی حکمت معلوم ہو جاتی ہے اور اس میں نقص کی ہر حکمت پر نظر نہیں ہوتی اس لئے خلاف تمنا کو مصیبت کہتے ہیں اور نہ اگر مصلحت اور حکمت پر نظر نہیں ہوتی اس لئے خلاف تمنا کو مصیبت کہتے ہیں اور نہ اگر مصلحت اور حکمت پر نظر ہو تو کوئی مصیبت مصیبت نہیں بلکہ ہر مصیبت نفع ہے مگر ہر مصیبت غیر اختیار ہے اور اسی میں محسوس ہوتی ہے یہ خلاف ان کے جن کو اپنے ہاتھوں اختیار کرتے ہیں یعنی گناہ کہ ان کو انسان اپنے اختیار سے کرتا ہے ہر اس میں کوئی حکمت نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ اس کو گناہ اور مصیبت قرار دیا گیا یعنی اس سے روکا گیا اور یہی فرق ہے کہ میان فعل مبدل فعل حق کے کہ کوئی فعل شر کا خدا تعالیٰ سے صادر نہیں ہوتا فعل شر وہی ہے جو اپنے اختیار سے خلاف فہمائے حق کرتا ہے تو اس پر اختیار یہ مبدل تو شر و بدوں ہیں اور غیر اختیار کی ہر فعل منجانب اللہ ہے اور غیر محض ہے۔

مسلمانوں کی ایک قابل اصلاح کمی

ایک دوست نے پوچھا تھا کہ حق تعالیٰ نے کفار کے بارہ میں ارشاد فرمایا ہے **وَلَا يَخْلُقُ الْإِنْسَانُ الْفُتُورَةَ لَا يَخْلُقُ إِلَّا الْفَاسِقِينَ** اور **وَلَا يَخْلُقُ إِلَّا الْفَاسِقِينَ** کہ انسان کو انسان کے لئے بھتر ہوتا ہے وہی انسان کے لئے بھتر ہوتا ہے اگرچہ اس میں نقص کی بھری انسان کا محسوس نہ ہو لیکن اس کے تجوہ را کر لو کیا جائے تو اس کی حکمت معلوم ہو جاتی ہے اور اس میں نقص کی ہر حکمت پر نظر نہیں ہوتی اس لئے خلاف تمنا کو مصیبت کہتے ہیں اور نہ اگر مصلحت اور حکمت پر نظر نہیں ہوتی اس لئے خلاف تمنا کو مصیبت کہتے ہیں اور نہ اگر مصلحت اور حکمت پر نظر ہو تو کوئی مصیبت مصیبت نہیں بلکہ ہر مصیبت نفع ہے مگر ہر مصیبت غیر اختیار ہے اور اسی میں محسوس ہوتی ہے یہ خلاف ان کے جن کو اپنے ہاتھوں اختیار کرتے ہیں یعنی گناہ کہ ان کو انسان اپنے اختیار سے کرتا ہے ہر اس میں کوئی حکمت نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ اس کو گناہ اور مصیبت قرار دیا گیا یعنی اس سے روکا گیا اور یہی فرق ہے کہ میان فعل مبدل فعل حق کے کہ کوئی فعل شر کا خدا تعالیٰ سے صادر نہیں ہوتا فعل شر وہی ہے جو اپنے اختیار سے خلاف فہمائے حق کرتا ہے تو اس پر اختیار یہ مبدل تو شر و بدوں ہیں اور غیر اختیار کی ہر فعل منجانب اللہ ہے اور غیر محض ہے۔

إِنِ اجْتَمَعَتِ أُمَّةٌ عَلَىٰ لَئِيْلَةٍ فَلَا يَسْتَاخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِرُونَ ﴿١٠﴾

ترجمہ: آیت کا یہ ہے کہ جب لوگ کسی عیاد (معلوم یعنی موت) آ جانے کی تو اس سے ناپاک ناصحت بھیجتے ہیں گناہ کے بدلے نہیں لے۔

تفسیری نکات

موت کا ایک وقت معین ہے

جس کا حامل یہ ہوا کہ موت کے وقت سے نہ کوئی آگے نہ ہٹ سکا ہے نہ پیچھے ہٹ سکا ہے اور مقصود یہ ہے کہ موت آنے کے بعد اس سے کوئی بچ نہیں سکا اب یہاں ایک احتمال ہوتا ہے وہ یہ کہ اس آیت سے جو مضمون مقصود ہے یعنی موت سے محفوظ نہ ہو سکا اس سے کہ **لَا يَسْتَاخِرُونَ سَاعَةً** کا اصل تو ظاہر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ موت کا وقت آنے کے بعد اس سے بچ نہیں سکتے اور نہ چنے میں تاخیر کو اصل ہو سکا ہے مگر **لَا يَسْتَقْدِرُونَ** انہیں اس میں کیا اصل ہے یہ جملہ کیوں نہ حایا گیا کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ موت کے وقت سے پہلے کوئی بھی نہیں ہو سکا سو یہ علم تو صحیح ہے مگر جو مقصود ہے اس میں کیا اصل کیونکہ قدیم میں نافذ ہونے کا کیا احتمال ہے وہ تو ہر حال میں صریحاً گواہ مخصوص نہیں اصل کے بعد تو محال بھی اس کا احتمال نہیں ہیں تاخیر کا احتمال ہو سکا تھا اس لئے اس کی نفی ہے بلکہ مفید ہے تو یہ جملہ ظاہر نہ اندہ معلوم ہوتا ہے اس کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں مگر حضرت استاد رحمۃ اللہ نے ایک عجیب جواب دیا تھا جو میں نے کہیں متقول نہیں دیکھا لیکن ہے کسی نے کہا کہ مگر میری نظر سے نہیں گزرا اور نہ مجھے اس کی حاشی کا احترام ہے ہمیں تو خدا تعالیٰ نے مشائخ کی ایسے دیئے تھے جن کی باتوں سے ایسی قلیل ہو جاتی تھی جس سے کب نبی سے استفتاء ہو گیا مولانا نے فرمایا کہ اس احتمال کا نقل تو صحیح ہے کہ قدیم نافذ نہیں ہو سکتی لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر قدیم لیکن ہوتی تو وہ بھی نافذ ہو سکتی اسی طرح موت سے نہ چنے کی اور ضرور ہو سکتی تھی ایک یہ کہ وقت موت سے متقدم وقت میں چلا جانے مثلاً جیسا کہ ان موت کے لئے مقرر ہوا اور وقت آیا اور یہ شخص ہجرات کے دن میں داخل ہو جائے دوسرے یہ کہ وقت سے موخر وقت میں چلا جائے مثلاً جیسا کہ ان آنے کے بعد موت کے آگے کار کیا کہ پیغمبر کے دن میں نکلی جائے تو دونوں موت میں موت نہ آنے کی لیکن وقت مقررہ تو جیسا کہ ظاہر ہے دونوں صورتوں میں لڑا ہو گیا تو حق تعالیٰ نے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ دونوں صورتیں نافذ ہو سکتی تھیں مگر چونکہ حرکت کن انسان لیکن نہیں اس لئے کسی صورت کا ذکر نہیں ہوتا تاخیر یہ تو ظاہر ہے جو ضرور بیان کر دیئے ورنہ

اصل مقصود یہ کہ صرف یہ ہے کہ موت آنے کے بعد اس سے چٹا ناگن ہے جس کو عاوارہ میں اسی طرح تعمیر کیا کرتے ہیں لڑکھٹا بیٹھتے۔ وَلَا تَسْتَفِيحُوا عَنْهَا قُلُوبُكُمْ جیسے وَلَا تَلْبِسُوا ثِيَابَ الْجَاهِلِیِّنَ وَمَا تُبَدِّلُ مِنْ أَسَدٍ و اعساده کے معنی مراد نہیں ہیں بلکہ اصل مقصود یہ ہے کہ داخل کاواڈ ٹیکس سے اس مقصود کو اس عبارت میں عاوارہ کے موافق بیان کر دیا گیا اسی طرح یہاں بھی کر سکتے ہیں کہ یہ فرق قدم کی حیثیت یعنی مراد نہیں بلکہ حاصل مراد ہے اور عاوارہ میں کمی شے سے نہ بچ سکے کو اسی طرح یہاں کیا کرتے ہیں اس فقرہ پر آیت کو حرکت ذہنی فی الارمان کی بحث سے کوئی تعلق نہ ہوگا بلکہ یہ محض ایک لطیفہ ہوگا مگر قرآن میں ایسی جاسمیت ہے کہ بہار عالم منتقل دل و جاں تازہ و میداد رنگ اصحاب صوت و رایہ اور با معنی را

سلوک میں ہر حال میں ترقی کرنے کی ضرورت

یہی مضمون قرآن میں دوسری جگہ ارشاد ہوا اقْتَرَبَ إِلَکَ لَیْسَ بِتَسْتَفِيحُوا عَنْهَا قُلُوبُكُمْ (ان لوگوں سے ان کا حساب نہ کرے آپ بچا اور یہ غفلت میں ہیں) اور ایک تفسیر یہ بھی ہے حافظ کے اس شعر کی مراد و منزل جاننا چاہنا و بیش چاہا ہر دم جس فریادی داد کہ بر بندہ یہ عملیہ (مجھ کو حلال محبوب میں امن و سکون کہاں ہے جبکہ ہر وقت کوئی کی گھنٹی بجاتی ہے کہ سداں صلیا غمر) اس کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ ناپاس امن و بیش کہاں جبکہ ہر دم دنیا کی حالت یہ نگاہ کہہ رہی ہے کہ اسباب ہمارے اور چلنے کی تیار کی گئی کہ کیونکہ داخل ہمارا ہر سانس جو گزرتا ہے وہ اس کی خبر دے رہا ہے کہ تم آخرت کی طرف اتنے نزدیک ہو گئے ہو جس کی عمر تیس سال کی ہے اس نے آخرت کی طرف جس سال کی مسافت طے کر کے قرب حاصل کر لیا جس کی عمر زیادہ اس نے زیادہ قرب حاصل کر لیا ہے۔

قُلْ يَفْضِلُ اللَّهُ وَ يَرْحَمُهُ قَدْ إِلَکَ فَلْيَفْرَحُوا فَوْخِیْرَ قَوْمٍ لَا یَجْمَعُونَ ﴿۲۸۳﴾

یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو پسند کرتا ہے اور آپ کو رحم کرتا ہے لہذا آپ کو فخر کرنے کی وجہ سے کہ جس کو یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔

تفسیری نکات

ایک عجیب نکتہ

یعنی متار دیا سے یہ بھر ہے اور حسبِ طاقت ہے کہ پہلے مضمون کا قوال حق تعالیٰ نے خود اپنی طرف سے خطاب فرمایا چنانچہ ارشاد ہے یَا أَيُّهَا الَّذِیْنَ دَعَا إِلَى اللَّهِ فَارْتَدَّ عَنْكُمْ لَیْسَ بِتَسْتَفِيحُوا عَنْهَا قُلُوبُكُمْ مضمون کی نسبت حضور کو علم دیا گیا آپ کہنے۔

اس میں ایک عجیب نکتہ ہے وہ یہ کہ یہ طبعی بات ہے کہ احکام یعنی امر و نہی انسان کو ناگوار لگتا ہو گئے ہیں اس لئے احکام پر خود کو ملوانے تاکہ حضور کی محبوبیت محفوظ رہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کے ساتھ فرحت کے امر کو حضور کے پر فرمایا کہ اس سے حضور کے ساتھ اور زیادہ محبت تعلق کو بڑھ جائے اس سے کوئی یہ شہ نہ کرے کہ بہت جگہ حضور کو بھی احکام پہنچانے کا حکم ہے اس لئے کہ یہ نکتہ اس مقام کے تعلق ہے اور دوسری جگہ ہر انکت اور نکتہ ہو سکتی ہے۔

بہر حال دو چیز پر غور کرنے کا حکم ہے فضل اور رحمت اور یہ فضل بھی رحمت ہی کے افراد میں سے ہے صرف فرق اس قدر ہے کہ فضل کے اندر معنی زیادتی کے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ رحمت بمعنی مہربانی کے دوسرے ہیں ایک شمس مہربانی اور ایک ذرا کم۔ یا اس کو کہ ایک دوسرے ہے جس کا بندہ ہمیشہ جزاء کے اپنے کو مستحق سمجھتا ہے اور ایک ذرا کم اگرچہ پہلے مرتبہ رحمت کا اپنے کو مستحق سمجھتا بندہ کی جہالت ہے اور جب اس ذمہ تعلق کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ پر ہر شخص کو ایک ناز ہوتا ہے بلکہ اگر غور کیا جاوے تو ہم لوگوں میں نازی کی مثال دیکھنی ہے نیاز بالکل نہیں۔ ہاں اس لئے اگر نیاز ہوتا تو ہم سے نافرمانی نہ ہوتی دیکھ لیجئے کہ حکام و پادشاہ کے ساتھ نیاز ہے اس لئے اس کی نافرمانی نہیں کرتے نہ ان پر غم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ بالعکس ہے جس کا زیادہ سبب یہ ہے کہ رحمت ہی کی انتہا ہے حتیٰ کہ فری مزا نہیں دی جاتی سو جس قدر رحمت باقی جاتی ہے اس رحمت و مہربانی کو معلوم کر کے اسی قدر مہربان بن کر حضرت کا زیادہ ہوتا جاتا ہے۔

لیکن حق تعالیٰ کے کریم اور رحمت بے انتہا ہے ہماری عادتیں بگڑ گئی ہیں چاہے تو یہ تھا کہ جس قدر رحمت ہوتی شرارتے اور خضر و دیار زیادہ ہوتی مگر یہاں معاملہ برعکس ہے۔

اب قرآن مجید میں دوسرے تعلقات پر دیکھنا چاہئے کہ ان دونوں اشخاص سے کیا مراد ہے تو جانتا ہوں کہ قرآن مجید میں یہ دونوں لفظ کثرت آئے ہیں لیکن دونوں سے ایک حق مراد ہیں لیکن جدا جدا چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہے۔
 وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْنَا وَرَحْمَتُهُ لَكُنَّا مِنَ الْخَاسِرِينَ (یونس ۶۴) یہاں اگر مفسرین کے نزدیک فضل اور رحمت سے حضور کا جدا جدا مراد ہے۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْنَا وَرَحْمَتُهُ لَكُنَّا مِنَ الْخَاسِرِينَ (یونس ۶۴) یہاں بھی بقرآن کے مفسرین حضور ہی مراد ہیں۔

ایک مقام پر ارشاد ہے۔ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْنَا وَرَحْمَتُهُ لَكُنَّا مِنَ الْخَاسِرِينَ (یونس ۶۴) یہاں مراد فضل اور رحمت سے قرآن مجید ہے اور بعض آیات میں فضل سے مراد رحمت دینی اور رحمت سے رحمت دینی مراد ہے چنانچہ فضل بمعنی رزق و نفع دینی قرآن مجید میں آیا ہے۔

ان میں تعارض نہیں بلکہ یہ دونوں حالتیں جدا جدا ہیں۔ میں کے حلقی صبیح کی گئی ہے ایک خوشی خطراری ہے جس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً تمہاری ایک پہیلی رو پے یا اثراتوں کی کھنگلی میں سے آپ بہت پریشانی میں اصرار دے دھڑکتے بہت دن ہو چکے ہیں کہیں پہ نہیں چلا کہ نصف کسی نے ہاتھ میں لے کر سدی ایک خوشی تو اس وقت یہ ہے خطراری اور یہ اختیار خوشی ہوگی اور ایک یہ صورت ہے کہ پہیلی کم ہونے پر تم نے نوکران کو خوب مارا چٹا باب خدا جانے وہ ان کوئی پائیں مگر بے چاروں نے ڈار کے مارے مار کر سدی ایک خوشی اس پر ہے یہ اختیار خوشی ہے اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے پہلی خوشی جو آپ کو ہوگی وہ اترا نے کی نہ ہوگی بلکہ شکر کی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ کوئی ہوئی چلی گئی اور دوسری خوشی اترانے کی اور تار و تکر کی ہوگی کہ بکھا مے کی کسی اچھی تدبیر کی حالت یہ پہیلی کیسے مٹی۔

عید میلاد النبی ﷺ کے دلائل اور ان کے جوابات

اب سوچیں عید کے دلائل کی تقریر اور اس کا جواب سنئے اور ان کی طرف نسبت دلائل کی میں نے اس احتمال سے کر دی ہے کہ شاید ان میں سے کئی کوئی اس سے استدلال کرنے لگے نہ میں نے یہ دلائل ان سے منقول نہیں دیکھے بلکہ اگر وہ تو برسوں پہلے کو شش کریں تو ان کو ایک دلیل بھی پھر نہ ہو ایسا سلسلے کی تو چاہتا تھا کہ ان کو دلائل دیے جائیں لیکن صرف اس وجہ سے کہ کسی کو کوئی گناہ نہ ہے اس لئے میں ان دلائل کو بھی بخ جواب نقل کئے جاتا ہوں۔

اول یہ آیت **قُلْ يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ اتَّبِعُوا اَمْرًا مِّنْ رَبِّكُمْ** سے استدلال کر سکتے ہیں کہ اس آیت سے فقہ فرحت کا نامور پہو ۵۲ بیت ہوا اور یہ عید میلاد النبی ﷺ بھی اسکا ہر فرحت ہے لہذا جانا ہے۔

جواب ظاہر ہے کہ اس آیت سے فقہ فرحت کا نامور پہو نکلا اور گفتگو اس حدیث خاص میں ہے لہذا اس آیت سے اس کو کوئی مس نہیں اور اگر اس نکلے میں داخل کرنا اس کا صحیح ہونا فقہاء نے کتب فقہ میں جس بدعات کو رد کیا ہے وہ بھی کسی نہ کسی ایسے ہی کلیے میں داخل ہو سکتی ہیں چاہے کہ وہ بھی جائز ہو چاہیں حالانکہ کتب فقہ جو مسلم حدیث پر یقین ہیں ان میں ان کی ممانعت صریحاً مذکور ہے اور ان میں دل زنج کو پیش یہ دھوکا ہوتا ہے اور یہ جواب ہے کہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے اور اہل حق کے تقاب کا موضوع ایک ہے اسی بنا پر اہل حق پر اعتراض کر دیتے ہیں چنانچہ یہاں بھی مطالبہ ہے ہم جس بات کو ناجائز کہتے ہیں وہ ہیبت خاصہ ہے اور جو فرحت آیت ظاہر حد سے ثابت ہوئی ہے وہ فرحت حق ہے بلکہ یہ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ فرحت کو کس کرتے ہیں حالانکہ صحیح نہیں بلکہ اگر غور سے کام لیا جائے تو ہم اس فرحت پر زیادہ عمل کرتے ہیں اس لئے کہ یہ سوچیں تو سال بھر میں ایک ہی مرتبہ خوش ہوتے ہیں اور دوسریاں میں ان کی فرحت حلق ہے اور جاتی ہے اور ہم ہر وقت خوش

یہ جواب تو اس تقریر پر ہے جب کہ آیت کے حقیقی معنی ہیں جو متصل نے جاننے کے ہیں وہ اس آیت سے یہ ثابت ہو رہا تھا کہ جو کسی علیہ السلام کا مطلب یہ ہے کہ نزولِ مائدہ کی تاریخ کو عید بنادیں۔ اس لئے کہ انگوٹھی میں خمیر مائدہ کی طرف داخل ہے۔ لہٰذا اس سے ہم نزولِ مائدہ کو دلچسپ قرار دے گا اور یہ قاعدہ ہے کہ جب تک حقیقی معنی ہیں کسی کلمہ کی طرف رجوع نہ کیا جائے گا کہ جس حقیقی معنی ہیں فیکون المائدہ مسرورہ والا یعنی وہ مائدہ ہمارے لئے مسرورہ کا باعث ہو چاہے عید کے حقیقی معنی نہیں ہیں بلکہ میرے کلامی مطلق سرور پر بھی آتا ہے یہ کیا ضرور ہے کہ جہاں کوئی لفظ عید آئے اس سے عید میلاد النبی ﷺ ہی مراد ہو۔

یہ حضرات شیر کے نزدیک ہیں کہیں مت مارا جائے اس سے خدا کا جہاز ہی نکال لیجئے یہاں کے نزدیک گویا شیخ سعدی کے شعر :
 قطع زہر گوشہ با تم

بعض نے بعض سے حد کیا ہے ایسے ہی ان حضرات کے نزد یک جہاں کہیں سنی آؤ گے اسی سے عید میلاد النبی ﷺ کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

چنانچہ استدلال اس قصہ سے یہ ہو سکتا ہے کہ عدیث میں آیا ہے کہ حسبِ عتہ اَلْیَوْمَ اَکْبَرُ اَلْکَلْبُ اَلْکَلْبُ وَیَنْکَرُ اَلْحَیْ نَارِلُ ہوئی تو ایک بیرونی نے حضرت مڑے کہا اگر جاتا ہے ہم پر نازل ہوئی تو ہم اس دن کو میدان لیتے حضرت مڑے جواب دیا کہ یہاں عدیث کے ہی نازل ہوئی ہے یعنی یہم جھوٹا یہم مرگوا نازل ہوئی ہے اور ترغی میں ہے کہ حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے: نزلت علی یوم جمعة ویوم عرفہ حدیث کا مضمون ہے تقریباً استدلال کی اس حدیث سے یہ ہے کہ حضرت عمر ابن عباس نے عدیث مانے پر انکار نہیں فرمایا اسلئے ہوا کہ عدیث کے نکت کی خارج کو میدان مانا جائز ہے اگرچہ یہ استدلال ابن کو قیامت تک بھی نہ سوجھتا لیکن ہم نے خبر کا نقل کیا ہے کہ ان کو اس میں بھی محسوس ہو سکتی ہے۔

اس کے دو جواب ہیں ایک جواب تو یہی ہے کہ ختم حیات کہتے ہو کہ انکار نہیں کیا تو یہ کیا ضرور ہے کہ انکار یہاں ہی مقبول ہو چکا ہو اور یہاں سے فقہاء نے تخریج یعنی ہم صرف میں قہاج کی مطابقت سے منع ہونے پر انکار فرمایا ہے یہ تو ضرور ہی نہیں ہے کہ اس کا مقام پر انکار کریں نیز حضرت ابن عباسؓ نے نصیب کو بھیس بھسی، کہا ہے حالانکہ وہ مقبول بھی ہے مگر صرف عادت کو عبادت سمجھنے سے انہوں نے یہ انکار فرمایا تو غیر مقبول کو قہاجت سمجھنا تو ان کے نزدیک زیادہ بگڑا ہوا ہے اور حضرت عمرؓ کا انکار جامع علی ثمرۃ اللہ یہ ہے پر مشورہ ہی ہے کہ ان دونوں حضرات کا انکار ایسے امور پر جاریت ہو گیا کہ جو برحق مقام پر مقبول نہ ہوں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ شخص مسلمان ہے، لہذا یہودی تھا اس کو خاص طور پر انسانی جواب دیا کہ تمہارے

یہاں تو پہلے سے یہ ہے بلکہ اس جواب سے خود معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعویٰ جانا جائز نہیں یعنی مطلب حضرت مرثیہ ہے کہ ہماری شریعت میں چنگر عید جائز نہیں ہے اس لئے ایسے عارض سے ہم کسی دن کو اپنی طرف سے عید نہیں منا سکتے مگر خدا تعالیٰ نے پہلے ہی سے اس عید کو عید بنا دیا۔

پانچواں استدلال اس حدیث سے دہرایا کر سکتے ہیں کہ جناب رسول ﷺ نے ہر کے دن روزہ رکھا کسی نے عید چمکی تو یہاں فرمایا فلا تک یوم اللہ ولدت فیہ نبی من ہذا اول اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہم ولادۃ مہدات کو قربت کا دن ہے اور قربت دوسری ولادۃ قربت ہے لہذا یہ جائز ہے اس کے بھی وہ جواب ہیں اول تو یہ کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ہم ولادت ہونا طاعت روزہ رکھنے کی ہے اس لئے کہ دوسری حدیث میں اس کی علت یہ موقوف ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حضرات اور ہر کوئی اس معاملہ میں ہوتے ہیں تو ہر اپنی چاہتا ہے کہ میرے اعمال روزہ کی حالت میں پیش ہوں اس سے صاف معلوم ہوا کہ طاعت صوم کی عرض اعمال ہے پس جب یہ علت ہوئی تو ولادت کا ذکر فرمایا محض حکمت ہو گا اور عارِ عام کا علت ہوتی ہے اب آپ لوگ جو دیگر قربات کو قیاس کرتے ہو تو تم نے حکمت اصل طاعت کا غور اور یا حلا کہ حکمت کے ساتھ عید جائز نہیں ہوتا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ طاعت عظمیٰ کی ہے لیکن طاعت کی دو قسمیں ہیں ایک دو طاعت جو اپنے مورد کے ساتھ خاص ہو ایک وہ جس کا مقصد یہ دوسری جگہ بھی ہوا اگر یہ طاعت حصہ ہے تو کیا وہ ہے کہ اس دن میں تلاوت قرآن اور انعام طعام وغیرہ کیوں مقول نہیں اور نیز مثل صوم الامین کے کہ ہم ولادت ہے جاری ولادت میں بھی کہ ۱۲ ربیع الاول ہے روزہ رکھنا چاہئے دوسرے کہ نعمتیں اور بھی ہیں مثلاً ہجرت فتح کنز معارف وغیرہ آپ نے ان کی علت سے کوئی مہادت کیوں نہ فرمائی۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ طاعت اگر ہے تو عام نہیں ہے بلکہ اسی مقام کے ساتھ خاص ہے اور اصل مدار روزہ رکھنے کا وہی ہے باقی حکمت کے طور پر ولادت کو ذکر فرمایا دوسری نعمتوں کے دن بھی روزہ واجب چاہئے اور اس پر کہا ہوا ہے کہ تخصیص ہم ولادت کی وجہ یہ ہے کہ یہ اصل ہے تمام نعمتوں کی پس ولادت اور ہجرت وغیرہ میں یہ فرق ہے اس فرق کی وجہ سے یہ تخصیص کی گئی تو ہم کہتے ہیں کہ اصل اس کی بھی اصل ہے اس کو اصل ٹھہرانا چاہئے۔

مگر نہایت یہ ہے کہ ہم ولادۃ دو شعبہ کے روزہ تو عید نہ کریں اور تاریخ ولادۃ یعنی ۱۲ ربیع الاول کو عید مناویں ہم الامین میں تو حضور ﷺ نے ایک مہادت بھی کی ہے اور چہرہ ولادت میں تو یہ کہ بھی مقول نہیں ہے پس اس دلیل کا حقیقی تو یہ تھا کہ ہر کوئی یہ کیا کریں فرض اس حدیث سے بھی دعا ہو کہ عید کا نہایت نہیں ہوتا یہ تو اہل حضرات کے نقلی دلائل تھے۔

عقلی تردید

اب ہم اس بات میں حقیقی شکوک کرتے ہیں اس لئے کہ ان لوگوں میں سے کئی عقل پرست بھی ہیں اور وہ اس میں بھی کہ عقلی حقائق پیش کیا کرتے ہیں جدا سے ہیں بلکہ صرف یہی طرف اس لئے ہم اس طرز پر بھی اس مسئلہ کو جان نکال رہے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ جس قدر مبادیات شارع علیہ السلام نے مقرر فرمائی ہیں ان کے اسباب بھی مقرر فرمائے ہیں اور اس اعتبار سے ماسورہ کی چند قسمیں نکلتی ہیں۔ اول تو یہ کہ سب میں بھی تکرار و توفیق سبب ہر بار پایا جاتا ہو تو سب کے تکرار ہونے سے سبب بھی تکرار پایا جائے گا۔ مثلاً وقت صلوات کے لئے سبب ہے کہ جس وقت آدے کا صلوات بھی واجب ہوگی اسی طرح صیام رمضان کے لئے سبب ہے جو شہر و دیہات کا صوم واجب ہو گا اور عید کے لئے غفر اور احمید کے لئے ہم وغیرہ بھی ایسی بات سے ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ سبب بھی ایک اور سبب بھی ایک جیسے بیت اللہ شریف حج کے لئے چونکہ سبب ایک ہے اس لئے ماسورہ پر یعنی حج عمرہ میں ایک ہی فرض ہے یہ دونوں قسمیں تو مددک بالمثل ہیں اس لئے کہ عقل بھی اسی کو تشخیص ہے کہ سبب کے تکرار اور توفیق سے سبب تکرار اور توفیق ہو۔

تیسری قسم یہ ہے کہ سبب ایک ہو اور سبب کے تکرار تکرار ہو جیسے حج کے طواف میں رمل کا سبب ارادۂ قوت قہمی اب ارادۂ قوت تو ہے لیکن اس لئے کہ قصہ اس کا یہ ہوا تھا کہ جب وہ یہ طریقہ سے مسلمان حج کے لئے کہ مسطر آئے تو مشرکین نے کہا تھا کہ ان لوگوں کو حرب کے بخار نے معیبت اور بھڑا کر دیا ہے تو حضور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ طواف میں رمل کریں یعنی نشانے چلے جائے اور آکر طواف کرو کہ ان کو قوت مسلمین کی مشاہدہ جواب دو سبب تو نہیں لیکن ماسورہ پر یعنی رمل فی الطواف بحال باقی ہے۔ یہ امر غیر مددک بالمثل ہے اور جو امر طواف قیاس ہوتا ہے اس کے لئے نقل اور دلیلی کی ضرورت ہوتی ہے۔

اب ہم یہ پچھتے ہیں کہ عید میلہ النبی کا سبب کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت کی تاریخ ہونا ہے۔ اب ہم یہ پچھتے ہیں کہ وہ تاریخ گزر گئی یا یاد آتی ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ ختم ہو گئی کیونکہ اب جو تاریخ احوال کی تاریخ آتی ہے وہ اس خاص عید ولادت کے مشعل ہوتی ہے۔ نہ کہ میں؟ اور یہ ظاہر ہے کہ مشعل کے لئے وہی حکم ثابت ہوا کسی، لیکن نقلی حکم کا ہونا عید غیر مددک بالمثل ہونے کے قیاس اس میں حجت نہیں ہوگا۔

لیکن یہاں پر شبہ ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ نے عید الفصح میں روزہ رکھنے کی وجہ ولادت سے فرمائی ہے تو اس میں بھی یہ حکم ہو سکتا ہے کہ عید ولادت گزر گیا ہے اب یہ اس کا مشعل ہے اس کو حکم اصل کا کیوں ہوا جواب یہ ہے کہ ماسورہ خود منقول ہے اور آپ نے وہی سے روزہ رکھا ہے اس لئے اس پر قیاس نہیں ہو سکتا۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۱۰﴾

الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: (پارہ کوئی اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ) (ظن رکھنا کہ اللہ نے وہ) ہے اور نہ وہ کسی مطلوب کے خوف سے نہ ہے یا ظہور ہوئے ہیں وہ اللہ کے دوست) ہیں بخوابان لائے اور (معافی سے) پرہیز رکھتے ہیں۔

تفسیری نکات

ولایت کی دو قسمیں

فرمایا اللہ تعالیٰ کہ ایک خاصہ صریح خاصہ ولایت خاصہ کس آیت میں اللہ و ملی اللین آمنو الایہ میں بیان فرمایا یہ ولایت خاصہ صرف ایمان سے حاصل ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اس آیت میں عمل صالح کی بھی قید نہیں اور ولایت خاصہ اس آیت میں الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ وَلَا تُفْسِدُوا مَنَاسِكَہُمْ وَلَا تُفْسِدُوا مَنَاسِكَہُمْ وَلَا تُفْسِدُوا مَنَاسِكَہُمْ میں بیان فرمایا اس ولایت خاصہ کے دو لازم ہیں۔

۱۔ کفر نہ ذکر ۲۔ وہام یا عت اور ذکر میں بجائے وہام کے کفر نہ اس لئے کہ گئی کہ وہام کی تکلیف سخت مشقت ہے جو مفرغ ہے (مولیٰ المائق)

قَالَ قَدْ أُجِيبْتُ دَعْوَتُكُمْ فَاسْتَقْبِلُوا وَلَا تَتَّبِعُوا سَبِيلَ

الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: حق تعالیٰ نے فرمایا تم لوگوں کی دعا قبول کر لی گئی سو تم (اپنے جسمی کام میں تبلیغ پر) مستقیم رہو اور ان لوگوں کی راہ نہ چننا جن کو علم نہیں۔

تفسیری نکات

دعا کو فوراً قبول ہونا ضروری نہیں

حضرت مولیٰ القاسم نے فرما دیے کہ دعا کی جی اور اس پر اُجیب جہ دَعْوَتُكُمْ اُجیب فرمایا یا کیا حاکم

تاریخ و حقیقت والہامیہ میں یہ واضح اکبر کے کلام میں دوسرے خصوص سے اس کا تاریخی ہونا صاف ثابت ہوتا ہے جس میں تاویلات کی محال نہیں اور خود شیخ کی آخری تصنیفات میں فرعون کا تاریخی ہونا درج ہے۔ جیسا کہ تاریخ و حقیقت والہامیہ میں سے اور ایسا حالات و تاویلات سے تو کوئی کام خالی نہیں۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کا بغض فرعون

[illegible]

حضرت جبرائیل علیہ السلام کو طے کیا کہ تم بہت سے ساری عورتوں کو اپنی کامیابی کیا، اب مرنے ہوئے ایمان لاتا ہے، وہ اس کم بہت کے لئے رحمت کو گوارا نہ کرتے تھے اس لئے میں میں گنجلوں دیا تاکہ یہاں سے چری طرح بہت نہ لگے، مہار اکھیں رحمت توحید ہو جائے چنانچہ قرآنی کی روایت میں خود حضرت جبرائیل علیہ السلام کا ذکر یہاں سے ملا، اے اللہ معافہ ان لغز کہ الرحمة

حضرت جبرئیل نے اس کے منہ میں کچھ ٹھونس دیا تاکہ راحت خفاص کی طرف متوجہ ہو جاوے۔

اور اگر اس پر کوئی یہ اعتراض کرے کہ حضرت جبرائیل نے ایک شخص کو اسلام سے روکا حالانکہ اسلام سے روکا جانا نہیں۔ سو اس کا علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو موعود تھا کہ خدا پکھننے کے بعد وہ قبول نہیں ہوئی حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ فِتْنَةٌ اَلَا اَنْتُمْ اَكْثَرُ فَاسِقٌ

تو وہ اسلام سے لڑو کئے تھے صورت اسلام سے رو کئے تھے جس پر کورہت فی الاخرہ واجب نہیں ہوتی مگر رہت فی اللہ ناجائز ہو سکتی ہے جیسے منافقین صورت اسلام کے سبب قتل و دہر سے محفوظ رہے اس طرح اختلاف تھا کہ وہ بھی فرقہ وارانہ ملک سے بچنا تھا۔

پھر اس پر اگر کوئی سوال کرے کہ اس آیت میں باخدا سے مراد خطاب دنیا تو ہے نہیں کیونکہ خطاب دنیا کی رویت قبل انکشاف آجرت قبول ایمان سے مانع نہیں اور ظاہر اچھا خطاب آخرت کا انکشاف نہ ہوا تھا اور نہ دنیا کی طرف کا احساس باطل ہو جاتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مسلم نہیں بلکہ انکشاف آخرت کے بعد بھی دوسرے کا احساس باقی رہتا لیکن یہ چنانچہ بعض متکبرین کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے فرشتوں کو بھی دیکھا اور اس کے ساتھ اپنے گمراہی کے امور کو بھی بھلا دیتا چنانچہ مگر دلوں سے کہا کہ فرشتے جیسے ہیں

سُورَةُ هُود

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رُزْقُهَا

﴿ترجمہ﴾ ہر کوئی (مذوق کائنات) چاہے وہ زمین پر نہیں کہ اس کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔

تفسیری نکات

اس جگہ ایک احتمال ہوتا ہے وہ یہ کہ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رُزْقُهَا اور کوئی جاندار
دوڑنے زمین پر ایسا نہیں والا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ ہے۔

ہر شخص کی روزی اللہ کے ذمہ ہے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کا رزق خدا کے ذمہ ہے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ قتل کے ذرائع
میں بھوکوں مر جاتے ہیں اس کا جواب یہ ہے رزق کائنات اضافت ہے جس سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کا رزق مقدر
ہے اس کا پہنچانا خدا کے ذمہ ہے اب جو لوگ بھوکوں مر جاتے ہیں ان کا رزق ہی نہ تھا اس لئے وہ قاتل
سے مر گئے اگر ان کا رزق باقی ہوتا تو کبھی قاتل سے مرنے۔

واعظین کی ایک غلطی

اور اسی طرح بعض واعظین کہہ دیتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے وعدہ رزق کا فرمایا ہے چنانچہ ارشاد
ہے وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رُزْقُهَا تو ہر لوگ پریشان کیوں ہوتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ
کہہ رہا اس آیت پر ایمان نہیں ہے سو یاد رکھو کہ یہ اہرام بھی غلط ہے کہ اس آیت پر مسلمانوں کا ایمان نہیں
ہے نہیں ضرور سب کا ایمان ہے اور ہر مرد ایمان ہونے کے پریشانی بھی اس کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے تفصیل

اس اجمال کی یہ ہے کہ وہ ہے دو قسم کے ہیں۔ ایک ہم اور ایک صحیح اللہ تعالیٰ نے ہم وعدہ فرمایا ہے کہ رزق ملے گا لیکن یہ نہیں فرمایا کہ کب ملے گا اور کہاں سے ملے گا اور کس طریق سے ملے گا اور کتنا ملے گا تو یہ پختی ہوجہ ابہام کے ہے اور ساتھ ہی اس ہم وعدہ پر پورا یقین ہے کہ وقت مقدر پر ضرور ملے گا بعض اطمینان اسی اہرام کے موکہ کرنے کے لئے مثال دیا کرتے ہیں کہ اگر کوئی دوست دوست کر دے تو اطمینان ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر اطمینان نہیں یہ بھی غلط اور قیاس مع الفارق ہے اور خود ان کو مسلمانوں کو کا فر بناتا ہے واللہ اعظم اگر حق تعالیٰ کے کلام مجید میں صحیح وعدہ ہوتا تو ہرگز ہرگز کسی کو بھی پریشانی نہ ہوتی اور اگر دعوت میں وقت صحیح نہ کیا جاوے سمجھا کہ دیا جاوے کہ کسی وقت کی دعوت ہے تو وہاں بھی اطمینان نہ ہوتا یہی بات فرمائی ہے کہ رزق ملے گا اس پر اطمینان ہے شریعت میں غلط نہ کرنا چاہیے۔ جس قدر جو بات دعوت ہوں پر دیا جائے اہل کتاب کو ارشاد ہے باطل الکتاب لا تعلموا لی دینکم یعنی اہل کتاب دین میں غلط نہ کرنا جو دین کے غیر تکلف باخترع ہونے کے ان کو خطاب کیا گیا تو ہم تو بطریق اولیٰ اس ماحول کے تکلف ہوں گے۔

وَمَا مِنْ دَآئِمَةٍ اَنْ تَقْبَلَ عَلٰی اَعْمَارِنَا

اتباع دین میں ضرورت سستی

برجائیداری کی دوزی خدا تعالیٰ کے ذمہ ہے جو بدوں سستی کے بھی اس کو لی سکتی ہے مگر اس پر بھی لوگ دنیوی مقاصد میں سستی کو ضرور سمجھتے ہیں اور آخرت کے ثمرات کا وعدہ تو بدوں سستی کے ہے لیکن چنانچہ صاف ارشاد ہے مَنْ يَخَلُفْ عَنْكُمْ فَاُولَٰئِكَ يَلْعَنُوْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَيَقْبَلُوْنَ عَلَيْهِمُ الْعَذَابُ

یعنی ہر شخص کو اس کے عمل کا ثمر ملے گا جیسا کہ چاہو یا مگرے گا ہر تعب ہے کہ لوگ دین میں سستی کو اس لئے ضروری نہیں سمجھتے جب کہ بدوں سستی کے اس کے حصول کا وعدہ نہیں اہل اللہ نے اس فرق پر نظر کر کے دنیوی مقاصد کے لئے سستی کو ترک کر دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ دوزی کا ذمہ حق تعالیٰ نے لے لیا ہے اس کے لئے سستی کی کیا ضرورت ہے اور دین کے کاموں کو ہمارے اور ہر چھوڑ دیا ہے ہم کو اس کے لئے سستی کرنا چاہئے۔

ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ دنیا خدا کا ایک گھر ہے اور ہم یہاں مہمان ہیں اور حدیث میں وارد ہے الصَّبْرُ نَفْثَةُ لَحْمِ الْاِيْمَامِ کہ مہمانی تین دن تک کر لی جا سکتے جب ہم دنیا میں آئے تو تین دن تک تو ہم خدا تعالیٰ کے مہمان ہیں اور خدا تعالیٰ کے یہاں ایک دن بزرگ سال کا ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے وَاَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ عَشِدَّ دُجُكُمُ الْعَذَابِ سِتَّةَ مِاٰلِ اَلْفِ سَنَةٍ مِّنْ دُوْنِ اَلْحَقِّ کہ تین دن بزرگ سال کے لئے تو باطل ہے مگر یہی ہے کہ اس سے زیادہ عرصہ ہوتی تو ہر گز کیا نظام سوچ لیا جائے گا۔

طبعی و عقلی خوف کا فرق

اب یہاں سے ہمیں کی عقلی معلوم ہوگی کہ وہ اپنے عقول میں اس قسم کے مضامین بیان کیا کرتے ہیں کہ انہوں نے مسلمانوں کو خدا پر اتنا توکل بھی نہیں جتنا ایک حسرت پر محروم ہوتا ہے کہ ایک دوست یہ کہہ دے کہ شام کو تمہاری دولت ہے تو فوراً چلنا غلطاً کروں گے اور خدا تعالیٰ فرماتے ہیں وَ مَا أَهْوَىٰ ذَاكَ قَوْلُ الْوَاقِفِ رَأَىٰ عَلَىٰ الظُّلُمِ وَفُتِحَا اور کوئی باغدار دے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ جس کی روزی خدا کے دست ہو۔ مگر خدا کے وعدہ پر ایسا طمعیاں نہیں ہوتا یہ ان کی عقلی ہے اس لئے کہ دوست کی رحمت پر اس واسطے چلنا غلطاً کہا ہے کہ اس نے رحمت کی تعین کر دی تھی کہ شام کو رحمت ہے اور تعین میں یہ خاصہ طبعی ہے اور خدا تعالیٰ کا وعدہ مطلق ہے کسی رحمت کی اس میں تعین نہیں ہے اگر یہ اس بھی تعین ہوتی تو کوئی مسلمان ہرگز چلنا گرم نہ کرتا۔ یہاں اہل توحید کو بھی عقلی توکل ہے۔

خوف طبعی

یہاں سے یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ حق تعالیٰ نے انبیاء کی نسبت فرمایا ہے يَخْشَوْنَ وَلَا يَخْشَوْنَ اَعْدَاءَ اللَّهِ کہ وہ خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور موسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں آیا ہے کہ وہ اژدہا سے ڈار گئے تھے جواب یہ ہے کہ وہ خوف طبعی تھا اور نفس میں خوف عقلی مراد ہے اور خوف عقلی انبیاء کو خدا تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ہوتا کیونکہ ان کا اعتقاد یہ ہے وَ مَا لَظُنُوهُمْ أَنْ يَنْتَهِیَ عَنْهُمْ أَنْ يَرْوِیَ الْأَنْبِیَاءُ لَظُنُو کہ بدول خدا کے حکم کے کوئی چیز ضرور نہیں دے سکتی۔ وہ خدا و تابع حق تعالیٰ ہی کو سمجھتے ہیں۔

اس آیت میں مراد انبیاء فرمایا ہے جو سورہ ہود کی آیت ہے

وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَمَانًا ۚ فَفَعَّلْنَا بَعْضَهُمُ الْبَعْضَ ۖ فَمِنْهُمْ ذُرِّيَّةُ آدَمَ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ نُوحٍ ۖ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَإِسْحَاقَ ۚ إِنَّكُمْ أَعْيُنُكُمْ لَأَرَأَيْتُمْ كَيْفَ تَفْعَلُونَ ۚ

(اور اگر ہم انسان کو اپنی میراثی کا سرہ بچھا کر اس سے جھین لیتے ہیں تو وہ عامیہ اور ناشکر ہو جاتا ہے اور اگر اس کو کسی تکلیف کے بعد اس پر واقع ہوئی ہو کسی نعمت کا سرہ بچھا لیں تو کہنے لگتا ہے کہ میرا سب دکھ درد رخصت ہوا (اب) اور اترا سنے لگتا ہے اور شئی بھارنے لگتا ہے۔ مگر جو لوگ مستقل حراں ہیں اور ایک کام کرتے ہیں (اور وہ ان کی طرح نہیں ہوتے ایسے لوگوں کے لئے بڑی مغفرت اور رحمت ہے)۔

رحمت ظاہرہ و باطنیہ

اس میں حق تعالیٰ نے انسان کا ایک طبعی خاصہ بیان فرمایا ہے کہ اس کی حالت یہ ہے کہ اگر ہم اس کو کسی

رحمت کا حرحہ چمکا کر اس سے سمجھیں لیتے ہیں تو وہ ناامید اور ناشکر ہو جاتا ہے یہاں رحمت عام ہے رحمت ظاہر وہ بلند دلوں کو کیونکہ اس جگہ اس کو اطلاق کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

رحمت کی دو قسمیں

دوسری جگہ تصریح فرمائی ہے کہ رحمت کی دو قسمیں ہیں چنانچہ ارشاد ہے: **وَلَكِنَّهَا غَلِقَتْ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ** کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر اپنی رحمتوں کو کامل کیا ہے تاکہ پوری مہی اور باطنی بھی رحمت ظاہرہ کے متقی یہ ہیں کہ محسوس ہو اور بلند وہ ہے جو محسوس نہ ہو تو اور نئی رحمت ہو یا نئی رحمت بلند وہی کی مثال تو شوق و ذوق وغیرہ سے ایسے ہی انس و اطمینان وغیرہ رنگ مختلف ہیں کی رحمت کا رنگ کیفیت مشفقہ جذبہ کے ساتھ ہے اور کسی کا سلوک و معرفت منقلب کے طور پر باقی رحمت ہونے میں وہ لوں برابر ہیں اور رحمت بلند و بلند کی مثال محفل و حضور و اراک و غیرہ و کائنات و خلقت و علم وغیرہ ہے بہر حال یہاں رحمت بلند سے اصطلاح تفصیل تو مراد ہے نہیں مگر صوفیہ جن کو رحم بلند کہتے ہیں وہ مہی اس میں داخل ضرر ہیں گو ان میں انھما نہ ہو اور مہی کی اللہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں رحمت غیر منقلبہ مہو بہ مراد ہے جس میں اختیار و انسان کو داخل نہ ہو۔ کیونکہ رحمت منقلبہ اختیار دینے کے سلب پر دلچ کر کے کی ممانعت نہیں نہ اس پر یہ دیکھ رہے مثلاً کوئی شخص ملازم چاہتا رہے نہ کہتا ہے پھر کسی دن یہ رحمت سلب ہو جائے کہ ملازم روز و رات کر دے تو اس پر دلچ ہوتا چاہئے اور اس دلچ کرنے پر کوئی دیکھ نہیں ہے یہ دیکھ تو رحمت مہو بہ غیر منقلبہ کے سلب پر دلچ اور پریشانی کرنے کے حلقے ہے چنانچہ مہو بہ رحمت اس کا قرینہ ہے اور چاہاں کی یہ ہے کہ اسود غیر اختیار دینے پر مواخذہ نہیں ہے نہ سلبا نہ جو اگر کوئی رحمت مہو بہ ہوں اس کے اختیار کے سلب ہو جائے تو اس سے کوئی مواخذہ نہیں ہو گا نہ قرب میں کی ہو گی اور اگر کوئی مصیبت و محنت ہوں اس کے اختیار کے پیدا ہو جائے تو اس پر بھی مواخذہ نہ ہو گا نہ قرب میں کی آنے کی بشرطیکہ اسے اختیار کو رد داخل نہ دے مثلاً بے برے دوسرے نہ خود آئے لگیں۔

آگے فرماتے ہیں **إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ** اس میں اول مطرقت کو مقدم فرمایا اس کا حرحہ عشاق سے ہم چھو غیر عشاق کو اس کی زیادہ قدرت ہو گی وہ کہہ سکیں گے کہ اس میر اور اعلیٰ صافی کا صلہ کیا بلا کہ نہ بخش دے گئے نہ جنت کا ذکر ہے نہ جہنم کا مگر عشاق کے دل سے اس کی قدر ہم چھو کہ وہ اس کہنتے ہی زندہ ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ طلب رضای میں مرتے ہیں اور جنت کی طلب بھی اور رضای کے لئے کرتے ہیں مہو بہ انفراتے ہیں۔

ہاتو روزخ جنت است اے دلدا بے تو جنت و روزخ است اے جانفزا

اَنْلِمْ لَكُمْ مِثْلَهَا وَ اَنْتُمْ لَهَا كَاثِرُونَ

ترجمہ: کیا (اس دھڑی یا بیل کو) تمہارے گئے حوض میں کے اور تم غرت کے جاؤ؟

تفسیری نکات

نئی جبر

کہ وَ لَکِنَّ لِّلّٰہِ یَقْدِرُ مَنَیْ لِّکُمْ اَلَا مَعْنٰی مشورہ یہ ہے کہ بٹا، کی خمیر مذکی طرف رافع ہے کہ اظہار میں جس کو چاہتے ہیں دامت کرتے ہیں اور یہ عقیدہ بالکل حق ہے مگر ایسے کی فلم اس سے جبر پر اور ترک سنی پر استدلال کرنے کے گو جواب ظاہر ہے کہ اس مشیت سے مشیت عہد کی ملی لازم نہیں آتی کہ جبر پر استدلال ہو سکے لیکن ایک دوسرا جواب بھی جو ایسے عقیدہ کے لئے زیادہ سہل ہے میرے خیال میں آ جا کہ بٹا کی خمیر میں کی طرف رافع ہو یعنی جو خود اپنی دامت چاہتا ہے اظہار تعالیٰ اس کو دامت کر دیتے ہیں اور یہ امر مشاہدہ ہے کہ جو شخص دامت چاہتا ہے اس کو دامت فرمائی دیتے ہیں

اگرچہ یہ تفسیر کسی سے منقول نہ ہو مگر تاہم اس کی دوسری آیت سے ہوتی ہے

اَنْلِمْ لَكُمْ مِثْلَهَا وَ اَنْتُمْ لَهَا کَاثِرُونَ یعنی عادت خداوندی یہی ہے کہ جب آدمی ارادہ کرتا ہے اس وقت حق تعالیٰ کی مشیت بھی متعلق ہو جاتی ہے۔

مسئلہ تقدیر

پھر اگر کوئی اس پر اشکال دارد کرے کہ خود ارادہ اس کا بھی تو مشیت حق پر متوقف ہے یعنی ہم نے یہ مانا کہ جب یہ ارادہ کرتا ہے اس وقت خدا تعالیٰ چاہتے ہیں بلا اس کے ارادہ کے ہوئے خدا تعالیٰ کسی پر اپنی دامت کو نہیں چناتے مگر خود اس کا ارادہ بھی تو خدا تعالیٰ ہی کی مشیت پر متوقف ہے یعنی وہیں خدا کی مشیت کے تو یہ ارادہ بھی نہیں کر سکتا بلکہ پہلے خدا کی مشیت ہوگی پھر بندہ کا ارادہ ہوگا چنانچہ صاف ارشاد ہے

وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ لَکُمْ قَدَرٌ مِّمَّا تَشَآءُوْنَ اصل یہ ہے کہ بے شک بندہ ارادہ اسی وقت کرتا ہے جب خدا کی مشیت ہو اور وہیں خدا کی مشیت کے بندہ ارادہ نہیں کر سکتا۔ مگر تم کو تو پہلے سے معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ کی مشیت ہوگی پس تم مشیت کے کہ تو دیکھو اور چاہو کہ دیکھو جب تم اپنی مشیت ہماری کر لو اور اس وقت بھی اگر خدا کی مشیت نہ ہو جب بے شک تم مجھ کیجے جاؤ گے پس تمہاری مشیت خدا تعالیٰ کی مشیت کی دلیل ملاتی ہوگی یعنی تم سے تمہیں کیا معلوم کہ خدا کی مشیت نہیں ہوگی یہ تو بعد میں معلوم ہوگا اور معلوم نہ ہونے کی صورت میں اس

وقت نہاری طرف تھا ہر کام نہ کرنا یہ دلیل ملی ہے کہ نہاری بد معاشی اور شیطنت کی کچھک اس وقت جنہیں خدا کی عدم مشیت کی کیا غیر فرض اگر مشیت کے وجود یا عدم کی ایسی ہی تحقیق مطلوب ہے تو تم مشیت کر کے دیکھو کہ خدا کی مشیت ہوئی یا نہیں اس وقت معلوم ہوگا کہ مشیت ہوئی اور بدوں اپنی مشیت کے تم نے مشیت حق کی نفی کا کیسے حکم لگا دیا یہ تحقیقی جواب ہے۔

اور انسانی جواب یہ ہے کہ مشیت الہی عام ہے دنیوی اور اخروی تمام افعال کو تو جیسا اظہاری افعال میں یہ خدا ہے کہ اگر حکم خداوندی ہو گا اور خدا کی مشیت ہوگی تو کار نیر کر لیں گے تو دنیاوی افعال میں بھی ایسا ہی کیا کرو کرو دنیاوی افعال میں تو یہ نہیں کرتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تحقیق مقصود نہیں ہے جنس شرارت ہے۔

قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُمْ عَلَيَّ إِجْرَافِي وَأَنَا بِيَوْمِي مُنْجَرٌ مُّؤْتٍ ۖ

ترجمہ: کہہ دیجئے کہ قرآن میں نے اپنی طرف سے جھوٹا کیا ہے تو اس کا جرم میرے ذمہ ہے اور میں تمہارے قوسوں سے بری ہوں یعنی جو کرے گا مجھ سے گا نہ تم میرے ذمہ دار ہو نہ میں تمہارا۔

مسئلہ کی دلیل بیان کرنا ہمارے ذمہ نہیں

فرمایا جب کوئی ہم سے مسئلہ پر چلتا ہے تو ہم تصدیق ہیں اور غوط کھاتا ہے ہیں اور دلیل نہیں بیان کرتے کیونکہ دین کا اثبات جس قدر واجب ہے جس کے کتمان پر عید ہے صرف اتنی ہی حد دلیل کا بیان کرنا واجب نہیں 222 شوال و صفر و شعبہ ۱۳۹۹ھ

فراہم و حاکم اگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت والا مسئلہ کی دلیل بھی بیان نہیں فرماتے تمام تصانیف مواضع حضرت والا کے اس کے شاہد ہیں کہ کسی وضاحت اور ثبوت کے ساتھ ہر بات کو بیان فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہر حد دلیل کے بیان کرنے کو ضروری نہیں سمجھتے بہت سے موقع پر اسے بھی ہوتے ہیں کہ دلیل کا بیان کرنا یا نہ کرنا ہوتا ہے بلکہ بعض جگہ ضرورت ہے تو حال یہ ہوا کہ متقی کو موقع و محل کا سمجھنا اور مستحق کی حالت کا اندازہ کرنا اور ضروری ہے تکلف و التماس علی قلندر عقولہم جہاں دلیل کے بیان کرنے سے نفع ہو بیان کر کے اور نہ کر کے بلکہ بعض موقعوں پر جس مسئلہ کا جواب دینا بھی غیر ضروری بلکہ ضرورت ہے مگر اس کا بہت خیال چاہئے جیسا کہ راجح ہے کہ جو کو بھی پوچھا جاوے اس کا جواب دینا ضروری سمجھا جاتا ہے جو سوال سے تنگدیں و دھوکے اور وہ مسائل ضرورت سے زیادہ متفق ہو چکے لوگ ہمارا بار پوچھتے ہیں اور نا تجرب کار عالم اس کی از سر نو تفتیح کرنے لگتے ہیں مگر اہواؤں بھرا ذکر آتا ہے اور سوائے تو قوس میں کے کہ کو حاصل نہیں ہوتا دائم سے ایک جگہ پوچھا گیا کہ کوئی نسبت تیرا کیا خیال ہے دائم کو معلوم تھا کہ یہ لوگ صرف یک یک

کرنے والے ہیں نہ تحقیق کی قابلیت ہے نہ تحقیق مقصود جواب دیا کہ اس باب میں دو فرق ہیں مکرر اور نئی ایک کے ساتھ لگے بھی کچھ لگے اور اگر وہ بارہ چھوٹے تو جواب یہ ہے کہ میں نہیں جانتا تا کہ سزا کیا نیاں ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ کسی سوال کا جواب نہ دینا من مسئل عن علم الکشفہ الحجم بلجام من العار کے صدق بنا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے سوال سوال بھی علم ہی نہیں کیونکہ مقصود علم نہیں مقصود تکرار و تکرار ہے تا کہ میں جواب میں خود حضور ﷺ کو علم ہوا کہ سوال جیسا جواب دے کر مال دیتے ہیں کہیں لڑاتے ہیں لا حرجہ ہذا و منکم اور کہیں انصرتہ علیہ اجرہی والا بری ما تجرمون اور کہیں قل ان انصرتہ فلا تملکون لہی من اللہ شیئا وغیرہن الا آیات میں طالب علموں اور کھوار لوگوں سے اور تحقیق پسندوں سے دلیل بیان کرنا اور تقبی کرنا مناسب ہے واجب یہ بھی نہیں حالانکہ معلم تکرار اس کی پاتا اور حضرت ہذا کے پاس ایک سوال آیا کہ ان میں حق اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کا مصداق کتنے لئے ہے تھے جواب لکھا کہ جیسا یہ سوال غیر ضروری ہے جواب کی بھی ضرورت نہیں کسی سال کے جواب میں قریر فرمادیتے ہیں کچھ فرصت نہیں کی کو کچھ دیتے ہیں کسی اور عالم سے پوچھو کسی کا جواب نہیں دیتے پورا کہ جواب کے لئے کھنک بجا ہوتا اس کو وہ نہیں کر دیتے ہیں۔ کسی کو کچھ دیتے ہیں کہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ تحقیق مقصود نہیں لہذا فیضی وقت کچھ کر سکتا کیا جاتا ہے کسی سے ایک دفعہ اصل مسئلہ کی تکرار کر کے فرما دیا اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں آپ کی عقلی حد ہے۔

قَالَ لَا عَاجِزَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَجَعَ

ترجمہ: حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ آج اللہ کے قہر سے کوئی بچائے والا نہیں لیکن جس پر وحی دم کرے۔

تفسیری نکات

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے ایک آیت کی تفسیر

فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں جو یہ آیت آتی ہے لَا عَاجِزَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ فَمَنْ رَجَعَ الْيَوْمَ مِنْ رَجَعَ اس کی تفسیر میں اکثر آثار تفسیر نے یہ فرمایا ہے کہ یہاں عام مجھے معصوم ہے فرمایا کہ اس میں تکلف ہے اور یہ تکلف تفسیر یہ ہے کہ یہاں اصل میں وہ خطہ تھا ایک لَا عَاجِزَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ دہرا لا معصوم الا من رجعہ ان وہاں کوئی ایک عالم میں ہا کر دیا گیا۔ لَا عَاجِزَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ فَمَنْ رَجَعَ

وَيَقُولُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُؤْبَهُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ

مِدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا الْغُرُوبِينَ ﴿۳۰۳﴾

ترجمہ: اے میری قوم تم اپنے گناہ (کفر و شرک و غیرہ) اپنے رب سے معاف کرنا (یعنی ایمان لاؤ) پھر (ایمان لا کر) اس کی طرف متوجہ ہو دو تم پر خوب بارش برساوے گا اور (ایمان نہ مل کر) تم کو اور قوت دے کر تمہاری (سوجھ بوجھ) قوت میں ترقی کر دے گا۔ (یہ ایمان نہ لائی اور پھر وہ کر (ایمان سے) امر خست کر دیا۔

تفسیری نکات

اصلاح کے دو درجے

حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم کو ارشاد فرماتے ہیں اے میری قوم اپنے رب سے مغفرت مانگو پھر اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ غلام سازگار کا اصلاح کے دو درجے ہیں اول اپنے گناہ معاف کرنا اس کے بعد خدا تعالیٰ کی طرف طاعت کے ساتھ متوجہ ہونا اس پر کیا اثر ہو رہے گا ﴿يُرْسِلِ السَّمَاءَ رِجْرَجًا﴾ یعنی استغفار اور رجوع الی اللہ کا ثمرہ دینا جس میں تم کو یہ ملے گا کہ اللہ تعالیٰ تم پر بارش بھیجیں گے اور تمہاری قوت موجودہ کے اعتبار قوت بڑھاویں گے تم طاقت کے اعتبار مشہور ہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے مدد گزینی مت کرنا جو تم کرتے ہو یہ آیت کا ثمرہ ہوا ترجمہ سے مطمئن کی جا سکتی تھیں ہو گئی ہو گی کہ اس کے بعد درجہ اول مغفرت مانگنا دوسرے طاعت کی طرف رجوع کرنا خاصہ حاصل یہ ہے کہ آیت میں دو امور یہ ہیں استغفار اور رجوع الی اللہ اور اس کے ثمرے ہیں۔

اصلاح کے دو ثمرات

اور وہ اس کے ثمرے ہیں بارش ہونا اور قوت بڑھنا اور کھڑی اور مضبوط کا چارہ دینا اور ایک مٹی میں ہے وہ ہلکے ہو کر امر بارش کرنا ہے ہود علیہ السلام نے جو اس میں فرمایا یا اعتبار تصور ایسا دے کہ یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کا حکم کو ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ارشاد فرما رہے ہیں کہ اگر تم کو کسی قسم کی حکایت قحط کی یا کھڑی یا اور بار یا سہل کی ہو تو اس کی توجہ لو اس کا علاج وہ ہے جو ہم نے بتلایا ہے۔

توبہ کے لوازم

ایک دوسرا جزو اصلاح کا جزا آیت میں مذکور ہے یہ ہے ﴿ثُمَّ تَوْبُوا إِلَيْهِ﴾ یعنی پھر بعد استغفار کے حق تعالیٰ

کی طرف حالت کے ساتھ رجوع ہو جائے یہ بھی قرآن کے لوازم سے ہے۔

اصلاح کا شرہ

آگے اس اصلاح کا شرہ بیان فرماتے ہیں **يُؤْتِيهِمُ اللَّهُ مَقَاسِدَهُمْ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَاحِظٌ عَلَيْهِمْ وَمَنْ يَرْجِئِهِمْ لَوْ لَا مِمَّا كَسَبُوا** یعنی تم پر بارش بہت برسنے والی بھیجوں گے یہ بارش خواہ ظاہر میں ہو یا نہ ظاہر میں ہو یہ بھی ہوگی تو اس بارش کی مدد تو ضرور دی ہوگی اور اس کو باطن کی بارش کہنا چاہئے یعنی قلب پر رحمت کی بارش ہوگی جس کی تحصیل لوہے آجیجے ہے کہ کیا پانی کی غایت طہانیت قلب و اصلاح مدوح ہے **وَيُؤْتِيهِمُ اللَّهُ مَقَاسِدَهُمْ لَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَاحِظٌ عَلَيْهِمْ وَمَنْ يَرْجِئِهِمْ لَوْ لَا مِمَّا كَسَبُوا** یعنی دوسرا شرہ یہ ہوگا کہ تمہاری موجودہ قوت کو بڑھا دیں گے اس وقت تو قوت مایہ و حاشی ہے اصلاح کے بعد قوت قلب مطہر فرمادیں گے پھر جو بھی مصیبت آوے گی وہ صورت مصیبت ہوگی اور حقیقت میں یہ حالت ہوگی کہ اس مصیبت پر ہزار راتیں قرآن کرہ کے اور زبان حال سے کہو گے۔

ہر چہ از دست بحر سد نیکست

(جو کچھ محبوب کی جانب سے چٹائی گئے وہ خیر ہی ہوتا ہے)

آگے لکھا ہے **وَلَا تَحْزَنْ لِمَا أَهْوَاىٰ مِنْهُ لَعَلَّكَ تَهْتَدُ** یعنی افسوس مت کرو کہ تم میں سے کس مطلق الاموال کو نہیں فرمایا۔

تولی کی قسمیں

اس سے معلوم ہوا کہ تولی کی دو قسمیں ہیں ایک صورت تولی ایک حقیقت تولی صورت تولی یہ کہ شریعت سے نفلی ہوگی ایسی غلطیوں سے انسان بچائیں سکے اور حقیقت تولی ہوتی ہے ساتھ خدا و باغیانہ تو فرماتے ہیں کہ باغیانہ تولی مت کرو یعنی باقی مت خوار گناہ سے تو کیسے پاک ہو سکتے ہو لیکن اگر گناہ ہو جائے تو ساتھ کے ساتھ تو پر کراؤ نہ پٹ شریف میں ہے **كَلَّكُم عَصَاثُونَ وَ عَصَا الْعَصَاثِينَ الصَّوَابُونَ** یعنی تم سب خطاوار ہو اور میرا جبر خطاوار تو ہے کراؤ دالے ہیں۔ یہ قسم ہے حق تعالیٰ کی اور یہ طریق وہ ہے کہ جس سے تفریق مایہ کی دینی و دنیوی ترقی ہوتی ہے اس کو پہلے باوجود پاد کو کہ عاری دینی و دنیوی ظاہر دین کے ساتھ ہوتے ہے جب بھی اس کے خلاف ہوا ہے تو حل اور باقی امور باوجود قلب ہی بلا نہیں مسئلہ ہو جاتی ہیں۔

ترجمہ: اور اے میری قوم تم اپنے گناہ (کلمہ شرک و غیرہ) اپنے رب سے معاف کراؤ۔ (یعنی ایمان لاؤ) پھر (ایمان لا کر) اس کی طرف حیدر ہو وہ تم پر طلب بارشیں برسانے لگا اور (ایمان و عمل کی برکت سے) تم کو اور قوت دے کہ تمہاری (قوت) سمجھو کہ ترقی دے گا (پس ایمان لے آؤ) اور مجرم رہ کر (ایمان سے) افسوس مت کراؤ

خلاصہ آیت

حضرت ہود علیہ السلام کا ارشاد نقل کرنے میں ایک خاص صلیحت ہے وہ یہ کہ آپ صاحب کو معلوم ہو جائے کہ یہ مضمون بہت ہی اہتمام کے قائل ہے اس لئے کہ قوم ماد بہت پرانی قوم ہے، پس جبکہ وہ بھی اس مضمون کے مخالف ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ بات کوئی نہیں نہیں ہے بلکہ یہ وہ بات ہے کہ ہمیشہ سے انبیاء الہی اپنی قوم کو کہتے آئے ہیں۔

وَأَمَّا الَّذِينَ شَقُّوا قَفًى الْتَلَّ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ ۖ خَلِدِينَ

فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ إِنَّ رَبَّكَ

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا قَفًى الْهَكَتَهُ خَلِدِينَ

فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ عَطَاءٌ

غَيْرِ مُجْتَذٍ ۝

ترجمہ: جو لوگ قفی میں دوزخ میں ایسے حال سے ہوں گے کہ اس میں ان کی سچا پکار چلی رہے گی، ہمیشہ اس میں رہیں گے جب تک کہ آسمان و زمین قائم ہیں، مگر خدا ہی کو منظور ہو تو دوسری بات ہے آپ کا رہ جہ کہہ چاہے اس کو پورے طور سے کر سکا ہے۔ اور وہ گئے دوزخ کو بلا سید ہیں سو ۱۱ جنت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کر رہیں گے جب تک کہ آسمان و زمین قائم ہیں، پس اگر خدا ہی کو منظور ہو تو دوسری بات ہے وہ غیر منقطع عطا ہو گا۔

آخرت میں دوام تحت المشیت ہوگا

یہاں دو سوال ہیں ایک یہ کہ آیت میں خداوند تعالیٰ نے دونوں مقام میں خَلِدِينَ قَفًى لِقَابِہِ کے بعد مَا دَامَتِ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ فرمایا ہے، معنی ظہور دوام جب تک ہوگا جب تک کہ آسمان و زمین باقی ہیں اور ظاہر ہے کہ مشرک و شرک کے دہشتہ باب صور بھونکا جائے گا تو کچھ ٹکڑا کٹ کر اس میں درمیں بھی فنا ہو جائیں گے۔ تو جبکہ سموات والارض فنا ہوئے اور ان کے واسطے دوام نہ ہوا تو جو مخلوق اس کے ساتھ ہوگا وہ مخلوق غیر محدود نہ ہو تو یہ مخلوق نہ فنا ہوگا کے واسطے دوزخ میں جہانِ مومنین کے واسطے جنت میں اس کا جواب یہ ہے کہ

ابن آسمان وزمین کے ساتھ تھوڑے عرصے کے بعد مر گیا۔ اس کی جگہ فرما لی گئی ہے وہ آسمان وزمین کے درمیان ہے۔ اس عالم کی فانی کے سموات اور ارض نہیں ہیں بلکہ ان سے اس عالم کے سموات و ارض مراد ہیں۔ ان لوگوں کا وہاں غیر محمد وہ ہے اور اس پر قیام نہ کر سکے گا وہاں بھی آسمان وزمین ہوں گے۔ سو کچھ لوگ کہہ رہے ہیں کیا آسمان وزمین تو یہاں کے آسمان وزمین سے بھی بڑے ہیں اسی کو سورہ ہود کی فرماتے ہیں۔

غیب دار اور بے دہارے دیگر سمت آسمان آگاہ ہے دیگر سمت

وہاں کا ہلال اور پانی اور سی پانی ہے وہاں کا آسمان و آگاہ ہی جہاں ہے بلکہ میں اس سے بھی زیادہ عجیب بات بتاؤں خود اس عالم میں ایسی چیز موجود ہے یعنی روح میں آسمان وزمین اس آسمان وزمین سے زیادہ عجیب موجود ہیں اس کو بھی ہم سنائی فرماتے ہیں۔

آسمان ہست در روایت ہاں کار فرمائے آسمان جہاں

یہاں مَلَائِكَةُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ سے معلوم ہوتا ہے کہ موتیوں کا جنت میں اور کافروں کا دوزخ میں ہمیشہ رہنا چھٹی نہیں شیت سے ہے اس میں اشتہاء بھی ہو سکتا ہے کہ کسی وقت اگر چاہیں نکال بھی دیں گے ساری امر کا وہ نہیں ہے اور یہاں کی بات ہے کہ جس سے سختیوں کی تو کثرت گئی ہوگی کہ ہماری ساری فتناؤں اور آرزوں کا مدار بھی وہاں تھا لیکن قسمت سے یہاں پر بھی وہاں سے محروم اور غلو کو کرتے رہے۔ اور دوزخیوں کے فتنے آرزو کو کھل گئے ہوں گے کہ بھائی غلو دینی انکار کو کن کر تمام دنیا کے مٹے ہوئے تھے چلو اس تکلف سے نہایت مٹی سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں پر ہر صدمہ پہنچتی طرف ہے مٹی مٹا دینا دھبہ کے معانی یہ ہیں الا ان یشاء ربک یعنی غلو تو ہمیشہ ہے لیکن اگر خدا تعالیٰ کی شیت اس کے خلاف کے ساتھ متعلق ہو جائے تو غلو نہیں ہوگا لیکن چونکہ ناک سے یہ امر چھٹی ہے کہ شیت رب بھی اس کی شخصیت نہ ہوگی کہ موتیوں کو جنت سے یا مشرکین کو دوزخ سے نکالا جائے لہذا غلو کے خلاف بھی واقع نہ ہوگا تو غلو نہایت رہا اور کوئی خدا غلو میں نہیں رہا مگر اس پر کہ نکلتا اس اشتہاء میں کیا ہو اور الا مٹا دینا دھبہ کے نذرانہ کرنے کا قاعدہ کیا ہوا تو وہ قاعدہ یہ ہے کہ اس سے حقوق کے چارہ اور رب امرت کے چارہ میں لائق کا ہر ہو گیا تاکہ کسی غیر ملحق کو یہ ملال نہ ہو کہ اگر وہاں پر ہم کو بھی وہاں کا سرٹیکٹ مل گیا چلو اب تک جو ہم دوزخ کے درہ سے گرے ہوئے تھے اس فرق کی علت یہ ہے کہ اگر اسی موتی وہاں کا تھا تو آج ان کی غیاضی سے ہم کو مل گیا جس کے باعث آج امتیاز کا پردہ اٹھ گیا اور آج سے ہم بھی واجب بن گئے اور ان خیرات و برکات کے شریک ہوئے ہیں کوئی شک نہیں لہذا اس قسم کے خیرات و برکات سے ہمیں لطف کر سے پہانے کے لئے الا مٹا دینا دھبہ فرمایا کہ اس عنوان عبداللہ بن علیہا کے معنوں وہاں سے بھول نہ جائیے نہ کھتا کہ ہم مٹا دینا واجب کے ہو کر

مکتبہ کے چرائی سے خارج ہو گئے نہیں بلکہ تم ملکی ہی ہو اور ہم واجب ہی ہیں اور ہم اگر چہ تمہارے حصہ میں بھی آگیا لیکن تمہاری وہ تو داخل تحت المعبود ہے ہمارے اور وہ پر موقوف ہے کہ جب تک ہم چاہیں تم کو اس اور ہم میں رہ سکیں اور جب چاہیں کان پکڑ کے نکال باہر کریں گو نکالیں گے نہیں مگر پھر بھی تحت المعبود ہے بخلاف ہمارے اور ہم کے کہ ہمارا وہام مستقل باوقات ہے کسی کی مشیت پر موقوف نہیں کوئی احتمال اس اور ہم کے کیا ہوئے گا نہیں ہے اس بحث کی طرف شاہ عبدالقادر صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں بہت سہل مغالطہ سے انکار فرمایا ہے کہ اس سے مقصود صرف یہ نکالنا ہے کہ یہ اور امت تحت المعبود ہے۔

ترجمہ اور روئے وہ لوگ جو سعید ہیں سو وہ جنت میں ہوں گے اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم ہیں ہاں اگر کدھای کو منظور ہو دوسری بات ہے وہ غیر منقطع علیہ ہوگا۔

سعادت و نحوست کی حقیقت

سعادت کی حقیقت لغت میں نیک خلقی ہے جس کے معنی ہیں خوش قسمتی مطلب ہی ہوا کہ جو لوگ اچھے نصیب والے ہیں وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے اور اس حقیقت سے یہ نہ سمجھا جائے کہ دخول جنت میں عمل کو دخل نہیں بلکہ جس کا نصیب اچھا ہے جس کی تقدیر بھلی ہے وہی جنت میں جائے گا سو یہ خیال بالکل غلط ہے کہ جنت میں جانے کے لئے عمل کی ضرورت نہیں اگر ایمان اور قرآن و حدیث و تقویٰ کی تائید اور کتابوں پر عمل کیوں ہوئی؟ کیا یہ تائید و حدید ہے کار ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ جس کے نصیب اچھے ہیں جس کی تقدیر بھلی ہے اس کے متعلق وہاں بھی لکھا جاتا ہے کہ کلام فصیح چونکہ عمل نیک کرے گا اس لئے جنت میں جائے گا پس صاحب نصیب وہی ہے جو نیک عمل کرتا ہے اور بد نصیب وہ ہے جو رے عمل کرتا ہے نصیب کا اچھا ہونا تقدیر کا بھی ہونا عمل صالح پر موقوف ہے قانون اور قاعدہ بھی ہے۔

پس خلاف قاعدہ کسی پر فضل ہو جائے اور بات ہے مگر وہ بھی صرف ہمارے نزدیک خلاف قاعدہ ہوگا کیونکہ ہم کو اس کے عمل کی خبر نہیں باقی اٹھ تعالیٰ کے نزدیک وہ بھی خلاف قاعدہ نہیں کیونکہ اٹھ تعالیٰ کو ہر شخص کی پوری خبر ہے تو جس کو بد جو بد عملی کے بدلہ عذاب جنت میں بھیجا جائے گا اس کے پاس کوئی عمل صالح اتنا بڑا ہوگا جو تمام گناہوں پر غالب آگیا ہے جس کی خبر خدا تعالیٰ کو تھی ہم کو خبر نہ تھی۔

سعادت کے دوسرے معنی اور بھی ہیں جو نحوست کے مقابل ہیں یعنی بابرکت ہونا اس کے قہار سے مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ بابرکت ہیں وہ جنت میں جائیں گے اور جو نحوست ہیں وہ جہنم میں جائیں گے اس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ حقیقی نحوست کون ہیں؟ صرف وہ ہیں جو کہ جہنم میں جائیں گے۔ اور یہ جو تصور ہے نحوست کہ بعض لوگ قمری کو یا انوکھا یا کچلے کے درست کو انوکھ سمجھتے ہیں یا بعض ایام کو انوکھ سمجھتے ہیں یہ کوئی چیز نہیں مگر ضد

میں ایک بنیاد میں گھڑاں کو لے جاتا تھا اور بہت تلخ کھانا تھا اس کے حق میں وہی بارگشت تھے بعض لوگوں کو قرآن کی اس آیت **لَا تُسَلِّطُوا عَلٰی النَّفْسِ الَّتِي حَقَّتْ لَهَا الذِّمَّةُ** کو تو ہم نے اس پر ایک ہوائے خدا سے دنوں میں بھیجی جو (اس کے حق میں) انھیں تھے سے شہ ہو گیا ہے کہ بعض ایام بھی انھیں ہوتے ہیں مگر انھوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ایام نجات کی تعبیر دوسری آیت میں **سَبَقَتْ لَكَ ذٰلِكُمْ يٰٰكَرِيمٌ** وارد ہوئی ہے تو اس کو ملا کر یہ لازم آئے گا کہ کوئی دن بھی مسعود نہیں بلکہ سب ایام انھیں ہی ہیں اور اس کا کوئی ٹکڑا نہیں لہذا اس سے استدلال کیجنا نہیں ہو سکتا اور اصل ایام میں مسعود انھیں کا مسئلہ ال نجوم کا اعتراض ہے اور شیعہ نے حضرت علیؑ کی طرف بھی اس کو منسوب کیا ہے مگر وہ روایت موضوع ہے شریعت میں بعض ایام حرام کہ تو ہیں مگر انھیں کوئی دن انھیں رہا یہ سوال کہ پھر ایام نجات کے کیا معنی ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے معانی نجات تسلیم ہیں۔ یعنی قوم عام کے حق میں وہ ایام انھیں تھے کہ انھیں پر ان ایام میں عذاب آیا تھا اور وہ عذاب مسبب تھا کفر و معصیت سے جس مظلوم ہوا کہ اصل نعمت کی چیز معصیت ہے ہر حال خود اس آیت سے مظلوم ہوا کہ سعادت نام ہے عطاعت کا اور کسوت نام ہے معصیت کا اب ظاہر کہ انھیں ہم ہیں بالوادارہ قرنی اور کیا ظاہر ہے کہ یہ چیزیں معصیت سے میرا ہیں تو یہ کیسی غلطی ہے کہ ہم اپنی نعمت کو دوسری چیزوں پر مانگتے ہیں جس ہماری وہ حالت ہے۔

حکمہ پر خود نیکوئی اسے سادہ مرد بگول آں شیرے کہ پر خود حکمہ کرد

مسعود و امیں نکتہ

اب میں اس آیت کے متعلق چند طبعی نکات بیان کر کے ختم کرنا چاہتا ہوں میرے خیال میں اس جگہ مسعود و امیں بھول میں ایک دال یہ سمجھا تا ہے بشرطیکہ لغت سے اس کی تائید ہو جائے اور مسعود کا متعدی ہونا مظلوم ہو جائے مجھے یہاں کا موس نہیں ملی ورنہ تحقیق کر لیتا (لغت سے اس کی تائید نہیں ملی مسعود و مسد بالفتح بالضم بمعنی واحد ہے متعدی اسعدانہ ہے مگر مفعول نہیں بلکہ مسعود ہے مکانی انھیں میں کہتا ہوں کہ اس تحقیق کے بعد اس نکتہ کو اس طرح بدل دیا جائے کہ مسعود متعدی نہیں مگر صورت متعدی کی دیکھا ہے اس صورت میں اس نقطہ کا الہام ہے کہ اگر لغت نہیں (اشرف علی) کہ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ تم جو کام سب اور ایک جہت کئے گئے ہو یہ تہیہ کیا ہوا نہیں بلکہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے عمل سعادت ہی عطا ہے کہ نہ کہ ہر چند کہ سعادت کا عامر اصل حاصل ہے مگر اصل حاصل کی توفیق بھی حق تعالیٰ کے فضل سے ہے یہ جو آپ کو نثار کا شوق ہے اور مدت کو اچھڑ میں لیتے ہیں یہ آپ کا کام نہیں بلکہ کوئی اور ہی افکار ہے جس ہماری حالت یہ ہے۔

دشہ در گردنم انگندہ دوست می برد ہر جا کہ خاطر خواہ است

یہ مسعود و امیں نکتہ تھا۔

دو علمی نکتے

اس کے بعد مَكَانُكَ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ ﴿۱۸﴾ مَآئِةَ زُلُفٍ کے حلقہ دہ طلی نکتے عرض کرتا ہوں کیونکہ اس پر اظہار یہ شہادہ ہوتا ہے کہ اہل جنت کا جنت میں ظہور آسمان و زمین کے دوام کے برابر ہو گا اور آسمان و زمین کا دوام محدود ہے تو اہل جنت کا ظہور بھی محدود ہوا۔

اس کا جواب تو یہ ہے کہ یہاں پر سمت و عراض سے مراد جنت کے آسمان و زمین ہیں نہ ان کے آسمان و زمین مراد نہیں مطلب یہ ہوا کہ حق تعالیٰ جنت میں ہمیشہ ہیں گے جب تک جنت کی زمین و آسمان رہے اور جنت کی زمین و آسمان کا دوام غیر محدود ہے ان کے لئے بھی اتنی قرب کی شریکی گنجائش نہیں اور اس کی دلیل کہ جنت کی زمین و آسمان کا دوام محدود نہیں وہ آیات میں جن میں خلقین لپیذا ابداد ہوا ہے اور ہمارے یہ ہیں جن میں وہ اعلیٰ الجنت عِلْوٰتُ وَلَا مَوْتَ وَ اِذَا اَعْلٰی السَّمٰوٰتِ عِلْوٰتُ وَلَا مَوْتَ وَ غیر وارد ہے۔

دوسرا سوال کہ مَكَانُكَ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ ﴿۱۸﴾ کہنے کی ضرورت ہی کیا تھی اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایسا جیسے کسی کو انعام میں کوئی گاؤں دیا جائے اور اُس کا کہا جائے کہ جب تک یہ گاؤں باقی ہے اس وقت تک تم اس کے مالک ہو اور اسی طرز سے طالب کی پوری تملی ہو جاتی ہے کہ کچھ سے اس کا پیچھے والی کوئی نہیں سبکی تصور اس تک کہ مَكَانُكَ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ ﴿۱۸﴾ کے پڑھانے میں ہے۔

اس کے بعد ﴿۱۹﴾ مَآئِةَ زُلُفٍ کے حلقہ ایک اشعل کو وضع کرنا چاہتا ہوں اظہار ﴿۱۹﴾ مَآئِةَ زُلُفٍ۔ عَلَیْہِمْ تَوْنٌ فِیْہَا سے استثناء ہے ترجمہ یہ ہوا کہ اہل سعادت جنت میں ہمیشہ ہیں گے مگر جب خدا چاہے تو اسی سے شہ ہوتا ہے کہ کسی وقت اہل جنت کا ظہور منقطع بھی ہو جائے گا یا انقطاع کا احتمال ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر سزا و یک یہ عالم میں سے مستثنیٰ نہیں بلکہ الطین معلول سے استثناء ہے اور نامعنی مسن ہے حاصل یہ ہوا کہ جو لوگ اہل سعادت ہیں وہ جنت میں چائیں گے مگر جس کو خدا چاہے وہ جنت میں نہ جائے گا یعنی بعض اہل سعادت ایسے بھی ہیں جن کو ہم لوگ سعید سمجھتے ہیں مگر خدا کے نزدیک وہ سعید نہیں ہیں ہر اظہار بات کا صحت الظہر ہے اس نے عارفین کی کمرہ آزادی ہے کیونکہ اس کی کوئی کوثر نہیں ہے کہ ہم خدا کے نزدیک کیسے ہیں۔

تاہم اگر خواہدہ معلل تک باشد

یعنی یہاں نے دوسری جگہ سورہ اعراف میں ﴿۲۰﴾ مَآئِةَ زُلُفٍ میں ماکو معنی من فرمایا ہے اس میں اور اس میں اظہار کہ فرق نہیں اس لئے یہاں بھی ماکو معنی من کہنے میں بہت حرج نہیں اور اس کے بعد ظہور اہل جنت میں یکھا احتمال باقی نہیں رہتا کیونکہ اس میں ظہور سے استثناء نہیں ہے۔

مولانا شاہ عبدالغفور صاحب نے اس کی ایک اور تفسیر کی ہے جو بہت ہی عجیب ہے وہاں تک کسی کا ذہن نہیں پہنچ سکتا اس کا حاصل یہ ہے کہ الاملاۃ اور ایک سے اخذ توالی کو لازمی کرنا منظور ہے چنانچہ اہل بیت اور اہل جنت کی اہدیت سے کہ خدا تعالیٰ کی اہدیت کسی کی مشیت کے تابع نہیں اور اہل جنت کی اہدیت داخل مشیت ہے **وَلَا تَمْلِكُ اَنْ تَنْفَعَهُ** سے فقہاء پر بات اطلاق مقصور ہے کہ اہل جنت کی اہدیت مشیت نہیں بلکہ تابع مشیت الہیہ ہے یہ مطلب نہیں کہ یہ اہدیت کسی وقت متعلق ہو جائے گی کیونکہ دوسری اہدیتوں سے یہ امر معلوم ہے کہ ان توالی کی مشیت جو ظہور اہل جنت کے متعلق ہے وہ کسی متعلق نہ ہوگی یہ حاصل ہے شاہ صاحب کی تفسیر کا۔

مگر ان کی عبادت سے یہ مضمون ہر شخص نہیں سمجھ سکتا بلکہ وہی سمجھے گا جس کو یہ معلوم ہو کہ اس مقام پر ایک اطلاق ہے جس کو شاہ صاحب دفع کرنا چاہتے ہیں واقعی شاہ صاحب نے اس کو بہت کل اور مختصر عنوان سے رفع کر دیا ہے جہاں کے تحریر طبعی دلیل ہے۔

ایک آدمی نے یہ اعتراض دوسرے عنوان سے شارح کیا تھا کہ خدا کا وجود بھی غیر متناہی ہے اور جنتیوں کا وجود بھی غیر متناہی ہے تو دونوں برابر ہو گئے۔

میں نے اس کا یہ جواب دیا تھا کہ خدا تعالیٰ کا وجود غیر متناہی بالمثل ہے اور جنتیوں کا وجود غیر متناہی بمعنی لاحق عندہ ہے مگر شاہ صاحب کا جواب سب سے عمدہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا وجود غیر متناہی بالذات ہے اور اہل جنت کا وجود غیر متناہی بالظہر ہے معنی مشیت کے تابع ہے یہ چند نکات تھے جو اس آیت کے متعلق تھے اب میں آیات کا خلاصہ عرض کر کے بیان کو ختم کر دوں گا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہم کو آخرت کی راحتوں کی طرف متوجہ فرمایا ہے تاکہ ان کو معطر کر کے ہم آخرت کی طرف رجعت کریں اور اس کے لئے سعی کریں اور طریقہ راحت آخرت حاصل کرنے کا یہ بتایا ہے کہ سعادت حاصل کریں جس کا خلاصہ فعل صریح ہے۔

اور یہاں سے میں اہل علم کو متوجہ کرتا ہوں کہ وہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ اہل علم قریب کل علم حاصل کر کے بے فکر ہو جاتے ہیں اس کا اجتناب اور تحصیل علم کی کوشش نہیں کرتے اور حیرت ہے کہ اس پر وہ اپنے آپ کو نایب رسول ﷺ سمجھتے ہیں کیا یہی علم مجرمانہ عمل وہ شے ہے جس سے تم زیادت رسول ﷺ پہنچتے ہو اس علم خالی منہ اہل کی تو وہ حالت ہے جس کے متعلق اہل عقین ہوں فرماتے ہیں

علم دی سرسبز قیل است قال	نے ازہ کھینچے حاصل نہ حال
علم چہ بود آں کہ وہ ہما بیت	زنگ مگر ہی زول ہزار اہدیت
ایں ہوں ہا از سرت ہر دلی کند	خوف و خشیت در دلت انہوں کند

تو عدائی جو بکھڑا ہوا بکھڑا خود عدائی کر تو عدویٰ یا بکھڑا
علم خود غیر علم ماضی باقی تھکوس و تھکوس شقی
علم چوں بدل زنی پارے شو علم چوں برتن زنی پارے شو

حقیقی علم

حقیقی علم وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو اور وہ بدل علم کے نہیں ہو سکتی پس علم بدل علم کے جہالت کی شکل ہے۔ ۔۔۔ علم کے وہ حق نہ بنایا جہالت سے
غرض علم شخص پر کمالیت کرنا بڑی لٹلی ہے۔ علماء و طلباء کو علم کا پورا اہتمام کرنا چاہئے جب ہی ان کو
سعادت حاصل ہوگی چونکہ اس بیان میں اہل علم و طلباء بھی شریک ہیں اس لئے یہ مضمون طالب علموں کی
ضرورت کا بیان کر دیا گیا خاصہ یہ ہے کہ دنیاوی فرت کا جتن چاہتے ہو تو سعادت حاصل کرو اور انکی سعادت
جس سے جنت کا دخول اولیٰ حاصل ہو اور حق تعالیٰ کا قرب کامل ملتا ہو علم دین مع اہمل ہے گو سعادت کا ایک
درجہ ہر علم سے اور ہر عمل سے بھی حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ کلمات مطلق کے لئے نفس ایمان و اسلام بھی کافی
ہے مگر نفس و درجہ پر کمالیت کرنا لٹلی ہے۔

فِيهَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَنُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنُعْطِي السَّلَاطَ وَالْحَبْلَ وَالْأَرْزَاقَ وَالْغُلَامَ وَالْغُلَامَ وَالْغُلَامَ وَالْغُلَامَ
الْحَبْلَ وَالْأَرْزَاقَ وَالْغُلَامَ وَالْغُلَامَ وَالْغُلَامَ وَالْغُلَامَ وَالْغُلَامَ وَالْغُلَامَ وَالْغُلَامَ وَالْغُلَامَ
فِيهَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَنُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنُعْطِي السَّلَاطَ وَالْحَبْلَ وَالْأَرْزَاقَ وَالْغُلَامَ وَالْغُلَامَ

اس میں اہل جنت داخل جنم دہروں کے لئے غلام ہیں، یہاں کے ساتھ مِلَّاؤا کتب السَّلَاطِ وَالْأَرْزَاقِ
کی قید ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ جنت دار میں غلو مطلق نہ ہوگا بلکہ تنبیہ بقاء سعادت و ادب ہوگا اور اگر اس
میں کچھ تاویل بھی کر لی جائے تو آگے اِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ میں وہاں سے استثناء ہے یہ بھی غلو کو تنبیہ یا تسخیر کر
دیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ غلو لازم نہیں بلکہ شیعیت پر ہے کہ جب چاہیں یا برائے دل دیں۔

لطیفہ قلب

اب سنئے کہ مدامت اسلویت والا فرض کی تو وہ تو جی نہیں ہیں ایک علماء و حکماء کے قول پر ایک صوفیہ کے قول
پر یہ مطلب نہیں کہ جواب دہائی میں کبھی وصول حصول کو ملے ہے بلکہ چونکہ وہ توحید و توحید علماء صوفیہ سے متعلق تھی اس
لئے میں نے علماء صوفیہ کی طرف اس کو منسوب کر دیا علماء و حکماء پر سنئے تو یہ کہا ہے کہ سعادت و ادب سے اس آیت میں
یہاں اسان و دین مراد نہیں بلکہ جنت و دوزخ کے آسان و دین مراد ہیں کیونکہ عالم آخرت میں بھی آسان و دین

یہ کشف کسی شخص کے بھی خلاف نہیں اور کوئی شخص اس کی معادمت بھی نہیں اس لئے اس کے مان لینے کا سنا تھا نہیں مگر میں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ ہر کشف اپنی ذات سے غلطی ہے اس پر سوچ کر نہ کیا جائے کیونکہ اس میں اس پر غیر مجرم بنی نصیحت کے ساتھ ہم جھگڑا جو کہ شر مایا ہزار نہیں۔

ارضاء رسول

ایک جواب ماکا لکھتے اَلْاَرْضُ وَالْاَرْضُ کے افکار کا یہ بھی دیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ نے کلام اللہ میں ہمارے جذبات کا بہت لحاظ فرمایا ہے چنانچہ اس دعا پر حق تعالیٰ نے اَلْاَرْضُ کو سارے قرآن میں بھیج دیا مگر وہ بیان فرمایا ہے حالانکہ شخص سے معلوم ہوتا ہے کہ ارض بھی محل سموات کے متحد ہیں مگر قرآن میں سموات تو بھیج دی ہیں اور ارض پر تک ہیج نہ فرما ہے اس کا بھی جواب دیا گیا ہے کہ ہر بہت لطیف ہے کہ حق تعالیٰ نے سموات و ارض کا ذکر اثبات تو حید کے لئے مقام استدلال میں فرمایا اور بل عرب کو سموات کا تقدیر معلوم تھا زمین کا تقدیر معلوم نہ تھا اگر ارض کو بھیج دیا جاتا تو آپس میں شورش و فتنہ شروع ہو جاتا اور مقدمات ہی میں غلط بحث ہو جاتا اور حیات میں تاخیر ہوتی، اسی راقی اس نے حق تعالیٰ نے کائنات میں کے مذاق کی رعایت فرما کر تمام قرآن میں ارض ہیج نہ فرمائی کیا ایمان اللہ تعالیٰ کی بڑی عظمت ہے کہ حق تعالیٰ کی کدواں دنیاؤں میں ہدایت کو نافرمانی نہیں چاہتے جب یہ بات کچھ مشرقی لوگ سمجھ گئے کہ یہاں بھی حق تعالیٰ نے اللہ سے مذاق کے موافق وہام و احترام کو بیان فرمایا ہے یعنی سموات و ارض سے ملکی آسمان زمین سموات موجود مردوں ہیں مگر بھی افکار کچھ نہیں کیونکہ گویند میں آسمان بنا ہوئے ہمارے ہیں مگر وہاں ماس میں ان کا کتا محض نہیں ہے چونکہ اس کی ابتدا کسی نے دیکھی نہیں اور قرن گزر گئے کہ اس پر بھی شک قائم بھی جاری نہیں ہوا اس لئے اذہان ماس میں اس کا کتا ہونا محض نہیں ہوتا گواہ عقائد وہام بھی نہ ہو اس میں سموات میں اصولی جنت کی جہ سموات و ارض کے ساتھ متحد کرنا اس اثر کے اعتبار سے جواز اذہان ماس پر ہے وہام و احترام ہی کو عظیم و مقدس ہونا کیونکہ تمام کے مذاق میں بیان نام کی بھی صورت ہے اسی لئے شیطان کے بار میں ارشاد فرمایا گیا ہے فَلَنْ يَكُونَ لَكَ مَلَكٌ يَنْصَرُّ إِلَيْكَ وَكَلَّا لَنَكُونَنَّ لَهُمْ جُلُودًا مَّغْلُولَةً (تھو پر قیامت تک میری نصرت ہے) اس سے مراد یہ نہیں کہ قیامت کے بعد نصرت نہ رہے گی بلکہ وہام مردوں پر اور عبادات میں وہام کو عیوب غییر کیا کرتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ خدا میں قیامت تک یہ کام نہ کروں گا اسی طرح اہل ایمان میں اس شخص میں بیان وہام و احترام کے لئے ہے جو ایسے ہی عبادت سموات و ارض عام ہوں چاہے اور عام عبادت کے اعتبار سے وہام ہی کو نصیب ہے کوہل مقبول کے نزدیک مغنیہ نہ۔

بہر حال ماکا لکھتے اَلْاَرْضُ وَالْاَرْضُ کی قید کے تو متحد جواب دینے کے ہیں مگر امانتدار کہ کی تاویل میں ایک بہت پکڑا گئے ہیں بعض نے تو کہاں کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ استناد بہت کے لئے ہے شخص و

اخراج کئے نہیں مطلب یہ ہوا کہ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں الگ سموات وارض تک رہیں گے مگر یہ کہ خدا چاہے تو اور بھی زیادہ رکھے کیونکہ جہاں سموات وارض تو محدود ہے بلکہ ظہور جنت غیر محدود ہے اور مافی الاکمال سے زیادہ ہونا ظاہر ہے مگر نہ معلوم یہ زیادت علی الاستغنیٰ منہ استناد کی کوئی قسم ہے اور میرے نزدیک بھی جواب اور لطیف وہ ہے جو شاہ عبد اللہ صاحب نے بیان فرمایا ہے جس کو میں اصطلاحی الفاظ میں بیان کرتا ہوں وہ شاہ صاحب نے تو ایسے سلیس عنوان سے بیان کیا ہے کہ دماغی دیکھنے والے کو بھی نہیں ٹکنا کما اس جگہ شاہ صاحب نے اتنا بوجہ مضمون مل گیا ہے۔

خلود اور مشیت

حاصل اس کا یہ ہے کہ الہامیاد ایک میں ماحدود یہ ہے ای الا وقت مشیتہ کما فی قولہ اللہ تک خلوق النجم ای وقت مخلوقہ میں مقرر ہے کہ یخلقون فیہا الا ان یشاء ربک عدم خلودہم البتہ قطع خلودہم' دلی یہ بات کہ اس قید کی ضرورت ہی کیا تھی اس کا جواب شاہ صاحب نے دیا ہے کہ اس میں تو حید کی حفاظت کی گئی کہ خلود واجب اور خلود ممکن میں فرق ظاہر کر دیا گیا تاکہ کوئی خلود کی خبریں نہ کرے اور ہم میں شریک ہو کر مساوات مع الواجب کا دعویٰ نہ کرنے لگے کہ کو ہم جنم میں جائیں گے کسی مگر یہ فقرہ ہمارے لئے ثابت ہو گیا کہ ہم مثل واجب کے خلود و نام کے ساتھ نصف ہو جائیں گے۔ تو خلا دیا گیا کہ مساوات کا دعویٰ کیا لئے بھرتے ہو تو ہمارے خلود میں اور واجب کے خلود میں زمین آسمان کا فرق ہوگا واجب کا خلود کسی کی مشیت کے تابع نہیں اور تھا ہمارا خلود ہماری مشیت کے تحت میں ہے جب چاہیں جب کوکان بجز کہ نکال سکتے ہیں اور سب کوئی کر سکتے ہیں گویا نہ کریں مگر یہ بات کرنے کی صورت میں بھی تم کو وہ خلود اس طرح نصیب ہوگا کہ ہر دم ہماری طرف سے افاضہ جود ہوگا ورنہ تم کیا اور ہاں پہنچا آپ کے گھر سے لانے تھے۔

نہاد ہم از خانہ جہ سے قسمت تو دہلی ہم جہ دامن جہ قسمت

تو حاصل یہ ہوا کہ خلود ہوگا لیکن اگر ہم چاہیں تو خلود نہ ہے سبحان اللہ کبھی عجیب بات فرمائی ہے اور آپ کو حیرت ہوگی اگر شاہ صاحب کے الفاظ دیکھیں کہ انہوں نے اصطلاحی الفاظ کو چھوڑ کر سلیس لفظوں میں اس طرح اس قدر مضمون کو بیان فرمایا ہے کہ یہ واقعی بڑا کمال ہے۔

اور دوسرا جواب میرے ذہن میں آیا ہے کہ ہاماد ایک میں ماحتملی من ہے اور محققین نے لکھا ہے کہ لفظ ماحتملی انت میں ذوی القہول و غیر ذوی القہول دونوں کے لئے عام ہے اور وہی ماں بھی تو عام ہے بلا کہ انسان کی ماں بھی ماں ہے اور چاند کی ماں بھی ماں ہے ہاں من ذوی القہول کے لئے خاص ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ غیر ذوی القہول کے لئے خاص ہے صحیح نہیں بلکہ الہامیاد ایک کے معنی ہیں الہامیاد ایک ایک مقدمہ ہے یہ ہوا کہ ماحتملی من ہے۔

اپنے قول کی تائید سلف کے قول میں مل جائے بعض لوگ تو سلف سے اپنا ظم حصول دیکھ کر غرور ہو جاتے ہیں کہ ہمارے قول پر باطل ہو گیا اور میں غفلت ہوتا ہوں کہ کلمہ شہد ہیں ذہن کیا جہاں متبولان الہی کا ذہن کیا تھا۔

وَلَا تَرْكُنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّنْ

دُونِ اللَّهِ مِنْ أُولَئِكَ لَمْ أَتُخَصِّرُوهٗ

ترجمہ: پھر اے مسلمان! ان ظالموں کی طرف مت جھک لو گئی تم کو دوزخ کی آگ تک جائے اور خدا کے سوا کوئی تم پر افاقہ کرنے والا نہ ہو بلکہ جانتے تو تمہاری ذرا بھی نہ ہو۔

تفسیری نکات

تشبہ میلان باطنی کے بغیر نہیں ہوتا

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بعض اہل اٹلانک نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص مکاری سے صوفی بنے اور صوفیوں کی وضع اختیار کرے اس کی بھی تقریر نہ کرنا چاہئے کیونکہ یہ کلمہ طاعت اس کی ہے کہ اس کے قلب میں اس جماعت کی عظمت ہے کیونکہ تشبہ اسی کے ساتھ کیا جاتا ہے جس کی عکس میں عظمت اور وقعت ہوتی ہے اور اسی سے تشبہ باطنی باطل کا مسئلہ مل ہو گیا اور اس بناء پر ملاوحت بیٹ میں ہونے کے وہ مسئلہ خود نص قرآنی میں موجود ہے اور ثابت فرماتے ہیں وَلَا تَرْكُنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ یعنی مائل مت ہو تم ان لوگوں کی طرف جنہوں نے ظلم کیا کبھی تم کو بھی آگ لگتی جائے اس سے معلوم ہوا کہ اہل باطن کی طرف میلان حرام ہے بلکہ تشبہ بدوں میلان بھی کے بعد نہیں قلب میں اول اس کی عظمت آتی ہے اور اس کے احتسان کا وجہ پیدا ہوتا ہے اور اس کی طرف میلان ہوتا ہے اس کے اثر سے تشبہ ہوتا ہے جس جب یہ میلان حرام ہے تو تشبہ بھی حرام ہے یہ بعد مسئلہ جس کو آج کل منجھری کہتے ہیں کہ من تشبہ بقوم فهو منهم کچھ میں نہیں آتی کلمہ کبھور میں ایک مرتبہ جانا ہوا وہاں پر بیان کیا گیا ہے انبیاء تعالیٰ نے کہا کہ صاحبو یہ مسئلہ تشبہ کا صرف نقلی ہی نہیں عقلی بھی ہے اگر کوئی عقل میں اپنی تنظیم صلیب کا زائچہ دیکھیں ہزارا ممکن کہ اجلاس میں کرسی پر آ بیٹھے کیا خود اس کو پاؤں سے دیکھتے والوں کو ناگوار نہ ہو گا تو آخر ناگوار کی کی وجہ کچھ ہے کیا سو ایک عورت مسلمان جو دین داری میں مشایخہ سے بھی بدھی ہوئی ہو اس کی تشبہ سے تو ناگوار ہو جاتی ہے اور کلمہ کبھور کے تشبہ سے ناگوار کیوں نہ ہو ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ جب ہم نے ترکی ٹوپی پہنی لی تو سب لباس میں تو تشبہ نہ ہوا میں نے کہا کہ ترکی ٹوپی پہن کر باقی لباس نہ اندھن ہوا کہ وہ نہ کہنے لگا کہ ترکی سے تو تشبہ کہاں بات ہے ہے کہ تشبہ بھی ناقص ہوتا ہے کبھی کامل اور دونوں نہ ہوں ہیں گودوں کے درجہ میں طاقت ہو۔

سُورَةُ يُوسُفَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّا أَنشَأْنَاهُ لِلْإِنْسَانِ عَذُوبًا وَمُعِظَةً ۝

﴿ترجمہ﴾: بلاشبہ شیطان آدمی کا سرخا دشمن ہے۔

تفسیری نکات

مسلمانوں نے دوست و دشمن کو نہیں پہچانا

مذہب ایک سلسلہ گفتگو میں بعض طوائف کفر کی نسبت فرمایا کہ بڑا ہی چالاک اور دشمن اسلام ہے اس نے مسلمانوں کو دھوکا دیا شیر یہ بات تو معمولی ہے کہ دشمن اپنی ہی کیا ہی کرتا ہے۔ اس کا کام تو نقصان پہنچانے کا ہوتا ہے حق تعالیٰ بھی فرماتے ہیں **إِنَّا أَنشَأْنَاهُ لِلْإِنْسَانِ عَذُوبًا وَمُعِظَةً** مگر افسوس تو مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ انہوں نے دوست دشمن کو نہ پہچانا مسلمانوں کی قوم بہت ہی بھولی ہے اور زیادہ تر دھوکہ عام مسلمانوں کو ان لٹیروں کی جہ سے ہوا یہاں تاہت اعلیٰ مسلمانوں کی کشتی کے خدا بنے ہوئے ہیں ان کی باگ ان کے ہاتھ میں ہے انہوں نے ہزاروں مسلمانوں کے ایمان کو چاہا اور ہمارا کردار کچھ نیچے مشاہدات اور واقعات اس کے شاہد ہیں جس کے نعرے لگے فتنے پھیلائی یہ لگائے ہندوؤں کی اور اچھی کو کٹھن ہار یا ان کے مذہبی جہواران کا انتقام مسلمان والہنہ یوں نے کیا یہ قرآنی نقصان ہوا اور چائی نقصان بنے ہزاروں مسلمان ان قصوں کی بدولت موت کے گھاٹ اتر گئے۔ ہجرت کر آئی ہزاروں مسلمان بے خاتمان ہر گھنے مکان چائے اور عسرت ہو گئیں جی بڑی بڑی عارضی چھوڑ دیں سوچوں کی قوم کو چاہا کہ اسے کا ان ہی کا کام تھا اب پچاسوں برس بھی وہ نہیں سمجھ سکتے اور جس کی طرف وہ اپنے گھنے ہیں سن کر ان کا پھٹا ہے یہ سب ان لٹیروں کی بدولت مسلمانوں کو نقصانات کا شکار ہونا پڑا مگر ان کے ایک نہ گت اڑے جانے اور فٹ کاس کے سفر میں کوئی فرق

نہا یا انکوں کو وہ یہ خرید و خوردوں نے بھی نہیں نہیں کرنا اور مسلمانوں نے اپنے طرہات میں بھی کہہ دیا سب
 قتر ہو کر رہا چلے بدوں بدلوں کے نہیں ہو سکتے ان میں ہزاروں وہ یہ مسلمانوں کے خون پینے کی کمانی کا
 برباد کیا اور پھر دوسراں پر ظلم ہے کہ یہ قوم کی خرید و بیروں کر کے رہبری نہیں کرتے ایسوں ہی کی بدولت ملک
 اور قوم چاہا کسی نے خوب کیا

گر بہ میر ملک وزیر و موش را و جان کند ایچ جنین ارکان دولت ملک را پر جان کند
 انا فہنا نسبق (ہم آپس میں دوڑنے لگیں گے)

نسب کا ترجمہ

فہنا نسبق ہم آپس میں دوڑنے لگے گئے۔

استحقاق کا ترجمہ ان حرم صاحب نے کبڑی کو کیا کیا ہے۔ یہ ترجمہ نکلا بھی بالکل غلط ہے۔ اور عقلاً بھی عقلاً تو
 اس لئے کہ لغت میں دیکھ لیجئے کہ استحقاق کے کیا معنی کیا غلاف لغت ترجمہ بھی مستر ہوگا استحقاق کے معنی آپس
 میں دوڑنا ہیں کہ دیکھیں کون آگے نکلے اور چونکہ اصل پر حق کا آنا کل زور ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ عقلاً
 بھی یہ ترجمہ غلط ہے اس لئے کہ کبڑی کھیلنے میں آتی اور نہیں جایا کرتے کہ جس سے کاغذ بچی بہت بھڑے
 کے کھاجانے کا احتمال ہو اگر ایسا ہوتا تو حضرت یعقوب علیہ السلام ضرور جرح فرماتے۔

بہر حال و علی اللین بطریقہ کی یہ تفسیر نہیں ہے اور فقہ یہ سنے والے بری ہو سکتے ہیں اور نہ یہ کہ
 کہ بری ہو سکتے ہیں کہ وہ فقہ یہ نہیں کے لئے ہے ہم تو خود مہذب ہیں اس لئے کہ اول تو یہ کہنا غلط ہے کہ ہم
 مہذب ہیں اور دوسرے فقہ یہ نہیں روزہ کی حکمت ہے نہ کہ باوجود ملت یہ قرانی اس کی ہے احکام کی تخریج سختوں
 پر ہی کرتے ہیں یہ تو ان کا ذکر ہے جو تہذیبیں کر کے روزہ رکھتے ہی نہیں۔ (بہرہ منورہ اسناد اہل بیت ص ۲۰۰)

چنانچہ جب یوسف علیہ السلام کے بھائی مصر ملے جانے کے لئے پہنچے اور چری کے قہر میں وہیں ایک بھائی راہک لئے گئے تو قہر بھائیوں نے یعقوب علیہ السلام سے آ کر عرض کیا واسئل القرینہ الی کنا فیہا والعبر الی طلبنا فیہا وانا الصلحون یعنی آپ جو چاہتے ہیں ہستی ہاںوں سے جس میں ہم تھے وہاں سے ملے سے جس میں ہم آئے ہیں اور یہ ایک ہم ہے ہیں۔

اس آیت سے حال معلوم ہوتا ہے کہ کھان سے معرکہ ہوا آ غزوہ فتح میں جس حالت میں اس قدر دماغ علم کے یعقوب علیہ السلام کے پاس موجود تھے اس میں بھی یعقوب علیہ السلام کو یہ نہ لگا کہ وہ کی فرمایا بسا اسی انھوں لخصوا من يوسف واعیہ ولا یسوا من روح الله تعالى وہ کشف کہاں کیا اس قدرت کے کام نہائی ہے۔

نہی رہنمائی

اور اس مقام پر ایک اور کام کی بات سمجھنا چاہئے وہ یہ ہے کہ جب ذلخا نے یوسف علیہ السلام کے ساتھ برادرہ کیا تو اس قہر میں ان تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ولقد همت به وهم بها لولا ان وابوہان رہہ یعنی بے فکر ذلخا نے ارادہ کر لیا یوسف علیہ السلام کے ساتھ اور یوسف علیہ السلام بھی ارادہ کر لیتے اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے یہاں پر کہی تکسیر میں مشربین اور اہل میر نے لکھا ہے اسی مصورہ یعقوب علیہ السلام یعنی یوسف علیہ السلام کو یعقوب علیہ السلام کا چہرہ نظر آیا اور شرمائے۔

تو اس قہر سے ایک مسئلہ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ شہادتی کے وقت بعض لوگ جو اپنے شیخ کی صورت دیکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ سے شیخ نے اس وقت شہادی دہی گئی کی اور ان کو شہادی اس بصیرت کا علم ہو گیا یہ اتفاق نہیں شیخ کو فریب بھی نہیں ہوتی جسے اس قہر میں یعقوب علیہ السلام کو اطلاع تک نہ ہوئی۔ ورنہ اس قدر یہ بیانی نہ ہوتے بلکہ اس شخص کی عقل اور دہری کے لئے اللہ تعالیٰ فرشتہ کو کسی ایسے متحول بندہ کی صورت میں متحمل کر کے دکھاتے ہیں جس کے ساتھ اس شخص کا اس اور اتفاق ہوتا ہے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ایک مشکل میں جتنا قہار کی طرف سے حضرت حاجی صاحب کی آواز آئی کہ اس کام کو اس طرح کر لو اس کے بعد فرمانے لگے کہ میں بھیجا جاتا ہوں کہ یہ آواز حضرت حاجی صاحب کی نہیں ہے حضرت کو تو خبر بھی نہیں کیسے ہی یوسف علیہ السلام کو خود یعقوب علیہ السلام نظر نہیں آئے۔ ورنہ اگر یعقوب تھے تو پھر ان کی ہے خبری اور یہ بیانی کے کیا معنی حضرت سید احمد صاحب فرماتے ہیں کہ کسی نے عرض کیا کہ میں ایک مرتبہ جگہ میں تھا اور دست بھول گیا آپ نے مجھ کو دہری لڑائی سید صاحب نے قسم کھا کر فرمایا کہ میں نہیں تھا مجھ کو تو خبر بھی نہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے میری صورت میں کسی کو بھیج کر تم کو ارادہ دکھا دیا۔

کو یہی تعبیر کریں کہ ملاں ملاں نے کہا انہیں کھایا مگر ب نے تو ہمارے اعتقاد سے یہ سچ نہ ہوگا کیونکہ مستحق
مطلوب نہ تھا بلکہ مستحق نہ ہو غالب تھا تو معلوم ہو گیا کہ غالب حالت سے مطلوب حالت کو استثناء کیا جاتا ہے اگر
کہلانے والے باوجود چہرہ نہیں مستحق نہ بنائیں گے بہر حال غالب حالت کا اعتبار استثناء میں ضروری ہے
جب یہ سمجھیں آگیا تو اب سمجھنے کہ لَا تَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَلَا تَعْلَمُ (برائی کا حکم کرنے والا ہے) یہاں یہ مستحق نہ ہے
اس لئے جاعدہ مذکورہ غالب حالت یعنی ہر پاسہ کو مستحق نہ اور مطلوب یعنی ہر پاسہ ہر پاسہ کو مستحق بنا دیا جائے
سورۃ آن میں ایسا ہی ہے کیونکہ غالب صفت نفس کی اعلیٰ ہا السوء ہی ہے۔

واقعی قرآن کے سمجھنے کے لئے ضرورت ہے کہ زبان کو ذوق بھی ہو اور عادات و عموالات میں بھی کمال
داخل ہو محض علوم و معارف سے قرآن عمل نہیں ہو سکتا بلکہ عرف و عادات کو حکم بنا کر تب قرآن کو دیکھنا چاہئے ورنہ
فطرتی ہو جانے کا قوی احتمال بلکہ یقین ہے کیونکہ قرآن کا نزول عرف و عادات کی رہنمائی کے ساتھ ہوا ہے۔
بہر حال نفس کی حالت غالب ہر پاسہ ہے اس لئے جب اس کو کام میں نہ لایا جائے تو یہ اپنے لئے خود
مضطرب و توجہ نہ کرے گا اور جو مطلب یہ فرما چاہے لئے توجہ نہ کرے گا چنانچہ اس میں غالب ہے مگر اس لئے وہ اکثر برائی
ہو گا اور مضمری کو توجہ نہ کرے گا۔

اسی واسطے کہ یعنی کے ترک کو بہت بد رسول قبول ﷺ نے من اسلام فرمایا کیونکہ مضر کو ترک بر نفس مضر سمجھتا
ہے ہی خاص عرف و لا یعنی میں ہے جس تصور حضور ﷺ کا ہے کہ مضر کے چھوڑنے کے بعد لا یعنی سے بچے اور وہ
توجہ سے متوقف ہے اس پر کہ لا یعنی میں نفس کو گوارا ہے جس ترک کے لئے یہ فعل بھی لازم ہے۔
بہر حال نفس کا میلان الی اللہ (برائی کی طرف نہ ہونا) تو قرآن سے ثابت ہے مگر یہ توجہ اور مشاہدہ
سے ثابت ہے کہ نفس جب خالی ہو گا تو مصیبت ہی توجہ نہ کرے گا اور جب یہ بے کار ہو گا تو کسی نہ کسی بدی
میں مبتلا ہو گا تو ان دونوں خدشوں سے اس کی ضرورت ثابت ہو گی کہ ترک مضر کے بعد اشغال بالنافع ضروری
ہے سورۃ آن مجید کی تعلیم کا بھی حاصل ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام بھی اپنے نفوس کا تہمیر یہ نہیں فرماتے

اور دایاۃ علیہم و انبیاء علیہم السلام بھی باوجود مصوم ہونے کے اپنے نفس کا تہمیر نہیں فرماتے۔ دیکھئے یوسف
صدق علیہ السلام کیا فرماتے ہیں وَ مَا آتٰنِیَ الْغَفْلَةُ اِلَّا اَنْفُسَ لَا تَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَلَا تَعْلَمُ جن کی تہمت کی طرف حق تعالیٰ
گواہی دے رہے ہیں چنانچہ ارشاد ہے کَذٰلِكَ لِنُفَصِّلَ لَكَ اٰیٰتِنَا وَلَعَلَّكَ تَعْلَمُ یہیں مضمر کو دور لکھو
تے مگر مذکورہ ہے جس صاف دلائل سے کہ یوسف علیہ السلام نے نہ مضمر و نہ صاف ہوا مذکورہ اور بعض نے یہ کہا
ہے کہ یوسف علیہ السلام نے ارادہ گوارہ کا کیا تھا اور یہ آیت وَلَکِنْ مَّكْتُوبٌ بِہِ وَفَّکَ بِہِ ا سے استدلال کرتے ہیں

ہمارے استاد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ **وَلَقَدْ فَتَنَّا يُوسُفَ بِالْمَرْغَمِ الْمَخْمُومِ** پر کلام ختم ہو گیا اور **فَتَنَّا يُوسُفَ بِالْمَرْغَمِ الْمَخْمُومِ** کا یہاں تک کہ کلام ہے۔

ماہل آیت کا یہ ہوا کہ حضرت زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ارادہ برائی کا کیا اور یوسف علیہ السلام بھی کر لیتے اگر اپنے رب کا یہاں نہ دیکھتے اور اسی واسطے مولانا فرماتے تھے کہ وہم بھما پر عمل وقت نہیں کرتا بلکہ اس سے ہم کی لگی ہوتی ہے مذکرات اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ آگے ارشاد ہے **كَذَلِكَ يُتَعَذَّبُ الْمُتَفَلِّتُونَ وَالْمُتَفَلِّتُونَ** کس اس میں مضمر اور کبیرہ دونوں کی لگی ہے اور جو لوگ ہم بھما وقت کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم کے سوا اب تکف ہیں زلیخا نے جو ہم کیا وہاں کے مرتبہ کے موافق تھا اور یوسف علیہ السلام سے جو ہم ہوا وہاں کے مرتبہ کے موافق ہے جو مضمرہ سے بھی سوا اب کم ہے فرض مضمرہ اور کبیرہ سے پاک ہوا سب کا حق علیہ ہے۔ یوسف علیہ السلام سے کوئی عمل ایسا کہ جس سے گناہ لکھا جاوے غمور میں نہیں آیا۔ ہمہ کی تعمیر پر دوسرا گناہ ہوا کہ وہ گناہ نہیں ہے۔

براءت یوسف علیہ السلام کا عجیب استدلال

ایک بزرگ نے عجیب لہجہ لکھا ہے کہ اسے عزیزنا یوسف علیہ السلام کی آواز کی گواہی بہت کرناں کے سامنے صحت کو ذرا ہمار بھی دلا نہیں گا اور اگر تھو کو اس کی شہادت چاہتے تو خدا تعالیٰ فرماتے ہیں **كَذَلِكَ يُتَعَذَّبُ الْمُتَفَلِّتُونَ وَالْمُتَفَلِّتُونَ** اور اگر حق کی شہادت چاہتا ہے تو اس شہر غرار کے کی شہادت کافی ہے جس نے یوسف علیہ السلام کی براءت کی گواہی دی اور اگر اس کی شہادت قبول نہیں کرتا تو خود زلیخا کی شہادت موجود ہے **وَلَقَدْ زَكَّاهُ وَكَوْنَهُ عَيْنَ الْقَلْبِ وَكَانَتْ تَقْصُصُهُ** یعنی میں نے یوسف علیہ السلام سے ان کے نفس کی درخواست کی تھی مگر وہ بڑا ہے اور ان کی شہادت بھی حق نہیں تو زبان مصر کی شہادت موجود ہے کہ انہوں نے کہا **مَا عَلَيْنَا مَا عَلَيْنَا مِنْ شَيْءٍ سُبْحَانَ رَبِّنَا** یعنی ہم نے اس پر کوئی برائی معلوم نہیں کی اور اگر ان کی شہادت بھی حیرے سے نزدیک قابل قبول نہیں تو شیطان کی شہادت موجود ہے اس نے کہا تھا **وَلَقَدْ كَذَّبْنَا بِكُمُ الْبَاطِلَ** اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتے ہیں کہ وہ ظالمین میں سے ہیں چنانچہ ارشاد ہے **وَالَّذِينَ يَدْعُونَ يَدْعُونَ إِلَى الْبَاطِلِ** مگر باوجود اس قدر محسوس اور پاک کے پھر فرماتے ہیں **وَمَا عَلَيْنَا مِنَ الْقَوْلِ لَنْفُسِنَا كَذَلِكَ نَكْفِيكَ الْفُلُوكَ** یعنی میں اپنے نفس کی براءت کا دعویٰ نہیں کرتا مگر برائی کا کھڑے سے امر کرتا ہے لیکن تو اسے چھوڑ دے جو بھلائی شری کی طرف متغنی ہو جاتی ہے اس لئے اسے بلور استغناء فرماتے ہیں **الَا مَسَارِعُ دَمِي** یعنی مگر وہ شخص جس پر میرا دہم کم کرے اور ان کا مرحوم دہم نہیں ہے۔

قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْهَا

ترجمہ: یعنی مجھ کو ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے میں اس کی خوب نگہبانی کروں گا میں اس کے طریقوں کو جانتا ہوں۔

تفسیری نکات

احکام مال و جاہ

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ ہے کہ جب بادشاہ نے اس سے کہا تھا کہ اتنا بڑا کام یعنی قلعہ عام کا انتظام کون سر دھرے تو انہوں نے فرمایا کہ میں کر سکتا ہوں۔ پتا نہیں کتنا حق یہ ہے کہ **إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْهَا** تو اس موقع پر یوسف علیہ السلام اپنی تعریف خود کر رہے ہیں میں جیسا ہوں اور ایسا ہوں کہ وہ حکومت مجھ کو دے دو مگر آپ کو یہ جتنی طو سے معلوم تھا کہ یہ کام ضروری اور عظیم الشان ہے اور انتظام کا اہل کوئی ہے جس میں اس لئے آپ نے اس موقع پر تو اس شخص سے کام نہیں لیا اور نہ ساری مخلوق جاہ ہو جاتی۔ بلکہ آپ نے انہما رحمت کے طور پر اپنے واقعی اوصاف جان فرما دیئے تاکہ بادشاہ کو چرما لیا جان ہو چلوے کہ یہاں یہ کام آپ خود کر سکتے ہیں آپ کو بھروسہ تھا کہ میں اس کام کو بخوبی کر سکتا ہوں اس لئے آپ نے خود درخواست کی پس اگر کسی زمانہ میں کسی شخص کو اپنی نسبت یہ معلوم ہو کہ میں اپنے بھائیوں کو راحت پہنچا سکتا ہوں اور مخلوق اگر کسی دوسرے کے قبضہ میں پہنچے گی تو راحت نہیں مل سکتی اور اس کو بھروسہ ہو کہ میں آرام پہنچا سکتا ہوں اور شریعت کے موافق حکومت و انتظام کر سکتا ہوں اور اس کو مال و جاہ کی بالکل پروا نہ ہو تو ایسے شخص کو اب بھی حکومت کی درخواست کرنا جائز بلکہ مستحسن ہے اور اگر اسے نزدیک مائیکر کا اپنی سلطنت کے لئے سعی کرنا بھی اسی وجہ سے قرار دیا جائے صورت ہو کہ کوئی حاکم نہ ہو تو غیر قوم سے ہو جائے گا اور اس صورت میں مسلمانوں کی بری گت بدلتی جائے گی۔ تو درخواست کرنا حکومت کی اس صورت میں بھی جائز ہے مگر اس میں بھی رد و شرطیں ہیں۔

ایک یہ کہ مال مقصود نہ ہو۔ دوسرے جاہ مقصود نہ ہو۔ یہاں بات ہے کہ مال و جاہ از خود حاصل ہو جائے مگر مقصود نہیں

وَلَمَّا فَصَلَ الْعِيذُ قَالَ أَبُوهُمَ إِنِّي لَأَجِدُ رِبْعَ يُوسُفَ لَوْلَا

أَنْ تُفَكِّدُونِ

ترجمہ: اور جب عیذ چلا تو ان کے باپ نے کہا شروع کیا کہ اگر تم مجھ کو بڑھاپے میں بھلی باتیں کرنے والا نہ سمجھو ایک بات کہوں کہ مجھ کو تو یوسف علیہ السلام کی خوشبو آ رہی ہے۔

تفسیری نکات

کشف امر غیر اختیاری ہے

حضرت یعقوب علیہ السلام کی شیخ شریازی نے یہ حالت لکھی ہے۔

کے بڑا دام اہل نفیسم کے پر پست پائے خود نہ قسم

ایک تو وہ وقت تھا کہ مصر سے احمد بن ابی اسحاق نے کرچا لے کر کھانا کھان میں آپ کو اس کی خوشبو پہنچی تھی اور حاضرین مجلس سے فرمایا لَمَّا لَاقَوْهُ رِبْعٌ يُوسُفَ لَوْلَا أَنْ تُفَكِّدُونِ یعنی اگر تم یہ نہ کہو کہ بڑھاپے سے حواس میں خلل آ گیا ہے تو میں ایک بات کہوں وہ یہ کہ مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے یہاں تو مصر سے ہی ابی اسحاق کی خوشبو کا احساس ہو گیا اور ایک وہ وقت تھا کہ خود یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے کھانا کے تنگل میں ایک کوئیں کے اندر قید کر دیا اور چند روز تک وہاں میں رہے مگر یعقوب علیہ السلام کو خبر نہ ہوئی یہ بھی خبر نہ تھی کہ یوسف زندہ ہیں انہیں مصر و فراق میں اٹھارے کرا گھسیں چلی رہے کے قریب ہو گئیں۔

یعقوب علیہ السلام کے تعلق بعض تحقیق کی رائے ہیں ہے کہ وہ باوجود ہوتے تھے بکارت تھے وہ تھے بیانی کزور ہو گئی تھی انہوں نے اَبِیصْفَ عَیْنُہُ کَیصْفَ صَیْرٍ مَکُولِہُ کیا ہے اور کَانَ ذَکَ یُجِیْدُ سے اس یوسف کا وہاں مر رہا ہے ولا یصد اواقفہ للعلکمة النی ذکرنا ہا میں بھدی نہیں لوٹ آنا چیل کا ہیر حکمت کے ہو جو ہم نے ذکر کی تو دیکھئے یعقوب علیہ السلام کو بتاد میں یوسف علیہ السلام کی اطلاع نہ ہوئی کہ وہ کس حال میں ہیں حالانکہ وہ اس وقت کھانا ہی کے کوئیں میں تھے پھر اس کے بعد عرصہ تک معلوم نہ ہوا کہ کہاں ہیں کس حال میں ہیں اور بعد میں مصر سے قیص کے روانہ ہوتے ہی خوشبو پہنچی تھی اس سے معلوم ہوا کہ انہی کی ایک وقت میں اور شان تھی اور ایک وقت میں اور شان تھی۔ یہی میں کہہ چکا کہ کوئیں انہی اہلہم اسلام کو بھی پیش آئی ہے ایک نئی مختلف اوقات میں مختلف حالات پیش آتے تھے اور بہت سے مانگین کو بھی پیش آتے ہیں۔

حالت یعقوب علیہ السلام

یاد رکھو اول تو کشف ہونا ہر بزرگ کو ضروری نہیں انبیاء سے زیادہ تو کوئی نہیں حضرت یعقوب علیہ السلام نبی ہیں اور یہ صاحب کشف ہیں جب حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر سے بھائیوں کو کہیں دیا ہے کہ اس کو باپ کی آنکھوں پر ڈال دو اور دھرو کہ کہے کر چلا دو وہاں میں بتھکوں مرا ملے گا کہیں شہر کھان یعقوب علیہ السلام کا مسکن اور کہاں مصر بہت دور ہوا کی مسافت اور یہاں میں ہے لیکن آپ فرماتے ہیں **لَيْسَ أَكْثَرُ رَيْحٍ يُؤْتِيكَ أَتَوَلَّى أَنْ تُكَلِّمَ لَدُنَّ** یعنی بے شک میں یوسف کی روپا ہوں اگر تم تمکو بہکا ہوا نہ کہنا قلوا للہ الذک لہی حلالک اللہم میں نے کہا تم بے خدا کی کتاب ہے شک اپنی پائی قطعی میں ہیں۔ **فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْيَشْبَعُ لِقَاءِ يُسُوفَ عَلَّ وَجْهَهُ وَكَانَ يُبْعِدُ عَنْ الْوَلَدِ أَفْئَلُ لِي كَلِمَةً** **وَأَنْتُمْ مِمَّنْ لَقِيتُمُوهُ لَا تَقُولُونَ** یعنی جب غول خبری دینے والا آیا کرتا کہ یعقوب علیہ السلام کے چہرہ پر ڈال دیا تو وہ چاہو گے اور فرمایا میں نے تم کو کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

ذرائع علم کے باوجود یعقوب علیہ السلام کا عدم علم

اللہ اکبر! کتب کشف اور ہدیوں اس کے یوسف علیہ السلام نے مصر میں ماہیہا سال سلطنت کی اور صاحب سلطنت کے واقعات اور اس کے حالات سے وہ وہ تک واقفیت ہوئی ہے اور یوسف علیہ السلام یوسف ہی کے نام سے مصر میں مشہور تھے یہ بھی شہ نہیں ہو سکتا کہ ہم بدل لیا ہو گا چنانچہ مصر نے دنیا کے قصہ میں یوسف علیہ السلام کو اس طرح خطاب کیا یوسف اعرض عن هذا اور میری جگہ رشہ ہے **يُؤَسِّفُ لِي الْيَشْبَعُ لِي الْوَلَدِ** ان آیتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یوسف کے ہی نام سے مشہور تھے اور یہ بھی نہ تھا کہ آدھ وقت ایک ملک سے دوسرے ملک میں نہ ہوتی اور یہاں کا قہ آتے جاتے تھے چنانچہ رشہ ہے **جَاءَتْهُمْ سَكْرًا فَكَلَّمُوا وَكَلَّمَهُ** **الْبَلِغِ** خصوصاً کہ مذمت کی تو ان کی آدھ مدت بہت ہی قریب ان مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کھان سے مصر میں قلعہ کذا مذمت کا قہ آتے جاتے تھے چنانچہ جب یوسف علیہ السلام کے بھائی مصر قہ لینے کے لئے پہنچا اور چوری کے قصہ میں وہاں ایک بھائی روک لئے گئے تو بقیہ بھائیوں نے یعقوب علیہ السلام سے آ کر عرض کیا **وَسَمِعْنَا الْقُرَيْشَ الْفُجَّارِ الْكَافِرِينَ الْكَافِرِينَ الْكَافِرِينَ الْكَافِرِينَ الْكَافِرِينَ الْكَافِرِينَ** یعنی آپ پر جو بچے ہیں سنی ماہوں سے جس میں ہم تھے وہاں کا قہ سے سن میں ہم آئے ہیں اور بے شک ہم جے ہیں۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کھان سے مصر کو براہ آدھ وقت تھی۔ پس جس حالت میں کہیں قدر ذرائع علم کے یعقوب علیہ السلام کے پاس موجود تھے اس پر بھی یعقوب علیہ السلام کو پتہ نہ لگا اور یہی فرمایا

يَرْسُدُ لِقَائِهِمْ فَتَعْلَمُونَ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ فِي مِصْرَ وَلَا كَيْدٌ لَهُ وَلَا يَنْصُرُهُمْ رَبُّهُ لَئِنْ دَعَا لَهُمْ لَوْ لَا أَنَّى لَا يُتَّقَىٰ لِقَائِهِ يُذَكِّرُ ۚ
تقدیر کا نام نہائی ہے۔

اور اس مقام پر ایک اور کام کی بات سمجھنا چاہئے وہ یہ ہے کہ جب زلیخا نے یوسف علیہ السلام کے ساتھ برا ارادہ کیا تو اس قصہ میں حق تعالیٰ نے اور کیا فرمایا ۚ وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ لِيَوْمِهَا وَفَرَّقْنَا بَيْنَهُمَا لِيُذَكِّرُوا ۚ یعنی یہ ملک زلیخا نے ارادہ کر لیا یوسف کے ساتھ اور یوسف بھی ارادہ کر لیتے اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے۔ یَرْسُدُ لِقَائِهِمْ کی تفسیر میں مفسرین اور اہل سیر نے لکھا ہے وہی صورت یعقوب علیہ السلام یعنی یوسف علیہ السلام کو یعقوب علیہ السلام کا چہرہ نظر آ یا اور شرم گئے۔

اعتقاد صحیح

تو اس قصہ سے ایک مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ یہ ہے کہ دشواری کے وقت بعض لوگ جو اپنے شیخ کی صورت دیکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہمارے شیخ نے اس وقت ہماری دیکھیری کی اور ان کو ہماری اس معصیت کا علم ہو گیا یہ اعتقاد رکھتے ہیں شیخ کو ٹھیک بھی نہیں ہوتی جیسے اس قصہ میں یعقوب علیہ السلام کو اطلاع تک نہ ہوئی اور اس قدر پریشان نہ ہوتے بلکہ اس شخص کی تسلی اور رہبری کے لئے اللہ تعالیٰ فرشتہ کو کسی ایسے طویل بندہ کی صورت میں مقرر کر کے دکھاتے ہیں جس کے ساتھ اس شخص کو ملنا اور اعتقاد ہوتا ہے۔

واقعہ مولانا یعقوب و سید بریلوی

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ایک مشکل میں جھکا تھا مری طرف سے حضرت حاجی صاحب کی آواز آئی کہ اس کام کو اس طرح کر لو اس کے بعد فرمانے لگے کہ میں بھڑکا جاتا ہوں کہ یہ آواز حضرت حاجی صاحب کی نہیں ہے حضرت کو تو خبر بھی نہیں ایسے ہی یوسف علیہ السلام کو خود یعقوب علیہ السلام نظر نہیں آئے اور نہ کہ یعقوب علیہ السلام تھے تو پھر ان کی بے خبری اور پریشانی کے کیا معنی حضرت سید احمد صاحب بریلوی سے کسی نے عرض کیا کہ میں ایک مرتبہ جنگ میں تھا اور راست بھول گیا آپ نے مجھ کو رہبری فرمائی سید صاحب نے قسم کھا کر فرمایا کہ میں نہیں تھا مجھ کو تو خبری بھی نہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ میری صورت میں کسی کو گھٹا کر کم کر اور دکھا دیا۔

انبیاء علیہم السلام کو ہر امر پر مطلع ہونا ضروری نہیں

بہر حال یعقوب علیہ السلام کے قصہ سے ثابت ہو گیا کہ کشف ضروری نہیں ہے اور دیکھنے یوسف علیہ السلام کھان کے کوئیں میں رہے لیکن یعقوب علیہ السلام کو خبر نہ ہوئی جب بیٹوں نے کہا یَا لَعَلَّہُ اَللّٰہُ لَیْلٌ ۚ

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةً لِّأُولِي الْأَلْبَابِ

ترجمہ: ان (انبیاء سابقین) کے قصہ میں کچھ لوگوں کے لئے بڑی عبرت ہے۔

مصیبت گناہوں کی ہی وجہ سے آتی ہے

حق تعالیٰ فرماتے ہیں لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةً لِّأُولِي الْأَلْبَابِ (یعنی انبیاء علیہم السلام و اہم سابقین کے قصہ میں کچھ لوگوں کے لئے بڑی عبرت ہے) حالانکہ قصہ یوسف علیہ السلام سے کوئی نتیجہ لفظوں میں نہیں ملتا تاہم گہر کی گہرائی پر فرمایا کہ یہ قصہ عبرت ہے تو جہاں نتیجہ صاف ذکر ہو رہا تھا عبرت ہی کے لئے ہے چنانچہ اس آیت میں جو قصہ مذکور ہے اس پر یہ نتیجہ صریح فرمایا کہ فَلَوْلَا آيَةُ رَبِّكَ لَأَنَّكَ كَتَلْتُمُوتَ وَكَانَ كَذِبًا کہ ان لوگوں نے بعد نزول عذاب تصریح کیوں نہ کیا صاف صاف حکایت فرما رہے ہیں اور ہم نے انہیں اس کی طرف بھی جواب سے پہلے گذر چکے رسول بھیجے تھے سو ہم نے ان کو پکڑ لیا تا کہ تصریح کر کے مقلد کوئی نہ ہو مگر یہ یقین ان لوگوں نے تصریح نہ کیا بلکہ عذوبہ کی قسم نے اس کو عذاب دیا جب انہوں نے سرکشی کی تو ہم نے ان کو مصائب میں گرفتار کیا اس سے ایک فائدہ مسئلہ نقل آیا وہ یہ کہ مصیبت جب آتی ہے تو گناہ کی وجہ سے آتی ہے علامہ کامیاب یہاں حق تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے مقلد انہوں کے پاس رسول بھیجے تو انہوں نے سرکشی کی ہم نے ان کو مصائب میں مبتلا کیا تا کہ وہ تصریح کریں یہ تو بیان تھا مصائب کے آنے کا اس کے بعد ان مصائب سے ان کے حادثہ ہونے کا ذکر کتب مشکاوت ہے کہ اس وقت انہوں نے تصریح کیوں نہ کیا بلکہ ہم نے ان کو باساد میں گرفتار کیا تھا باساد یہاں عام ہے یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ بعد بلا آنے کے تصریح کرتے اور رازی کرتے مگر انہوں نے ایسا نہ کیا بلکہ ان کے دل اور غصہ ہو گئے اور شیطان نے ان کے اعمال کو سرسین کر دیا یعنی اپنے اعمال میں کی طرف ان مصائب کو منسوب نہیں کیا۔

حکایت حضرت شیخ عبدالقدوس صاحب گنگوئی

فرمایا شیخ عبدالقدوس گنگوئی کے ایک مرید کے گھر شادی تھی حضرت شیخ احسان کے لئے رات کے وقت لباس تہنیل کر کے خیرا کی صف میں جا بیٹھے جب گھر والے نے خیرات تقسیم کی تو ہی (حضرت شیخ عبدالقدوس) کو بھی ایک قمیض بھر کر دے دی مگر اس سے سخت بدش ہوئے فرمایا کہ اگر تم کو میری محبت ہوئی تو تم کو میری خوشبو آ جاتی اور خوشبو سے مجھ کو بچانے چتا چچے یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کی خوشبو سے یہ فرمایا تھا (۱) اِنِّیْ لَا جُلُوْیَحَ یُّوسُفَ لَوْلَا اِنَّ الْفُلُوکَ (سورہ یوسف) اس پر شہنشاہ کیا جاوے کہ محبت کے لئے خوشبو کا آٹا لازم ہے بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بر بندہ کے ساتھ جدا ہے لیکن ہے کہ شیخ کے لئے عادت اٹھ

ہے کیا انصاف میں بھی ایسا استعمال آیا ہے تو میں کہتا ہوں کہ کھرا خدا اس کی نظیر انصاف میں بھی موجود ہے اور میں یہ بات خود نہیں کہتا بلکہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے قول سے میں اس کا ثبوت دیتا ہوں اور وہ کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے ان کو غیر مقلد کھلایا ہے کہ وہ آخر کی تقلید بھی نہ کرتے تھے۔ مگر یہ غلط ہے وہ مقلدی ہیں مگر مقلد مقلد ہیں کبیر کے فقیر نہیں جیسے سالکین و مہذبین کے سادک و جذب میں مراتب ہیں کہ بعض سادک مہذب ہیں بعض مہذب سادک مخلص ہیں بعض سادک مخلص ہیں۔ ایسے ہی تقلید و تقلید کے بھی مراتب ہیں کہ بعض مقلد مخلص ہیں بعض مقلد مخلص یعنی مہذب ہیں اور بعض مقلد مخلص ہیں بعض مقلد ہیں تو شاہ صاحب مقلد مخلص نہ تھے بلکہ مقلد مقلد تھے اسی لئے بعض کو ان پر غیر مقلدی کا شبہ ہو تو کہتے ہیں کہ مقلدوں کے مقلدوں کو خدا تعالیٰ نے کھرا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم ہتھار کا استعمال فرمایا ہے ممکن میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ تقدیر کا مستعار استعمال فرمایا۔

امامتکم من احد الا و قد كتب له مقعده من النار و مقعده من الجنة قالوا يا رسول الله الملائكة كل على كتابا و لدع العمل يعني ہر شخص کا لکھا کتابت میں یا درجہ میں پہلے ہی سے لکھا دیا گیا ہے۔ اس پر حضرات صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ پھر عمل کی کیا ضرورت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اعملوا الفکر ميسر لما خلق له اما من كان من اهل السعادة فليسروا بعمل السعادة و اما من كان من اهل الشقاوة فليسروا بعمل الشقاوة فلم يقرأ اما من اعطى و اتقى و صديق بالحسن (الایہ مطلق علیہ مشکوٰۃ جلد ۱۱)

کو عمل کرتے رہو ہر شخص کے لئے وہ عمل آسان کر دیا گیا ہے جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے جو شخص اہل سعادت سے ہو گا اس کے لئے عمل سعادت آسان ہو گا جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے جو شخص اہل سعادت سے ہو گا اس کے لئے عمل سعادت آسان ہو گا ہر اہل شقاوت سے ہو گا اس کے لئے عمل شقاوت آسان ہو گا اس کے لئے یہ آیت پڑھی۔

فاما من اعطى و اتقى و صديق بالحسن فليسروا لليسرى و اما من بخل و مضنى و كذاب بالحسن فليسروا لليسرى

(ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ جو شخص (اللہ کی برادری میں) صدق دے اور تقویٰ اختیار کرے اور اچھی بات (یعنی دین اسلام) کی تصدیق کرے تو ہم اس کے لئے راحت کی چیز (یعنی جنت) کا سامان کر دیں گے اور جو بخل کرے اور بے پروائی اختیار کرے اور اچھی بات (یعنی دین اسلام) کی تکذیب کرے ہم اس کے لئے تکلیف کی چیز (یعنی جہنم) کا سامان کر دیں گے) (۱۲)

اس پر سوال ہوتا ہے کہ اس آیت میں حکم یہ کا ذکر کہاں ہے آیت مداول قریہ ہے کہ اعطاء و تقویٰ

سے جنت آسان ہو جاتی ہے اور نکلنا دستخط سے اور نکلنا آسان ہو جاتی ہے اس کا جواب ثواب صاحب نے یہ دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بطور اطمینان کے اس آیت کے مضمون سے حدیث کے مضامین و احادیث فرمایا اور مقصود تشہید یہ ہے کہ جیسے بواسطہ اعمال کے بعض کے لئے جنت اور بعض کیلئے نزع کو آسان کر دیا ہے اسی طرح بواسطہ تقدیر کے بعض کے لئے اقبال حاصل کر لیا بعض کیلئے ساقی کو آسان کر دیا ہے بطور یہی محفل قیام کے لئے ہے کہ نظریہ سے سیر وہی ہو جاتی ہے جیسی اس آیت میں تیسرا اقبال سے مذکور ہے جس مقصود تیسرے توفیق ہے بشر کی ان کے تفسیر میں شرط ہے کہ مشرب و پیشر و ملت و نزع و مشرب و گونا گویا بہ جواب یہاں سے تفسیر کے اختلاف ایک مشہور سوال کا بھی حل ہو گیا وہ یہ کہ التائب علی محمد و علی ال محمد کما صلیت علی ابراہیم و علی ال ابراہیم میں جو صلوٰۃ علی رسول اللہ ﷺ کا کلمہ ہے علی ابراہیم کے ساتھ تفسیر دی گئی ہے۔

تجربہ میں مشہد کا افضل ہونا ضروری نہیں

تو اس پر بغض لوگوں کو شبہ ہوتا ہے صلوٰۃ اور صبر کے افضل و اکمل ہونے کا مسئلہ جو محمدیہ سے اور غلط اس کا وہی ہے کہ عام طور پر لوگوں نے یہی سمجھ رکھا ہے کہ کتبہ میں کتبہ بہ کتبہ سے آخری و افضل ہوتا شرط ہے حالانکہ یہ مقدمہ ہی غلط ہے بلکہ صرف اوشیح و اشیر ہونا ضروری ہے افضل و اکمل ہونا ضروری نہیں اور اس کی دلیل قرقرآن میں موجود ہے فرماتے ہیں۔

اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کشف کونہ قلبہا مصباح اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کو چراغ کے نور سے تشبیہ دی ہے حالانکہ چراغ کے نور کو نور حق سے کیا نسبت مگر وجہ وضوح کے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ نور مصباح لوگوں کے دل میں پہلے سے حاضر ہے اس پر اگر یہ سوال ہو کہ لوگوں کے دل میں تو نور شمس و القمر بھی حاضر ہے اور ان دونوں کو چراغ کے نور سے زیادہ قوی ہے تو ان کے ساتھ تشبیہ کیوں نہیں دی گئی اس کا جواب یہ ہے کہ سورج اور چاند کا نور اگرچہ چراغ کے نور سے قوی ہے مگر سورج میں ایک جیب کا اس پر لگا ہوا نہیں جتنی اس کی ساتھ تشبیہ دی جاتی تو سامعین کو شبہ ہوتا کہ شاید خدا کا نور بھی ایسا ہی ہو گا کہ اس پر لگا ہوا جسم کے تحت جہت میں بھی وہ پار سے باہر ہی ہوئی اور قدر سے اس لئے تشبیہ نہیں دی کہ اس کے حلقہ میں بات مشہور ہے کہ نور القمر مستور من نور الشمس تو ان کی ساتھ تشبیہ دینے میں اس کا شبہ ہوتا کہ نور حق بھی کسی سے مستور ہے۔ پھر چراغ میں ایک علت شمس و قمر سے زیادہ یہ ہے کہ وہ دوسروں کو بھی خود بخود روشن چار دیتا ہے کہ ایک گھنٹہ میں ایک چراغ سے ایک لاکھ چراغ روشن ہو سکتے ہیں اور اس کا نور میں کچھ کمی نہیں آتی اور شمس و قمر سے دوسروں کو صرف روشنی پہنچتی ہے یہ نہیں ہوتا کہ دوسری شے نورانی نہ کر کسی اور کو بھی خود کر سکے۔ (علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ ص ۱۸۷)

سُورَةُ الرَّعْدِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الَّذِينَ امْسُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ
تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۝

ترجمہ: مومنو! اس سے دو لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔ خوب سمجھو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے۔

تفسیری نکات

اطمینان قلب صرف ذکر اللہ میں ہے

یاد رکھو! کچھ دیکھو (یہ دلول ہے گلہ لاکا) صبر کے ساتھ فرماتے ہیں (یہ دلول سے عقلم کھول کا کہ خدا ہی کی یاد کے ساتھ دلوں کو بھنکتا ہے تمام عالم میں چراغ لے کر وضو صحت آؤ کوئی دوسری چیز نہ ملے گی کچھ کچھ کا ہر صبر سے عقلی ہی ہے

خاصہ جان کا یہ دعا کہ جس ذکر اللہ ہی ایک چیز طہری۔ جس میں یمن اور اطمینان ہے۔

تکرار ذکر سے عذاب غم سے نجات ہوگی

اور جس مرتبہ کا ذکر ہو گا اسی مرتبہ کا اطمینان عطا ہو گا اور اس اطمینان کا حاصل یہ نہ ہو گا کہ غم بالکل نہ اٹک ہو جائے گا بلکہ یہ حاصل ہو گا کہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض نہ ہو گا ماضی اس پر راضی ہو جائے گا یہ کچھ کا کہ جو ہوا میں نکلتا ہوا اسی ذکر سے تکرار سے غم کا قلب کم ہو جائے گا جس سے تکلیف کا وہب جاتا رہے گا تو کیا تمنا ہے رحمت کا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اس طریقہ بتایا کہ عذاب غم سے بھی نجات کا اور وہ اب سے بھی مکرر نہ ہو مگر تم یہ چاہتے

قرار و سکون صرف ذکر اللہ میں ہے

لہذا خدا کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ سوائے اس کی یاد کے بچن کی کوئی چیز ہے ہی نہیں قرار و سکون اگر ملتا ہے تو خدا ہی کی یاد سے اس کے جان کرانے میں بہت اشتہام لہر مایا ہے چنانچہ اللہ سے کلام شروع کیا لیکن وہ کچھ ہوشیار ہو کر سن لو اور کچھ لو یاد رکھو خدا ہی کی یاد ایک ایسی چیز ہے جس کے قلوب کو جتن ملتا ہے دنیا بھر میں کوئی اور چیز ایسی نہیں جو قلوب کو راحت پہنچا سکے واقعی بہت بڑا اور مٹی ہے کہ یہی وہ چیز ہے جس میں قلوب کا جتن ٹھہر ہے غرض دھر کے ساتھ فرماتے ہیں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَذِهِ سُبُلَ اللَّهِ أَلَمْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَذُرُوا سُبُلَ اللَّهِ حَتَّىٰ تَقُومَ لَاحِقَةُ الْأَمْرِ﴾ اور ہر چند کہ ترجمہ سے مقصود ترغیب ہی ہے ذکر کی لیکن قرینہ مقام سے طور ترغیب سے مقصود اس کا سر کرنا اور اس کا ضروری اہتمام ہے وہ چیز دل کو جاننا یہاں ضروری ہے ایک تو یہ کہ ذکر اللہ ضروری چیز ہے دوسرے یہ کہ اس کے سوائے اور کوئی چیز ایسی نہیں جس میں قلوب کو جتن حاصل ہو سکے اول جزو ضروری ہوتا ہے سو ضرورت اس کی بالکل ظاہر ہے کیونکہ اس میں دنیا کا بھی تسخیر ہے اور دین کا بھی تسخیر ہے پھر اس سے زیادہ کیا ضرورت کی چیز ہوگی۔

سُورَةُ اِبْرٰهِيْمَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ
فِيْخُضِلُ اللّٰهُ مِنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ۝

ترجمہ: اور ہم نے تمام (پہلے) پیغمبروں کو (انہی) ان ہی کی قوم کی زبان میں بھیج دیا کہ سمجھا دے۔ تاکہ ان سے (احکام الہیہ کو) بیان کریں پھر جس کو اللہ تعالیٰ چاہیں گناہ کرتے ہیں اور جس کو چاہیں پامالت کرتے ہیں اور جس (سب اس پر) غالب ہے (اور) حکمت والا ہے۔

تفسیری نکات

قرآن پاک رسول پاک ﷺ کی قوم کی زبان میں اترتا ہے

ارشاد فرمایا کہ اگر آج بار میں ایک دفعہ جانا ہو اور سید اکبر حسین بیج اس زبان میں کسی قیمتی طالب علم سے مراد پڑھتے تھے انہوں نے طالب علم کو کہہ دیا کہ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر رسول کی زبان اس کی قوم کی زبان ہوتی ہے اور یہ قیمتی بات ہے کہ ہمارے رسول ﷺ کی زبان عربی تھی اس بنا پر یہ ہونا چاہئے کہ رسول ﷺ کی قوم یعنی جن کی طرف آپ مبعوث ہوئے صرف اہل عرب ہوں حالانکہ خود قرآن میں آپ کا رسول الہی کا قصہ لکھا ہوا ہے اور صریح ہے اور عقیدہ بھی یہی ہے اور یہ صریح خلاف ہے طالب علم کو کہہ دے جواب دیا مگر ان کی عقل نہ ہوئی اس طالب علم نے آ کر مجھ سے ذکر کیا میں نے اس کی زبانی کہا سمجھا کہ قرآن میں انسان تو سنا ہے انسان نہ نہیں آیا جو یہ شب ہو اور

قوم کہتے ہیں برادری اور خاندان کو نہیں دہشت کا سراوٹ نہیں ہے اور تو ہم رسول اللہ ﷺ کی بلاشبک عرب قریش ہی تھے مگر اس سے امت کا خالص عرب ہونا کیسے لازم آیا جس دہشت عام ہے تو ہمارے غیر تو ہم کو اس جواب کو انہوں نے بہت غور سے دیکھا۔

دو آیات اور ان میں تعارض کے شبہ کا حل

(ملاحظہ) ایک صاحب نے سید اکبر حسین صاحب بیچ مرحوم کا ذکر کیا فرمایا کہ کئی ہیں وہ بڑے عین آدمی تھے اور اچھے شاعر تھے ان کے اشعار قدرت پر مشتمل ہیں اور ایک عجیب بات یہ ہے کہ جن لوگوں کے ان اشعار کے اندر معائب بیان ہوتے ہیں خود وہی لوگ ان اشعار کو حشرے لے لے کر پڑھتے ہیں میرے ساتھ بہت محبت کرتے تھے اور ان کے میرے تعلقات کی ابتداء یہیں ہوئی کہ ایک صاحب مولوی یعقوب تھے سید صاحب ان سے ایک زمانہ میں عربی پڑھا کرتے تھے اور گو سید اکبر حسین صاحب نے عربی زیادہ نہ پڑھی تھی مگر پچھلے چھ آدمی تھے اس لئے انہیں قابلیت پیدا ہو گئی تھی بلکہ وہ تو ہیں کہا کرتے تھے کہ اگر ہندی کے اندر جو قابلیت تھو کو حاصل ہوئی ہے اس کی جب یہی تعلیم عربی ہی ہے ایک بار میں آلا پڑ گیا ہوا تھا مولوی یعقوب میرے پاس آئے اور کہا کہ آج میں سید صاحب کو حق پڑھا رہا تھا انہوں نے قرآن کی ایک آیت پڑھا شبہ پیش کیا کہ جس کا مجھ سے جواب نہیں تھا پڑا میں نے کہا کہ وہ شبہ کیا ہے۔ کہنے لگے کہ قرآن میں آیت ہے جو ما لوسلسا من وصول الا بلسان قومہ آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اور اس کی قوم کی زبان ایک ہوتی ہے اور حضور کی ہم زبان صرف تو عرب تھی تو معلوم ہوا کہ حضور کی قوم صرف اہل عرب تھے پس اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور کی بعثت صرف تو عرب کی طرف تھی عام نہ تھی اور ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے جو ما لوسلسا من الا تکلف للناس اس سے معلوم ہوا کہ حضور کی بعثت عام تھی تو ان دونوں آیتوں میں تعارض ہوا ہے میں نے کہا کہ چونکہ وہی تعارض نہیں کیونکہ قرآن میں تو یہ آیت ہے جو ما لوسلسا من وصول الا بلسان قومہ یہ تو نہیں فرمایا بلسان قومہ اور نہ تو ایک عربی لفظ ہے اس کے معنی برادری اور خاندان کے ہیں بلسان قومہ سے صرف آیت کا ثابت ہوا کہ حضور کی برادری جو بھی وہ اہل عرب تھی انہی آپ کی برادری تھے مگر اس سے دوسری قوموں کے انہی ہونے کی کیسے ملی ہوگی اور دوسری آیات میں سب کے انہی ہونے کا اثبات ہے مثلاً آیت میں ایک بات کا ذکر ہے اور دوسری میں دوسری بات کا تو دونوں آیتوں میں تعارض کہاں ہوا تب ان مولوی صاحب کو اطمینان ہوا اور چاکر انہوں نے سید صاحب سے یہ جواب نقل کیا تو سید صاحب اس جواب کو سن کر بہت خوش ہوئے اور درپاؤت کیا کہ یہ جواب کس نے دیا ہے انہوں نے میرا نام لیا تو فوراً گاڑی میں سوار ہو کر میرے پاس آئے اور بہت دیر تک بیٹھے ہاتھی کرتے رہے اس کے بعد سے سید صاحب برابر

شہادت کچھ سے بیان کیا کرتے اور میں جواب دیا کرتا تھا جس سے ان کو شکلا ہوتی تھی۔ ایک واقعہ ان کے انتقال کے بعد کا یاد آیا کہ ان کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے نے ان کا دیوان مرقب کرنا چاہا تو ان کے دو شعر میرے پاس بھیجے اور لکھا کہ ان اشعار کو میں نے چند صحن کے بڑے بڑے شعراء کے پاس بھیجا کہ اس کی شرح کو تحریر کوئی بھی ان اشعار کی شرح پر قادر نہ ہو سکا بلکہ یہ جواب دیا کہ یہ اشعار مکمل ہیں۔ میں نے ان کو لکھا کہ اگر یہ شعر اور کسی کے ہوتے تو میں بھی ان کو مکمل کہتا مگر سید صاحب کو میں جانتا ہوں کہ وہ ایسے تھے کہ مکمل شعر کہتے لہذا ان کا کلام مکمل نہیں ہو سکا اس کے بعد میں نے ان اشعار کی شرح لکھ کر ان کو بھیج دی سنا ہے کہ اس شرح کو بے حد پسند کیا گیا بعد وہ شرح انہوں نے شائع کر دی۔ (۱۵۰ ذی القعدہ ۱۴۰۰ھ)

لَیْسَ بِشُكْرِكُمْ أَزِيدُ شُكْرَكُمْ وَلَکِنْ لَّعَلَّکُمْ إِنِّ عَذَابَی لَشَدِیْدٌ ۝

تم کا شکر کرنا تم کو زیادہ شکر کر کے تم کو زیادہ عذاب دلاؤ گا اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔

تفسیری نکات

نعت اسلام پر اظہار تشکر

اشارہ غلطایا گیا ہے کہ تم ایسے نہیں ہو جو مستحق اسلام کا شکر ادا کرو اس لئے بچوں کی طرح روٹیوں کے بعد شکر اسلام کی تعلیم فرمائی کہ میرا اور کسی اور کی وقت شکر نہ کرنا اور دیاں کھانے کے بعد تو اسلام کا شکر ادا کر لیا کرو کیونکہ اس وقت تک ظاہری نعمت تمہارے سامنے ہوتی ہے اس کا شکر تو تم طبعاً ادا کر دیتے ہو گے اس کے ساتھ ساتھ نعمت اسلام کا شکر بھی ادا کرنا جس سے یہ سب کھانا چونا بھی نعمت ہو گیا اور اسلام کی بدولت آخرت میں بھی تم کو یہ نعمتیں نصیب ہوں گی اگر نعمت اسلام نہ ہوتی تو کھانا چونا سب وہاں جاں ہوتا اور اس کی لذت چند روزہ ہوتی جس روٹیوں کے ساتھ شکر اسلام تعلیم فرماتا ایسا ہے جیسے بچوں کو تاش میں دو دیتے ہیں انہوں ہم ایسے غافل ہیں کہ حضور ہم کو بچوں کی طرح پہلا چملا کر شکر اسلام کی تعلیم فرما رہے ہیں اور اسی طرح اپنے کھانے کے مکمل میں کھانے کے بعد حضور نے ایک اور مفید ما بھی تعلیم فرمائی ہے کہ جب کسی دوسرے کے گھر کھانا کھاؤ تو ان کو اللہم طعم من طعمی واسق من سفای یعنی رحمت کرنے والے کو دعاؤ کہ اسے اللہ میں طعم اس نے ہم کو کھلایا پلایا ہے آپ بھی اس کو ہمیشہ کھاتے پلاتے ہیں (یا ہنت کے طعام و شراب سے محاذ فرمائیں۔ حضور تو یہ تعلیم ہے مگر یہاں یہ عادت ہے کہ کھانا کھانے کو دعاؤ کیا دیتے اس کا شکر تو کیا ادا کرتے انا کھانے میں صاب نکالتے ہیں خصوصاً روم کے کھانوں میں تو اکثر یہی ہوتا ہے ایک بچے نے اپنی لڑکی کی شادی میں بہت بڑی بادستہ جاتی تھی اور دعوت کا سامان بہت بڑھا دیا کیا اس کے علاوہ چلتے ہوئے ہر

بارائی کو ایک ایک اشرافی بھی دی تھی یہ سب کچھ کہ اس کو خیال ہوا کہ آج بات دالے میری خوب تعریف کرتے جائیں گے وہ اپنی تعریف سننے کے لئے اس راستہ میں چھپ کر بیٹھا۔ جہاں سے بات دال رہی تھی ٹھکرواں بالکل ساٹھا تھا کسی نے بھی تو بٹنے کی نہ یاد لی کی نہ دھندلی آخر بہت دیر کے بعد ایک گاڑی میں سے آواز آئی کہ کوئی شخص دوسرے سے کہہ رہا ہے کہ بھائی ادا لہی نے بڑی حوصلہ کی دعوت کی اچھے اچھے کمانے نکلائے اور پلٹے ہوئے ایک ایک اشرافی دی تو دوسرا کیا کہتا ہے کہ یہاں کیا کیا؟ سرے کے یہاں اشرافیوں کے کوٹھے بھرے چڑے ہیں۔ دو دو دانت دیا تو اس کے کیا کی آ جاتی مجھے ایک ایک اشرافی بات کرتے سرے کا خطاب ملانے پر وہ ہاتھ تو مسکوم کیا خطاب ملتا؟

حب جاہ کی حقیقت

اسی لئے محققین نے کہا ہے کہ اس شخص سے زیادہ کوئی احق نہیں جو طالب جاہ ہو کیونکہ یہ کمال شخص وہی احترامی ہے اور احترامی بھی ایسا جو اس شخص کے ساتھ خود قائم نہیں بلکہ دوسرے کے خیال کے ساتھ قائم ہے کیونکہ جاہ نام ہے دوسروں کی نظروں میں محو ہونے کا جس کا مدار شخص دوسرے کے خیال پر ہے جو کہ اپنے وجود میں خود اس دوسرے کے تابع ہے وہ جب جاہ چاہے بدل دے تو ساری جاہ خاک میں مل جاتی ہے مگر طالب جاہ غرض ہے کہ آج لوگ مجھے اچھا کہتے ہیں مجھے پر غرض ہوتا کہ بٹنے کا مکان میں میرے واسطے قلعہ یا ہے؟ جی ہاں تو زمانہ تو ڈالو ابھی تو چہ ہے وہاں آتا ہے جس سے ساری خوشی کر گری ہو جائے گی۔

اسی طرح دوسرے شخص کا اپنا خیال بدل دینا یہ جاہ کے لئے جو ہے وہاں ہے۔ ایک شخص تو جاہ میں یہ ہے کہ دوسرا دوسرے کے تابع ہے وہ ایسا کمال نہیں جو اپنے قبضہ کا دوسرا شخص یہ ہے کہ اس سے نفع جو حاصل ہوتا ہے وہ شخص وہی ہے یعنی بڑائی اور عزت؟ کیونکہ عزت و بڑائی سے نہ کمر میں دو بیٹا تا ہے نہ جاننے اور نہ حق ہے۔ شخص دل خوش کر لو نہ جاہ سے تو انہیں میں ایک شخص بھی نہیں لگتا اور جو لوگ جاہ سے نفع مالی حاصل کرتے ہیں مجھے بعض لوگ بڑائی کا فریبوں سے بیکار لیتے ہیں یا جاہ و جاہ فریبیں کرتے رہتے ہیں ان کی جاہ بہت جلد زائل ہو جاتی ہے غرض اس سے بدلہ خیالی نفع کے اور کچھ ناکام نہیں

ایک شخص نے دعوت میں بڑی دھوم کی دعوت کی تھی جس میں بڑا ہر ہے صرف ہوا تھا حضرت مولانا کا مہ صاحب ہاتھ توڑی نے دعوت کے بعد ان دنوں صاحب کو اس فراغ حوصلگی کی دوسرا طرح دی کہ شیخ صاحب! واقعی آپ بڑے حوصلہ کا کام کیا مگر انہوں نے یہ ہے کہ انکار ہے قریح کر کے آپ نے دیکھی چیز فریڈی جو بازار میں پھرتی گاڑی کو بھی نہیں بک سکتی یعنی نام اور اگر بدنامی ہو گئی تو وہ خیال جاہ بھی جاتی رہی جس جاہ کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی منہار پہنا ہوا ہے جو بڑیوں کا یہاں ہاتھ ایک ٹھکانہ نے لائی کا کھوٹا کر رہا تھا کہ

میاں اس میں کیا ہے؟ (گالوں والوں کی عادت ہے کہ وہ لاشی مار کر چھا کرتے ہیں یا اس منہار نے جواب دیا کہ اس میں ایسی چیز ہے کہ ایک مرد اور مردہ تو یکساں ہی نہیں ہی طرح بدنامی کی چیز ہے کہ راسی نہیں میں جانتی رہتی ہے اس لئے جو لوگ نام کے واسطے وہ پرہیزگار کرتے ہیں وہ بڑی فطرتی کرتے ہیں اور اس سے بڑا حکر فطرتی کھانے والوں کی ہے کہ وہ مردوں کا مال کھا کر شکر نہیں ادا کرتے خدا سے دعا ہے ہیں۔

پس آج کل مردوں کو قاتلین و عادی جانتی ہے وہاں بھی کھانے والوں کو کوئی دعا نہیں دیتا حالانکہ پہلے کھانے والے کو دعا دینی چاہئے اگر وہ نہ کھاتا تو مردوں کو ثواب کیسے پہنچاتا بلکہ کھانے والوں کو بھی دعا دینی چاہئے اور ان کا شکور ہون چاہئے کیونکہ وہ کھانے کی چیز بھی مردوں کو ثواب نہیں پہنچا سکتا۔

میر خورشید ایک لطیف ہوا کسی جگہ مردوں کی قاتلین و عادی جانتی تھی اور ایک لمبی فرست چڑھی جاری تھی جس میں خیر و مردوں کے نام درج تھے جب فرست کے ختم ہونے میں روکی تو ایک صاحب بولے کہ میں اس میں امارا نام بھی تو لکھا ہوتا کیونکہ خدا کی قسم اگر ہم نہ کھالیں تو ان میں سے ایک کو بھی تو ثواب ملے گا اس پر سب لوگ خس چڑھنا اور وہ فرست مختصر کی گئی۔

ان رسوم میں ایک بات ایسی ضرور موجود ہوتی ہے جو ان کے لہو و باطن ہونے پر غور و غفلت کرتی ہے چنانچہ کھانے سے پہلے مردوں کے نام ترتیب وار لیا جاتا ہے محض شکر کرت ہے آخیر نام کے ساتھ جا رہے ہیں اگر کھانے والوں کو سنا ہے جاتے ہیں کہ تم ان لوگوں کی نیت کر کے کھانا تو ظاہر ہے کہ کھانے والے جب ہاتھ دھو کر بیٹھتے ہیں ان کو سنا کھانے کے اور کچھ یاد نہیں رہتا اور نہ اتنی لمبی فرست یاد رکھتی ہے اور اگر کھانا کھانا ہے تو اس کا لہو و باطن ظاہر ہے خدا تعالیٰ کو تو ہر شخص کی نیت کا حال معلوم ہے ان کو سنانے کی کیا ضرورت ہے مگر پھر بھی محض لوگ اپنی افراط کے لئے قاتل و غیرہ کو دلائل سے محبت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

چنانچہ ایک صاحب کہنے لگے کہ مولوی خواجہ خواجہ قاضی کا انکار کرتے ہیں حالانکہ سورۃ فاتحہ خاص اسی واسطے اترتی ہے چنانچہ اس کا نام ہی فاتحہ ہے کھانا اللہ کیا پاکیزہ دلیل ہے مگر یہ لوگ علماء سے بحث کر کے وقافتی ملے کو کھانا چاہتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ فاتحہ کا نام ہر اہم لگاتے ہیں یہ ہم کو سمجھا نہیں سکے غرض حضور ﷺ نے ہم کو کھانے کے بھی سب آداب بتائے ہیں جن میں ضرور اسلام پر بھی شریعی تعلیم فرمائی۔

شکر کے معنی

اب کچھ کہ شکر کے معنی ہیں قدر دان کے اسی واسطے خدا تعالیٰ کا نام شکر ہے کہ وہ افعال کی قدر کرتے ہیں قدر کی درمیان میں ہیں اگر یہ شخص حاجت مند ہے تو اس کی قدر تو یہ ہے کہ اس سے منفعت حاصل کرے اور منعم کا احسان مند رہے اور اگر حاجت مند نہیں ہے تو اس کی قدر تو یہ ہے کہ اس شخص کی جزا وصلہ دیا کرے چنانچہ

تفسیری نکات

شجرہ طیبہ سے شجرہ نخلہ مراد ہے

اس میں کل طیبہ کی مثال بیان فرمائی ہے جس سے مراد اللہ اللہ ہے۔

حدیث میں اس کی تصریح ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے تابع ہے، وہ بھی مراد ہی ہے کیونکہ متبرک کے ساتھ تابع کا ہونا دوم ہے مگر چونکہ اصل ایمان اس امت سے پہلے بھی گذرے ہیں اور جو انھیں ایمان کے ہیں وہ ان کے لئے بھی ثابت ہیں اور لا الہ الا اللہ کا قرین ہر امت میں بدل رہا ہے کوئی لا الہ الا اللہ کے ساتھ نور نبی اللہ کوئی ابراہیم ضل اللہ کہتا تھا کوئی موسیٰ کلیم اللہ کوئی یحییٰ روح اللہ اور محمد رسول اللہ کہتے ہیں تو یہ جملہ متبدل ہے اور لا الہ الا اللہ غیر متبدل ہے جس میں تمام اہل ایمان مشترک ہیں اس لئے اکثر احادیث میں لا الہ الا اللہ پر اکتفا کیا گیا ہے باقی مطلب وہی ہے کہ لا الہ الا اللہ مع اپنے قریب کے جو ہر امت مسلمہ کے لئے الگ الگ ہے اور صوفیہ کا وہ دیکھئے کہ وہ جب اپنے مریدوں کو ذکر لا الہ الا اللہ کی تعلیم کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ کا ذکر تو اتنی مقدار میں کیا کرو دو سو یا پانچ سو دفعہ اور کبھی کبھی محمد رسول اللہ ﷺ بھی کہہ پا کر یہ نہیں بتلائے کہ ہر دفعہ پورا لکھا کہ اس طرح انہوں نے تابع و متبرک دونوں کا حق ادا کر دیا تو فرماتے ہیں کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی مثال بیان فرمائی ہے کل طیبہ کی کہ وہ شاپ ہے شجر طیب (پاکیزہ اور مست) شجرہ طیب سے مراد شجرہ نخلہ ہے اس کو مثال کے لئے یا تو اس واسطے خاص کیا کہ اہل عرب کے نزدیک وہ اطیب الاشجار ہے مگر میرے نزدیک حقیقت میں وہ عرب و عجم سب میں اطیب شجرہ ہے ایک تو اس کی عید اہل عرب کے بعض دفعہ خود ہی آگے آتا ہے چنانچہ بتنگڑوں اور صفت مجبور کے خود وہ موجود ہیں بھروسہ کی خدمت کی جائے تو ان کا بھل نہایت عمدہ اور لذیذ ہے بھروسہ کی کوئی چیز ضائع نہیں ہر ایک میں مانع و نہ موجود ہیں لکڑی کڑیوں میں کام آتی ہے چنوں سے چھتے اور ہر پے بنتے ہیں جیسے جیسے کارس نکلا جاتا ہے اور دین کی قیاس لئے لگائی کہ مانع خیر تو ان چیزوں میں بھی ہیں جن کو ہم بیکار دیکھتے ہیں جیسا کہ گڑھ ابراہیم میں ایک حکیم کا قصہ لکھا ہے کہ اس کو ایک دن پانچ نامی بیٹے بیٹھے خیال ہوا کہ یہ پانچ نام کیزا کس کام آتا ہے اس میں ظاہر ہے کوئی منفعت نہیں معلوم ہوتی اس خیال کا آنا تھا کہ چند روز میں اس کی آنکھیں اندھی ہو گئیں ذرا تھکرا بہت علاج کئے مگر کچھ نفع نہ ہوا اتفاق سے ایک دفعہ کوئی دوسرا حکیم اس کی ہستی میں آیا جو آنکھوں کا علاج کرنا تھا اس اندھے حکیم نے بھی اس سے رجوع کیا اس نے کوئی دوا اس کی آنکھ میں لگادی جس سے بہت جلد آنکھیں کھل گئیں اور ابھی طرح نظر آنے لگا اس نے حکیم سے پوچھا کہ اس دوا کے کیا اثر ہیں دوسرے حکیم نے کہا کہ اس کا

جز اعظم کہ کا کیزا ہے اس وقت اس کو نہ داکر یہ طیب سے کھکھوڑائی گئی تھی کیونکہ میں نے اس کو بیکار خیال کیا
 حاقن تعالیٰ نے اس طرح کھکھوڑا کا قطع کتاب میں صانع خدی سے نہ کوئی چیز بھی بنائی تھی کہ ہم کو علم سے محروم کرے
 تو ہر جز وہیں صانع مینہ ہیں جن کو ہر نفس کچھ تنکا ہے اس لئے وہ عرب و عجم سب کے نزدیک اسی طرح ہے آگے
 فرماتے ہیں اَنصَلُّهَا لِيَلْبِثَ كَمَا سَيَكُونُ جَزْءًا مِّنْ جِزْيَةِ يَوْمٍ لَّهُ فِيهَا ثَمَرٌ كَثِيرٌ فَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ اِنَّكُمْ لَفِيهَا
 آسَافُونَ میں ہیں غفلت میں اس صفت کا ہونا تو غابر ہے ہر کلمہ طیبہ کے لئے یہ صفت اس طرح ثابت ہے کہ اس کی
 بھی ایک جز ہے جو مومن کے قلب میں بھی ہوتی ہے جس قلب مومن منزلت و رض کے ہے اور امتداد و حید جو اس میں
 داغ ہے ہر کلمہ طیبہ کی جز ہے اور قلب مومن کو مرض سے تشریف قرآن میں دھری جگہ مصرع ہے اور وحدہ میں ہے۔
 اَلَّذِي يَلْمِزُكَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا كَانَ مِنَ النِّعَمِ وَلَوْ اَنَّكَ لَمْ تَكُنْ بِمَعْلُومٍ لَّا تَدْرِي مَا يُلْقِي اللَّهُ فِي قُلُوبِ الْعَالَمِينَ
 وَمَنْ يَلْمِزْكَ فَاُولَٰئِكَ لَا تَصْلُحُ عَلَيْهِمْ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ قَوْلُكَ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاغِبُونَ اِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ

ترجمہ :- کیا مسلمانوں کے لئے اس کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد اور اس دین حق پر عمل
 کے لئے جگہ جائیں جو اللہ کی طرف سے ان پر نازل ہوا ہے اور ان لوگوں کی طرح نہ ہیں جن کو ان سے پہلے
 کتاب دی گئی تھی پھر ان کے دل سخت ہو گئے اور یاد و تہران میں سے فاسق ہیں یا ان کو اللہ تعالیٰ زمین کو مراد
 ہونے پہنچے زندہ کر دیتا ہے حضرت عبداللہ بن عباس نے اس کی تفسیر میں صراحت فرمایا ہے کہ مرض سے قلب
 مراد ہے اور ہر جز اللہ کتاب کی قنات کا ذکر تھا جس سے ان کے دامن اور اسید ہو جائے کا احتمال تھا اس
 آیت سے ماہوی کا قطع کیا گیا ہے کہ کوئی تہار سے دل سخت نہ ہو گئے مگر چاہیہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں

ایمان قبول عمل کیلئے شرط ہے

اللہ تعالیٰ مردہ دلوں کو بھی زندہ کر دیتے ہیں اور ﴿فَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ یہ ہے کہ وہ عالم ملکوت کی طرف بلند
 ہوتا ہے جس کی تحصیل دوسری آیت میں ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ اچھا کام اسی
 تک پہنچتا ہے (یعنی حق تعالیٰ ہی اس کو نازل فرماتے ہیں اور اچھا کام اس کو بلند کر اور پہنچاتا ہے معصوم سے مراد وہ
 قبول اور دفع سے مراد وہ قبول دیتا ہے اب اگر عمل صالح سے مراد ایمان ہے جب تو قبول سے مراد نفس قبول ہے
 کیونکہ ایمان ہر عمل کے قبول کیلئے شرط ہے اور اگر دیگر اہل صالحہ مراد ہیں تو وہ نفس قبول کے لئے شرط نہیں مگر
 کمال قبول کے لئے شرط ہیں آگے فرماتے ہیں ﴿وَيُخَوِّطُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِيُخْرِجَهُمْ مِّنَ الدُّنْيَا كَمَا كُنتَ تَخْرُجُهُمْ﴾
 چونکہ مثال جب نفس اس لئے اس کی حکمت نکالتے ہیں کہ حق تعالیٰ لوگوں کے واسطے نہیں اس لئے یہ جان
 فرماتے ہیں تاکہ وہ خوب سمجھ لیں کیونکہ مثال سے تو صبح مقصود خوب ہو جاتی ہے آگے کلمہ کفر کی مثال ہے

وَمَنْ يَكْفُرْ يَكْفُرْ عَنِّي مُخْرِجًا عَلَيْهِ الْقَوْلَ مِنْ رَبِّي إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ لَأَعِزُّونَ (یعنی کفر کفر و شرک کی) اسکی مثال ہے جیسے غیبت و رخت ہو (حدیث میں اس کی تفسیر آئی ہے کہ وہ جھل کا درخت ہے) اور زمین کے اوپر عی سے نکھڑایا جائے اس کو کچھ ثبات ہی نہ ہو (چنانچہ جھل کے درخت کی جڑ تک نہیں ہوتی نیز جھل اور اس کا پھل و اور حوہ میں بھی گڑ ہوتا ہے اسی طرح کفر کفر سے دل کو بے یقینی ہوتی ہے راحت نہیں ملتی اور اس کی جڑ کو کفر کے دل میں ہے مگر حق کے سامنے باطل ایسا مستحکم و مستطاب ہے کہ گویا اس کے جڑ ہی نہیں اور جب اس کے جڑ ہی نہیں تو پھل و وغیرہ کیا ہوتے اس لئے نہ یہاں شاخوں کا ذکر فرمایا نہ پھل کا اور یہ جب تک ہے اس مقام میں کہ چونکہ کفر کا پھل و حوہ اس لئے اس کا پھل ذکر فرمایا اور چونکہ اس کا معتقد بہ وجود نہیں اس لئے جنت کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ ذکر اس لئے کا ہوتا ہے جو کچھ ہو اور یہی اہل الجہنم جو بھی دنیائے حیات سے اور آخرت میں تو کفر معدوم ہی ہو جائے گا کیونکہ ہاں سب کو ایمان حاصل ہو جائے گا گو کفار کا وہ ایمان مستحکم نہیں کیونکہ بالاضطرار ہو گا اختیار سے نہ ہو گا آگے اس آیت میں کفر طیبہ اور کفر خبیث کے اثر کا ذکر ہے۔ اور تو دونوں کی مثال تھی یہاں دونوں کے اثر کا بیان ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس کی بات کی برکت سے (مراؤں کفر طیبہ ہے جس کی جڑ مضبوط ہے) اور ناپورا آخرت دونوں جہنموں میں مضبوط رکھتا ہے دینا میں تو اس طرح کہ مومن کفر کی برکت سے شیطانی فتنوں و الٹن کے انوار سے محفوظ رہتا ہے اور مرتے دم تک ایمان پر قائم رہتا ہے اور آخرت میں اس طرح کفر میں کھیریں کے سوال کا صحیح جواب دے دے گا آگے کفر کفر کے اثر کا بیان ہے وَ يُخْرِجُ اللَّهُ الظَّالِمِينَ (یعنی اس کفر خبیث کی حسرت سے کافروں کو اللہ تعالیٰ دینا اور آخرت دونوں جہنموں میں بچھا دیتے ہیں) ناپائیدار ایمان کا پھلنا ظاہر ہے اور آخرت میں پھلنا یہ ہے کفر میں ان سے کھیریں کے سوال کا جواب نہ ہی نہ چکا۔ بلکہ حیرت زدہ ہو کر کہیں کے انہوں ہم کیونگیں جائے غرض قول ثابت سے مراد کفر طیبہ ہے جس کا ذکر اوپر کی آیت میں تقاضا کی بدولت آخرت میں بھارت ہوگی جس کی ایک جڑ ہے اور کچھ شاخیں ہیں جزو عقیدہ و حید ہے اور نہ میں اعمال صالح ہیں ان سب کا مجموعہ قول ثابت ہے یہی عقیدہ و حید کو پختہ کر دینا جس کا طریقہ کثرت ذکر ہے اور اعمال کو صالح کر دینا جس کا طریقہ یہ ہے کہ علم دین حاصل کر و مسائل کی کتابیں دیکھو و حکمت کی کتابوں کا مطالعہ کرو اور دین کے سوائے ملل شرع کر دینا جس کے لئے ہمت کی ضرورت ہے کہ دین پر عمل کرنے میں اگر کوئی ملامت کرے تو کسی کی پرواہ نہ کر بلکہ ایمان شاد اللہ آپ کو وہ دولت ملے گی کہ تمہارے بقول و اعمال و احوال میں نورانیت ہوگی اور کثرت ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ اگر کسی کی تربیت و تعلیم حاصل ہے تب تو اس سے پوچھ کر کوئی ذکر شرع کر دو اور اگر کسی کی تربیت نہیں ہے تو چلنے پھرنے والا اللہ کا ورد کرتے رہو کام کے وقت زبان سے کسی قدر حیر کرتے رہو تاکہ یاد رہے اور خالی ہمت میں تسبیح پاتھ میں رکھو یہ ذکر ہے اس سے ذکر یاد رہتا ہے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پھر کمال کی تسبیح پاتھ میں رکھتے تھے

کسی نے کہا حضرت اب تو آپ کو اس کی ضرورت نہیں رہی فرمایا جس وقت کی بدولت یہ بات حاصل ہوئی ہے کیا ہاں اس کو چھوڑ دوں یہ تو بڑی بے مروتی ہے۔ فرض تھیج سے غفلت نہیں ہوتی ذکر کا دھیان رہتا ہے اس کو ہاتھ میں رکھو اور کسی وطن کی پرواہ نہ کرو لوگوں میں مرضی ہے کہ جہاں کسی نے تھیج ہاتھ میں لی اور اس پر طعن شروع کیا مگر جب تم تو تھیج سے دولت ملی ہو تو کون کیجے وہ کیا کسی کے وطن سے باز کرنا نقصان کرلو گے یہ تو قول ثابت کے حاصل کرنے کا طریقہ ہے۔

عالم برزخ

سید اکبر حسین صاحب بیچ نے عالم برزخ کے متعلق دریافت کیا کہ بزرگ تو پ و تنگ سے ازا دیے گئے ہیں ان کی قبر کہاں ہے؟ فرمایا کہ قبر ہاں ہے عالم برزخ کا اور وہ ایک مہات ہے محل نوم کے کہ اس میں بھی اور اک ہوتا ہے عالم فہم کا پھر سید صاحب نے دریافت کیا کہ کیا وہاں محل نوم کے عدم اور اک وہاں بھی ہو سکتا ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ ہاں وہاں نہیں بلکہ چھوڑ کر کیا تیر کا افغان قرآن سے بھی ثابت ہوتا ہے فرمایا قرآن مجید کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْوَلِيُّ لِلَّذِينَ آمَنُوا الْوَلِيُّ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الصَّلَاةِ وَالْزَّكَاةِ وَالْأَخْيَارِ﴾ اس کی بابت حضور ﷺ نے فرمایا تَوَلَّيْتُ هَٰذَا عَذَابُ الْغُرِّ دُوسری آیت ہے ﴿لَا تَلْزَمُوا الْفِتْنَةَ عَلَيْهَا أُخِذُوا﴾ وَ عَذَابُهُمْ أَشَدُّ مِنْ عَذَابِ الْغُرِّ اَللّٰهُمَّ اِنِّكَ الْعَلَدُ اَلْبِ تُو بَعْرُ حُسُونِ يَوْمِ نَقُومُ السَّاعَةِ سے پہلے ہے۔

علیین سے مراد

سید صاحب نے فرمایا کہ قرآن میں ہے ﴿وَمَا كُنْزُكَ مَسْجِدَيْنِ﴾ ﴿مَسْجِدَيْنِ﴾ قرآن میں علیین کتاب کو کہا گیا ہے حالانکہ وہ مقام کا نام ہے مولانا نے فرمایا کہ کتاب کا نام بھی ہے اور مقام کا بھی پھر سید صاحب نے کہا کہ کیا میں اس کتاب کو ظم انبی کھوں یا کتاب ذی جسم؟ مولانا نے فرمایا کہ وہ کتاب ذی جسم ہے اور عالم آخرت بھی مادی ہے محل عالم دنیا کے اور عالم برزخ بھی آخرت میں داخل ہے گو عالم برزخ کا مادہ لطیف ہے بلکہ عالم آخرت میں یہ نسبت دنیا کے مادہ سے زیادہ ہے کیونکہ دنیا کا مادہ خیرہ فانی ہے اور وہ باقی ہے تو اس کا مادہ زیادہ شدید ہے گو لطافت کے ساتھ ہے۔

مراقبہ کی ضرورت و حقیقت

گوئن قتبی نے مراقبہ یہاں کسی مراقبہ کا ذکر نہیں فرمایا مگر اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے کیونکہ یہاں مراقبہ تو کسی خاص محل کے مرکبہ ذکر نہیں بلکہ محض ایک خبر مذکور ہے مگر اس پر علامہ و مفسرین کا اجماع ہے کہ اخبار قرآن سے محض خبر ہی مقصود نہیں بلکہ مقصود کوئی انشاء ہوتا ہے اور اخبار قرآن یہ ہی کیا کیا تھیں ہے میرے

نزدیک تو قبر میں چوتھو قبر کی مداخلت کے کلام میں بھی مقصود نہیں ہوتا بلکہ متکا کہ ہر جملہ خبریہ سے کوئی مداخلت مقصود ہوتا ہے اور جس جملہ خبریہ سے کوئی ایسا مقصود نہ ہو وہ مقصود ہوتا ہے جب یہ بات کچھ مداخلت گئی تو یہاں خبر سے بعض خبر مقصود نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ چونکہ یہاں ایسا ہونے والا ہے لہذا اس واقعہ سے ڈرنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں میں یعنی ایمان والوں میں داخل ہونا چاہئے خالصین میں سے نہ ہونا چاہئے پس یہاں بھی تصریح تو اس کی ہے کہ حق تعالیٰ کے خاص بندوں کی یہ فضیلت ہے کہ دیا و آخرت میں حق تعالیٰ ان کو ثابت رکھتا ہے اور کافروں کی یہ مذمت ہے کہ ان کو بچھا دیتا ہے اس سے ایک مراقبہ کی طرف اشارہ بھی ہو گیا۔

اس کا اس وقت سے ڈرنا چاہئے جس میں کافر بھی گئے اس لئے ایمان و عمل کا اتمام کیا جائے بظاہر اس آیت پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جب خدا تعالیٰ ہی ثابت رکھتے ہیں اور وہی بچھا دیتے ہیں تو انعام کس پر؟ اس کا جواب خالصین کے لفظ سے ہو گیا کہ انہوں نے علم کیا تھا اس لئے اس کی نوبت سے بچ گئے یہ تو حکیمانہ جواب تھا مگر اس پر بھی کوئی شبہ کرے تو آگے حالات جواب بھی دیے۔ **وَيُفَعِّلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ** کہ کسی کے باوجود کچھ ایسا ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ جو چاہیں کرتے ہیں حکیمانہ جواب سے بعض دوسرے شرب قلع نہیں ہوتا اس لئے حکیمانہ جواب بھی بیان فرما دیا اب سب کی زبانیں بند ہو گئیں یہ تو تیسرا آیت کا تھا مگر اس سے وہ واقعہ معلوم نہیں ہوا جس کی نسبت حثیت و اضلال کی خبر دی گئی ہے۔ اس کے لئے تفسیر کی ضرورت ہے۔ اور قرآن کی تفسیر کہیں تو قرآن ہی سے ہوتی ہے اور کہیں حدیث سے اس آیت کی تفسیر حدیث سے معلوم ہوتی ہے حدیث کا یہ اشارہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جن کی شان یہ ہے۔

مکتہ او مکتہ اللہ بود مکتہ او مکتہ اللہ بود

اس لئے حدیث بھی بخیر قرآن ہی کے ہے سوا حدیث میں آچکا ہے کہ یہ آیت خدا قبر کے مخلق ہے پس ثابت ہو گیا کہ یہاں خدا قبر سے ڈرنے کا اور اس کے احتضار کا امر ہے مگر اس پر ایک طالب علمانہ اشکال ہوتا ہے میں اس کا بھی جواب دے دیتا ہوں وہ یہ کہ یہ صورت کی ہے اور احادیث صحاح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو خدا قبر کا علم دینے میں ہوا ہے پھر یہ آیت خدا قبر کے مخلق کیونکر ہو سکتی ہے اگر اس میں خدا قبر کا ذکر ہوتا تو حضور ﷺ کو کدھی میں اس کا علم ہو جاتا اس کا ایک جواب تو یہ ہو سکتا ہے کہ اس صورت کی خاص اس آیت کو مدنی بنانا چاہئے مگر میں نے اس کو کہیں مطلق نہیں دیکھا اس لئے میرے نزدیک دوسرا اکل جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ کو حثیت و اضلال فی الاخرۃ کی تفسیر کا ایک جزو تک میں مشکف ہو گیا تھا یعنی قیامت میں حساب و کتاب کے وقت مسلمانوں کا ثابت قدم رہنا اور کفار کا بچلنا اور ایک جزو یعنی حثیت و اضلال فی الاخرۃ میں مشکف ہوا کیونکہ آیت میں اللہ تعالیٰ الاخرۃ وارہ ہے اور آخرت دو ہیں ایک جنتی یعنی

قیامت اور ایک اضافی یعنی قبر میں مکہ میں آپ کو حیثیت و اشغال فی الاخرۃ کا پہلا جزو مختلف ہو گیا جو قیامت کے حلقہ تھا اور دوسرا جزو یہ کہ میں مختلف ہوا یعنی اذاب و عیم قبر میں اب آیت کے لگے ہوئے اور خطاب قبر کے حلقہ نازل ہونے میں کچھ کوتاہی نہیں کیونکہ واصل یہ آیت قیامت اور قبر دونوں کے حلقہ تھی مگر کہ میں آپ کو اس کاظم نہ تھا یہ کچھ آپ کو معلوم ہوا کہ اس آیت میں خطاب قبر کا بھی ذکر ہے اور لفظ آخرت اس کو بھی عام ہے حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قبر میں دو طرح کے آتے ہیں اور دو سوال کرتے ہیں پھر آپ نے اس آیت کی حواصی فرمائی ہر حال حدیث سے اس کا خطاب قبر کے حلقہ ہوتا صرف ہوتا ہے اور اس پر حاشا نکالات تھے وہ بھی سب دفع ہو گئے۔

يُخَوِّضُ اللَّهُ الَّذِينَ اسْتَوَابَ الْقَوْلُ الشَّكَّاءُ فِي الصَّيِّئَاتِ وَالَّذِينَ كَانُوا فِي الْخُفَرِ وَيُخَوِّضُ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَالَّذِينَ كَانُوا فِي الْقُبُورِ
ترجمہ: اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس کی بات سے دنیا و آخرت میں مضبوط رکھتا ہے اور ظالموں کو بچھا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

ایمان پر ثابت قدم رکھنے کا وعدہ

اب یہاں ایک اشغال ہے وہ یہ کہ یہ آیت خطاب قبر کے حلقہ آتی ہے لیکن اس میں حیثیت کا وعدہ دنیا و آخرت دونوں کے بارے میں ہے چنانچہ یہ ہے یُخَوِّضُ اللَّهُ الَّذِينَ اسْتَوَابَ الْقَوْلُ الشَّكَّاءُ فِي الصَّيِّئَاتِ وَالَّذِينَ كَانُوا فِي الْخُفَرِ اب سوال یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جو اس پر مری آیت کو حواصی فرما کر خطاب قبر کے حلقہ فرمایا ہے تو آپ نے معاملہ قبر کو حیات دنیا میں داخل فرمایا آخرت میں موازنہ دونوں طرف سے ہے۔ قبر کو حیات دنیا میں بھی داخل کیا جاسکتا ہے دنیا آخرت میں بھی دوسرا اشغال قبر میں بھی نہیں کیونکہ موت سے حیات دنیا قطع ہو جاتی ہے اس لئے بعد موت حیات دنیا میں داخل نہیں بلکہ وہ آخرت میں داخل ہونا چاہئے موت پر وہ اشغال حقانی ہو جاتا ہے اس پر کہہ سکتے ہیں کہ موت سے حیات دنیا قطع ہو جاتی ہے مگر حیات آخرت یہ بھی شروع نہیں ہوتی کیونکہ حیات آخرت یہ وہ ہے جبکہ یہی جد غفری وہ ہر مذکورہ ہو گا اور یہ قیامت میں ہو گا۔ قبر میں جد غفری زندگی میں ہوتا کہ وہ اس سے عقل و رہتا ہے پس گوشت کے بعد انسان کو نہ حیات آخرت حاصل ہوتی ہے نہ حیات دنیا ہے بلکہ حیات برزخ ہو تی ہے مگر حیات برزخ کو حیات دنیا سے پہلے آخرت کے قرب زیادہ ہے اس لئے عقلمند و عیاض دنیا میں داخل ہو سکتے ہیں لیکن یاد باد مشورہ میں اس صید حدیث سے مراد فائدہ دیت ہے کہ حضور ﷺ نے فی الاخرۃ کی تعبیر خطاب قبر سے فرمائی ہے اب کسی حواصی کی ضرورت نہیں رہی نہ دوسرا اشغال رہا اب آیت ایک اور اشغال رہا ہو گا۔

وہ یہ کہ ایک حدیث میں آیا ہے و وَضَعْنَا مِنْ رِجَالِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفَرًا مِنْ حُفَرِ النَّارِ کہ قبر حق جنت کے باطن میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے حالانکہ غفرل جنت یا غفرل

ہر قیامت کے بعد ہوگا عالم برزخ میں دخول جنت و نار نہ ہوگا اس کا ایک جواب قرطاب نے دیا ہے وہ یہ کہ برزخ میں جو مسلمانوں کو راحۃ اور کفار کو عذاب ہوگا حضور ﷺ نے اس کو جہنم جنت اور عذاب جہنم سے تشبیہ دی ہے اور مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو برزخ میں ایسی راحت ہوگی کہ گویا وہ جنت کے بارگاہ میں ہیں اور کفار کو ایسی تکلیف ہوگی کہ گویا جہنم کے گڑھے میں ہیں اور صوفی نے یہ کہا ہے کہ جنت و جہنم وہ ہیں ایک حقیقی اور ایک مثالی اس قول کو مان لیا جائے تو پھر اس حدیث میں تاویل نہ کرنا چاہئے کی صوفیہ کہتے ہیں کہ قبر میں مومن کے لئے جس جنت کی طرف کھڑکی کھولی جائے گی وہ جنت مثالیہ ہے اسی طرح کافر کے لئے جس جہنم کی طرف کھڑکی کھلی گی وہ بھی مثالی جہنم ہے پھر قیامت کے بعد حقیقی جنت و جہنم میں دخول ہوگا اور یہ امکان نہ کیا جائے کہ مومن اور کافر کے لئے جنت و جہنم میں داخل ہونے کے بعد تو پھر خروج نہ ہوگا پھر مسلمان اور کافر اس جنت مثالیہ و جہنم مثالیہ سے قیامت کے دن کیونکر نکلیں گے اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مومن و کافر ہر طور پر یا حکام جنت و جہنم حقیقیہ کے ہیں مثالیہ کے یا حکام نہیں اس سے خروج ہو سکتا ہے بلکہ صوفیہ نے تو یہ کہا ہے کہ دنیا میں بھی کفار کو جہنم اور مومنین کو جنت محیط ہے کیونکہ اعمال سید جہنم ہیں اور اعمال صالحہ جنت ہیں اور حقیقی جنت و جہنم کا ثواب و عذاب ان ہی اعمال کی صورت جو ہر یہ ہے کس دنیا میں بھی ہر شخص یا جنت میں ہے یا دوزخ میں مگر اعمال کے بعد یہ یا عالم معلوم ہو سکتا ہے بدوں اعمال کے اس معاملہ کا ہر ایک دشوار ہے۔

وَلَنْ تَعْلَمَ وَابِعْتِ اللّٰهُ لَا تُخْصِصُهَا لِرِجَالِ الْاِنْسَانِ لَقَدْ ظَنَّمْنَا كَذِبًا

ترجمہ: (عجب) تو نہ جانتی کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگتو تھا ہمیں کر سکتے (مگر) کچھ یہ ہے کہ دلی بہت ہی بے انصاف اور بزدلی ناشکر ہے۔

تفسیری نکات

حق سبحانہ و تعالیٰ کے لامحدود احسانات

اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ بعض غریب مفلس ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے پاس کبھی جتنی چیزیں ہی ہوتی ہیں جو ضرورتاً کتنی ہیں تو ان کے حق میں لا تحسبوهما کا حکم کیسے لگے گا اس کا جواب یہ نکلا ہوا ہے کہ ہر آفت سے محفوظ رہنا بھی تو ایک مستقل نعمت ہے اور ان لوگوں اور غلیظوں کا احصاء و شمار کوئی نہیں کر سکتا اس لئے غریب سے غریب انسان پر اللہ کی نعمتیں ایسی ہیں کہ وہ شمار کرنا چاہے تو شمار نہیں کر سکتا۔
اس کے بعد فرمایا کہ اس آیت کی ایک دوسری تفسیر بھی دل میں آتی ہے وہ یہ کہ لفظ احصاء کے معنی چیمے

شمار کرنے کے معروف و مشہور ہیں اسی طرح ایک معنی اعضاء کے ہر ایک پر استعمال کر لینے کے بھی آتے ہیں یعنی اعضاء استعمال اس معنی کے اعتبار سے آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے جتنی نعمتیں دی ہوئی ہیں وہ ان سب کو ایک وقت استعمال بھی نہیں کر سکتا بلکہ کچھ نہ کچھ نعمتیں اس کے استعمال سے فاضل رہتی ہیں۔
 طور انسان کے وجود میں جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں وہ اس کی ضرورت سے بہت زیادہ دی گئی ہیں اللہ تعالیٰ نے انھیں وہ عطا فرمائیں حالانکہ کھینے کا کام ایک آنکھ سے بھی چل سکتا ہے، کان دو دہائیے اور کام ایک سے بھی چل سکتا ہے، اچھ پاؤں دو ہرے عطا فرمائے جن میں سے انسان ہر وقت دونوں کو استعمال نہیں کرتا سردی کا سامان گرمی میں اور گرمی کا سامان سردی میں مشغول کا نہیں ہوتا اس لئے ہر غریب سے غریب انسان پر یہ بات صادق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو ہر ایک پر استعمال بھی نہیں کر سکتا۔

آیت کی یہ تفسیر خیال میں گڑباد کرتی تھی مگر کوئی دلیل نہ ہونے کی وجہ سے ذکر نہ کرنا تھا۔ آج اللہ تعالیٰ اس کی دلیل ایک حدیث سے دکھائیں گے کہ اس کا تاثر اس آیت کے حلقہ حدیث میں ہے۔

من احصا و عمل الجنة یعنی جو شخص ان اقسام والہیہ اعضاء کو سے گداز دیتا ہے جنت میں جائے گا۔

اس حدیث میں فقط اعضاء کے حلقہ عطاء کے دونوں قول ہیں اعضاء عطا مراد ہے یعنی ناموں کا فقط کر لینا یا اعضاء استعمال مراد ہے۔ کہ ان ناموں کے منتفی پر عمل کرنا

تو جس طرح فقط اعضاء کی ایک حدیث میں دو تفسیری کی گئیں ہیں اسی طرح آیت قرآن کا خصوصاً خاص بھی دونوں تفسیری ہو سکتی ہیں۔

وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها کا ایک اصل یہ بھی ہے کہ تم پیارے نعمتوں کا اعداد نہیں کر سکتے۔

انعامات الہیہ کا شمار ناممکن ہے

اور ایک اصل اور ہے جو دل کو زیادہ لگتا ہے کہ ضرورت اور حاجت کی صفت سے تم اس کا اعداد نہیں کر سکتے بلکہ بہت چیزیں تم کو یہ ضرورت معلوم ہیں مگر باقی بعض نعمتیں جیسا کہ پہلی اور دہائی میں بیان ہو چکے ہیں کہ ان کو کس کام میں لاؤ تو جیسا کہ اس سے خدا تعالیٰ تمہارا ظاہر ہوتا ہے جیسے ہوائی دھڑکی ظاہر ہوتی ہے کم سے کم ضرورت کی بہت چیزیں بیان کرتے رہے ہیں جس کے لئے کوئی معروف بھی نام نہیں آتا جیسے وہ محسوسات میں خصوصاً زیادہ ہے۔

مکانات بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے

(خطوط) ایک سلسلہ محکمہ میں فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی اور نعمتیں ہیں کہاں تک انسان شمار کر سکتا ہے اسی کو فرماتے ہیں وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها اب میں ان میں سے صرف ایک نعمت کا ذکر کرتا ہوں

سُورَةُ الْحَجَرِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۝ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ ۝

ترجمہ: اَللّٰہُ یہ آیتیں ہیں (کامل) کتاب اور قرآن واضح کی۔

تفسیری نکات

قرآن اور کتاب کے لغوی معنی

اس جگہ آیات کے دو لقب بیان کئے گئے ہیں ایک قرآن دوسرے کتاب قرآن کے معنی ہیں لغز اور معنی پڑھنے کی چیز اور کتاب کے معنی ہیں مکتوب یعنی لکھنے کی چیز اور ظاہر ہے کہ پڑھنے اور لکھنے کی چیز کیا ہے الفاظ ہی تو ہیں معانی کو کون پڑھ سکتا یا کون لکھ سکتا ہے اور ایک مضمون ایسی ذہنی شے آ یا ہے جو مشروعاً میں نہ آ یا کتاب تک تو ذہن میں یہ بات تھی کہ الفاظ ہی پڑھنے لکھنے کی چیز ہیں معانی کو پڑھ لکھ نہیں سکتے اس پر ایک لطیفہ یاد آ یا کہ گوشتیں نے کہا ہے کہ ضرب میں ضمیر ہو خنجر ہے اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ظاہر میں ضمیر خنجر ہے مگر نہیں لیکن لکھنے میں آتی ہے مگر ایک طالب علم یہ سمجھے کہ ضرب کے اندر ضمیر ہو لکھیں ہوئی نہیں ہے تو آپ نے ضرب کو پھیلانا مشروعاً کیا یہ اس تک کہ کاتھ پھٹ گیا اور الفاظ سے دوسرے دہائی میں اس جگہ ہو نکلا اور اظہار پڑے خوشی ہوئے کہ واقعی استاد نے تمہیک کہا تھا کہ اس کے اندر ہو پوچھو ہے وہ کچھ چھپیلے سے نکل آیا۔ ہمارے دے ہوئے استاد کے پاس آئے کہ دیکھتے میں نے ضرب کو پھیلایا تھا یہ ہو نکل آیا جو اس میں چھپا ہوا تھا استاد بہت غصے اور ان کو مطلب دوبارہ سمجھایا غرض یہ طالب علم یوں سمجھتا تھا کہ معانی بھی کتابت میں آ سکتے ہیں۔ مگر یہ اس کی غلطی ہے معانی قراءت سے کتابت میں نہیں آ سکتے ان کا نکل صرف ذہن ہے لوگ بے تاریکی ضرب پر خوب کرتے ہیں مگر خدا تعالیٰ نے اس کو پہلے سے پیدا کر رکھا ہے کیونکہ الفاظ سے معانی کا سمجھنا یہ بے تار کے ہی تو خبر ہے

کیونکہ معانی کا مرکز قلب ہے اور جہاں الفاظ کسی کی زبان سے نکلے معادہاں معانی سمجھے گئے فرض ان آیتوں میں اشارہ کیا جا چکا ہے صراحت ہے کہ قرآن کے ساتھ پڑھنے کا قطعی دیکھو کیونکہ خدا قرآن کے معانی بھی ہیں اور ظاہر ہے کہ قرأت الفاظ ہی کی ہوتی ہے نہ کہ معانی کی دوسری صفت اس چوک کتاب ہے جس کے معنی سمجھنے کی چیز ہیں اس سے معلوم ہوا کہ الفاظ قرآن کے ساتھ قراءت کے علاوہ ضبط و کتابت کا بھی دیکھنا چاہئے دوسری جہات اسی وقت ذہن میں آئی یہ ہے کہ کتاب کا صدق چھوڑنا الفاظ ہیں نہ معانی کیونکہ الفاظ قرآن زبان سے نکلے ہوئے ہیں ان کا کل زبان سے نکلنے کے لئے لفظ میں سمجھنے کے ہیں کہ الفاظ زبان سے پھیلے جاتے ہیں یعنی نکلے جاتے ہیں اس لئے ان کو الفاظ کہا جاتا ہے معانی کا کل صرف ذہن ہے وہ تو کتاب کا صدق کسی طرح ہے ہی نہیں بلکہ اس کا خالق دوسری چیز ہے یعنی نفوس جن کو کلام کائنات کہتے ہیں کیونکہ ان پر خدا ہی لکھ چڑھیں ممکن نہ تھا کہ اس لئے وہ ان کو کلام کائنات کہتے ہیں مگر کتاب کا صدق خلق نفوس نہیں بلکہ مطلق نفوس ہیں جیسا کہ الفاظ کی دلالت معانی پر مطلق ہے مطلق نہیں کیونکہ غیر اہل زبان اس کو نہیں سمجھ سکتا اسی طرح نفوس بھی مطلق ہیں اور ان کی دلالت بھی الفاظ پر مطلق ہے اسی لئے پڑھے ہوئے آدمی ان کو سمجھتے ہیں ان پر نہیں سمجھ سکتے جب یہ معلوم ہو گیا کہ کتاب کا حقیقی صدق نفوس ہیں تو آپ تو الفاظ ہی کو غیر مقصود مانتے تھے اور قرآن کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ نفوس قرآن بھی کامل حفاظت و تحفی تقسیم ہیں تو الٹی پڑی کہ مجھے تھے نماز بخشنا نے روزے بھی لگے پڑھے مگر سامنے لگے نہیں پڑے کیونکہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بادشاہ کسی شخص کو شرفاں اور جہازات دے کر اس سے کہے کہ اس کو حفاظت سے رکھو قتل نہ ہوتا رہا گاؤ اگر اس شخص کو روپیہ اور جہازات کی قدر معلوم ہے تو اس شخص کی قدر کرے گا اور کہے گا۔

جہاں اللہ کو ختم باز کر دی مرایا جان جاں ہزار کر دی

(اللہ تعالیٰ تجھے جڑ سے توڑنے میری آنکھیں کھول دیں اور مجھ کو محبوب حق تعالیٰ کے ساتھ مراد کر دی)

اور جس کو دیکھ کر قدرت ہو گی کہے گا کہ یہ ابھی جا میرے سر پڑی کہ حفاظت کر دو قتل نہ ہو اسی طرح جو لوگ معانی کی قدر کرتے ہیں وہاں الفاظ و نفوس کی بھی قدر کریں گے کیونکہ یہ ان کی حفاظت کا سامان ہے اور خدا نہیں کرتے وہاں کو سر پڑی یا انکھیں گے۔ یہی معلوم ہوا کہ جو تعلیم یافتہ الفاظ قرآن کے پڑھنے کو بے فائدہ سمجھتے ہیں وہ حقیقت میں معانی قرآن کی قدر نہیں کرتے نہ اس کی حفاظت کے ہر سامان کی ان کو قدر ہوتی ساتھ الفاظ قرآن کو ان کی حفاظت میں بہت زیادتی ہے کیونکہ الفاظ قرآن کا یہ مجروح ہے کہ وہاں بہت کلمات سے حفظ ہو جاتے ہیں۔

الفاظ و معانی قرآن دونوں مقصود ہیں

اب میں آیت کی طرف مڑ کر دیکھوں اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اس قطعی کو منع فرمایا ہے جو مصلحت

کچھ ہوئے ہیں کہ قرآن سے صرف معانی مقصود ہیں یہ خیال غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آیات کو قرآن و کتاب فرمایا ہے کہ یہ لکھنے پڑھنے کی چیز ہے اور ظاہر ہے کہ لکھنا پڑھنا الفاظ ہی کے حلقے ہے نہ کہ معانی محض۔ کتاب یہاں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ ایک جگہ فقط قرآن کو مقصود کیا ہے فقط کتاب ہے اور ایک جگہ اس کا ٹکس ہے جس سے معلوم ہوا کہ میں وہ الفاظ میں مقصودیت زیادہ ہے اور میں وہ معانی میں مقصودیت زیادہ ہے اور یہ نکتہ اس طرح حاصل ہوا کہ قرأت الفاظ کی ہوتی ہے اور الفاظ کا دلول اقرب معانی ہیں اور کتابت نقوش کی ہوتی ہے اور اس کا دلول اقرب الفاظ ہیں اور معانی دلول بعید نہیں قرأت کی حالت میں معانی کی طرف دلول ہی قریب ہو جاتی ہے اور کتابت میں دلول الفاظ کی طرف اور ان کے واسطے سے معانی کی طرف اور مقصودیت سے مراد بھی دلولیت ہے یہی قرأت میں زیادہ مقصودیت معانی میں ہوتی اور کتاب میں زیادہ مقصودیت الفاظ میں ہوتی پس اس مجموعہ میں ماثرا ہو گیا کہ الفاظ بھی اس حد میں مقصود ہیں کہ معانی میں مکمل الوجہ مقصودیت بڑی ہوتی نہیں بلکہ بعض وجوہ سے الفاظ میں بھی مقصودیت بڑی ہوتی ہے۔

اور اسی مقام سے ایک اور مسئلہ بھی حاصل ہو گیا جس میں علماء کا اختلاف ہے کہ قرآن کو کچھ کہ مصنف میں پڑھنا افضل ہے یا حفظ پڑھنا افضل ہے جو معضرات حفظ پڑھنے کا افضل کہتے ہیں اور مانتے ہیں کہ اس میں تدریس زیادہ ہوتا ہے الفاظ سے بلا واسطہ معانی کی طرف التفات ہو جاتا ہے اور نقوش سے التفات بواسطہ ہوتا ہے اور بعض نے مصنف سے پڑھنے کو افضل نہ کہا ہے اس لئے کہ اس میں مگر قبولیت محدود ہوتے ہیں الفاظ تو بلا واسطہ نقوش اور معانی بواسطہ الفاظ تو اس میں عبارت محدود ہوتی ہے یہ خود توجہ باقتدار دلول کے ہے اور دلول کے اعتبار سے بھی خود ہے ایک نقوش کے اعتبار سے یعنی عبارت بھر دوسرے الفاظ کے اعتبار سے یعنی عبارت لسان نہیں اس میں دو مواد میں امتیاز ہو جاتی ہیں۔

اور ایک نکتہ اور ہو سکتا ہے وہ یہ کہ قرآن کے محفوظ ہونے میں من حیث الفاظ مقروء کو زیادہ دخل ہے کہ خداوند کریم اگر ترجیح صاف تکلف ہو جائے تو حفاظ قرآن الفاظ اور سرقرآن کو مدد کر سکتے ہیں اور میں جب نقوش کو زیادہ دخل ہے کہ اختلاف فی الفاظ کے وقت کتاب کی طرف مراجعت کر کے قیض کر سکتے ہیں اس کے بعد نہیں کی قیود ہے اس میں پابندی ہے اس امر کی طرف کہ قرآن کی قرأت و کتابت دونوں واضح اور ظاہر ہوتی جائیں۔ اسی لئے فقہاء نے قرآن کی تصحیح چھوٹی کر کے سے منع فرمایا ہے بلکہ مستحب یہ ہے کہ قرآن کی تصحیح بڑی ہوتا کہ کتابت واضح اور صاف ہو لیکن حوسہ تصحیح کا مضاف نہیں جیسے حوائل کی تصحیح بڑی ہوتا کہ کتابت واضح اور صاف ہو لیکن حوسہ تصحیح کا مضاف نہیں جیسے حوائل کی تصحیح ہے کہ اس سے سطر میں سموات ہوتی ہے ہاں یہ جو آج کل بعض تہذیبی قرآن شائع ہوئے ہیں یہ بہ لک کر رہا ہے۔

اب حروف متقلبات کا تکرار بیان کرتا ہوں جو ان آیات کے شروع میں وارد ہیں اور میں ان سے بھی اپنا مدعا بیان کروں گا جیسا کہ میں نے شروع میں دہرایا تھا حروف متقلبات میں بہت سے نکات ہیں ایک نکتہ یہ ہے کہ یہ اسرار ہیں اور میان اقلہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے حضور پہنچاتے ہیں کے معانی سے واقف تھے مگر دوسروں پر آپ نے ان کے معانی ظاہر نہیں فرمائے کیونکہ ان کا قتل مگر شرائع عالیہ سے نہیں بلکہ دوسرے مگر سے ہے ان اسرار کو کسی مگر کے آدھ میں پر ظاہر کیا جاتا ہے کہ کمال تک اور انجا علیہ اسلام کو ان سے واقف کیا گیا ہے چونکہ امت کا اس مگر سے فہم نہیں اس لئے ہم کو ان کو ان اسرار سے مطلع نہیں کیا گیا۔

ایک مرتبہ میں نے دوسری میں بھی تقریر کی تھی اور اس وقت ایک کوٹ انچنگر موجود تھے وہ کہنے لگے آپ صحیح کہتے ہیں واقعہ یہ مگر کے خاص اسرار ہوتے ہیں جن سے دوسرے مگر والوں کو مطلع نہیں کیا جاتا ہے۔ میں نے کہا آپ تو ایسی قصور فرمائیے کہ میں جیسے آپ یہ بات گزری ہو کہنے لگی ہیں مجھے آج کل ہی میں یہ بات نہیں آئی ہے میں ایک دن ہیرینٹ کی ڈوٹی پر گیا ہوا تھا ان کی میز پر ایک کتاب تھی جس میں اس کو دیکھنے کا مقاصد لے وہ کتاب میرے ہاتھ سے لے لی اور کہا کہ یہ آپ کے دیکھنے کی نہیں ہے اس میں مگر غیبی پالیس کے اسرار ہیں جن سے دوسرے مگر والوں کو مطلع نہیں کیا جاتا اور وہ اسرار کچھ اصطلاحات ہیں کہ کسی آئی وی والے ان اصطلاحات میں ایک دوسرے کو بتا کر دے اور دوسرے لوگ ان اصطلاحات پر مطلع نہیں ہوتے اس سے ہر ادا کی خوش ہوا کہ حیات میں بھی اس کی نظیر موجود ہے۔

الفاظ قرآنی بھی مقصود ہیں

دوسرا نکتہ اس میں بھی میرے ذہن میں آیا ہے وہ یہ کہ ممکن ہے اس میں اس مضمون پر صحیح مقصود ہو کہ قرآن سے محض معانی مقصود نہیں بلکہ الفاظ بھی مقصود ہیں کیونکہ بعض الفاظ قرآن میں طبع مضمون پہنچتی ہیں مگر صرف معانی مقصود ہوتے تو قرآن میں یہاں پہلے الفاظ کیوں ہوتے مگر وہ جزو قرآن ہیں جن کی قرآنیت کا انکار کفر ہے ایک نکتہ اس میں یہ ہے کہ حروف متقلبات میں اضافہ و تشریحات آپ کو صحیح کیا گیا ہے جس سے بعض اہل کفر نے بعض حادثات پر بالورہ دشمنی کوئی کے استدلال کیا ہے جو ایک مستقل علم ہے اس کے علاوہ بہت سے نکات ہیں۔

قرآن کے دو اوصاف

ارشاد ہے تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ وَلَرَأٰن مِّنْ ظَاهِرٍ مَّآ كُنَّا نَكْتُبُ اِلَّا قُرْآنًا يَذَّكَّرُ بِهِ ذُلًا لِّمَن يَخْتارُ مطلب ایک ہی ہے صرف لقب دو ہیں اور نکتہ دو مضمونوں کے اختیار کرنے میں یہ ہے کہ اس سے قرآن کا دو مضمون کے لئے جامع یا خاص ثابت ہوتا ہے ایک صرف کتاب ایک صرف قرآن

حاصل یہ کہ قرآن میں دو پیشین میں ایک قرآن ہے کہ وہ مکتوب ہونے کے قائل ہے جس پر لفظ کتاب دلالت کر رہا ہے اور دوسری یہ کہ وہ مطرود ہونے کے قائل ہے جس پر لفظ کتاب قرآن دلالت کر رہا ہے اور لفظ کتاب میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اس کو اپنے پاس لکھ کر رکھنا کہ مثل کے لئے محفوظ رہے اور لفظ قرآن میں یہ اشارہ ہے کہ اس کو پڑھا بھی کرے کہ اس کے اعتقاد سے مثل کا انتظام کیا جاوے۔ مثلاً چھو کر یا لکھ کر رکھ لینا کافی نہیں ہے۔

یہ لکھو ہے۔ فلک آیات المکتب و قرآن مبین میں کتاب و قرآن دو لفظ اختیار کرنے کا اور نہ صدق دونوں کا ایک ہی ہے کہ اصل صلف میں تقاضی ہے مگر وہ تقاضا عام ہے خواہ ذات کا ذات سے تقاضا ہو یا صلف کا صلف سے تقاضا ہو چنانچہ صلف تفسیری میں یہ اصل دوسری تفسیر کے ساتھ صادق آتی ہے کیونکہ جائز ہے کہ مقیم معطوف علیہ کا اور مطرود معطوف کا اور ہو مگر صدق دونوں کا ایک ہی ہو۔

وَإِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم اس کے حافظہ (اور نگہبان) ہیں۔

تفسیری نکات

حفاظت قرآن کا مفہوم

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **وَإِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ** جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ خود قرآن مجید کے حافظ ہیں نہ کہ کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ جب خدا تعالیٰ خود قرآن مجید کے حافظ ہیں تو پھر قرآن پاک کا پڑھنا کھٹا کھچا! اب بھی چھوڑ دو تو کیا آج تک مسلمانوں نے ایسا کیا ہے جس میں اس کی حقیقت ظاہر ہو کہ **وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ** کے معنی یہ ہیں کہ ہم ہر زمانہ میں ایسے لوگ ہوا میں دعوت پیدا فرماتے رہیں گے کہ اس کی حفاظت کرتے رہیں گے اسی طرح یہ دین کے سب کاموں کو سمجھ لیا جاوے کہ ان میں توکل کرتے اور سے مانع نہیں بلکہ توکل کے یہ معنی ہیں کہ تدبیر کر دو اور اللہ تعالیٰ کو کارسلا سمجھو کیونکہ تدبیر کا حکم بھی انہیں ہی ملے کیا ہے جیسا قرآن مجید کی حفاظت کی تدبیر کی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کو حافظہ اشد کیا جاتا ہے کیونکہ اس حفاظت کا حکم بھی انہیں ہی ملے فرمایا ہے ہاں دنیا کی تدبیر کرنا اور دینی کو اٹھانے کا تدبیر توکل پر چھوڑ دینا یہ بے ادبیاں ہیں۔

يَقِي عِبَادِي لَئِنْ آكَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ وَ اِنَّ عَذَابِي هُوَ

الْعَذَابُ الْاَكْبَرُ ۝

ترجمہ: میرے بندوں کو خبر کرو کہ میں غفور الرحیم ہوں اور تحقیق میرا عذاب دردناک ہے۔

تفسیری نکات

اس آیت میں حق تعالیٰ نے حضور ﷺ کو حکم فرمایا ہے کہ میرے بندوں کو وہ باتیں پہنچا دو اور بتا کر ہے کہ ہر فعل اختیاری کی غایت کے لئے ہوتا ہے تو اس فعل اختیار کی بھی کوئی غایت ہونا چاہئے یعنی یہ کہ ان باتوں کے پہنچانے سے کیا مقصود ہے اور اس وقت یہ بات میری زبان سے نہ اسے کام کی تلقین ہے کہ ہر کام اور ہر فعل اختیاری کسی نہ کسی غایت کے لئے مطلوب ہوتا ہے بلکہ ہر بات اور ہر کام میں سوچنا چاہئے کہ اس کی غایت کیا ہے جس بات اور جس کام کی کچھ غایت معلوم نہ ہو وہ فضول ہے اور غایت معلوم ہو مگر مفید نہ ہو وہ بھی فضول ہے اور اگر وہ غایت کوئی ضرر ہو یا مہم جوئی تو وہ کام مضرب ہے اس قصہ سے آپ کو اپنے افعال و اقوال کا حسن راجع اور لغو یا مفید ہونا آسانی سے معلوم ہو جائیگا۔

اس کے بعد ارشاد ہے وَ اِنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْاَكْبَرُ ۝ کہ یہ خبر بھی دے دیجئے کہ میرا عذاب بھی بہت سخت ہے یہ پھیل ترغیب کے لئے نہ ملایا گیا ہے کیونکہ ترغیب کی تکمیل ترغیب سے ہوتی ہے جیسا کہ ترغیب کی تکمیل ترغیب سے ہوتی ہے بدوں ایک دوسرے کے ہر ایک نقص ہے کیونکہ جدا احتمال قبح ہے اور احتمال کا معلوم ہو کہ مظلوم ہو یا ہے دوسرے احتمال کو اسی طرح خوف احتمال ضرر ہے اور اسی طرح یہ بھی مظلوم ہو یا ہے دوسرے احتمال کو جس کی کا تحقق بدوں دوسرے کے نہیں ہو سکتا بلکہ یہ ہے کہ قرآن میں ترغیب و ترغیب و ترغیب بدوں ملتے ہیں بلکہ خوف و جاہلی سے مل کر ایمان کامل ہوتا ہے اس لئے سو کون کو خوف کے ساتھ جاہ و نور جاہ کے ساتھ خوف کا ملا نا ضروری ہے حضرت عمر فرماتے ہیں کہ اگر حشر میں یہ دعا ہو کہ جنت میں ایک ہی آدمی جائے گا لہر جوت ان انکون ہو تو میں یہ سمجھوں گا کہ وہ ایک میں ہی ہوں اور اگر یہ دعا ہو کہ جہنم میں ایک ہی جائے گا نہ حفت ان انکون ہو تو میں ڈراں گا کہ شاید وہ ایک میں ہی نہ ہوں گو یا جاہ و خوف دونوں کا مل دہر کے تھے پس یہی حاصل ہے آیت کا کہ بندوں کو تربیت و تربیت دونوں قبح کرنا چاہئیں یہ مقصود تھا جو حکم ہو گیا اب ایک بات ذرا اندر مقصود ہو رہی تھی جو تفسیر کے متعلق ہے بلکہ وہ ایک طلب علم کے لئے ایک طلبہ اہل کے لئے یعنی ان اکبرین کے لئے کیونکہ یہ لوگ اہل کمال کے طالب ہیں جو بات طلبہ اہل کے لئے ہے وہ تو یہ ہے کہ اس آیت

کے بعد وہ قصہ مذکور میں ایک ایسا مقام کہ جس میں ان کے لئے بڑا عذاب کی حالت میں بشارتِ اللہ مذکور ہے اور اس قصہ قومِ لوط کا ہے جس میں ان پر نزولِ عذاب کا ذکر ہے۔ تو ان قصوں کو اس آیت سے کیا ربط ہے میرے نزدیک ان دونوں قصوں میں لَفِیْہِمْ جَبَہٌ لَّوْیَہِ اِنَّ الْفِتْوَۃَ الرَّجِیْمِۃَ وَاِنَّ عَلٰیہِمْ لَہُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ (میرے بعد ان کو خبر دے دیجئے گا کہ جس میں بڑا عذاب والا مہربان ہوں اور میرا عذاب بھی دردناک ہے) کی تائید ہے پہلے جزو سے پہلے قصہ کو قطعاً ہے اور دوسرے جزو سے دوسرے قصہ کو جس میں ظلم کیا گیا ہے کہ جب اہلِ صالحہ پر ہماری رحمت اور اہلِ صالحہ پر ہمارا عذاب دینا میں بھی آجاتا ہے جو کہ دہرا لہذا نہیں بلکہ اصل عمل ہے تو آخرت میں تو ان کا قصور کہیں نہ ہوگا جو کہ دہرا لہذا ہے اگر حق تعالیٰ آخرت میں کسی کو عذاب نہ فرماتے تو دنیا میں ہدایت دینی کی یہ بھی عذاب نہ آتا کیونکہ یہ دہرا لہذا نہیں جب یہاں بھی بعض دوسرے اعمالِ صالحہ کے عذاب آجاتا ہے تو کیونکہ آخرت میں تو اس کا قصور ضروری ہوگا جس رحمت کی رحمت و ہدایت کو اس عذاب سے بے فکر کر نہ ہوتا اور عذاب کی شدت ہی رحمت سے بھی مایوس نہ ہونا کیونکہ حق تعالیٰ دنیا میں بھی بعض دھارمکی حالت میں رحمت فرماتے ہیں لہذا سہا ب کا ہرہ سے اس کی امید کچھ نہیں رہتی جیسے ایسا مقام کی حالت امید والا سے امید ہوگی قصی۔ اسی طرح قومِ لوط کی ظاہری حالت پیشہ حضرت نے ان کو اہلِ عذاب سے بے فکر کر دیا تھا (یعنی ان کا غلبہ رہا ہے لہذا وہ ۱۳) دوسرا نحو طوطہ السلم کے لئے یہ ہے کہ اِنَّ عَلٰیہِمْ لَہُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ (بڑا عذاب میرا عذاب بھی سخت ہے) میں حق تعالیٰ نے طوطہ سمن کو بدل دیا ہے کہ جس کا مطلب العظیم (بڑا عذاب میں عذاب دینے والا بھی عظیم ہوں) نہیں فرمایا یعنی مفت عذاب کو اپنی طرف منسوب نہیں فرمایا جیسا کہ اِنَّ الْفِتْوَۃَ الرَّجِیْمِۃَ بڑا عذاب میں بڑا عذاب والا مہربان ہوں۔ میں حضرت رحمت کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے میرے نزدیک اس میں صلیبت و جمعیتی علی غصیتی (میری رحمت میرے غضب سے ہجرت کرگئی) کا مضمون چلی ہے بعدیت میں تو ظاہر ہے مگر قرآن میں چلی ہے۔

کہ ہر فعل کے لئے ایک عاقبت ہوتی ہے تو اس فعل کی بھی کچھ عاقبت ہونا چاہئے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ یعنی اِنَّہٗ لَفِیْہِمْ جَبَہٌ لَّوْیَہِ اِنَّ الْفِتْوَۃَ الرَّجِیْمِۃَ وَاِنَّ عَلٰیہِمْ لَہُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ عاقبت یہ ہے کہ رسول ﷺ کو حق تعالیٰ عظیم فرماتے ہیں کہ بندوں کی اصلاح میں ترقیب و تربیب کو بڑا اصل ہے اور امت کو عظیم ہے کہ تم کو رحمت و ہدایت دونوں کو حق کرنا چاہئے اس سے تم ہم تک پہنچتے ہو اور رحمت میں پہنچتے اور جہنم سے پہنچتے میں اسی کو بڑا اصل ہے اور اس مضمون کے مقصود آیت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ لوہ شیطان کے انکار کوہ کا اگر ہے مگر جنت و دوزخ کا ذکر ہے اس کے بعد یہ ارشاد ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں جنت میں پہنچتے اور جہنم سے پہنچنے کا طریقہ ظاہر کیا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ

اِنَّ اَكْبَرَ الْعُقُوبَاتِ الرَّحْمٰنِ عَلٰی الْعَصِيّۃِ کی تعلیم سے اصل مقصود یہ ہے کہ لوگ اعمال صالحہ میں ترقی کریں مگر آج کل بہت لوگوں نے اس کو کما میں ترقی کے لئے پا کر دکھا ہے تو بہت بے ہمت اور دکھا کھڑا ہو جاتا ہے جس موقع میں یہ بے باک لوگ غور انرجیم کو استعمال کرتے ہیں یعنی جب کوئی گناہ کے عذاب سے ڈرتا ہے تو اس وقت بھانے محاسنات کے نہایت بے پروائی سے کہتے ہیں کہ اسے یہاں وہ غور رحم میں یعنی اذکی کوئی بات نہیں وہ کہو گئی نہ کہیں گے جب گناہوں پر حق تعالیٰ کا غضب اور غیرت کرنا منصوص ہے تو اس کی نفی کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔

مفہوم سبقت و رحمتی علی غضبی

اِنَّ عَلٰی کُلِّ شَيْءٍ قَدَرٌ اِنَّ عَلٰی کُلِّ شَيْءٍ قَدَرٌ میں حق تعالیٰ نے طرز و عنوان کو بدل دیا ہے کہ اسی الہ العظیم نہیں فرمایا یعنی مفت و غضب کا اپنی طرف منسوب نہیں فرمایا جیسا کہ اِنَّ اَكْبَرَ الْعُقُوبَاتِ الرَّحْمٰنِ عَلٰی الْعَصِيّۃِ میں مغفرت و رحمت کا اپنی طرف منسوب فرمایا ہے میرے نزدیک اس میں سبقت و رحمتی علی غضبی کا مضمون چلی ہے جو حدیث میں تو ظاہر ہے مگر قرآن میں چلی ہے جیسا مقرر ہے اس کی تقریر آتی ہے کہ تکبر حق تعالیٰ باطن بھی ہیں ان کے کلام میں مفت باطن کی بھی رعایت ہے جیسا کہ مکمل آیت میں اس مفت و رحمت پر دلالت کرتے ہیں اور ظاہر کی رعایت ہے اس لئے قرآن سے ال ظاہر باطن سب کو حفا آتا ہے گواہ باطن کو زیادہ حفا آتا ہے ہی کو گئی نے یوں کہا ہے۔

ہمارا عالم حشیش دل و جان تازہ میدانہ رنگ اصحاب صورت راہ و باب متنی را

غرض حق تعالیٰ نے مغفرت و رحمت کا بیان تو اس طرح فرمایا کہ میرے عذاب سے عذاب میں بہت بچنے والا بہت رحم کرنے والا ہوں۔ اور عذاب کی نسبت میں نہیں فرمایا کہ میں بہت عذاب کرنے والا ہوں بلکہ میں نرم ہوں کہ میرا عذاب بہت نفع ہے میری سزا بہت دردناک ہے اس میں تعذیب کا اپنی مفت کے صیغہ کے طور پر نہیں فرمایا تو اس میں سبقت و رحمتی علی غضبی پر دلالت ہے حدیث پر نگہ ساری ہے اس لئے مفت کے رنگ میں مذکور ہوئی اور غضب مفت کے رنگ میں مذکور نہیں ہوا یہ نکتہ تو میرے ذہن میں اس آیت کے الفاظ پر غور کرنے کے اول ہی اہل میں آ گیا تھا اس کے بعد ایک دوسرے مضمون کی طرف ذہن غفل ہوا وہ بہت عجیب ہے وہ یہ کہ حق تعالیٰ کے لئے ایک تو افعال ہیں اور ایک صفات ہیں اور ظاہر ہے کہ صفات کا قرب پر نسبت افعال کے ذات سے زیادہ ہے کیونکہ صفات لا غیر ہیں اور افعال اتفاقاً غیر ذات ہیں۔ اس لئے افعال کو پر نسبت صفات کے ذات سے بعد ہے اور اسامائے میں بعض اسامائے صفات پر داخل ہیں اور بعض اسامائے افعال پر داخل ہیں پھر آج میں نے بہت غور کیا تو اسامائے میں کوئی نام ایسا نہیں پایا جو مرتبہ صفات میں غضب پر داخل ہو بہت سے بہت قہار و جبار کو قہریں کریں گے تو جبار کے معنی تو غضب کے نہیں

بلکہ حق تعالیٰ کی جو صفت جہاں ہے وہ جب کہ مٹی میں ہے جس کا حاصل ہے حلائی کرنا کھینچنا کو چڑھنا تو اس کی تو دلالت تو خود صفت ہی پر ہے اور تہا رہا جس ایک احتمال تو یہ ہے کہ اس مٹی ہو جو فصل پر دل ہو اس وقت مٹی نہ ہو جیسے گی وہ سمیت و خالق و رازق ہے تو اس صورت میں تو شبہ ہی نہیں ہو سکتا اور احتمال یہ ہے کہ اس صفت پر مگر لغت عربی میں مگر کے مٹی غصہ و غضب کے ثابت نہیں بلکہ غلبہ کے مٹی ہیں جس پر ثابت نہیں ہوتا کہ غضب حق تعالیٰ کی صفت ہے اس کے یہ مٹی نہیں کہ حق تعالیٰ سے صدور غضب کا نہیں ہوتا ہوتا ہے لیکن وجہ فعل میں ہوتا ہے نہ کہ وہ صفت میں اور صفت کا ثبوت وجہ صفت میں ہوتا ہے۔ جو کہ ہم سے اور اس قدم کے سبب صفت موصوف کے تعلق میں مرادہ کو دخل نہیں کیونکہ لازم ذات و لازم میں کمال جمل نہیں ہوا کرتا اور صفت کا تعلق مہار سے تو بالا مرادہ ہی ہو گا مگر ذات کی طرف اس کا احتساب بلا ارادہ ہے اور غضب کا احتساب بھی ذات حق کی طرف بلا ارادہ ہے اور یہ ایک دوسری تو یہ ہے صلیط و جعنی علی غصی کی کدورت کو غضب پر سبقت پائی مٹی ہے کہ وہ صفت ہے اور یہ فعل ہے اور صفت سابق ہوتی ہے فعل پر یہی وجہ ہے کہ صفت تو بلا سبب بھی ہو جاتی ہے کیونکہ وہ متشخص ذات کا ہے اور غضب بلا سبب نہیں ہوتا۔

اور ایک تو یہ صلیط و جعنی علی غصی کی وہ ہے جو جس نے حضرت اسحاق علیہ السلام سے سنی ہے کہ جس شخص میں مقتضیات صفت و غضب دونوں جمع ہوں اس پر صفت ہوتی ہے اور ایک صورت سنی کی یہ ہے کہ احتمال صفت میں تضاد صفت ہوتا ہے کہ ایک صفت کو جس صفت اور اولیٰ بالا بتایا یعنی یعنی لاکھ صفت صفت ہوا چھایا جاتا ہے چنانچہ صوم کے بارے میں بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس کے ثواب کا تضاد صفت لاکھ صفت یعنی لاکھ صفت صفت تک ہوتا ہے۔ اور احتمال صفت میں تضاد صفت نہیں ہوتا بلکہ ہر گناہ ایک ہی گناہ شمار ہوتا ہے یہ تو یہ بھی الخلیف ہے (مگر آج کی تو یہ الخلف و اشرف ہے ۱۲) اور اس سے معلوم ہوا کہ جہاں خوف میں رہا حاصل ہے کہ نہ کہ اس کا تعلق صفت سے ہے جو صفت حق ہے اور خوف اصل نہیں اس کا تعلق غضب سے ہے جو صفت نہیں بلکہ فعل ہے اور ظاہر ہے کہ صفت بمقابلہ فعل کے اصل ہے اس لئے کہ لازم ہے کہ ان دونوں کی فرغ میں بھی جو شے فرغ صفت کی ہے وہ اصل ہو اور جو غضب کی فرغ میں وہ اصل نہ ہو لیکن رہا وہ خوف کی ایسی مثال ہے جیسے خدا واداء کہ خدا اصل ہے اور عدا و دشمنی رہا خدا اب ہے اور خوف وہاں ہے۔

خوف کی حد

دوسری وجہ اصالت و ترجیح جہاں کی یہ ہے کہ طریق کا مدار فعل پر ہے اور جہاں سے نکلا پیدا ہوتا ہے اور نکلا موصوف از و یا اصل ہے اور خوف سے انقباض ہوتا ہے اور انقباض موصوف فعل ہے کہ اصل تعلق خوف کا احتمال صفت میں جس کا مقتضی یہ تھا کہ خوف سے احتمال صفت کی تشکیل ہوا کرتی مگر تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ غلبہ خوف

سے جبکہ وہ مفرد چاہے اعمال صالحہ میں بھی تقصیل کا اندیشہ ہو جاتا ہے بلکہ تقصیل کا توہم ہو جاتا ہے تو ہو جیچے تقصیل عمل کی طرف متغنی ہو سکے وہ اصل نہیں ہو سکتی اسی لئے حضور ﷺ نے رہا کے لئے کوئی حد نہیں بیان فرمائی اور خوف کے لئے حد بیان فرمائی جو ابھی آتی ہے اور یہی کافی دلیل ہے حضور ﷺ کے اصل الناس و رئیس المصلحاء ہونے کی کچھ آپ نے جو خوف کی حد بیان فرمائی ہے وہ کسی ماعقل کے کلام میں نہیں مل سکتی (۱) ان ہنگاموں میں مطلقہ آپ فرماتے ہیں وہاں ملک من عیشہ تک ما سحول یعنی وہاں مصاصبک کو اسے اللہ میں آپ سے کا خوف مانگا ہوں کہ جس سے گناہوں میں آڑے بنے یہ حد آپ نے اس لئے بیان کی ہے کہ ظلم خوف سے عقل کا اندیشہ ہے ہم نے تجربہ کیا ہے کہ زیادہ خوف سے مایوسی ہو جاتی ہے کا پندرش ایک دیکھ کر ہم سے ہم نام تھے انہوں نے دنیا و مافیہا کا باب الخوف دیکھ کر ان کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ تنگ خاطر ہونے سے مایوس ہو پلے اور اس کا نام سن کر فرماتے اور کا پتے تھے ایک دن وہ میرے پاس کتاب لے کر آئے اور حالت یہ تھی کہ کتاب کو کھولتے ہوئے ان کا ہاتھ کا پتہ آٹھریں نے ٹپکی دی جب کہ وہ ان کے ہوش و حواس درست ہوئے اور مجھ سے اس فقرہ کے ضبط کرنے کی درخواست کی چنانچہ وہ ضبط اور شائع ہو چکی اس کا نام خاطر بالشر ہے اسی طرح ایک انجیل پولیس پر خوف غالب ہو گیا تھا اور وہ اس طلب سے اپنی مطرقت سے مایوس تھا آٹھریں نے کہا کہ درسا میں تو ضرور پڑھا ہی گا ہر گز وہ شرت میں بھی کیوں کی کروں مگر یہ معلوم تھی تعالیٰ کو اس کا کون سا فعل پڑھا گیا ہو گا کہ آٹھریں تو یہ نصیب ہوئی اور ختم ہوا ہو گیا۔

لَعَلَّكُمْ أَتَانَكُمْ لِقَىٰ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ

ترجمہ: آپ ﷺ کی جان کی قسم وہ اپنی مستی میں رہوش تھے۔

تفسیری نکات

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ کی قسم

یہ بات تو ملود (طیبہ اسلام) کے بارے میں ہے کہ یہ سے ان کا قصد چلا آتا ہے جس اقصیٰ کے حلقہ حق سبحان تعالیٰ کا ارشاد ہے لَعَلَّكُمْ أَتَانَكُمْ لِقَىٰ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ یعنی اسے کہ ﷺ آپ کی حیات اور جان کی قسم ہے وہ اپنی قوم اور اپنی امتی اور دشمنی بلکہ دے تھے اس قسم سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی حیات شریف کی عظمت اور شان بیان فرمادی اور جان بھی اپنے طور سے کہ سنتے ہوں کہ حضور ﷺ کی شان کی بڑی کمال اور ہوتا ہے خوش تر آں باشد کہ مرد لہر آں گفت آید وہ حدیث دیگر اس

فضیلت کی انواع

بعض لوگ کہتے ہیں تو ہوتے نہیں اور جاتے ہیں کہ قرآن کو کچھ لکھ لو چکر موقوف بعد صرے ظہر پر اس لئے شہادت پیدا ہوتے ہیں اور شہادت کے لئے کلام سے لکھتے ہیں چنانچہ یہ شیعہ بھی کہ جب قرآن میں انحراف و تفریق کی قسم ہے اللہ تعالیٰ کا حکم کما دیکھ عتدہ نعت شمس مسمیٰ کہیں اس کی قسم ہی سے پیدا ہوا ہے۔

اس کے جواب کے لئے ایک مقدمہ عقلی لکھتے ہیں کہ ہر شے کا شرف ہی کی نوع کے اعتبار سے ہوتا ہے تو قسم بہ ہونا ہے ایک دلیل ہے شرف کی لیکن نہ مطلق بلکہ فی نوع یعنی یہ سمجھا جاوے گا کہ یہ شے اپنی نوع میں سب افراد سے افضل ہے اس کو میں اور واضح کرنا ہوں امام فخرانی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ کما دیکھ افضل ہے یا اپنی قوم بہ جنوں ہے یہ سوال ہی ملتا ہے کہ فضیلت اور مغضویت ایک نوع کے افراد میں ہوتی ہے مثلاً یہ سوال صحیح ہے کہ چارواک افضل ہے یا دریائی پانی افضل ہے یا دریا ہے اس کو انفرادی میں سمجھو کہ دریا دوسری بات ہے لیکن اگر افراد میں ہو تو اس میں یہ مابین ضرور ہوگی کہ ایک نوع کے تحت میں داخل ہوں مثلاً میں نہ کہیں گے کہ سب افراد افضل یا اس کتاب میں کہیں گے یہ سب افراد افضل ہے یا اس سب افراد میں گزر

جب یہ کاہدہ لکھ میں آگیا تو اب جواب لیجئے کہ قسم بہ ہونا ہے ایک دلیل اس کے شرف کی ہے یہ مراد نہیں کہ وہ سب انبیاء سے افضل ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی نوع میں افضل ہے پس انحراف ہے ایک افضل ہے لیکن ثمرات میں اور خیر بلا شہاد شرف ہے مگر وقت میں میں اس عام پر آپ کی حیثیت کے قسم بہ ہونے کی ضرورت کی جو فضیلت و عظمت ثابت ہوئی وہ اپنے انفرادی یعنی انبیاء میں ثابت ہوئی پس اس سے تمام مفسرین اس سے افضل ہونا ثابت ہوا اور انبیاء سب انسانوں سے افضل ہیں پس حضور ﷺ کا سیدہ اولاد آدم و نوح معلوم ہوا۔

اب دہی یہ بات کہ فضیلت مطلق کیسے ثابت ہوئی تو وہی طور پر کہ بالحق مطلق انسان اشرف المخلوقات ہے اور خیر حق تعالیٰ اور شاد فرماتے ہیں کہ **وَأَقْبَلُ إِلَيْكُمْ كُنُوزًا أَكْبَرًا** اور میں جب کہوں انسان تمام افراد سے افضل ہے اور انفرادی انسان میں انبیاء کا افضل ہیں اور حضور افضل المرسلین سید الانبیاء ہیں پس حضور افضل لیکن ہوتے۔

چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی انہیں تیسرا فرمایا میں عرب و عجم ان میں عرب کا فضیلت مقرر فرمائی پھر عرب میں قریش کو افضل فرمایا اور قریش میں سے نبی مہتمم کو منتخب فرمایا پھر ان میں سے محمد پیدا کیا پس میں افضل ہوں یا نہیں اس پر وہ شبہ نہ ہو گیا اور لکھ کر کہ فضیلت و محبوبیت حضور ﷺ کی ثابت ہوگئی۔

ترجمہ آپ ﷺ کی جان کی قسم وہ اپنی قسمی میں وہ ہوا ہے۔

حیات برزخی رسول اکرم ﷺ

جاننا چاہئے کہ قسم معمولی شے کی نہیں کھائی جاتی عظیم بہ کوئی عجیب اور ذی شرف شے ہونا چاہئے اب دیکھنا چاہئے کہ قسم یہاں کیا ہے تو قسم یہاں حضور ﷺ کی حیات ہے اس لئے کہ عمر شریف و قسم نام ہے حیات اور جہاد اور حیات کہتے ہیں ذی حیات کی اس حالت کو جو قہر سے لے کر وفات تک ہے اور اگر نظر کو اور سچ کیا جاوے تو حضور ﷺ کے لئے بعد وفات کے بھی حیات برزخی ثابت ہے اور وہ حیات شہداء کی حیات برزخی سے بھی بڑھ کر جہاد اتنی قوی ہے کہ حیات ماضی کے قریب قریب ہے چنانچہ بہت سے احکام ماضی کے اس پر حشر کیا بھی ہیں دیکھئے آئندہ مرد کی نبی سے نکاح جائز نہیں ہے حضور ﷺ کی ازواج مطہرات سے بھی نکاح جائز نہیں اور آئندہ کی میراث تقسیم نہیں ہوتی حضور ﷺ کی میراث بھی تقسیم نہیں ہوتی اور حدیثوں میں صلوات و سلام کا سارا اور ہوا ہے سو یہ تحقیقات ہیں بال اسرار کی اس سے اصلی زمانہ ان احکام یعنی لا تسکحوا الزواجہ من بعدہ اور لا تسودن مائتہ کتھہ صلفہ کا معلوم ہو گیا مگر حیات برزخی کے بعد حیات اخروی ہے وہ تو سب کو شامل ہے تو دنیا کو بطریق اولیٰ شامل ہوگی پس حیات کا صدق حضور ﷺ کی ولادت شریف سے لے کر جنت کے دخول و مخلوک ہے یہ کام تو ختمی کی جانب میں ہے اور اگر امتداد کی جانب نظر کو درست دی جاوے تو آپ کی نورانیت کی جو حالت عالم اولوں سے بھی پہلے تھی اس کو بھی حیات کہہ سکتے ہیں جس کی نسبت ارشاد ہے کنت لبنا وادم بین الروح والجسد اور عالم اولوں میں جب استقامت کا عہد لیا گیا اور پھر کیا الست ہر مکرم قسم نے حضور ﷺ کی طرف دیکھا کہ یکس آپ کیا خطاب دیتے ہیں تو سب سے اول حضور ﷺ نے جواب دیا یسلی انت وبنائک کے بعد اولوں نے بھی کہا اولوں کی علم و معرفت کے مرئی بھی حضور ﷺ ہوئے اور تربیت فی اعظم حیات پر متوقف ہے پس جب سے نور مخلوق ہوا ہے اس وقت سے حیات لی جا سکتی ہے پس اس تقریر پر حضور ﷺ کی حیات کی چار حالتیں ہو گئیں۔

ایک تو نور شریف کے پیدا ہونے سے ولادت شریف تک

دوسرے ولادت شریف سے وفات تک

تیسرے وفات سے حشر و شریک

چوتھے اس سے ظهور جنت تک

پس اگر لوہرک سے یہ حیات جس کے چار حصے ہیں مرئی جاوے تو چھ کو ہر حصہ کے متعلق مفصل بیان کرنا ہے مگر اور وقت آگاہ سچ نہیں اس لئے میں وہی حصہ حیات کا لیتا ہوں جس کو کل عرف حیات کہتے ہیں یعنی ولادت شریف سے لے کر وفات تک جس معنی لوہرک کے یہ ہونے کا آپ کی اس حصہ صریح قسم ہے۔

مدعیان محبت نبویہ کی غلطی

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا یہ حصہ مراد رفع الathan ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مقسم ہوا اور اس حصہ مراد آیات کا ایک جزو اور دست شرط بھی ہے تو اس کا بھی مقیم القدر رفع الathan ہونا ثابت ہوا اسی طرح اس کا دوسرا حصہ قوت استعداد و حصول کمالات کا ہے تیسرا حصہ تخلیق و دولت کا ہے چوتھا حصہ تکمیل امت کا ہے اور یہ تیسرا چوتھا حصہ بعض احوال میں حقائق بھی ہے مگر تکمیل کی دو حیثیتیں ہیں ایک تکمیل حاضری خواہ اس کی اصلاح کے لئے دوسری تکمیل حاضری اصلاح غایت کے لئے جس میں سب حصص کی وقت و عظمت ثابت ہوئی اور عظمت و رفعت شے کی جس طرح باقتدار اس کی ذات کے ہوتی ہے اسی طرح باقتدار اس کی غایت کے بھی ہوتی ہے بلکہ زیادہ مقصود یہ ہے کہ اس کی غایت ہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

پس حضور ﷺ کی تحریف آدمی عالم ناموس میں گنج اخصص کی بھی کوئی غایت ضرور ہوگی اور وہ غایت ایسی ہے کہ اس کو کس نہ مدعیان محبت کی بھی اصلاح ہوگی۔

وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: (نور مے نے آپ ﷺ کو سات آیتیں دیں جو ان میں مقرر ہوئی تھیں چنانچہ قرآن عظیم۔)

تفسیری نکات

اہل علم کی ہوس زر پر اظہار افسوس

ایک مدد فرمایا کہ ایسے شخص کی حالت پر نہایت افسوس ہوتا ہے جو قرآن اور حدیث پڑھ کر جاہ و مال کی محبت رکھے تو اس نے اس کی تعلیمات پر نظری نہیں کی کما بدل علیہ قولہ تعالیٰ: وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ﴿۱۰﴾ لَوْ كُنْتَ تَعْلَمُ عَلٰی مَا ذَكَرَهُ الرَّمَحْشَرٰی فِی الْكَشَفِ وَالْعَزَازِ فِی الْمَنَاجِیْ وَ الْحَدِیْثِ مَن لَّمْ یَعْنِ بِالْقُرْآنِ فَلَیْسَ مِنْ اَنْوَاعِ الْعُلَمَاءِ وَ الْعُلَمَاءِ السَّادَةِ اَحْمَدٌ بِالْاَسْخَاةِ کَمَا فُسِّرَ الْعَلَامَةُ الرَّمَحْشَرٰی عَفْوُ لَهُ خَلَامُ الْعُلَمَاءِ وَ الْعُلَمَاءِ السَّادَةِ اَحْمَدٌ حَسَنُ الْجَسَمِ عَفِی عَنْہُ

ترجمہ: (نور باقی ہم کو معلوم ہے کہ ہر لوگ جو باتیں کرتے ہیں اس سے آپ تکمل ہوتے ہیں یہی اس کا علم ہے کہ آپ اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتے رہتے اور آپ اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے۔)

خلاصہ مفہوم

خلاصہ یہ کہ جب عقل اور یعنی خدا کے ساتھ مشغول ہو اس مشغولی میں سے عقلی باتوں کو دے گی اور یہاں ہمیت سے وہ مراد نہیں جو ایک دوسری آیت میں مذکور ہے اَلَّذِیْ یُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْغُلُوْبِ یہاں یہ اس کی تفسیر ساقی و ساق سے معلوم ہوتی ہے کہ امینان سے وہ امینان مراد نہیں جو شوق کا مقابل ہے یہاں یہ دوسرا امینان مراد ہے جس کا نام ایمان ہے چنانچہ قرینہ ساقی بالمرہ یہ ہے کہ فرماتے ہیں وَکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْغُلُوْبِ لَوْ لَا تَقْوِیٰ عَلَیْکُمْ فِیْہِ فِیْہِ قُلُوبُ لَکُمْ یُحْضِلُ مِنْ یَشَاءُ وَیُکَلِّمُ فِیْہِ مَنْ یَّکَلِّمُ آگے فرماتے ہیں اَلَمْ یَدْرِ اَنَّ اللہَ طَمَعُ الْقُلُوْبِ

جب یہ من لایب کا بل ہے تو اس کے ساتھ خود چاروں کتاب بھر مقابل خیال کے لئے ہندی دوسن ہے جس پر امینان خود ایمان کے ساتھ اور ساقی و ساقی یہ ہے لَوْ لَا تَقْوِیٰ عَلَیْکُمْ فِیْہِ فِیْہِ قُلُوبُ لَکُمْ یُحْضِلُ مِنْ یَشَاءُ وَیُکَلِّمُ فِیْہِ مَنْ یَّکَلِّمُ آگے فرماتے ہیں اور اصل معنی امینان کے سکون کے ہیں اور سکون و طریح کا ہوتا ہے ایک سکون عقلی اور سکون طبعی میں یہاں امینان سکون عقلی کے معنی میں ہے۔

یہ مقابل شوق کا نہیں کیونکہ شوق امر طبعی ہے پس وہ تو امینان کفر کے مقابل ہے پس طبعی نہیں اور قرآن میں دونوں استعمال موجود ہیں چنانچہ فرماتے ہیں وَکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْغُلُوْبِ یہاں سکون عقلی ہے اور ایک جگہ طبعی ہے اور ہم کے قصہ دے دیا ہے سوئی میں۔

بعض کی تفسیر نہ جاننے سے غلطی میں پڑ جاتے ہیں ایک کہتے اسکا پتہ یہاں آیت لَوْ لَا تَقْوِیٰ عَلَیْکُمْ فِیْہِ فِیْہِ قُلُوبُ لَکُمْ یُحْضِلُ مِنْ یَشَاءُ وَیُکَلِّمُ فِیْہِ مَنْ یَّکَلِّمُ آگے فرماتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کو امیاء میں امینان نہ تھا شک تھا ان کے اس شبہ کی وجہ یہ توئی کہ اس آیت میں امینان کو مقابل کج کے کئے یعنی امینان عقلی سمجھ کئے سو یہ معنی امینان طبعی مستعمل ہے اور شک کی ٹیٹی تو اولیٰ حق کے جواب میں ان کے ٹیٹی کیسے سے ہوگی۔

مائل اس ہے امینانی طبعی کا یہ ہے کہ ان کو یہ تو یقین تھا کہ امیاء وہ کافر اس کی کیفیت میں جو کفر کی احتمال تھی اور کسی کیفیت کا مشاہدہ نہ ہوا تھا اس لئے اس کی تمیز میں تردد تھا اس کو عدم امینان فرمایا کیونکہ یہ امینان مشاہدہ ہی سے ہوتا ہے کہ طریح سکون ہو جاوے یہ کیفیت واقع ہوئی میں نے ان کو بھی جواب دیا جو عرض ہوئے اور کہنے لگے کہ واقعی ترجمہ سے قرآن کچھ بہت دشوار ہے۔

یہ اثر پیدا ہوتا ہے محققین کے پاس رہنے سے دور نہ کتا جوا شہد تھا اور اہم علیہ السلام کو تو امینان نہ تھا وَکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْغُلُوْبِ سے اور وَکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْغُلُوْبِ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور معنی امینان حاصل ہے تو اس کا کتا جوا شہد تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی حاصل نہ تھا۔

اطمینان کے درجات

تو اس تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ اگر اطمینان کے درجہ میں ہیں پس ان الطہین امنوا میں اطمینان مطلق مراد ہے۔ لیکن لطمین فاسی تھیں مگر اطمینان مطلق اور ضیق کا علاج بھی اطمینان مطلق ہے جو مشغولی جن سے پریشانی کے علاج کرنے میں مؤثر ہے اور بہت امور میں تردید اور ضیق نہ کرے مثلاً ایسا ہوتی کی کیفیت میں۔

اب ایک اور قوی شہد باقی رہ گیا وہ یہ کہ فرماتے ہیں الم لشوح لک صدوک تو کیا شرح صدر کے بعد بھی حضور ﷺ کو اطمینان معلوم ہوئی سو سمجھو کہ یہ جو حق تعالیٰ نے فرمایا ہے

ضیق کی دو قسمیں

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ ضَيْقًا سَوْضِقُ كِي دقتیں ہیں ایک تو یہ کہ چھ عوام کو ہوتا ہے حضور ﷺ کو ایسا بھی نہیں ہوا اور یہ کہ نہایت ضعیف ہو سو یہ ہو مگر یہ شرح صدر کے معانی نہیں۔

دیکھو آپ کو زکام ہو گیا اور وہ بھی معمولی تو آپ بھی مریض ہیں اور ایک وقت پر وہ بھی مریض ہے مگر آپ کی بیماری عادت صحت کے معانی نہیں کیونکہ صحت غالب ہے پس حضور ﷺ کا ضیق بھی نہایت ضعیف ہو تھا جو شرح صدر کے معانی نہیں۔

اب ایک بات اور سب کا دل تحقیق باقی رہی وہ یہ کہ اطمینان جب حاصل ہو گا تو آپا ضیق زائل ہو جائے گا یا مغلوب ہو جائے گا تو یہ بات تجربہ سے ثابت ہو چکی ہے کہ ضیق زائل نہیں ہوتا بلکہ مغلوب ہو جاتا ہے جس طرح انسان کے اندر سب اعضاء موجود ہیں تو جب سفر اچھا ہوتا ہے سب کی ضرورت چلتی ہے مگر سب سفر کو بالکل نہیں نکال دیتا اور اگر بالکل سفر اچھا ہے تو سب ضرورت ختم ہو جاتی ہے۔

حق تعالیٰ نے جب طبیعت عطا فرمائی ہے تو اس کے خواص لازم بھی مقرر فرمائے ہیں ورنہ اتفاقاً لازم سے اتفاقاً مہلک ہو جاتا ہے غرض زائل نہیں ہوتا پس مغلوب ہو جاتا ہے اور اس تحقیق سے ایک یہ اثر و سائلین کا وضع ہوا ہے کہ بعض اوقات بعد ہمارے کے بھی بعض امور طبیعت سے فو سوس کا اثر اپنے اندر پاتے ہیں اور اس سے ہمارے کے پیار و ہونے کا گمان کر کے مایوس ہو جاتے ہیں تو سمجھ لیا جائے کہ اگر اتفاقاً ذمیرہ مغلوب ہو جائے گی کہ ان کے اتفاقاً پر عمل کرنے کو آپا سانی ترک کر سکیں یہ کافی ہے زوال کی توقع نہ رکھیں ورنہ پھر وہ آپا اور غیبت ہی کہا ہے یا سورا و حقے جو درمیان میں عرض کر دیے گئے۔

خلاصہ حاصل مسئلہ یہی ہے کہ ضیق کا مشغولی جن سے علاج کیا گیا ہے آپ خود بھی دیکھ لیجئے کہ مشغولی جن سے پیلا و اقدار مہلک جائیں گے انہیں اور میں یہ بتا چکا ہوں کہ واقعات مکرر وہ پریشان نہیں ہوتے بلکہ مشغولی واقعات پریشان کرتی ہے اور مشغولی جن سے وہ مشغولی وغیرہ نہیں ہوتی اس لئے پریشانی نہ ہو گی۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ۖ فَتَسْتَغِيْثُ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِيْنَ ۖ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝

ترجمہ: کہ ہم جانتے ہیں کہ آپ کا دل ان کے اقوال سے تنگ ہو رہا ہے تو آپ اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتے رہیے اور لوگوں میں نہ مٹنے والوں میں رہیے اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے رہیں تاکہ آپ کو موت آ جاوے۔

تفسیری نکات

علاج غم

آج کے علاج بتاتے ہیں کہ تھکاوٹ سے دل کی تسبیح کیجئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ اللہ کا نام لیجئے نکل پڑے گا لیجئے وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِيْنَ بالخصوص سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جائے اور یہ جو ہم نے بتایا یہ تو واقعی چنانچہ بتا رہے ہیں اس کا فرق ہے۔

اب آجے فرماتے ہیں کہ اس کے ساتھ ایک خدا بھی ہے کہ اگر تم پروردگار تکبیر بھی نہ ہو تب بھی اس کو کرتے رہو یعنی وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ پس یہ خدا ہے کہ موت آنے تک عبادت کرتے رہو غرض اس آیت سے علاج و نفاذ دونوں ہاتھیں مضمون ہوئیں ہادی خدائی نے یہاں تین سیٹے اختیار کئے ہیں اور سب کا حامل قرب و قرب ایک ہے یہ صرف اختلاف عنوان ہے اور حامل سب کا ایک ہے۔

عبادۃ اللہ فی وجہ و حسب و احد و کمال اللہ ذلک اجماع و ہنر
 بس عبادتیں مختلف ہیں اور حامل سب کا ایک ہے یعنی مشغولی کن خاصہ یہ کہ اگر آپ پر تنگی آوے اور آپ کا دل تنگ ہو رہا مشغول کن ہو جائے یا اس کا علاج ہے۔

سُورَةُ النَّحْلِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۷۲﴾

﴿ترجمہ﴾ اور اللہ تعالیٰ وہ چیزیں پیدا کرتے ہیں جن کو تم نہیں جانتے۔

تفسیری نکات

جدید مصنوعات کا ذکر قرآن مجید میں

مطلب یہ ہے کہ طققاتِ انبیاء کا تہذیبی سطوات ہی میں انحصار نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ بیش ایسی چیزیں بھی پیدا کرتے رہے ہیں جن کی تم کو خبر نہیں مثلاً زمین کے اندر بعض جراثیم ایسے پیدا ہوتے ہیں جو انسان و حیوان کے لئے قاتل ہیں اور بعض سواریاں ایسے پیدا ہوتے ہیں جو سواریاں کو کٹا کرنے والے ہیں ہم کو اس کی پہچان بھی خبر نہیں ہوتی کہ کون سا مارہ کب پیدا ہوا اور کب کٹا ہو گیا یہ تو آیت کی تفسیر بھی اب میں اس کے متعلق چند فوائد ذکر کرنا چاہتا ہوں ایک فائدہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں جو ایک سواری دریل یا پکارا ہوتی بعض ذہنوں کو اس کے متعلق اس کی تلاش ہے کہ ٹیل کا اگر بھی قرآن شریف میں نہیں ہے یا نہیں نہ ہر چند کہ اس کی کوہ ضرورت نہیں کیونکہ قرآن حرفت و صنائع اور ایجادات کے بیان کرنے کو نازل نہیں ہوا جیسا کہ بارہا میں نے اس پر متنب کیا ہے اور قرآن کو نہ جیسا انا لکل شیء کہا گیا ہے تو وہ اس کل شیء سے مراد کل شیء میں امور اللہ ہیں ہے نہ کہ کل شیء وہ جن امور اللہ یا اس لئے یہ تحقیق نہ کہ وہ عقل ایک امر ذاکر ہے لیکن شعرا میں اس کو لکھی بیان کرتا ہوں کیونکہ اس وقت یہ بیان ایک ایسی ہی لغت کے شعر یہ میں ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ نے دریل کے متعلق ہم کو حفظ فرمائی اور جس کو دوسرے مرکبات کے ساتھ وصف مرکبیت میں مشارکت بھی ہے سو بعض ذہنوں نے اس کو سورہ انیس کی اس آیت **وَلَا يَخْلُقُ أَشْيَاءَ مُشَابِهَاتٍ لِذَلِكَ أَلَمْ يَكُنْ فِي السَّمَوَاتِ السَّعْدُونَ** اور **وَلَمْ يَكُنْ فِي السَّمَوَاتِ السَّعْدُونَ** میں داخل کیا

ہے کہ اس میں دلیل کا بھی ذکر کیا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کا یہ ہے کہ لوگوں کے لئے اس بات میں بھی ہماری قدرت کی دلیل موجود ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو ہماری بھری کشتیوں میں سوار کیا اور ہم نے ان کے لئے کشتی کے مثل اور چیزیں بھی پیدا کی ہیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں اور دلیل سب سے زیادہ کشتی اور جہاز کے مشابہ ہے کہ جیسے جہاز میں انسان اپنی تمام ضروریات کو ساتھ لے کر سفر کرتا ہے ایسے ہی ریل میں کر سکتا ہے مگر یہ قرآن کی تحریف ہے کیونکہ یہاں مختلف قسم میں اضافی کا ہے تو لازم آئے گا کہ ریل کا وجود حضور ﷺ کے زمانہ میں بھی ہوا اور اس کا بھلان کا ہر ہے بلکہ اس سے مراد اصل کے نزدیک تو کھنٹ ہے اور اس کا لفظ عربیت کے جانتے سے زیادہ آئے گا کیونکہ اصل عربی لفظ کو سائنس الیگری یعنی ٹنگی کا جہاز کہتے تھے چنانچہ یہ مصرعہ مشہور ہے

سلفان النبوة السراہبہ

اور میرے نزدیک اس سے مطلق انعام مراد ہیں کیونکہ سورہ زخرف میں ہے وَجَعَلْنَا آتِیَاتِیَہِمْ
الْفَلَاحِیَہُ وَالْآخِرَیَہُ مَا تَشَآؤُنَ یعنی یہاں نیک اور انعام دونوں کو ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انعام تو کشتی یا ہم مناسب ہیں مگر ممانعت کی صورت جب ذہن میں آئے گی کہ کشتی تو چھوٹی اور جانور بڑا یہ نہیں کہ جانور چھوٹا اور جہاز سے اس کا موازنہ کر دے ہر ریل اور اکبر شاہ کا قصہ ہے کہ اکبر نے ہر ریل سے کہا تھا کہ محل مشہور ہے راجن ہٹ تریا ہٹ یا نکل ہٹ سوال کی درخواستیں تو واقعی سخت ہیں باقی تیسری کیا مشکل ہے ہر ریل نے کہا حضور سب سے سخت تو یہی ہے البتہ اگر اصل جہاز پر مشکل نہیں کیا مشورے نے کہا اس میں اصل کی کون ضرورت ہے۔ ہر ریل نے کہا بہت اچھا میں پیہ ہٹا ہوں آپ میری ضد پوری کیجئے بادشاہ نے کہا اچھا تم پیہ ہٹو ضد کرو ہم ہر ضد کو پورا کریں گے ہر ریل نے بچوں کی طرح رونا شروع کیا اور کہا ہم تو اچھی لیں گے اکبر نے محل خانہ سے اچھی منگوا یا اس نے پھر رونا شروع کیا اور کہا ہم تو کیا لیں گے اکبر نے کیا بھی منگوا دی وہ پھر رونا لگے اور کہا کہ اچھی کوکلیا میں دیکھو یہاں اکبر باہر ہو گیا اور کہا اچھا تم جو کہتے تھے کہ اگر انسان داخل ہو تو بچوں کی ضد پوری کر سکتا ہے یہاں اصل کیا کام دے گی۔ ہر ریل نے کہا حضور اصل کے ساتھ بچی کی ضد ضرور پوری کی جا سکتی ہے اکبر نے کہا اچھا لوم پیہ جتنے ہیں تم ہماری ضد پوری کر دینا چاہے آپ نے اسی مسئلہ کو پورا کریم تو اچھی لیں گے ہر ریل نے بازار سے علی کا تھا سا اچھی منگوا یا پھر کہا ہم تو کیا لیں گے اس نے بڑی سے کیا منگوا یا پھر کہا اچھی کوکلیا میں بند کر دے ہر ریل نے اچھی کوکلیا میں رکھ دیا اور کہا حضور نے یہ غلطی کی کہ بچی کی ضد پر محل خانہ سے اچھی منگوا یا آپ کو بچی کے مناسب اچھی منگوا چاہئے تھا اسی طرح یہاں نیک اور انعام میں مسابقت کا لٹاکر کے کشتی چھوٹی اور جانور بڑا لٹاکر چاہئے اور بعض حضرات نے ریل کو سورہ محل کی اس آیت وَیَخْلُقُ مَا یَشَآؤُنَ میں داخل کیا ہے (کہ اللہ تعالیٰ ایسی ایسی چیزیں پیدا کرے گا جن کو تم نہیں

جانتے) گو یہ خریف تو نہیں ہے مگر عیدِ ضرورہ ہے کیونکہ تعلقِ بظاہر صیغہ حال ہے اور ظاہر ہے کہ ان سواروں میں جو آ کر کل اچھا ہوئی ہیں صحابہ کے زمانہ میں کوئی پیرا نہیں ہوئی اور اگر اس کو عقلیں لیا جائے تو صحابہ کچھ کیجے ہی نہ ہوں گے مگر یہ اچھا ذاتِ عقل کے بعد تو معلوم ہو گئیں اور اس آیت کے تحت میں وہی اشیاء حاصل ہو سکتی ہیں جو بعدِ عقل کے بھی معلوم نہ ہوں گے اس کی تفسیر میں سہل راستہ ہی ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے کہ مراد وہ چیز ہے جس میں جو انسان کے لئے عقلِ غم نہ کر دے کہ غم کی طرف میں کوئی کی خبر بھی نہیں جیسے سوار اور غریب جو سوار یا ت کوئی کر دے ہے چرا اور غم نہ ہوئے کی تہذیب کا مقام ہے کہ اشیاء و افعال کا ذکر کر دے ہے جس کا حاصل مقام کاہرہ ہوا کہ ہم ایسے نفع و رساں ہیں کہ بعض چیزوں کی کم کو خبر بھی نہیں اور ہم ان سے تم کو نفع پہنچا رہے ہیں یہ نہ سمجھو کہ بس وہی چیزیں تمہارے لئے کی پیدا کی ہیں جو تم کو معلوم ہیں جیسے غم نہ کر دے اور اس تقریر پر یہ خلقِ مالا تعلیم کا رہا بھی غم نہ کر دے ظاہر ہو گیا یعنی رہا عقل۔

اور بعض محرمات نے **مَا تَقُولُ لَاسْمِ اللَّهِ** میں **سُبْحٰنَہٗ وَبِحَمْدِہٖ** کا اضافہ کیا تھا جس میں کو داخل کیا ہے کیونکہ بعض صنف نے فرمایا ہے کہ سن رخصت میں مرد رخصت داخل ہے جو بندوں کی راحت و آسانی کے لئے کیا جا ہوئی ہے چنانچہ کلام وغیرہ کو بھی انہوں نے اس میں داخل کیا ہے اس میں بہت زیادہ جہد نہیں رہی واسطے میں نے بھی اپنی تحریر کے حاشیہ میں اس مقام پر لکھ دیا ہے کہ سن رخصت کے موسم میں ریل بھی داخل ہے اور اتفاق عجیب یہ ہوا کہ جس دن میں اس آیت کی تفسیر لکھ رہا تھا اسی دن پہلے پہل چارے حبیب کے سامنے سے ریل گزری ہے اس لئے میں نے تفسیر کے حاشیہ میں یہ بھی لکھ دیا کہ بحر اٹھ آج ہماری پہنچی کے سامنے سے چلے گا، کے قریب ریل گزری ہے۔ اور اس کے ساتھ ریل کے جاری ہونے کا سن اور تاریخ بھی لکھ دی تاکہ سمجھا رہے عرض اس آیت میں ریل کا داخل کرنا جیہ نہیں اور خود میں نے بھی اسی میں اس کو داخل کیا تھا لیکن اس وقت میرے ذہن میں ایک بات اس سے بھی زیادہ قریب آئی ہے وہ یہ کہ اگر ذکر کو مقصود اور رکھی کے لئے عام لیا جائے تو میرے نزدیک ریل کا ذکر **وَقَدْ عَلِمْتُمُ أَنَّ اللَّهَ تَوَكَّلْنَا بِاللَّهِ وَنُحْيِي النَّفْسَ الَّتِي نَحْيِي بِهٖ** میں سب سے اقرب لائق کے ساتھ ہو جاوے گا کیونکہ حق تعالیٰ نے یہاں مراکب میں چار محرمات اس رعایت کو بیان فرمایا ہے کہ وہ تہہ دار ہو جائے یا وہ ایک پہنچاتے ہیں جہاں تم جہد مشقت کے نہیں پہنچ سکتے تھے جو جس سواری میں بھی یہ رعایت موجود ہوگی وہ حکماً اس نعمت میں داخل ہو کر مشل انعام کے نعمت کی ایک فرد ہوگی اور ریل میں یہ نعمت سب سے زیادہ موجود ہے تو وہ بھی حکماً اس نعمت میں داخل ہے۔

میں نے بھیجی میں مولانا فتح محمد صاحب کا (جو تھوڑے عرصے کے بعد علماء میں سے تھے) ایک خط لکھا تھا اس وقت میری عمر زیادہ نہ تھی مگر مولانا نے مجھے بہت قیمتی اور مولانا کو اچھے سے محبت تھی اس لئے میں کو خوش کر

کے وقت میں شرکت کیا کرتا تھا اس لئے مجھے سوانہ کے سوانہ کی جگہ کچھ باغیاب تک یاد ہیں چنانچہ ایک بار سوانہ نے وقت میں فرمایا کہ مجھے ریل کا وقت ہوتا ابھی تک مسوں نہ ہوا تھا یعنی اس طرف اوقات نہ ہوا تھا مگر ایک دن جو ریل میں بیٹھا اور جلدی سے منزل پر پہنچ گیا تو اس وقت اس وقت کی بڑی قدر ہوئی اور معلوم ہوا کہ ریل بھی حق تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے جو ہم کو گوں کو سہل ہوئی ہے جس میں آپ صاحبیں کو بھی پہنچ گئے ہوں کہ اس کا وقت سمجھو اور اس کا شعرا کا کہ تو جب بڑے بڑے علماء کو اس کا وقت ہوا جلدی معلوم نہیں ہوا تو وہاں کو اس نعمت ہونا معلوم نہ ہوا زیادہ شایستگی نہیں مگر سیر کے بعد تو احساس ہوتا چاہئے اس لئے میں بھی سوانہ کا شیخ محمد صاحب کی طرح کہتا ہوں کہ اس کا وقت تعالیٰ کی نعمت سمجھو اور اس پر فکر کرو اور فکر مرا کہ کدو میں قیرے قرآن میں وارد ہیں۔ سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لِنَكْفُرُ بِهِ وَلَئِن كُنَّا لَمُتَّكِفِينَ ۚ جود رکب الخمام کے وقت اللہ تعالیٰ نے ہم کو تعلیم فرمایا ہے اور دوسرے ہندو لفظ خود ہوا اور مفسر لہذا اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ جود رکب سفینہ کے وقت نوح علیہ السلام نے اختیار فرمایا تھا اور چونکہ ریل کو اصل التحل میں الخمام کے ساتھ بھی مشابہت ہے اور صرف سیر وغیرہ میں کشتی کے ساتھ اس لئے بہتر ہے کہ دونوں کو جمع کر لیا جائے۔

ایک فاکھ ہے کہ سوانہ کا طریقہ صاحب نے فرمایا تھا کہ ریل کو کچھ کر مجھے جہنم یاد آتا ہے کیونکہ اس کا اٹل جہنم کی صفت کا صدق ہے وہی قُلُوْا لِمَنْ تَعْبُدُوْنَ اِنْ تَعْبُدُوْنَ اِلٰهًا غَيْرَ الَّذِيْ لَا يَمُوتُ فَادْعُوْهُ ۚ اِلٰهٌ غَيْرُ الَّذِيْ لَا يَمُوتُ فَادْعُوْهُ ۚ اور قرأت بھی بہت بڑے گا اور ایک بات میرے ذہن میں آئی ہے کہ ریل کے جیسے وہ جہنم کی اس صفت کا ذکر ہوتا ہے قُلُوْا لِمَنْ تَعْبُدُوْنَ اِنْ تَعْبُدُوْنَ اِلٰهًا غَيْرَ الَّذِيْ لَا يَمُوتُ فَادْعُوْهُ ۚ اور جہنم میں ایک جماعت دوسری جماعت پر لعنت کرے گی ایسے ہی ریل میں تیسرے وہ دالے آہی میں خوب لاتے ہیں جب کسی انجنین پر سے بے مسافر قمرہ میں جھرتے ہیں تو پہلے سے پیچھے ہوتے ہیں وہ انکس کو ستے براہملا کہتے ہیں کہ سدا سے اسی گاڑی میں آ جاؤ تمہارے واسطے اور کہیں جگہ نہیں رہی منہ پر آنکھیں نہیں کر یہ تو پہلے ہی سے اسی گاڑی میں آ جاؤ تمہاری سزا یہ ہے کہ کڑے رہو اور جواب میں کہتے ہیں کہ جو کچھ بہت ہے سیدھے ہو کر تھوڑا کیا تم ہی نے گویا دیا ہے تم ریل کے مالک ہو یا مگر خوب کالم کھو گے اور مجھڑا فساد ہوتا ہے اس وقت بالکل بھی مضر دھنسا ہے قُلُوْا لِمَنْ تَعْبُدُوْنَ اِنْ تَعْبُدُوْنَ اِلٰهًا غَيْرَ الَّذِيْ لَا يَمُوتُ فَادْعُوْهُ ۚ اور جب کہتے ہیں کہ ہم نے بھی تو گنہ گار ہیں اس وقت اس کا منہ دھنسا ہے اگل صفحہ اور جب کہتے ہیں کہ تم کو میرا کیا ترغیب اس وقت اس کا منہ دھنسا ہے قُلُوْا لِمَنْ تَعْبُدُوْنَ اِنْ تَعْبُدُوْنَ اِلٰهًا غَيْرَ الَّذِيْ لَا يَمُوتُ فَادْعُوْهُ ۚ اور ایک شان اس میں جنت کی بھی ہے وہ یہ کہ جنت میں جس چیز کو دل چاہے گا وہ جلدی مل جائے گی اس بات میں ریل جنت کے مشابہ ہے کہ جس چیز کو دل چاہتا ہے ریل کے ذریعہ سے جلدی حاصل ہو جاتی ہے چنانچہ نکلتا اور پھار کے صوبے یہاں دوسرے دن پہنچ جاتے ہیں بڑے شہروں میں ہر ملک کی چیزیں ہر وقت ملتی ہیں نیز جیسے جنت

لَسَوْفَ نَعْلَمُ لَكَ كَوْنُكَ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُونَ (ترجمہ) سنا کر تم کو انہیں تو اہل علم سے پہچان دے گا (آئل سے ۳۳)

فتویٰ کی دلیل پر چھٹا خلاف اصول ہے

کی مکتوب میں فرمایا کہ حج کا جملہ سفر ہے اور بالوجہ ہر قسم کے حلق نہیں بلکہ ارسلان کے حلق ہے اس مسئلہ میں فرمایا کہ سائل مجتہد ہو گیا غیر مجتہد ہو گا مجتہد تو سائل نہیں کرتا اور غیر مجتہد دلیل نہیں ہی چھٹا اب جو عام لوگوں نے دستور کر رکھا ہے کہ فتویٰ کی دلیل پر جیتے ہیں یہ خلاف عقل اور خلاف اصول ہے۔

(ملفوظات عظیم ص ۱۰۵ ج ۱۰ ص ۱۰۵)

رہل کا ثبوت آیت قرآن سے

فرمایا رہل قرآن میں آیت کے تحت میں داخل ہو سکتی ہے وحصل اتفاقکم الی بلد لم تکنوا ملعبہ الا بحمل الاخص لیکن یہاں شراک طبع کے نہ کہ جہد لال ہونے کے کہ نہ کہ کل کا مریخ کا ہر ہے کہ انعام ہیں لیکن طبع میں شراک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انعام کے حلق اس میں فرمایا ہے وحصل اتفاقکم یعنی انعام ۱۲ پر جو کہ دوسرے شہروں کی طرف لے جاتے ہیں کہ تم ان کو نہیں لے جا سکتے تھے اور جو حسب سدا رہل پر لے جاتے ہیں اس واسطے یہ بھی وہی ہی ثابت ہوئی (انعام ص ۱۰۵ ج ۱۰)

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ وَلَنَجْزِيَنَ الَّذِينَ

صَبَرُوا أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۵۱﴾

ترجمہ: اور جو کچھ تمہارے پاس (دنیا میں) ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ دائم رہے گا اور جو لوگ ثابت قدم ہیں ہم ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجر دیں گے۔

تفسیری نکات

دنیا کی کوئی چیز قابل محبت نہیں ہے

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کی کوئی شے بھی قابل محبت کے نہیں اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے ایسا محبوب سب چیزوں کا بیان فرمایا کہ جو کچھ برا لا شراک اور بد بھی ہے یعنی جو چیز تمہارے پاس ہے وہ فنا ہونے والی ہے جب فنا ہونے والی ہے تو اس قابل نہیں ہے کہ اس سے فی کما کیا جاوے

وَمَا أُعِدَّتْ لَهُ نَارٌ مِّنْ جِزْرِ اللَّهِ تَعَالَى كَيْفَ يَسْأَلُ مَا يَشَاءُ ۚ
 چھٹے کلمہ یعنی تو ہم کو حکم کھانا تھا ۲۲ ہے کہ کل خاص مرا تھا آج ملاں اس کے لئے ضرورت اس کی نہیں کہ
 ایمان والا ہی اس کو کچے مومن کا فر شریک سب کھلی آنکھوں کا اور فقرات کا مشاہدہ کر رہے ہیں باقی اس
 دوسرے جز کے مضمون کا یقین اس شخص کو ہوگا جس کو ایمان ہوگا اور کیا مانی کو سچا کہے گا وہ یقین کر لے گا کہ جو
 جز میں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں وہ باقی رہنے والی ہیں لیکن اس جملہ خبریہ سے فرض افکار نہیں جیسے کہ پہلے جملہ
 سے لگتی یہ تصور نہیں بلکہ غایت اس کی دوسری شے ہے وہ یہ ہے کہ اعداد اللہ سے فی کاف اس سے ایک کلیہ
 مستحب ہو اور یہ ہے کہ جو شے باقی رہنے والی ہے وہ کاقل دل لگانے کے ہے اور یہ نقل دیا گیا مگر مسئلہ ہے کہ
 دل لگنے کا حق وہ جہ کو مانے ہوئے ہیں اس کو ایک مثال کے ضمن میں لکھتے مشاعرہ مکان ہمارے پاس ہیں ایک
 تو عاریت کا ہے اور ایک ہم کو بیہ طلب ہے کہ ہم کو اس کا مال کو بنا دیا گیا ہے مگر دونوں مکان کو اعدہ جا کر جو دیکھتا تو
 معلوم ہوا کہ لڑا بہ وقت ہمارے ہیں وہ ارمی نوئی ہوئی ہیں کڑیاں گرمی ہوئی ہیں دونوں مرمت طلب ہیں
 اب ایک بزرگ وہی مرمت کے لئے گئے تھے کیا لیکن اب کلام اس میں ہے کہ یہ ایک بزرگ وہی یہاں لگا تا چاہئے
 عاریت کے مکان میں یا مکان مہرباب میں ظاہر ہے کہ ہر عاقل کی نگاہ پر کرے گا کہ جو اپنا مکان ہے اس میں
 لگا تا چاہئے اس لئے کہ ہمارے پاس باقی رہنے والی ہے اور مستعارہ بقصد سے لگتے والا ہے اس میں وہ یہ لگا کر کیا
 کرنا ہے معلوم ہوا کہ خوشحالی کا کرنا اور مال کا خرچ کرنا ہی شے کے ساتھ ہوتا ہے کہ جو شے باقی رہنے والی
 ہے اور اپنے پاس رہنے والی ہے اگرچہ وہ اچھا شخص خیال ہی کے درجہ میں ہو اور جو شے اپنے پاس باقی رہنے
 والی نہ ہو بلکہ جلدی سے نکل جائے والی ہو اس میں اگر کوئی اپنی بہت وسیع طرح کرے تو اس کو بے وقوف کہا
 جاتا ہے مثلاً ایک شخص سرائے میں ایک شب کے لئے ٹھہرا اور بزرگ وہی یہاں لگا کر چھوٹی چال کو جا کر دیں کے
 اتفاق سے جو کوٹھڑی سرائے میں ہی کوئی وہ درباب تھی اس نے اسی وقت معماروں کو بلا کر وہ دروازہ ہی اس کو کھڑی
 کی مرمت میں خرچ کر ڈالے ہی یہی بے خطر ہیں کہ یہاں دہرے کائی لا دیں گے یہاں صاحب نے یہ حرکت
 کی تو تم اسے شخص کو بے وقوف کہو گے یا چھٹا ظاہر ہے کہ بے وقوف ہے تو یہ بے وقوف کیوں ہے صرف اس وجہ
 سے کہ جلدی بقصد سے نکل جانے والی شے میں اس نے اپنا سارا سرمایہ عاریت کیا۔

اسی طرح تم کو بھی ایک ذخیرہ دوسرا یہ مہر کا حق تعالیٰ کے یہاں سے ملا تھا کہ اس کا ایک ایک صحت و دنیا و
 بائیں ہاتھ سے یاد رکھتی ہے اور مکمل حقیقی ہونے کی یہ ہے کہ اگر کسی کا دم نکلے لگے اور اس سے کوئی یہ کہے کہ ہم فی
 کھت دس لاکھ روپے لیں گے اور اتنی مہلت تم کو دی جاتی ہے اگر اس کے پاس وہی ہوگا تو ہرگز درجی نہ کرے گا
 بلکہ اس سے زیادہ بھی درجی نہ ہوگی مہلت دینے سے بھی انکار نہ ہوگا چنانچہ ایک بزرگ تھے ان کو کسی بادشاہ کو

صیحت کر چھوڑا تھا اس لئے انہیں نے اس بادشاہ سے کہا کہ کیوں جی اگر تم جنگل میں ہو اور رفیقوں سے بچ کر چاکر پاس تم کو لگے اور کہیں پانی اس جنگل میں نہ ملے یہاں تک کہ پاس کے مارے مرنے لگو اور اس وقت کوئی شخص ایک کنویرہ پانی کا تمہارے سامنے لاوے اور یہ کہے کہ اگر آدھی سلطنت دو تو میں یہ کنویرہ پانی کا تم کو دوں تم اس وقت کیا کرو گے بادشاہ نے کہا میں فوراً سے دوں گا۔ پھر کہا کہ اگر خدا خواست تمہارا بیٹا اب بند ہو جائے اور تمام اطعمہ اور حکماء و علما سے عاجز ہو جائیں اور کوئی تدبیر نہ ہو اور کوئی شخص یہ کہے کہ اگر نصف سلطنت تمہارے دو تو تمہارے قریب ابھی کل جائے تم دو سے دو کہے تو اس نے کہا کہ بے شک یہ دوں گا مگر بزدل نے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں آپ کی سلطنت کا یہ بڑا ہے یعنی ایک بیلا، دینی اور ایک بیلا موت معلوم ہوا کہ عفویت العلیہ کی سلطنت سے بھی زیادہ قیمتی ہے پھر دیکھو کہ اس نے ہمارا یہ کرم نے کہاں خرچ کیا سرائے کی کوٹھڑی میں کوٹھڑی تو اس واسطے تھی کہ سرائے میں ایک دو رات اس میں بسر ہو جائے تم نے سارا سرمایہ ہی اس میں خرچ کر لیا اب جب کھر بچے کے تو خالی ہاتھ جاؤ گے اس لئے کہ سرمایہ کوٹھڑی ہی میں لگا دیا جس وقت قیامت کے دن بازار لگے گا وہاں حسرت ہوگی۔

کہ بازار چند آنک آگندہ تر محمد ست دہل پرگندہ تر

(بازار میں قدر دہل و سراج سے ہمراہ گاہی قدر دنگھو ست کادل پر آگندہ ہو گا۔)

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا قَبْلَ أَنْ تَأْتِيَهُ الْمَوْتُ فَاَعْلَمَ بِهُ حَيَاتِهِ

طَبِيبَةٌ وَلَنْجَزِيَّتُهُمْ أَجْرُهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: اُن اس آیت شریف کا یہ ہے جو شخص قبل از موت سے عزم و اجرت اور دوسری چیزیں جو وہ چاہتا تھا وہیں کرے یا کبزدلی کی عطا فرمادیں گے اور جو شخص ان کو ان کا اجر بدلہ میں دیں گے سب ان کے اچھے اعمال کے۔

تفسیری نکات

ہر شخص کا مطلوب صرف ایک شے ہے

اس آیت شریف میں حق تعالیٰ نے اپنے مطلق بندوں کے لئے اطاعت پروردگار کی دولت کے عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے اور نیز اس کے ماحصل کرنے کا طریقہ بھی بتلایا ہے اول ایک مضمون بطور مقدمہ سمجھنا چاہئے اس کے بعد آیت کے بعد کا مضمون غرضی و ضمنی نہیں ہو جائے گا دنیا میں جس قدر عطا دیں کہ جن کے افعال کی

جاہت ہوتی ہے ان میں ہر ایک شخص ایک شے کا طالب ہے کوئی مال کا طالب کوئی جاہ کا کوئی صحت کا کسی کو درویشی مطلوب ہے کوئی علم کا درجہ ہے کسی کو تہارت میں خلط آ رہا ہے کوئی اولاد کی دمن میں ہے کوئی مکانات کی تعمیر کا شوق رکھتا ہے کسی کو باغ لگانے کی حرص ہے مرض کوئی ایسا نہیں جو طلب سے خالی ہو بیٹھے ان میں ہی خدا کے بھی طالب ہیں ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب اشیائے محدود مختلفہ کے طالب ہیں لیکن اگر غور کیا جائے تو دیکھ کر حیرت کر کے دیکھا جائے تو فی الواقع ہر شخص کا مطلوب صرف ایک شے ہے۔

صرف اختلاف اس کے قسمیں طرق میں ہے کسی نے کہا کہ وہ شے تہارت سے حاصل ہوگی وہ تجارت میں مشغول ہو گیا کسی نے خیال کیا کہ علم سے اس کی تحصیل ہوگی وہ ہم کا طالب بن گیا کسی نے اولاد میں اس مطلوب کو گمان کیا وہ اولاد کا شوق ہو گیا آپ کو جب ہوگا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے ہم تو دیکھتے ہیں کہ ہر شخص کا مقصد جدا ہے اور ہم کہتے ہو کہ سب کا ایک ہی مقصد ہے اختلاف طرق میں ہے اس لئے اس کو ایک مثال سے سمجھنا چاہئے ایک شخص کے پاس دس سائل آئے ایک نے روٹی طلب کی دوسرے نے چاول پختہ مانگے تیسرے نے پیسہ مانگا چوتھے نے روپیہ مانگا پانچویں نے نمک چھینے لے آگے ساتویں نے گڑیاں آٹھویں نے پٹے پٹے ہوئے توڑی لے کچے چاول دسویں نے ملوائی اس مثال میں ظاہر مطلوب ہر ایک کا جدا ہے لیکن درحقیقت مقصود واحد ہے طرق مختلف ہیں مقصود وہی ہے مگر تباہی ہے کسی نے سمجھا پکڑنے کا کوئی قصہ کہ اس نے پکی ہوئی روٹی مانگی کسی نے خیال کیا کہ کچلی جنس لے لی تو اپنی مرضی کے موافق پکا کر کھائیں گے کسی نے یوں اویں کی کہ وہ پیسہ چیر لے گا تو جنس بھی اپنی خواہش کے موافق خرید کر پکا نہیں گے اس مثال سے آپ کو کھفیات کا جمع کرنا آسان ہو گیا ہو گا اسی طرح ان لوگوں کے مطلوب کو دیکھنا چاہئے کہ ان کا مقصد کیا ہے تو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کوئی واحد مقصود ہے اور وہ لذت و راحت ہے طرق کا اختلاف ہے۔ کسی نے سمجھا کہ روپے حاصل ہونے میں حزم ہے وہ اس کا طالب ہو گیا کسی نے سمجھا کہ جاہ میں حزم ہے کسی نے اولاد میں کسی نے تہارت میں کسی کی کچھ بھی آیا کہ دیا کے مزے تو سب خالی ہیں حزم اصلی تو آخرت میں ہے مگر حال سب کا ایک ہے کہ طلب کو مانگیں ہو چنانچہ کلام اللہ کی ان آیات میں ان دونوں امور کا فیصلہ فرما دیا کہ بطور حاصل ارشاد ہے کہ اے بندہ تم جو اپنے مقصود یعنی راحت کو مختلف چیزوں میں وصول کرتے ہو کوئی مال میں راحت لذت کا طالب ہے کوئی روٹی پانچوں میں اپنے مطلوب کو تلاش کرتا ہے کوئی جاہ میں کوئی مکانات میں مشغول ہے۔

راحۃ حقیقی

ہم ہم کو راحت حقیقی کی تحصیل کا طریقہ بتاتے ہیں وہ یہ ہے من عمل صالحا لعل مطلب ینزلہ کہ جو شخص نیک کام کرتا ہے اور اس میں شرا یہ ہے کہ وہ جو کچھ جو نیک مقصد اس کا درست ہو ہم اس کو حزم و حذر و تدبیر کی عطا

فرمادی گئے اور یہاں کو جزا دی گئے سبب اس ان اہل کے جو کیا کرتے تھے اس قدر سے انہوں نے اس متحج طلب جو اوپر مذکور ہوئے معلوم ہو گئے۔ یعنی یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مقصود معجز کیا ہے اور اس کا طریق تحصیل کیا ہے مقصود و جزا میں ہیں حیات طیبہ اور جزا اس کا طریق بھی وہ چیز اس کا حاصل کرنا ہے مل حاصل اور مقصد بھی۔

حیات طیبہ کا مصداق

ہر حال اس تقریر سے مقصود یہ ہے کہ ایک عالم اور ہے جس کا نام رزاق ہے ہاں میں عالم ہوئے عالم ہاں عالم ہر رزاق عالم آفرین اس میں انکشاف ہے کہ حیرۃ طیبہ سے مراد کون سی حیات ہے حیات برزخہ یا حیات دنیویہ نہیں کہتا ہوں کہ دونوں مراد ہوں اور لہذا جو یہ ہم کو آفرین کے ساتھ حاصل کیا جائے اس قدر پر حاصل آیت کا یہ ہوگا کہ جو شخص عمل صالح کرے اور عطا ہو بھی اس کے سچ ہوں اس کو ہم دنیا میں اور بعد مرنے کے رزاق میں حیرۃ دادہ ہوگی عطا فرمادی گئے اور آفرین میں بعد قیامت کے ان کے نیک اعمال کی وجہ سے اجر کی جزا دی گئے اور ایک توبہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حیات طیبہ سے مراد حیات دنیویہ ہو اور رزاق اور آفرین لہذا یہ ہم میں داخل ہو کہ رزاق میں جو کچھ ہوگا وہ بھی جزا ہوگا غلام یہ کہ وہ چیز اس کا وعدہ ہے اول حیات طیبہ دوسرے جزا جو مکمل ہے حیات طیبہ کا۔

ان میں سے ایک شئی یعنی حیات طیبہ کو ہم دلائل سے ثابت کر سکتے ہیں بلکہ مشاہدہ کر سکتے ہیں دلیل تو یہ ہے کہ وعدہ عقلی ہے کہ جو ہے سے جب ایک شخص کا مصداق ثابت ہو جائے تو اس کو ہر امر میں صادق مانا جائے گا ہر امر پر دلیل کا مطالبہ اس سے نہ کیا جائے گا جب کہ حق تعالیٰ کے اقرار کا مصداق ہزار بار ایک مصداق ہم نے مشاہدہ کر لیا تو یہ خبر بھی جانتا مل صادق ہے مشاہدہ یہ کہ لوگ دو قسم کے ہیں مطیع اور غیر مطیع دیکھ لیجئے کہ ان میں سے راحت اور آرام میں کون ہے ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ غیر مطیعین ظالمین دیا ہر وقت پر بیانی میں ہیں کسی وقت ان کو بھی نہیں بخلاف مطیعین کے کہ وہ جس حالت میں ہیں راحت میں ہیں شاید ہر شخص کے کہ میں مطیع ہوں اس لئے کہ نماز پڑھتا ہوں روزہ دیکھتا ہوں اس کی ویسی مثال ہے کہ کوئی شخص کے کہ کھانا بہت خوبصورت ہے کیونکہ اس کے دشمن راہیے ہیں مرہبہ ہے آنکھیں لگی ہیں ایک شخص دور سے دیکھنے آوے دیکھا تو یہاں تک کہ اس کو سارا حسن و جمال اس تک نہ ہونے سے کالعدم ہے اور عطا دیاں اس کو ہرگز نہیں نہ سمجھیں گے ایسے ہی ہم لوگوں کا دین ہے کہ وہ چار باتیں اسلام کی لئے کر لیتے ہیں کہ ہم دین دار ہیں اور ایسے دین داروں کی نسبت یہ وعدہ نہیں ہے اگر کوئی پورا دین دار ہو ایمان اور عمل اس کا کامل ہوتا ہے دینی کرتا ہوں کہ اس کو حیرۃ دادہ ہوگی عطا ہوتی ہے بلکہ کامل عطا ہوتی ہے اس تک پر بیانی نہیں آتی۔

حیات طیبہ سے مراد حیات ناسوتی نہیں

من عمل صالحاً من ذکر للصلیہ حیوة طیبہ (جو شخص ایک مل کرے مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہوگی، وہ اس کو پاکیزہ زندگی عطا کریں گے)

وہ حیوة ناسوتی مراد نہیں جو حیات سے پہلے ہوتی ہے کیونکہ حیات ناسوتی ہر شخص کی طیبہ نہیں ہوتی بلکہ بعض کی حیات معصیت شگ (یعنی عکس زندگی) ہوتی ہے چنانچہ ایک شخص سے کسی نے پوچھا کہ تمہارے مگر خیریت ہے تو وہ بہت غما ہوا اور کہا تم مجھے کتنے ہو خیریت ہوگی تمہارے یہاں کہ نہ کچھ آگے نہ کہ پیچھے کو تھارے یہاں خیریت کیوں ہوتی کہ ماشاء اللہ بیٹوں پوتوں بہن بیٹیوں سے مگر بھرا ہوا ہے آج کسی کے سر میں درد ہے کسی کے پیٹ میں درد ہے کسی کو غلاؤ آتا ہے کسی کو دست آرہے ہیں کسی کے چٹ لگ گئی ہے تو تھارے یہاں جب اتفاقاً کہہ دے وہاں خیریت کیوں ہوئے گی خیریت تم جیسے کے یہاں ہوگی جس کے اولاد نہ بنیادوارے مگر شہک ہوتے ہیں کہ ان کا مذاق بھی بدل چا تا ہے وہ ان تعلقات کو جو حقیقت میں عذاب میں راحت سمجھتے ہیں اور راحت کو کلفت چنانچہ اس شخص نے خیریت کے سوال کو کونا سمجھا اور صاف کہہ دیا کہ تھارے یہاں اللہ کرے تو خیریت ہو خیریت تمہارے یہاں ہوگی بلکہ دنیا تو وہ ملائقی میں خود چسپتے جاتے ہیں جس کے ساتھ خدا نے کوئی بھی تہذیب اور تعلق نہ لگا یا ہو وہ خود اپنے سر بڑا رہنمائی سے باندھ لیتا ہے وہی حال ہے ان کا غم عمارتی جز بجز (غم نہ کہے تو بکری طریق) مگر اس وقت تو یہ مذاق بدل جانے کے ان کو ان تعلقات و علوم کی کلفت کا زیادہ احساس نہیں ہوتا جو حقیقت اب بھی معلوم ہے ایسا ہے جس کو نہیں ہو سکتا ہے جس کو کلفت کا کلفت ہو نا بھی معلوم نہ ہو مگر چونکہ زیادہ اتنا ہماک سے اب اس کی عادت ہو گئی ہے اس لئے تکلیف کا احساس نہیں ہوتا (جیسے کسی شخص کے وہ تین سال تک کھلی رہے تو عادت کی وجہ سے اس کو کلفت کا احساس نہیں ہوتا جتنا ابتداء میں تھا اب سے بہت دقت کھلانے ہی میں حرا آتا ہے مگر حقیقت تو اسے بھی ضرور معلوم ہے ۱۲ جامع)

علائق دنیا کی عبرت انگیز مثال

مگر جب دل دنیا میں رہنے لگتے ہیں اس وقت حقائق پوری طرح مختلف ہوتی ہیں اور ان کا عذاب ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔ اس وقت تو وہ ان تعلقات سے غائب نظر آتے ہیں اور آزار و اذیتوں پر ہستے ہیں مگر جب پردہ اٹھے گا اس وقت معلوم ہوگا کہ جن تعلقات سے ہم نے دل لگا یا تھا وہ سارا تھیں جسے کس وی قصہ ہوگا۔

کہ ہا کہ بانٹ عشق و رشب و بجز

(کس کے ساتھ محبت میں مشغول ہو اور میری رات میں)

کوئی شخص اندھیری رات میں کسی عورت سے مشغول ہو اس وقت تو وہ یہ کہہ کر غائب ہوتا ہا کہ میں عیسٰی پہلی

بیکر کنگل میں لئے ہوئے ہوں مگر جب صبح ہوئی اس وقت معلوم ہوا کہ رات ایک بڑھیا چڑیل کے ساتھ مشغول رہا تھا اب اس کی حسرت کا قلم یہ ہے کہ وہ اپنے اوپر بڑا غم کرنا ہے اور رات کے قصہ کو یاد کر کے اسے نودے آتی ہے ٹوب کہا ہے۔

لسوف تری اذا انكشف الغبار الخروس تحت رجليك ام حمار

(غبار مٹ جانے دو تم کو اقرب پہنچ جائے گا کہ تم گھوڑے پر سوار تھے یا گدھے پر)

ایک شخص آدھی گھبراہٹ میں گدھے پر سوار تھا اور کہتا ہے کہ میں گھوڑے پر سوار ہوں اور اس شخص نے کہتا ہے کہ تم بہت تھکواؤ گے پر سوار نہیں بلکہ گدھے پر سوار ہے مگر وہ ایک نہیں مٹاؤ راج کو بے وقوف لکھاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ اچھا بھائی تو یہی بہتر راہی غبار کھلنے پر تجھے معلوم ہو جائے گا کہ میری رہن کے لیے گھوڑا ہے یا گدھا اسی طرح جو لوگ تعلقات و چاشمیں بخش کر خوش ہیں اور ان کو رامت سمجھتے ہیں ان سے مدد مانگنا کہتے ہیں بسوف تری اذا انكشف الغبار (غبار مٹ جانے دو تم کو یہ پہنچ جائے گا) حق تعالیٰ اعلیٰ دیا کہ ان ہی تعلقات کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں۔

عذاب دنیا

فلا تعجبك اموالهم ولا اولادهم انما يريد الله ليبلوهم بها في الحياة الدنيا
ويزحق انفسهم وهم كفرون یعنی اے مخالف تجھے ان منافقین کے اسوال واولاد (اولاد یعنی بڑی
دعویٰ ۱۲) مجھے نہ معلوم ہونے چاہئیں کیونکہ حق تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ ان کے ذریعے ان کو عذاب دیں
(اور ان کی جان کھری حالت میں نکل جائے) واقعی اہل دنیا کے لئے تو مال و اولاد عذاب ہی ہے کیونکہ ان کو
ان چیزوں سے تعلق اس قدر رہتا ہے کہ مارے فکر کے رات دن ٹینڈ نہیں آتی ہر وقت اسی توڑ جھڑ میں گئے
رہتے ہیں کہ آج کتنے روپے میں کل کتنے ہو جائیں گے ملاں پر آج قرض ہے اس کا آج سوراخے گا رامت کو
سوتے ہیں تو وہ بچوں کے فکر سے بار بار آکھ کھل جاتی ہے تو یہ خاک رامت ہے دیال جان ہے بعضوں کو اولاد
سے ایسا ہی تعلق ہوتا ہے ان کے لئے بھی زمین خریدتے ہیں بھی باغ لگاتے ہیں بھی جائیداد بن جاتے ہیں
جس میں بھگدوں وقفہ سے کرنے پڑتے ہیں وصول باقی کے لئے رات دن ناخوش ہوتی ہیں مری اور برسات
میں مصیبت کے ساتھ سہا کرتے ہیں بھرزدہ کی پیچ کا کام گرم ہو گیا تو ہمارے بھائے بھرتے ہیں نہ کھانے کے
نہ پینے کے نہ خاز کے نہ دودھ کے ہر وقت فکر میں گھلے جاتے ہیں مسلمان کو تو خدا ہی بھی نظر ہوتی ہے کہ فرقہ ہر
وقت بے یقین رہتا ہے اس لئے فرماتے ہیں کہ ہم اسوال واولاد سے ان منافقین کو دنیا میں عذاب دینا چاہتے
ہیں تو یہ کیا قصور عذاب ہے اور یہ عذاب دنیا میں ہی ہوتا ہے آخرت کا عذاب الگ ہے۔

إِنَّكَ لَيْسَ لَكَ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۱﴾

إِنَّكَ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَكَّلُونَكَ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ﴿۲﴾

ترجمہ: یقیناً اس کا قانون ان لوگوں پر نہیں چلا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر دل سے بھروسہ رکھتے ہیں، پس اس کا قانون صرف ان لوگوں پر چلتا ہے جو اس سے قطع رکھتے ہیں اور ان لوگوں پر جو اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔

تفسیری نکات

اللہ والوں پر شیطان کا قابو نہیں

لیس لہ سلطان میں بحرِ رحمت الہی ہے جس سے معلوم ہوا کہ اگر ظہر و غہر دیکھتے والوں پر اس کا ذرا بھی قابو نہیں تم اس کو نہ لگا کر اس کا بغض اپنے اوپر بڑھاتے ہیں۔

لغو باتیں

فرمایا کہ اس طرح ایک اور تھہر مشہور ہے کہ ایک جاہل فقیر نے اپنے مرید کو یہ تعلیم کیا کہ با شیطان و شیطان کا عقیدہ چھوڑ دو اور چالیس دن تک اس کو چڑھو چٹا چھو اس نے چڑھا جب چالیس روز چڑھے ہو گئے تو شیطان اس کے پاس آیا اور کہا کہ مجھ کو کیوں پکارا کرتے ہو اس نے کہا کہ کل دعاؤں کا اہوا اپنے حق سے بچھا کہ شیطان آیا تھا اب میں اس سے کیا کہوں حق صاحب نے کہا کہ اول تو اس کو خدا کی قسم دیجئے اس کے بعد کہنا کہ زنا کے وقت میرے پاس نہ آتا چٹا چھو اس مرید نے ایسا ہی کیا شیطان بہت حیران ہوا اور کہنے لگا کہ خدا اب تو میں سے قسم کھائی ہے اس کے خلاف نہ کروں گا اور زنا کے وقت تمہارے پاس نہ آؤں گا اور بہت غول ہوئے کہ اب سلب ایمان کا خوف نہیں رہا مولانا نے فرمایا کہ یہ سب لغو باتیں ہیں اس واسطے کہ قرآن مجید میں ہے إِنَّكَ لَيْسَ لَكَ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۱﴾ وَإِنَّكَ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَكَّلُونَكَ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ﴿۲﴾ پس اگر کوئی شخص ایمان لائے اور توکل کرے اور شیطان کے ساتھ دوستی نہ کرے اس پر شیطان کا ظہر ہرگز نہ ہوگا اس پر ہے شیطان کے ہدم تسلط کی تدبیر نہ یہ کہ اس کے نام کا عقیدہ چھو کر اس کو طایا یا جائے اور میرا اس کو قسم دے کر اس پر بھروسہ کیا جائے جمل سے یہ سب کمالات ہیں اور تے ہیں۔

وَقَدْ بَرَأَ اللَّهُ مَشْرُوعَهُ قَوْلَهُ فَإِنَّهُ لَيْسَ لَكَ سُلْطَانٌ (أنظر آیت ۱۱۳)

اور اللہ تعالیٰ ایک معنی والوں کی حالت عجیب بیان فرماتے ہیں کہ وہ امن و اطمینان میں تھے۔

انعامات الہیہ کی ناشکری

ایک مرتبہ پہنچی میں دھوکا کا تھاق ہوا لکھ کو بڑا تردد ہوا کہ کیا بیان کروں اگر مسائل اختلافیہ بیان کرتا ہوں تو دہشت ہوگی ممکن علیہ بیان کروں تو ان کو سب جانتے ہیں یعنی نازل روز و غیرہ تو ضرورت کا بیان کونسا کیا جاوے پھر سوچ کر میں نے آیت

وَعَذَابُ اللَّهِ شَدِيدٌ وَاللَّهُ يَبْذُرُ رِزْقَهُ كَمَا يَشَاءُ

(اور اللہ تعالیٰ ایک معنی والوں کی حالت عجیب بیان فرماتے ہیں کہ وہ امن و اطمینان میں تھے)

چرا کہ اس کا بیان کیا کہ اللہ نے آپ کو بہت نعمتیں دی ہیں مگر آپ ان کا شکر نہ اٹھیں کرتے یہ بیان بھی امن کے بدلے سے بھی نہ سنا ہوگا اس کو میں نے بہت اچھی طرح ثابت کیا میں نے بیان کرنے میں ایک شرط یہ بھی لگا لی تھی کہ محامد اس کو حد میں انکار نہ ہو پھر جو لکھ لکھ خوش فہم ہوں میں کو بلا یا جاوے اس لئے کہ یہ حد کے لوگ ٹوٹا ہوا دوسرے ہی مذہب کے ہوں عالمی جوصل ہوتے ہیں اگر ان کے خلاف بھی بیان کیا جاوے وہ تباہ کاری کا اثر نہیں لیتے اور محامد اس جاہل اکثر ملحد ہوتے ہیں خصوصاً پہنچی کے محامد اس تو نہایت ہی ملحد ہیں اسکی پیچوں میں بیان کر کے دلی خوش فہم ہوتا اگر سنا نہیں خالی فلفلہ کن ہوں نہ اعتقاد ہو نہ عمار ہو تو بھی مضائقہ نہیں مگر وہ پھر تو کثرت سے ملتا ہے یہ ہیں۔ (الکائنات: ۱۵۱-۱۵۲)

اذْعُرْ اِلٰی سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْوَعْظِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ
 بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ حَقَّ عَنْ سَبِيْلِهِ
 وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ
 بِهِ ۝ وَلٰكِنْ صَبْرُكُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِيْنَ ۝ وَاَصْبِرْ وَاَصْبِرْ لَكَ
 اِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ خَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝
 اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَالَّذِيْنَ هُمْ يُحْسِنُوْنَ ۝

﴿تَحٰیٰۃ﴾: آپ ﷺ اپنے رب کی راہ کی طرف حکم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلا جے
 اور اگر بحث آئے تو ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے (کہ اس میں شدت و خشونت نہ
 ہو) آپ کا دُعا خوب جانتا ہے اس شخص کو بھی جس کے ساتھ سے تم جانتے ہو اور وہی دُعا چلے گا وہوں
 کو بھی خوب جانتا ہے اور اگر بدل لینے لگو تو انہی بدل لو جتنا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے اور اگر صبر
 کرو گے تو وہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت سی اچھی بات ہے اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا
 خاص خدا ہی کی قوت غنی سے ہے اور ان پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ تمہاری کیا کرتے ہیں اس سے شک و دل نہ
 ہوں اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو پرہیزگار ہوتے ہیں۔

تفسیری نکات آداب تبلیغ

اس میں پورے آداب تبلیغ کے ذکر ہیں جن تعالیٰ نے اس میں شرائط و آداب تبلیغ کو مفصل طور پر بیان
 فرما دیا ہے چنانچہ اول تو امر ہے اذْعُرْ اِلٰی سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْوَعْظِ الْحَسَنَةِ یہاں اللہ کیا نصیحت
 ہے ایک ہی آیت میں سب فرقوں کی اصلاح فرماتے ہیں چنانچہ بعض تو دُعا لوگ ہیں کہ دعوت کو ضروری نہیں
 سمجھتے اور بعض وہ ہیں کہ ضروری تو سمجھتے ہیں مگر جنگ و جدال کرنے سمجھتے ہیں اس میں اللہ تعالیٰ نے دونوں کی
 اصلاح فرمائی ہے کہ دعوت تو کرنا چاہئے وہ تو ضروری ہے اس میں فرقہ اول کی اصلاح بھی آگے فرماتے ہیں

کہ دعوت تو ہر گھر ایک خاص طریقہ سے آگے وہ طریقہ نکالتے ہیں کہ طریقہ دعوت کا یہ ہے کہ حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ لوگوں کو بلاؤ آخری سے بکھاتے وہیں یہاں پر اللہ تعالیٰ نے وہ باتوں کا امر فرمایا ہے ایک حکمت دوسرے موعظہ حسنہ

موعظہ حسنہ کا مفہوم

اول یہ سمجھ کر ان دونوں میں فرق کیا ہے سو حکمت تو کہتے ہیں کم اور موعظہ حسنہ کہتے ہیں تریب و تربیت و ترقی قلب کو یعنی ان کو علی مضامین سے بلاؤ مضامین علیہ ان کے کانوں میں ڈالتے چاہو اور ان مضامین کو تریب و تربیت سے خوش رکھو اسی کو فرماتے ہیں کہ حکمت و موعظہ حسنہ کے ساتھ بلاؤ اور یہ حکمت مخاطب ہے نہ آخر وہ چال کا گوہر علی مباحث سے بہتا ہے مگر وہ حکمت نہیں بلکہ حکمت اثبات و دعا کا نام ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ ایک تو اثبات و دعا اور ایک جواب دہا ہے نقیض دعا کا معنی ایک تو ہے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنا دوسرے معترض کے اعتراض کا جواب دینا اس کے خدشات کو دفع کرنا تو حکمت تو اثبات دعا ہے اور جواب دینا نقیض دعا کا یہ چال ہے تو اصل مفید چیز تو دعوت کرنا ہے حکمت کے ساتھ لیکن اس میں اگر کبھی جدال واقع ہو جائے تو اس کے بھی خاص طریقے ہیں سو آگے ان طریقوں سے قسم کے اعتراض دفع کرنے کی تاکید ہے فرض دعوت الی الاسلام کے لئے حکمت تو لازم ہے بلا حکمت کے دعوت ہوتی ہی نہیں باقی چال لازم نہیں ہے ضرورت نہیں کہ یہاں دعوت ہو وہاں چال بھی ہوتی مطلب یہ ہے کہ دعوت میں مضامین علی بیان کرنا وہ مطلب نہ جانتے چاہو اپنے دعوے کو دلائل طلب و مطلب سے جہت کرنا اس کی غولہ اس کے محاسن بیان کرو لیکن اگر اس میں کوئی دوسرا معترض کرے کوئی نقیض وارد کرے تو اس وقت ضرورت ہوگی مبادیہ کی تو اس وقت مبادیہ کہہ کر اسن طریقہ سے اسی کو فرماتے ہیں **وَجَلِّ لِحُجَّتِكَ إِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَنْتَقِصَ** یعنی اس طرح جواب دو کہ کسی کی دلی آزاری نہ ہو وطن و وطن نہ ہو خشونت نہ ہو کسی پر وطن نہ کرنا کسی کو طاقت نہ کرنا کسی کی جھوٹ نہ کرنا ایسے سراسر حسد سے مخاطب کرنا و مطالب نہ ہوگا بلکہ دائرہ پر ہوگا یعنی مضامین کے بیان میں بھی خشونت ہو جاتی ہے کبھی غصہ اور تیزی کے بعد سے بیان کیا جاتا ہے اس کی ممانعت فرماتے ہیں کہ ایسے طریق اختیار نہ کرو جس سے مخاطب بھڑک اٹھے اس کے بدن میں آگ لگ جائے سو ایک تحریر جو تمام کی یہ ہوئی۔

دوسری تقریر یہ ہے کہ موعظہ حسنہ ایک مستقل طریق ہے تو اس وقت حاصل تمام کا یہ ہوگا کہ اگر مخاطب میں علی قابلیت نہ رکھوں گے اندر کچھ کام اور تو وہاں حکمت کے ساتھ بلاؤ اس کو مضامین علی نہ ڈالو اگر استعداد علی نہ ہو تو موعظہ حسنہ سے کام لو کہ یہ دیکھو خط کے لئے چنداں ذہین نہیں ہونے کی ضرورت نہیں دھانکا کا کڑھمسون عام فہم ہوتا ہے کیونکہ موعظہ حسنہ اس کو کہتے ہیں جس سے قلب میں ذہنی پیدا ہو وقت طاری ہو تو عقلی یہ ہونے کہ جنت کی تریب و تربیت اور دوزخ سے تریب و تربیت کہیں انھارے جنت و آسمانوں و راحت بہشت کو بیان کرنا اس سے رحمت پیدا ہوگی اور دوزخ کے دھمکات اور نکالنے و طاب سے ڈراتے رہو اور اس کے بعد بھی اگر کوئی شہر کرے تو اس

کے لئے نعم ہے ﴿وَلَقَدْ عَلَّمْنَاهُ الْبَيْنَ مِنْ قَبْلِهِ﴾ کہ ان سے کہا کہ وہ اس طریق سے جس کی تعمیر وہ پرگزرنے لگی۔
 آگے ﴿إِنَّ رِزْقَنَا لَعَلَّكُمْ الْخَفِيُّ﴾ بے حد اور گہرا جس ایک بار ایک بات بتا دی وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر یہ طرز تعلیم فرمایا ہے کہ ان کو حکمت اور مصلحت حسنہ کے ساتھ بلاۓ یعنی انہی سے کہہ دیا کہ ان کی خشونت نہ ہو مگر وہی نہ ہو ظاہر ہے کہ یہ طرز ہی اختیار کر سکتا ہے جس کے اندر شفقت ہو اگر وہ عقل نہیں تو اس کو صفت حاجت کی کیا پڑی؟ اور حکم جب استدلال نہیں ہوتا ہے تو چاہتا ہے کہ کسی طرح یہ چاہے اس طرح اس کو سمجھاتا ہے کسی قہر دیتا ہے کسی مضامین نکالتا ہے یہ یاد کرتا ہے کہ یہاں قہر ہی فائدہ ہے مگر یہاں صبر و بردباری اور چہرہ دہن و دلالت میں کئے اس طریق کی تعلیم فرماتا کہ یہاں شفقت کا حکم فرماتا ہے مگر اس حکم شفقت میں ایک اشکال بھی تھا وہ یہ کہ شفقت کی وجہ سے جس طرح بتائے تعلیم میں انہی اختیار کرتا چاہیے ہی اختیار میں ناگاہی سے رخ بھی نہ پڑتا تھا ہے چنانچہ اگر کسی چہرہ کے ساتھ نہ ہو چاہے ان کا ہی کی چاہے اور ہر گز بھی ناگاہی ہو تو بڑا رخ ہوتا ہے کہ اپنے ہماری ساری محنت و بردہائی خاک ہی میں لگتی پھر فریاد ہو کر کام سے اچھوڑ بیٹھتا ہے اس لئے اس اشکال کے عمل علاج کے لئے آگے ﴿إِنَّ رِزْقَنَا لَعَلَّكُمْ الْخَفِيُّ﴾ میں اس شفقت کو استعمال پر لانے کا طریق بتاتا ہے۔

شفقت کو اعتدال پر لانے کا طریقہ

اور وہ طریقہ ایک مراقبہ ہے و اقی اخلاق کی میزان سوائے خدا کے کسی نے نہیں بتائی ان کی تعلیم میں افراد تغیر پذیر نہیں ہے بالکل اعتدال ہی اعتدال ہے کیونکہ افراد بھی معطر ہے اور تغیر پذیر بھی چنانچہ اگر حد سے زیادہ شفقت ہو تو یہ بھی سحر کیونکہ اس سے آفرین ہو بدل ہو جاوے گا اور کام بھی پھوڑ بیٹھے گا اور اگر تغیر پذیر ہے یہ بھی معطر کیونکہ شفقت کی تعلیم کا اور اثر ہوتا ہے اور یہ شفقت کا اور اثر تو اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اس کی ایک میزان بتا دی تاکہ کسی جانب میں کمی بیشی نہ ہو دونوں پہلو برابر رہیں چنانچہ اول فرماتے ہیں ﴿لَقَدْ عَلَّمْنَاهُ سَبِيلَ رِزْقِهِ﴾ یا ﴿لَقَدْ عَلَّمْنَاهُ سَبِيلَ رِزْقِهِ﴾ اس میں تو شفقت کے ساتھ تعلیم کا سہرہ ہے کیونکہ اگر اعتدال میں شفقت نہ ہو تو ایسی تعلیم کم نفع دے گی اور اس کے بعد افراد انسانی اختلاف کی ممانعت ہے اس کے لئے یہ مراقبہ بتاتا ہے کہ ﴿إِنَّ رِزْقَنَا لَعَلَّكُمْ الْخَفِيُّ﴾ ﴿وَلَقَدْ عَلَّمْنَاهُ الْبَيْنَ مِنْ قَبْلِهِ﴾ گویا اس کے معنی یہ ہیں کہ لا فحزون علیہم ان لم یومروا یعنی آپ کا فرض بھی تو امت کرنا ہے وہ آپ نے کوئی اپ گروہ ایمان نہیں لاتے آپ کی امت کو قتل نہیں کرتے تو آپ قتل نہیں نہ ہوں کیونکہ ایمان لانا یا نہ لانا یہ تو خدا کے بقدر قدرت میں ہے آپ کے اختیار میں نہیں پھر آپ قتل نہیں کیاں ہیں؟

اس ضمن میں کے اقتدار سے ظہور ان اختلاف نہ ہو گا جو کہ معطر ہے اور اس کے معطر ہونے کا ایک دوا ہے وہ یہ کہ شفقت سے حزن ہو گا اور حزن کا خاصہ یہ ہے کہ اس سے قلب ضعیف ہو جاتا ہے اور بدل ہو کر آدلی کام

مجھڑ دیتا ہے کہ خاتمہ سرور اور پھر بھی ناکامی ہوئی مجھڑ اور اس قدر ہی کو الگ کرنا اس سے کیا فائدہ؟ تو شفقت و شفقت کی وجہ سے یہ بات ہوئی اور اس سے سلسلہ تبلیغ کا بند ہو جائے گا اس لئے ملوک کا بھی طلاق کر دیا غلام یہ کہ مسلم کی تبلیغ کا کام شفقت سے ہوتا ہے مگر شفقت سے تبلیغ صرف تکمیل ہوتی ہے یہ خود غرض مقصود نہیں

اصل مقصود تبلیغ ہے

بلکہ اصل مقصود تبلیغ ہے۔ اگر شفقت سے تبلیغ ہی چلتی رہے تو شفقت کی ایسی بھی ایسی شفقت سے کیا فائدہ؟ کیا اس کو لے کر چائیں گے اس کے بعد اس میں ایک اور شہید پارہ یہ کہ ساری دنیا تو مہذب نہیں مگر اس طریق کو ان میں نہ پایا میں سب قسم کے لوگ ہیں اگر سنی سے کوئی لڑے لگے مار پٹائی ہونے لگے تو کیا کریں؟ اس کے لئے فرماتے ہیں **وَلَا تَنَالُوا الْكُفَّارَ فَمَا يَقْتُلُوا بِكُمُ اللَّهُ** دیکھئے اس میں کیسی بلاغت ہے کہ حضور ﷺ کو مخاطب نہیں بنایا جس میں اطلاع یا کتاب کا تبلیغ میں اس کی نہایت ہی ممانعت کی گئی ہے کہ آپ سے تبلیغ میں کوئی لڑے بھڑے یا آپ اس کا بدلہ لیں آپ ﷺ کے ساتھ حق تعالیٰ کی ضمانت خاصہ ہے ہاں اگر نہ ایمان اور ان کے خلاف امن کے نکالوں کہ یہ بات غرض آباد سے تو ممکن ہے اس لئے قصص کا مطلب بنا کر کہتے ہیں کہ جتنی تکلیف کسی سے قصص ہوئی ہو اتنی ہی اس کو دہجیو زیادتی نہ کرنا **وَلَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ حِينَ جَاءَهُ بِالْبَيِّنَاتِ** یہ خدا کا کلام ہے۔ اگر حقوق کا کلام ہوتا تو میر کو مقدم کرنا اور معاہدہ کو موخر کرنا مگر خدا تعالیٰ نے میر کو مقدم نہ کیا اس میں بندہ کی حاجت کی رعایت ہے کیونکہ شریعت کا خاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی غرض میں ہلاک رہا ہو اس وقت اس کی مصلحت کرنے سے غرض غلط ہو جاتا ہے اور حالت کی جائے تو وہ اور زیادہ گرم ہو جاتا ہے بالکل آگ ہو جاتا ہے مثلاً کسی کو آپ نے لڑتے دیکھا اور اس سے کہا کہ تو بھی اس کے چارہ مول لگا دے یہ کہتے ہی وہ غلط ہو جائے گا اور اگر تم نے یوں کہا کہ کیا مستقل حرکت ہے کہیں لڑو ہے میری عقل سے رہتا چاہئے تو وہ ایک تو اس پر دانت ہیں نہ اقبال آپ کی طرف بھی گھبرنے لگے گا۔ کہ یہاں اللہ پاک کہے نہ سمجھائے یوں یہ میری عقل کی ہاتھ لگے گا اللہ میں نے حجاب کی رعایت کی کہ اگر کوئی تم سے لڑے لڑے تو تم بھی اس کے چارہ جوتے لگا دو اب یہ سن کر جب ذرا سی غلط ہو گیا تو آگے لڑا ہے جس کی اگر میر کو تو وہ بہت ہی اچھا ہے پھر آگے حضور ﷺ کو خاص طور پر میر کا خطاب ہے **وَالْحَبِذُ وَالْمَصْبُوتُ** یا پھر کو کتاب تو باخبر رہ میر کریں یہ اور میر ہے جس کا حضور ﷺ سے خطاب ہو رہا ہے اور اس سے پہلے **وَلَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ حِينَ جَاءَهُ بِالْبَيِّنَاتِ** میں اور میر مراد تھا یعنی آپ ﷺ کو جو روئے ہوتا تھا ان کے برا بھلا کہنے سے اور میر میں نہ اس پر میر کرنا مرہ ہے **وَلَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ حِينَ جَاءَهُ بِالْبَيِّنَاتِ**

میں اسلامی مضامین کا ان میں ڈالے جاؤ بار بار اسلام کی خوبیاں سناتے رہو یہی طرز قرآن کا ہے چنانچہ جابجا فرماتے ہیں موصوفہ الانبیاء موصوفہ فی هذا القرآن والصلی علیہ وسلم بہ رہا مضامین کو دہراتے ہیں اگر ہم لوگ اس طرز کو اختیار کریں یعنی دکانوں کو کام نہ چلا سہے جس توہن شانہ بہت تلخ ہو اور اگر غلط نہ بھی ہو ہمارا کیا بکرا ہم نے تو اپنے فرض و عہد پر جو کام ہمارے درمیان ہمارا کرنا واجب تھا وہ پورا نہ ہو جائے گا نہیں ہمارا کیا کام۔

ترجمہ: آپ ﷺ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلائے اور اگر بحث میں جائے (تو ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے) کہ اس میں شدت و خشونت نہ ہو (آپ کا رب خوب جانتا ہے اس شخص کو بھی جس اس کے راستے سے گم ہو اور وہی راہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔ کو یہاں اس کا خطاب حضور ﷺ کو ہے مگر ہم میں حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے حصص سب اس کے طالب ہیں ہاں حضور ﷺ کا خطاب ہونا ہے اور دوسروں کو دینا۔

لَا تُؤْتُوا السُّفٰہَیۡنِ اَیۡمٰنَکُمۡ بِالْاَیۡمٰنِ وَالۡنَکَیۡتِ وَالۡاَیۡمٰنُ خَیۡرٌ مِّنَ النِّکَیۡتِ یعنی حکمت سے بلائے معلوم ہوا کہ اس میں حکمت کی ضرورت ہے ورنہ غلط فرماتے یا ٹھگتے دفرماتے بہر حال اس کے شر کا ضرور ہیں مگر وہ ای کے لئے ہیں جو کام کرنے کا قصد کرے اور وہ تین چیزیں ہیں امانت یا ٹھگت دھت یا موصوفہ السُّفٰہَیۡنِ اور بھلاؤ

دعوت کی تین قسمیں

یعنی ایک قسم تو دعوت کی یہ ہے کہ حکمت کے ساتھ کی جائے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ موصوفہ حیر کے ساتھ دعوت کی جائے اور ایک یہ کہ بھلاؤ سے کیا جائے۔ اس کی تو یہ مختلف ہو سکتی ہے جو بات میری سمجھ میں آتی ہے دوسری کرتا ہوں وہ کسی کو کھیل رہ کی طرف دعوت ہوگی تو اس میں ایک تو دعوتی خاص داعی کا مطلب ہوگا اور ایک اس کی تفصیل ہوگی جو کہ حسب مخالف کا ہے مگر کھنگو میں ۱۱ چیزوں کی ضرورت ہے ایک اپنے دعوتی کا اثبات اور دوسرے کے دعوتی کا ابطال تو حکمت یہ ہے کہ اپنے دعوتی پر ملکی دلائل قائم کئے جاویں اور بھلاؤ یہ ہے کہ مخالف کے دئی کو باطل کیا جاوے اسلی خصوصاً یہ دونوں ہیں باقی تیسری ایک چیز اور یہ وہ موصوفہ حیر ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے ساتھ شفقت بہت زیادہ ہے اس لئے موصوفہ حیر بھی ایک ایک طریق بتا دیا اس کی حقیقت یہ ہے کہ صحیح دھرم کے ہوتے ہیں ایک تو ضابطہ کے ساتھ نصیحت کرنے والا وہ دہڑا اپنے ضابطہ کی خانہ پر کی کرتا ہے دوسرا وہ صاحب جس کو سامعین پر شفقت بھی ہے۔ خطا ایک تو مادی کا حکم ملتا ہے اور ایک باپ کا نصیحت کرنا دونوں میں بے تفرق ہے مادی کا کام تو ضابطہ کا ہے صرف حکم کا پہنچانا اس کا فرض نہیں ہے اب تم مانویات مانو اس سے اس کو کوئی بحث نہیں اور باپ محض سناتے پر قاعدت نہیں کرتا بلکہ اس کی شفقت اس

بات کو چھٹی ہوتی ہے کہ کسی صورت سے اس کو سنا لوں اس لئے وہ ایسی صورت اختیار کرتا ہے کہ چنانچہ ہی
لے تو دیکھتے رہوں میں کتاب کا فرق ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسا کوئی شئی نہیں مگر خصوصاً جیسا کوئی
خیر خواہ نہیں تو محض شفقت ہی کے مقتضات اللہ تعالیٰ نے اس کو خصوصاً اللہ تعالیٰ آپ کی امت کو فرمایا ہے
کہ دعوت میں صرف حکمت یعنی دلائل ہی پر انکشاف کرو بلکہ ساتھ ساتھ وسط منہ بھی کرتے رہو جس کی
حقیقت محال سے معلوم ہوتی ہے کہ حکمت سے جب علمی دلائل مراد ہیں تو وسط منہ سے دلائل کے علاوہ کچھ
اور مراد ہو گا سو وہ ایسے مضامین طرہ ہیں جس سے غائب میں نہی پیدا ہو دل بکمل چاہے اور ان مضامین
مردہ کا صدقانی ترتیب و ترتیب ہے کہ وہ جات جنت کی ترتیب اور درجات جنم سے ترتیب کرنا خود تک فرض
اصل مقصود انکام کا نانا ہے خواہ حاصل ہوں یا نہ ہو

باقی ایک درجہ غائب کے متاثر کرنے کے لئے ترتیب و ترتیب کا بھی ہے گو وہ بھی ایک حیثیت سے
انکام ہی میں سے ہے مثلاً جنت اور دوزخ کا مضمون عقیدہ کے درجہ میں تو انکام ہی میں داخل ہے اور اصول
میں ہے مگر دوسری حیثیت سے ترتیب و ترتیب ہے یعنی جہاں انکام نانا اور جنت و دوزخ کا معتقد نانا مقصود
نہ ہو صرف ترقی قلب مقصود ہو اس ترتیب و ترتیب ہے مثلاً کسی کو کہا کہ اگر نماز پڑھو گے تو ایسی جنت ملے
گی جس کی یہ بات ہے یہ حالت ہیں اس کے اندر ایسی ایسی آسانیاں ہیں اور اگر نہیں پڑھو گے تو دوزخ میں
جاؤ گے جس کے یہ واقعات ہیں تو یہ مضمون ترتیب و ترتیب کی حیثیت سے محض مرقع ہے قلب کا اس سے
غائب کے قلب میں صلاحیت انکام قول کی پیدا ہو گی پھر مل کرنے کی توفیق ہو گی کیونکہ عمل اول اول مختلف
سے ہوتا ہے کیوں کہ طبیعت کے خلاف کام ہے اس واسطے کوئی امر آمادہ کرنے والا اور ابھارنے والا ہوتا
چاہئے طبیعت کے خلاف دنیا کا کوئی کام بھی بلا طبع یا بغیر خوف کے نہیں ہوتا مگر عادت ہو جاتی ہے تو ترتیب و
ترتیب کی چند اس ضرورت نہیں رہتی اس لئے ترتیب کی بھی ضرورت ہوتی اور ترتیب کی بھی شقیں کی تعلیم ایسی
ہی ہوتی ہے مثلاً آپ اگر بچے کو کسی سطر سے دے گا ہے تو انکا کہنا کہ یہ چیز مت کھانا تاکہ حق ادا کرنے کے
لئے کافی ہے تاکہ اس کو اختیار ہے چاہے آخر دے یا بھانڈ میں پڑے مگر باقی بات پر انکا نہیں کرتا بلکہ
شفقت کی وجہ سے کہتا ہے کہ بچہ بچہ مضرب دست آور ہے اسے مت کھانا یہ پینے میں اور پیدا کر دے گی اس
کے کھانے سے پسپاں نکل آئیں گی تو انکا کہنا پڑنا شقیں ہونے کی حیثیت سے ہے اور اس کو خوف دہانے کی
کیا ضرورت پڑی۔ قیاسی اس طرح کبھی طبع دہانے سے کام لیتا ہے کہ اگر یہ دہانی کے تمام کو یہاں تک

خود میرا ایک واقعہ ہے مجھ میں ایک دفعہ یا روزہ تو حکیم صاحب نے سبیل گوہر کیا مگر میں بیچارہ تو

اللہ صاحب نے کہا اگر وہ اپنی اموال کے تو تم کو ایک روپیہ دوں گا جس روپے کے لالچ میں بی کیا تو اس واسطے ضرورت ہے تریب و ترویج کی کیونکہ ایسے آدمی بہت کم ہیں کے جو بال تریب و ترویج کے احتمال اس کر لیں گو بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو چار تریب و تریب کے بھی کر لیتے ہیں جیسے ایک صحابی کے حضرت حضور ﷺ نے فرمایا لو لم یصف اللہ لم یصف کما کرس کے دل میں خوف خدا بھی نہ عتاب بھی خدا کی باریابی نہ کرنا تو بعض کو فطری طور پر خدا سے قطع ہوتا ہے مگر اکثر تو خوف ہی سے بہک کر کتے ہیں مگر وہ روپیہ بھی نصیب ہو جاتا ہے لیکن دل ہی سے ایسے کم ہوتے ہیں مثلاً چھ پہلے پہلے بد معاوضے پہنچتا ہے اور بھڑک کر سختی کے لئے اپنے پاس سے بھی خرچ کرنا پڑے جب بھی نہ چھوڑے تو اس لئے تریب و ترویج کی ضرورت ہے یہ سہولت دیتے ہے۔

سبحان اللہ حق تعالیٰ کی اتنی بڑی شفقت ہے کہ حضور ﷺ کو اور امت کو یہ تریب و ترویج عطا کی کہ آپ اس طریقہ سے کام لیں کہ قدر و قیمت ہے کہ شہر میل کو کس طرح آسان کر دیا۔

رعایت مخالف

اس کے بعد ارشاد ہے جسدہم یعنی ان سے محالہ سمجھئے اس میں وہ احتمال تھے ایک محالہ جس کا ایک سیدھا اس لئے احسن کی قید لگا دی اور محالہ سید سے منافقت کو ہی دہایا کہ محالہ میں تو اس کی قید لگائی اور حکمت کے ساتھ جس کی قید کیوں نہیں لگائی اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں طبرہ جس کا احتمال ہی نہیں کیوں کر اپنے دلوں کی دلیل بیان کرنے میں کسی کو نہ گوارا نہیں ہوتی اور دوسرے کے دوا کی گوارا کرنے میں اسے بھی اشتیاض ہوتا ہے اس لئے وہاں قید نہیں لگائی اور یہاں قید لگائی کہ وہاں کہ اس میں طبرہ سے ہو جس سے کسی کو رنج اور کلفت نہ ہو سبحان اللہ کس قدر شفقت ہے یہ محالہ کہ مخالف کی اتنی رعایت کہ اس کا دارا اگر ہو ایسے طریقہ سے ہو کہ اس پر حقیقت تو مشکف ہو جائے مگر یہ املا کی گونہ کیا جائے۔

اور میں نے خود میں یہ قید لگائی کہ حقیقت ظاہر ہو جائے یہ اس لئے ہے کہ بعض دفعہ جواب ایسا گول مول ہوتا ہے کہ خصم پر حقیقت بھی ظاہر نہیں ہوتی اور یہ حسن محالہ کے خلاف ہے اس لئے چاہئے کہ کہے تو صاف صاف مگر اس میں طبرہ سے چنانچہ لاصدع بعدا تو مو کا بھی مطلب ہے کہ گول کے صاف صاف بیان کر دینا جمل سے نہات نہیں ہوتی جو شخص گول مول بات کرتا ہے اس سے ہر شخص راضی تو رہتا ہے مگر اس کا اثر برا ہوتا ہے کہ قاطب جمل مرکب میں چھڑا رہتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ بات صاف ہو مگر حفاظت نہ ہوں۔

قُلْ لِّیْزِیْنِ یُکَلِّمُوا الَّذِیْنَ هِیْ اَتْخَسَّنَ کَیْجِبْ لَیْکُمْ عَنْ سَبِّیْہِمْ وَهُوَ اَتَّکَلُ بِاللّٰہِ فِیْہِ ۝ یعنی تلخ کر کے تیرہ کی مگر میں نہ پڑوں گا کہ تیرہ میں ہے تمہارے اختیار سے باہر ہے یہ بھی ایک وجہ یہاں ہے بالکل کہ بعض سے تو کہی اس مقام

اور کوئی عہدہ یا اس سے بھی کمہ کی کوئی شے چاہے تو کیا اس مقام میں اللہ تعالیٰ نے دونوں مردوں سے تعرض کیا ہے یعنی ایک تو تقریباً فی التخلیج سے اس کے بعد ایک کے لئے فرمایا لا یحیی سبیل ربک الا یہ اور ایک فرمایا فی التخلیج سے اس کی ممانعت اس جزو میں مذکور ہے۔

لَیْسَ رِکْبَتُکُمْ عَلَیْکُمْ یَوْمَئِذٍ عَنْ سَبِّحَہُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِیْنَ غرض تخلیج کے اور بھی افراد ہو جاتا ہے مگر تقریباً یہ دونوں مصر ہیں اور حضور ﷺ میں شفقت کی کہ اگر تو اہمال ہی نہ تھا یہ تو جمعی انتظام ہم لوگوں کے واسطے فرمایا گیا ہے کہ تخلیج میں نہ افراد کا نہ تقریباً نہ چاروں میں تقریباً کا اضافہ ہے اور اگر میں افراد کا جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک ہر تخلیج کا یہ بھی ہے اگر میں نہ کامیابی سے قائم ہوا ہوتا ہے کہ یا اس کی نوعیت آ جاتی ہے اس کے بعد عقل ہو جاتا ہے اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ آپ کو اس سے کیا بحث کرو اور یا نہ آپ پانچ کام کئے جائے شرات کا موجب کہ ہمارا کام ہے ہم جانتے ہیں کہ کون چاہتے ہیں کہ کون خطرات میں ہے۔ ایک اور جگہ عقیق مزاہن سے اسکو بیان فرمایا وَ لَوْ کُنْتُمْ اَوْفَیْ مَنْ فِی الْاَمْْرِ مِنْکُمْ عَلٰی عِبَادِکُمْ لَکُنْتُمْ لَکُمْ اَنْفُسٌ حَتٰی یَنْکَلِبُوْا عَلٰی اَوْجِہِہِمْ وَ مَا لَکُمْ بِتَعْلٰی لَیْسَ لَکُمْ بِالْاَنْفُسُ

جس کے بعد شفقت ہے وہ کچھ کہتے ہیں کہ غالب کے عدم تاخیر سے کہ قدر تعلیف ہوتی ہے مگر اس حزن کی ممانعت نہیں اور طبی اور تجربہ گیری ہے اس میں انسان مجبور ہے بلکہ ممانعت اس کی ہے جو حد متعین تک پہنچنے اس لئے فرماتے ہیں

لَیْسَ رِکْبَتُکُمْ عَلَیْکُمْ یَوْمَئِذٍ عَنْ سَبِّحَہُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِیْنَ

آپ کو اس سے کیا کوئی مسلمان ہدایتیں ہوں اس کو ہدایت جاتا ہے آپ اس کی فکر نہ کیجئے اس کو خدا کے ہر ذکر دیکھتے ہو کہ جس آئی شفقت نہ ہوا اور اس لئے جو بہادر مٹی سے تخلیج کرتے ہیں اس کی بھی ممانعت فرمادی ہے۔ قُلْ لَیْسَ لَکُمْ عَلٰی اَنْفُسِکُمْ اَمْرٌ اَوْفٰی مَنْ فِی الْاَمْْرِ مِنْکُمْ عَلٰی عِبَادِکُمْ لَکُمْ اَنْفُسٌ حَتٰی یَنْکَلِبُوْا عَلٰی اَوْجِہِہِمْ وَ مَا لَکُمْ بِتَعْلٰی لَیْسَ لَکُمْ بِالْاَنْفُسُ کے لئے کافی ہو نہیں سکتا ہے کہ اب بعد ضرورت جہاں کافی ہو گیا ہے۔

اسباب حزن کی ممانعت

حق تعالیٰ نے حضور ﷺ کو فرم سے منع فرمایا ہے وَ لَا تَحْزَنْ عَلٰی مَا فَتٰکُمُ النَّاسُ فَاَنْتُمْ سَابِقُونَ اَلَمْ یَسْبِقْہُمْ اَنْ یَّکُوْنُوْا سَابِقِیْنَ کہ آپ کو کلام تخلیج احکام کیجئے اور ان کے امراض سے غم نہ ہو جتنے حال کا آپ کا حزن شفقت کی وجہ سے تھا اور شفقت سے تخلیج زیادہ ہوتی ہے تو ظاہر میں شہرہ ہوتا ہے کہ یہاں حضور ﷺ کو تخلیج کی زیادت سے روکا گیا ہے لیکن حقیقت میں زیادت سے نہیں روکا گیا بلکہ اس کی تکمیل سے منع کیا گیا ہے کہ نہ کم سے طبیعت چمراہ ہو جاتی ہے اور اس سے عقل ہو جاتا ہے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تخلیج کے وقت خود اس تخلیج کو مطلوب

دیکھتے تہ ثمرات کا مقصود نہ کھنے کیونکہ جو شخص ثمرات کو مقصود سمجھ کر کھل کر کھا اس کو وہ تہ ثمرات سے روک دیا گیا ہے۔
 گا اور جن دنم کی خاصیت ہے کہ اس سے طبیعت خشک و سرد ہو جاتی ہے پھر کام نہیں ہوتا
 اب تھا کہ یہاں زیادہ تلخ سے کیا گیا ہے یا اس کی تقطیل سے رکا گیا ہے ظاہر ہے کہ جو شخص خود کھل کو
 مقصود سمجھے گا اور شراب پر نظر نہ کرے گا وہ اس شخص سے زیادہ کام کرے گا جو شراب پر نظر کر کے کام کرتا ہے کیونکہ یہ دوسرا
 شخص جب شراب پر ہوتا نہ دیکھے گا کھل میں کوتاہی کر دے گا بخلاف پہلے شخص کے کہ وہ ہر حال میں برابر کام کرتا
 رہے گا کیونکہ اس کا مقصود کھل ہی ہے اور وہ راہ وقت حاصل ہے کیونکہ اپنے اختیار میں ہے تو یہاں بھی حق تعالیٰ
 نے مقصود سے کھل کو امر غیر اختیار ہی پر نظر کرنے سے منع کیا ہے کہ جو کام آپ کے اختیار میں ہے یعنی تلخ آپ
 اس میں مشغول رہیں اور اسی کو مقصود سمجھیں اور جو آپ کے اختیار میں نہیں یعنی (تہ ثمرات) اس پر التفات نہ
 کریں بلکہ اس کو ہمارے حوالے کیجئے۔

اس تقریر سے یہاں مثال بھی درخ ہو گیا کہ جن دنم اور تہ ثمرات غیر اختیار ہی ہے اور اس امر غیر اختیار یہ میں سردی
 دار نہیں ہوا کرتی پھر یہاں لاخرن کیوں فرمایا گیا۔

جواب کا حاصل یہ ہے یہاں حقیقت میں جن دنم پر جنی ہوا وہ نہیں بلکہ اسباب جن دنم سے وہ کا مقصود ہے اور
 اسباب جن دنم اختیار ہی ہیں مگر جن دنم اختیار ہی نہ ہو چنانچہ میں نے تھا دیا کہ تلخ میں جن دنم کا سبب ہوتا ہے کہ شراب
 پر نظر کر جائے اور شراب کو مقصود سمجھ کر کھل کیا جائے اس سے ممانعت مقصود ہے اور یہیں سے سائلین کو سبق لینا
 چاہئے کہ وہ جو کہ فعل اور افعال صحت و مہارت کرتے ہیں اس میں خود کھل کو مقصود سمجھا کر ہی جماعت اختیار میں ہے
 شراب کو مقصود نہ سمجھیں جو غیر اختیار ہی ہیں اور نہ جس شخص نے ثمرات کو مقصود سمجھ کر چند روز کے بعد وہ کھل میں
 کوتاہی کر دے گا جبکہ ثمرات کا تہ ثمرات پر نظر نہ آئے گا اور جن ثمرات پر نظر نہ کرے گا وہ برابر کام میں لگا رہے گا اور
 روز بروز ترقی کرتا چلا جائے گا۔

سُورَةُ بَنِي إِسْرَآءِل

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الشُّجْرِ الْحَرَامِ
إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بَرَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنَ الْإِنشَاءِ إِنَّ
هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝

ترجمہ: سو ذات پاک ہے جو اپنے بندہ (محمد ﷺ) کو شب کے وقت مسجد حرام (یعنی مسجد کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرد و گردیم نے برکتیں کر رکھی ہیں لے گیا تا کہ تم لوگ کو اپنے کچھ گناہات قدرت دکھلا دیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے سجدہ والے بنے سجدہ کچھٹے والے ہیں۔

آیت معراج کی ایک تحقیق

شب معراج میں ایک سفر تو زمین پر ہوا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک دوسرا سفر وہاں سے آسمانوں کی طرف ہوا مگر قرآن کی آیت ساری عہدہ لایا میں صرف پہلے ذمینی سفر کا ذکر ہے آسمانی سفر کا ذکر نہیں ہے یہ ہے کہ آیت میں لایا کی قید لگی ہوئی اور دن اور رات صرف اس ذمینی فضا سے متعلق ہیں آسمانوں میں اس طرح کا دن رات نہیں جو آفتاب کے طلوع و غروب سے متعلق ہوتا لہذا اسراء اور بکال کے متعلق سے صرف ذمینی سفر کے ذکر پر اکتفا کیا اور سورہ نجم میں آسمانی سفر کا ذکر فرمایا۔ عَنَّا يَذُوقُوا الْعَذَابَ۔

ارضی بلائیں

ایک مہمان دیکھ کی طرف جو بعض شہادت کی تحقیق کر رہے تھے مخاطب ہو کر یہ بھی فرمایا کہ حضرت یہ

یاد کیاں ارضی ہیں ساری نہیں ہیں یہ خود لوگوں نے اپنے ہاتھوں خریدی ہیں یہی ملاؤں کا رنگ ہی اور ہوتا ہے یہ وہ یاد کیاں ہیں جن کے واسطے حق تعالیٰ فرماتے ہیں وما اصحابکم من مصیبة لیسوا کسبت ابدانکم اور یاد کیاں وہ شیعہ کے اند میں بھی کافروں کے مددگار ہیں جیسا کہ بعض گستاخوں سے جنگ طرابلس میں کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ بھی شمشکٹ کی طرف دار ہیں خود ہاتھ دے حضرت سیدنا فرمائی وہ چیز ہے کہ بھلی سے خود لو کے چاہک گوارے جاتے ہیں تو کیا اس صورت میں بادشاہ بھلی کا طرف دار ہے اور کیا اس سے یہ لازم آ گیا کہ بھلی مقبول ہے بلکہ بات میں ہے کہ خود لو اپنے سر دہونے کی وجہ سے مطلوب ہے (چونکہ مصر کی جماعت کلمزی ہو گئی اس لئے موقوفہ نہ ہو گیا) پھر بعد نماز فرمایا کہ مجھے ایک آیت شریفہ یاد آئی سورہ بنی اسرائیل میں ہے اور یہ بنی اسرائیل کا فریضہ تھے اہل کتاب تھے انبیاء کے قاتل تھے حق تعالیٰ نے ان کے بارے میں ایک وہ دشمنین کو بیان ان کی کتاب میں یہاں فرمایاں ہیں وہ کلام اللہ میں مقول ہیں۔ ولعننا الی بنی اسرائیل فی الکتاب لیسلسلن فی الارض مزلن ولعلن علوا کبیرا فاذا جاء وعد الولا ہما بعضا علیکم عذابا لئلا یولی ہما شدید فاجسوا عجل الدہار و کان وعدا مفعولا مطلب یہ ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں یہ بات عطا دی تھی کہ تم سرزمین میں دوبارہ نہ آ جاؤ گے اور دوبارہ نہ چائے گو کے پھر جب ان دو باتوں میں سے پہلی مرتبہ کی معیار آئے گی یعنی تم بول مرتبہ شرارت کرو گے تو ہم تم پر اپنے ایسے بندوں کو مسلط کریں گے جو بڑے خوفناک ہوں گے پھر وہ گھروں میں تمس چریں گے اور یہ ایک وعدہ ہے کہ جو ضرور ہو کر رہے گا اب اس دیکھنے کی چند باتیں ہیں ایک تو یہ کہ قصہ بنی اسرائیل میں دیکھنا چاہئے کہ ان لوگوں کو جو کہ اہل کتاب ہیں مسند اور حد سے گزرنے والا فرمایا ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ جن کو مہار انا فرمایا ہے یہ کون لوگ ہیں۔ یہ مشرک ہیں بہت پرست ہیں ان کو اپنا بندہ فرما رہے ہیں اس حیثیت سے کہ ہماری مخلوق ہیں اور ہمارا آل و خراب ہیں نہ اس حیثیت سے کہ مقبول ہیں بلکہ بات یہ ہے کہ تمہارے سر دہونے کی وجہ سے ان کو تم پر مسلط کر دیا ہے اسی طرح دوسرے وعدہ کو فرماتے ہیں بقولہ تعالیٰ فاذا جاء وعد الولا عوا لیسزل وجوہکم ولیدخلوا المسجد کما دخلوا اول مرة ولیضر واما علو التصیرا فرماتے ہیں کہ (پھر جب دوسری معیار آئے گی یعنی دوبارہ شرارت کرو گے ہم پھر دوسروں کو مسلط کریں گے تاکہ وہ تمہارے منہ بگاڑ دیں اور جس طرح دوبارہ تمہاری مسجد میں کھسے تھے یہ وہ لوگ بھی اس میں تمس چریں۔ اور جس جس طرح پر ان کا زور پڑے سب کو یہ یاد کرنا اٹھیں) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے بھی عقائدات مقدسہ کی بے حرکتی ہمارے ہاتھوں ہو چکی ہے اور اب بھی ہمارے ہاتھوں ہی ہو رہی ہے۔ یہ یاد کیاں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ کیسے گوارا ہو گا ان کے نزدیک حاکم میں نہ رہے۔ خدا کے اور یہ خود اسی قانون پر چلتا ہے جو ہمیں حکم ہے کہ ہم ان

کی تعظیم کریں خدا پر لازم نہیں کہ کسی کی تعظیم کریں دیکھئے اگر نبی پر نہایت بڑھتی ہے تو اسے اتار کر بیٹھ دیتے ہیں ایک منہ سر پر نہیں رکھتے اور جو تا اگر نہات میں بھر جائے تو اسے کوئی نہیں بچھٹکا جانتے ہیں کہ یہ تو نہیں ہی ہے نہ اگر نہات میں بھر گئی تو کیا ہوں ہی طرح کا فر اور مسلم کی مثال ہے کہ موسیٰ مثل نبی کے ہے کہ اگر اس میں ایک دھبہ بھی پڑ جاتا ہے تو ناکار ہوتا ہے اور کا فر مثل پاپوش کے ہے کہ اگر سب بھی بھر جائے تو ناکار نہیں ہوتا تو کیا اس سے یہ لازم آیا کہ جو ناکار ہے افضل ہے ان دیکھ صاحب نے بعض اہل غلو کے مذہب کے طور پر کہا کہ مصیبت کے وقت مثل بھی جاتی رہتی ہے حضرت وللا نے فرمایا کہ یہ کج ہے مگر کسی کی مثل جاتی رہتی ہے جو غریبان ہے اس کی مثل جاتی رہتی ہے بلکہ اس کی حالت راحت میں بھی ایسی ہی ہوتی ہے کیونکہ راحت کو اپنی ہی مثل کا شرہ کہتا ہے اور مصیبت کو اور اس کے سر تو جتا بھرتا ہے اور مطلع مصیبت کے وقت اور بھی زیادہ عاجل اور بیدار ہو جاتا ہے کیونکہ یہ راحت اور تاحداری کے حق تعالیٰ اس میں عرفان کی شان پیدا کر دیتے ہیں اور نور دار جو آئین پیدا ہو جاتا ہے اس کو راحت اور مصیبت دونوں مذکر کرتے ہوتے ہیں (جامع جیسا کہ حضرت عارف صہب الدین چشتی نے فرمایا۔

از ہی مصائب دوراں مثال شاہاں پاؤ کہ حیر دوست پہ پہلوئے دوست ی آید

اور حضرت باقی فرماتے ہیں

تکروا لعلن ہو دودا ابرہم یون ----- بعد از ہی درباب معنی راہہ فن

یعنی اسے خدا کے بند سے جب تو طاعت حق ہے تو تجھے راحت اور مصیبت سے بالکل قطع نظر کرنی چاہئے)

اور حضرت وللا نے یہ بھی فرمایا کہ آپ اس کا تجر بہ کر لیں دو عالموں کے پاس جاتے ایک ان میں خدا ہیں اور حق ہے اور ایک فقط عالم ہے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آپ حق کو داخل اور فیہم پائیں گے اور غیر حق کو نہایت خشک اور کورایک میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ ایک شخص ان چھ اور حق ہو اور دوسرا فقط عالم آپ اس ان چھ میں جو ہم دیکھیں گے وہ اس عالم میں ہرگز نہ ہو گی چنانچہ حضرات صحابہ میں اکثر وہ لوگ تھے کہ بڑھتا جاتے تھے نہ لکھنا مگر جب بادشاہوں کے دربار میں دعوت اسلام دینے جاتے تھے اور شاہان دنیا سے خطاب کرتے تھے تو بڑے بڑے بادشاہوں کی باتیں سن کر حیران ہو جاتے ہیں حضرت عمرؓ کی خطابت میں جب سیر اسلام پڑھیں گے دربار میں تشریف لے گئے ہیں اور اس نے حضرت عمرؓ کے حالات حدیث کے ہیں کہ تم اپنے ظلیل کے حالات سناؤ وہ کہے ہیں اور کیا کرتے ہیں تو ایک شخص ان چھ معمولی لباس میں سے جواب دیتے ہیں کہ ہمارے ظلیل کا نظریہ یہاں ہے کہ لا یسجدع والا یسجدع دیکھئے ایک ان چھ شخص نے درمیان میں جواب دیا ہے کہ بادشاہ حیران ہو گیا تو بات کیا گئی طاعت کی برکت سے عرفان حق حاصل تھاق تعالیٰ ان

کے حوالے سے دعا کرتے ہیں کہ: مَنْ كَانَ اللَّهُ كَانِ اللَّهُ لَهُ حَقٌّ عَلَيْهِ تَعْلِيمُ حَقِّ حَقِّهِ وَأَمَّا مَنْ كَانَ اللَّهُ كَانِ اللَّهُ لَهُ حَقٌّ عَلَيْهِ تَعْلِيمُ حَقِّ حَقِّهِ وَأَمَّا مَنْ كَانَ اللَّهُ كَانِ اللَّهُ لَهُ حَقٌّ عَلَيْهِ تَعْلِيمُ حَقِّ حَقِّهِ (مختصرات حکیم الامت ج ۳ صفحہ ۱۵۹ تا ۱۶۱)

وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ

كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا

ترجمہ: اور جو شخص آخرت کی نیت رکھے گا اور اس کے لئے جتنی سعی کرتی ہے وہ دنیا ہی سعی ہی کرے گا جبکہ وہ شخص مومن بھی ہو نہیں رہے تو ان کے لئے یہ سعی قبول ہوگی۔

تفسیری نکات

مخلص تمنائے آخرت کافی نہیں

بہت لوگ ارادہ آخرت کے بارے میں اسی کو کافی سمجھتے ہیں کہ زبان سے یوں کہہ لیا جائے کہ نیت کرتا ہوں میں طلب آخرت کی اللہ اکبر یعنی بہت لوگ مخلص تمنائے آخرت کو طلب آخرت سمجھتے ہیں اور اس کے اسباب کا اختیار نہیں کرتے (اور یہ حالت آخرت ہی کے ساتھ ہے دنیا کے ساتھ یہ کسی کا برتاؤ نہیں کہ مخلص تنها کو کافی سمجھ لے اسی واسطے مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ (جو شخص مخلص دنیا ہی کا طالب ہو) کے بعد وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا (اور اس کے لئے کوشش کوشش بھی کرے) نہیں بڑھایا گیا کیونکہ وہاں تو ارادہ کے معنی بھی عام طور پر یہ ہیں کہ خوب سعی کی جائے پس باب یہ شہدہ ہا کہ ارادہ عاجل میں تو سعی کی قید نہیں اور یہاں سعی آئندہ ہے تو آخرت کی فضیلت دنیا پر پوری طرح واضح نہ ہوئی اگر یہاں بھی مخلص ارادہ سے بحث ہوئی تو مقابلہ کامل ہوتا جواب کا حاصل یہ ہے کہ سَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا دونوں جگہ مراد ہے مگر وہاں اس کے بیان کی ضرورت نہ تھی کیونکہ وہاں ارادہ کے معنی میں لوگوں نے غلطی نہیں کی اور یہاں بیان کی ضرورت تھی کیونکہ یہاں سعی ارادہ میں غلطی کا ذریعہ ہو رہا ہے (۱۲) اور سَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا (اس کے لئے اس کی موافق کوشش کوشش بھی کرے) لایا سَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا (اس کے لئے اپنی صحت کے موافق کوشش بھی کرے) نہیں لایا کہ آخرت کے لئے اپنی ہی کوشش کرے کیونکہ اس میں کم ہمتوں کو موقع مل جاتا ہے کہ ہر شخص ذرا سا کام کر کے کہہ دیا کہ میں میری صحت و آفتابی ہے تو ان کم ہمتوں کے یہاں قطع کرنے کے لئے فرماتے ہیں کہ آخرت کے لئے آخرت کے حساب کوشش کرے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ اپنی طاقت سے زیادہ کوشش کرے جیسا کہ ظاہر میں شان آخرت کی عظمت سے مفہوم ہوتا ہے بلکہ مطلب وہی ہے کہ اپنی ہی کوشش کرے اور اپنی

امت کے سواقی سنی کرے چنانچہ دوسری جگہ اس کی تفسیر **فَالْتَوِ الْاِلٰهَ مَا اَنْتَ مُطْعَمٌ** (پس اللہ تعالیٰ سے اور اپنی امت کے سواقی) سے کی گئی ہے جس کا مل **سَعَى لَهَا سَعْيَهَا** سنی کرے اس کی سنی کرنے کے سواقی) و سعی لہا سعیہ (دوسری کرنے پائی کوشش کے سواقی) کا ایک ہی ہے لیکن سعی لہا سعیہ کے بعد سعی لہا سعیہ کا مفہوم جزدہن میرا نے گا وہ یہ ہوگا کہ اپنی کوشش ختم کر دے اور اس کے بغیر کم ہمتوں کو یہانہ کا موقع مل جاتا ہے غریب سمجھ لو چنانچہ اس حکمت کی وجہ سے حق تعالیٰ نے **فَالْتَوِ الْاِلٰهَ مَا اَنْتَ مُطْعَمٌ** (پس اللہ تعالیٰ سے اور اپنی استطاعت کے سواقی) کو بدل کر **فَالْتَوِ الْاِلٰهَ مَا اَنْتَ مُطْعَمٌ** (پس اللہ تعالیٰ سے اور جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے) کا نزول ہوا جس سے صحابہ گھبرا گئے کہ حق تعالیٰ کی شان کے مناسب تقویٰ کس سے ہو سکتا ہے جب تہلی کے لئے **فَالْتَوِ الْاِلٰهَ مَا اَنْتَ مُطْعَمٌ** بدل ہوا اور یہ اس کے لئے ناسخ نہیں بلکہ مفسر ہے کہ **فَالْتَوِ الْاِلٰهَ مَا اَنْتَ مُطْعَمٌ** کا مطلب یہ ہے کہ اپنی استطاعت کے سواقی تقویٰ اختیار کرو اور سلف کے کام میں اگر اس کو کہیں ناسخ نہ کیا گیا ہے تو اس سے بھی مراد تفسیر ہی ہے لیکن سلف کے کام میں جان قبول و بیان تفسیر سب کو صحیح سے تفسیر کر دیا جاتا ہے بہر حال قصود تو تقویٰ بقدر استطاعت ہے لیکن اس کو **فَالْتَوِ الْاِلٰهَ مَا اَنْتَ مُطْعَمٌ** (پس اللہ تعالیٰ سے جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے) کے بعد اس کی تفسیر میں بیان فرمانے سے کم ہمتوں کے بہانے تلخ ہو گئے اور اول ہی اس کا نزول ہو چکا تو کم ہمتوں کو یہانہ و حوط سے کام شروع مل چا اور ایسی یہاں سمجھو کہ **سَعَى لَهَا سَعْيَهَا** کو **فَالْتَوِ الْاِلٰهَ مَا اَنْتَ مُطْعَمٌ** سے ظاہر کر دیکھا جائے تو اس کا حاصل سعی لہا سعیہ کی طرف لوٹا ہے مگر سعی لہا سعیہ نہ فرمانے میں حکمت وہ ہے جو اسکی بیان ہوئی واللہ اعلم ہمارا دکھاسہ ہر حال بادشاہ فرماتے ہیں کہ جو آخرت کا طالب ہو تو اس کی جزا یہ ہے کہ **فَالْتَوِ الْاِلٰهَ مَا اَنْتَ مُطْعَمٌ** **فَالْتَوِ الْاِلٰهَ مَا اَنْتَ مُطْعَمٌ** ان کی سنی کی قدر کی جائے گی ظاہر یہاں کچھ انعام کا ذکر نہیں مگر قرآن شامی کام ہے اس میں شایان امورات کے ساتھ گفتگو کی جاتی ہے اور شامی کا وہ دوسرے یہ لفظ بہت بڑا ہے یہ جزا دل خواہی سے بڑا عطا ہے جب بادشاہ کسی سے یہ کہہ دے کہ تم نے تمہاری خدمت کی قدر کی ہے تو اسے کچھ لینا چاہئے کہ بہت کچھ ملے گا۔ اور امید سے ڈانڈ ملے گا کہ کچھ لوگوں کی سنی کی اہم انگلیں قدر دہلی فرمائیں اس کو کیا کچھ ملے گا۔

علم صرف و نحو کی ضرورت

ایک آیت میں تو طلب دنیا پر بھی ترقب فرما کا وعدہ ہے فرماتے ہیں **مَنْ كَانَ يُؤْمِدُ حَرْكُ الْخَيْرِ لَا يَنْفَعُهُ فِي حَرْبٍ وَحِينَ يَكُنْ يُؤْمِدُ حَرْكُ الْاِلٰهَ مَا اَنْتَ مُطْعَمٌ** (جو شخص

آخرت کی یقین کا طالب ہو ہم اس کو اس کی یقین میں ترقی دیں گے اور جو دنیا کی یقین کا طالب ہو تو ہم اس کو کچھ دیا نہیں دیں گے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہاں وعدہ ہے تو منہا کے ساتھ ہے جس میں کن نہیں ہے تو کل کا وعدہ کہاں ہوا جز و کل کا وعدہ ہوا اس پر شاید یہ سوال ہو کہ ایک آیت میں آخرت کے متعلق بھی منہا آیا ہے وَمَنْ يُؤْتَ كُتُبًا فَلْيُؤْتِهَا وَلْيُؤْتِهَا وَلْيُؤْتِهَا وَلْيُؤْتِهَا وَلْيُؤْتِهَا وَلْيُؤْتِهَا (اور جو شخص دنیوی چیز چاہتا ہے تو ہم اس کو دیا کا حصہ دیتے ہیں اور جو شخص آخری چیز چاہتا ہے تو ہم اس کو آخرت کا حصہ دیں گے اور ہم بہت جلدی عرض دیں گے حق شناس کو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ کن ابتداء ہے جو علیہ نہیں اور یہاں سے معلوم ہوا کہ قرآن وعدہ دینے لکھنے کے لئے خود صرف کی بھی ضرورت ہے۔

ارادہ دنیا مطلقاً مذموم نہیں

طلبہ کو ایک اشغال ہو گا وہ یہ کہ قرآن میں تو ارادہ دنیا کی مطلقاً مذمت وارد ہے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں مَنْ كَانَ يُؤْتِ الْعِلْمَ فَلْيُؤْتِهَا لِنَفْسِهِ لَئِنْ يُؤْتِهَا لِيَكُنْ لَهُ جُزْءٌ مِمَّا كَسَبَ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَ اللَّهِ بِعِلْمٍ (اور ایک جگہ ہے وَمَنْ كَانَ يُؤْتِ الْكُلَّ لِنَفْسِهِ لَئِنْ يُؤْتِهَا لِيَكُنْ لَهُ جُزْءٌ مِمَّا كَسَبَ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَ اللَّهِ بِعِلْمٍ (و اساطیر من الایات)

سوائے آیات میں ارادہ دنیا پر وعید وارد ہے طلبہ کو سلیقہ ارادہ سے بھی آگے ہے وہ تو بدجہاد فی ذموم ہو گی اس کا جواب یہ ہے کہ اگر قرآن ہر جہاد ہوا جس دیگر خصوص کے جانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ مطلق ارادہ پر وعید کا رتبہ نہیں اور نہ ہر اَعْلَىٰ الْكُلِّ الْبَيْتِ وَكَوْنُهُ لِيُؤْتِهَا لِيَكُنْ لَهُ جُزْءٌ مِمَّا كَسَبَ کے کیا معنی ہوں گے اگر ارادہ دنیا مطلقاً مذموم ہے تو باقی دشا کی اہانت کیوں ہے اور شریعت نے یقین پر مشرور غیرہ کیوں واجب کیا اس حال میں اور جاہلوں میں مذکورہ کیوں مقرر کی۔ کیونکہ جب دنیا رکھنا ہی جائز نہ ہو گا تو ان حقوق کے وجہ کی لغویت ہی کہاں آئے گی بلکہ اس نظریہ پر تو صاف یہ کہہ دیا جا تا تھا کہ جس ممنوع ہے اور زیادہ مال جمع کرنا اور بہت سے جائز پاننا بھی حرام ہے حالانکہ خصوص میں زراعت و تجارت اور زیادہ مال جمع کرنے کی کہیں ممانعت نہیں ہاں ممانعت کے بجائے ان کے لئے احکام و کواف و غیرہ مشرور ہیں جس دیگر خصوص کے ملانے سے ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ کن کا ان پر محض العاجلہ جو شخص صرف دنیا کا ارادہ کرے اس کے لئے یہ وعید ہے یعنی ارادہ دنیا کی دو قسمیں ہیں ایک تو دنیائے محض کا ارادہ کرنا کہ اس کے ساتھ آخرت کا ارادہ بالکل نہ ہو یہ مذموم ہے اور دوسرے دنیا کا ارادہ کرنا آخرت کے لئے کہ تجارت و زراعت و کسب و کمازمت بطریق طحال اس کے لئے کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے اہل حق کے حقوق ادا کرے اور اہل ایمان سے آخرت کے کام چلائے اس صورت میں اصل ارادہ آخرت ہے اور دنیا کا ارادہ اس کے تابع ہے اس کی مذمت نہیں نہ یہ

لَا يَفِيحُهَا مَا كُنْتُ لَا يَنْفَعُ طَوْلُهَا لَوْ جَعَلْنَا الْإِنْسَانَ بِصَلْبِهَا مِثْلَ مَوْسَىٰ أَفَلَا تُؤْذَاهُ وَمَنْ أَرَادَ
الْأُخْرَىٰ وَسُئِلَ لَهَا سِتْرُهَا وَهِيَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَلْبَسُ كَانَ سِتْرُهَا لَوْ كُنْتُ لَهَا يَنْفَعُهَا مَا كُنْتُ لَا يَنْفَعُ طَوْلُهَا
اور وہ (طلب) کر لے ہم اس کو دنیا ہی میں فی الحال جس قدر چاہتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں وہ دیتے ہیں
پھر اس کے لئے جنم مقرر کر دیتے ہیں جس میں وہ برائی اور لذت کے ساتھ داخل ہوگا اور لوگ کس آفت کا
اور وہ کریں اور اس کے لئے سنی کریں جو اس کیلئے ہو کرتی ہے اور اچانک وہ مومن بھی ہوں تو ان لوگوں کی کوشش
کی قدر کی جائے گی اب درآمدوں مضمون میں غور کر لیا جائے کہ طلب دنیا طلب آفت و لذت کے ثمرات
کو کس طرح بیان کیا گیا ہے طالب دنیا کی بابت تو ارشاد ہے **عَلَيْكَ الْغَافِقُهَا مَا كُنْتُ لَا يَنْفَعُ طَوْلُهَا** یعنی ہم
طالبان دنیا میں سے جس کو چاہتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں دے دیتے ہیں مضمون ہر اکہ سب کا کیا باب
ہونا ضروری کہ جو وہ چاہا کریں وہی مل جائے۔ بلکہ حق تعالیٰ چاہیں گے کہ یہی گناہ طلبان آفت کے
مخلوق ارشاد ہے **لَا يَلْبَسُ كَانَ سِتْرُهَا لَوْ كُنْتُ لَهَا يَنْفَعُ طَوْلُهَا** کہ جو آفت کی طلب کی کوشش مل اور ایمان کے ساتھ
کرتے ہیں ان کی کوشش کی قدر کی جائے گی ایمان اور سنی کی قیادت میں ان کی کوشش اور یہ اصل بیان ہے حسن لواحق
الاعصر کا کہ ارادہ آفت کہتے ہی ہیں ایمان اور عمل صالح میں کسی کرنے کو کہ نکاس کے بدلہ طلب آفت
حق تعالیٰ نہیں دے سکتا اور یہاں سے وہ کہ ایمان لوگوں کا جو کہ اپنے کو طلب آفت سمجھتے ہیں کہ عمل صالح نہیں
کرتے کہ وہ اصل یہ لوگ طلب آفت ہی نہیں طلب کے لئے طاقت بھی چاہتے طلب آفت کی طاقت بھی
ہے کہ ایمان اور عمل صالح اختیار کیا جائے اور میں نے یہ مضمون کہ **سُئِلَ لَهَا سِتْرُهَا وَهِيَ مُؤْمِنٌ** (اس کے
لئے سنی کریں جو اس کے لئے ہو کرتی ہے اور اچانک وہ مومن بھی ہوں) اتنی باتیں ہے اس لئے بیان کیا تاکہ یہ
شبہ نہ کیا جائے کہ اس آیت میں جو شرعاً ارادہ آفت کے مخلوق مذکور ہے وہ صرف ارادہ کا شرعاً کہاں ہے بلکہ سنی
اور ایمان اور ارادہ اس سب مجموعہ کا شرعاً ہے اور کوئی تمہارے ارادہ آفت کے شرعاً کا ہے تو اس تحریر سے یہ شبہ نکل
ہو گیا کیونکہ میں نے بتا دیا کہ یہ قیہ باتیں ہے اور یہ ارادہ کا بیان اور اس کی شرعاً ہے وہاں کہ پھر اس کے
مقابلہ ارادہ ماحول کی تحریر کیوں نہ بیان کی گئی اس کا جواب یہ ہے کہ ارادہ آفت کی اس تحریر سے قصور یہ ہے کہ
تاکہ ارادہ آفت کا عمل ہر مضمون ہو جائے کہ اس میں معمولی سنی اور ایمان کی ضرورت ہے تاکہ اس کے بدلہ
آفت کی طلب کے لئے درجہ دل میں ہے اور بخلاف ارادہ دنیا کے کہ اس کی ترقیب مضمون میں ہے اس کی
تحریر بیان نہیں لرائی بلکہ ان میں یہ کہ ارادہ آفت کی تحریر کے مخلوق تو لوگ قطعی میں چھاپی کوئی کسی طرح کو
طلب آفت سمجھتا ہے کوئی کسی طرح کہ اس لئے اس کی تحریر کی ضرورت تھی اور ارادہ دنیا کو تو یہ نہیں سمجھتا ہے اس
کے بیان کی حاجت نہ تھی بلکہ ارادہ دنیا آفت میں ایک تو فرق یہاں یہ بتایا گیا کہ طلب دنیا سے یہ کہ

ضروری نہیں کہ وہ مطلب حاصل ہی ہو جاوے اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر ایک کو حاصل ہو جائے اور طلب آخرت کی ہمیشہ قدر ہوتی ہے وہ خالص نہیں ہو سکتی دوسرا ایک لطیف اشارہ ایک خاص فرقہ کی طرف اس آیت میں اور بھی ہے جو اس وقت کھٹکس آیا ہے اور ابھی تک اس آیت کی تفسیر میں نظر سے نہیں گزرا ممکن ہے کسی نے لکھا بھی ہو وہ یہ کہ اس جگہ نہ ملے شریف میں اور ہر ایک میں تعلق شرع کا جزاء کے ساتھ عقب عنوان سے بیان کیا گیا ہے اور اندونیا کی تو اور اشارہ ہے **مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَمْ يَأْكُلْ رِبًّا كَانَ فَخْرًا وَلَوْ أَنَّهُ لَكُنَّ عَيْنًا حَدِثًا حَرَامًا** یہ صیغہ سحر کرنا ہے ترجمہ یہ ہوا کہ کوئی دنیا کو طلب کرتا رہے اور ہمیشہ طلب میں منہمک رہے تب ہر کھٹکا ہے اور ارادہ آخرت کے حصول میں ارادہ بدولت کا نہ کرے اور اشارہ فرمایا گیا ہے جس سے یہ معلوم ہوا کہ شرع الہوی حاصل ہونے کے لئے طلب میں مرا کچھ نہیں چڑتا بلکہ کچھ ارادہ کرنے سے بھی وہ شرع حاصل ہو جاتا ہے اس کا یہ تو مطلب نہیں کہ طالب آخرت کا ارادہ اور طلب سحر نہیں ہوتا بلکہ دونوں کے بعد ارادہ و طلب داخل ہو جاتا ہے نہیں حقیقت میں تو ابھی سحر ہوتا ہے مگر تھوڑی سی سی و طلب کے بعد وہ حکم میں خبر سحر کے ہو جاتا ہے کیونکہ محبت الہی پیدا ہو جانے کے بعد وہ ارادہ احاطہ کل ہو جاتا ہے کہ اس کے پیدا کرنے کے لئے اجتنام کرنا نہیں چڑتا وہ ارادہ خود بخود پیدا ہوتا رہتا ہے اگرچہ یہ اختیار سے ہوتا ہے مگر عہد امانت نبوی کے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود بدولت اختیار کے پیدا ہوا رہا ہے اور اس کا یہ ہے کہ آخرت کی طلب محبوب سرکار ہے اس میں سستی کرنے والے کی اس طرف سے امداد ہوتی ہے جس سے وہ بالکل سبک ہو جاتی ہے بعد میں شریف میں ہے **مَنْ لَطَبُوبِ السَّيِّئِ** **شَرًّا أَجْزَتْ إِلَيْهِ فَوَاعُوا وَمَنْ تَلَطَّبَ إِلَىٰ ذَوَاتِ الْقُرْبَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ بَعْضُهُمْ أَلَبُّهُ حِرْصًا** اور غلاموں بادشاہ الہی ہے اس میں ہمیشہ وقت و تقب ہی رہتا ہے اس کے لئے ہمیشہ اہتمام و انتہاک اور خود کرنا چڑتا ہے اور یہ طلب ہمیشہ مختلف اور نو پیدا کرتی پڑتی ہے جس کی تھوڑی تو وہ دونوں ارادے سحر ہوتے ہیں مگر یہ کہ کھٹک امانت نبوی کے ارادہ آخرت یا سحر نہیں رہا بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا خود بخود اس کے دل میں ان اعمال کا تقاضا پیدا کر دیتا ہے اور ارادہ دینا تھوڑا اور حکم دونوں کے اعتبار سے سحر ہے اسی لئے اس کے ساتھ کان احترام کے لئے بڑھایا گیا اور ارادہ آخرت کے جان میں کان نہیں بڑھایا گیا اور شرح اس سمجھنا امانت کی یہ ہے کہ طلب آخرت میں قدر سستی کرنے سے جب نہ سبب اللہ پیدا ہو جاتی ہے تو اس سے ایک کیل اور حال پایا ہی ہو جاتا ہے ہر مشکل کو آسان کر دیتا ہے اسی کو امرائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

مصلوہ عقیدہ سزاوار بہن لسانی کہ دراز و درود و عہد و دم پارسانی

(طریقہ مذکور تک بہت دور ہذا کاراست ہے مجھے تو طریق مشق میں چلائے)

وہ عقیدہ سے سبکی طریق مشق و نسبت مع اللہ مراد ہے اور دم پارسانی سے وہ طریق مہارت جو بدول

نسبت محبت اور مراد ہے جس میں احوال کی یہ حالت ہوتی ہے جو بعد میں مذکور ہے۔

اہل واک کہہ دو تم بزم عداوت تو میں سوچ کر دلی کہ وہ ان خاندانی
بزم میں چہ بھوکہ گرم ذرا نہیں عداوت کہ مرا خراب کر دی تو ابھوہ ریائی

(کہہ کے طواف کو گیا تو حرم نے مجھ کو راستہ بند پا کر کہا کہ تو نے حرم سے باہر کیا کیا ہے جو خانہ کعبہ میں داخل ہونا چاہتا ہے جب میں نے یہ سنا کہہ کیا تو زمین سے یہ ندا آئی کہ تو نے ریاضہ کر کے مجھ کو بھی خراب کیا۔)
وہ ایک نسبت مع اللہ کا یہ ہوتا ہے کہ اس کے بعد کام نہ کرنا ضرور ہو جاتا ہے کام کرنا یکہ ضرور نہیں رہتا اور اس طریق میں کچھ باطنی مشقت بھی پیش آتی ہے مگر وہ اس سے بدل نہیں ہوتے بلکہ اس میں بھی ان کو بڑا لطف آتا ہے جیسا کہ یہ اشارہ ہے۔ - از محبت تم کجا شری ہو

اور ارشاد ہے

تا خوش تو خوش ہو، بر جان من دل خداے پا دل رہاں من
(محبوب کی جانب سے جہاں پیش آئے گو طبیعت ناگوار ہی کیوں نہ ہو میری جان پر خوش اور پسند ہے
میں اپنے بار پر جو میری جان کو رنج دینے والا ہے اپنے دل کو قربان کرنا ہوں۔)

نقد و نصیب دشمن کہ شود پاک صفت سر و تن سلامت کہ تو تفر آ زبانی
(دشمن کا ایسا نصیب نہ ہو کہ تیری نکواری سے پاک ہو ورنہ تنوں کا سر سلامت رہے کہ تو تفر آ زبانی کرے)
اور کہا

دندہ کی عطاے تو در بخشی خداے تو دل شدہ جلائے تو ہر چہ کی رضاے تو
(دندہ کہہ کر آپ کی عطاے جلا کر گل کریں آپ پر قربان ہو دل آپ پر فریضہ ہے جو کچھ کریں آپ سے راضی ہوں)
اور اس نسبت مع اللہ سے اور سب کام تو آسان ہو ہی جاتے ہیں جو سب سے بڑی خوفناک چیز ہے جس سے سب لوگ ڈرتے ہیں یعنی موت وہ بھی ان کے لئے ایسی خوشگوار ہو جاتی ہے کہ اس کی یہ لوگ تھنا نہیں کرتے ہیں عارف شیرازی فرماتے ہیں

خرم آہں روز کری منزل ویراں مردم راحت ہاں طعم دز پہ ہاں مردم
نذر کردم کہ گراؤد برا میں ثم روز تا در یکدہ شادان و غزل خواں مردم
(جس دن دنیا سے کوٹ کر دیاں وہاں بہت اچھا ہے راحت ہاں طلب کر دیاں)

دنوی مراد کا حصول مشیت حق پر موقوف ہے

کہ حق تعالیٰ نے دین کے کاموں میں شرع کا وعدہ فرمایا ہے اور اسباب دنیوہ میں اس کا وعدہ نہیں فرمایا چنانچہ دینا کے حصول ارشاد ہے۔

مَنْ كَانَ يُؤْتِيهِ اللَّهُ الْفَقْرَ لَا يُمْسِكْهُ إِلَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ
دنیا میں جس قدر ہم چاہیں گے اور جس کے لئے چاہیں گے سرست دے دیں گے جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیوی مراد کا حصول مشیت پر موقوف ہے یہ وعدہ نہیں کہ جرم چاہو وہی مل جائے اور یہ بھی وعدہ نہیں کہ ہر ایک کا مقصود پورا ہو جائے بلکہ بعض کا مقصود حسب مشیت الہی حاصل ہو جائے اور بعض کا مقصود بالکل حاصل نہیں ہوگا۔

اور اعمال آخرت کے حصول ارشاد ہے

وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يُلَاقِهَا فَتْرَةً وَلَهُ أَجْرٌ

اور جو کوئی آخرت کا ارادہ کرے اور مومن بن کر اس کے لئے وہ کوشش کرے جو اس کے مناسب ہے تو ان لوگوں کی کوشش منظور ہے یعنی حق تعالیٰ اس کی قدر فرمائیں گے۔ اس آیت میں وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا ارادہ کا بیان ہے یعنی ارادہ سے مراد محض تمنا نہیں کیونکہ خالی تمنا کافی نہیں بلکہ ارادہ سے مراد مقصد جازم ہے جس کے لئے عمل لازم ہے۔ آگے اس کے جزا ذکر ہے فَلَا يُلَاقِهَا فَتْرَةً سَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا لَمْ يَزَلْ اس کی سعی کی قدر کی جائے گی اور ظاہر ہے کہ شاقی امور میں یہ جملہ بہت امید افزا ہے جب کوئی ارادہ اپنے کسی خادم سے یہ کہہ دے کہ تم تمہاری خدمات کے قدر دان ہیں تو اس کا خدمات جلیل کی پختہ امید ہو جاتی ہے اور وہ یہ سمجھ جاتا ہے کہ مجھ کو میری خدمات سے بدرجہا زیادہ ملے گا۔ جب کوئی سے کوئی حاکم کے کلام میں ایسے جملہ سے بہت کچھ امیدیں پختہ ہو جاتی ہیں تو انہم اللہ اکبر کے کلام میں اس جملہ سے کیا کچھ امیدیں پیدا ہونی چاہئیں اس کا فیصلہ اہل ذوق خود کر سکتے ہیں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں

مَنْ كَانَ يُؤْتِيهِ اللَّهُ الْفَقْرَ لَا يُمْسِكْهُ إِلَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ

دنیا کے حصول لطف مہیا فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص دنیا کا مقصد کرتا ہے اس کو تم بکھڑے دیتے ہیں یہ وعدہ نہیں کہ جو وہ چاہے وہی دے دیں اور آیت سہد کی قید لیں بیاد یہاں بھی ہے اور آخرت کے حصول ترقی کا وعدہ ہے اور وعدہ بھی اطلاق کے ساتھ ہے جس میں مشیت و تجربہ و قید ذکر نہیں نہ مہذبہ لایا گیا ہے جس سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ ارادہ آخرت کے بعد تو مراد ضرور حاصل ہوتی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ عطا ہوتا ہے۔ سبحان اللہ دنیا کے حصول تو یہ بھی وعدہ نہیں کہ جو مانگے وہی مل جائے اور یہاں

زیادہ کا بھی وعدہ ہے اور یہ ترقی محض آفریت ہی میں جس تک دین اختیار کرنے والوں کو دیا نہیں گیا ان کے اعمال سے زیادہ جزا مل جائے۔ دین والوں کو دیا نہیں گیا جس چیز میں مل جاتی ہیں جن کی ان کو پہلے سے خبر بھی نہیں تھی۔ آفریت کے معلق تو مسلمانوں کو اس کا مل عام طور پر ہے سب جانتے ہیں کہ آفریت میں مل سے زیادہ صلہ ملے گا کیونکہ وہ یہ حدیث سنے ہوئے ہے۔

اعدادت لعلی الصالحین ملا عین رات ولا اذن سمعت ولا عطر علی قلب بشر میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیزیں چار کر رکھی ہیں جن کو نہ آنکھ نے نہ کان نے نہ سنانہ کسی بشر کے دل پر ان کا نظروں کو نہ لیکن دیا نہیں دیا تو ترقی کا علم بہت لوگوں کو نہیں ہے۔

رموز و نکات

ایک نکتہ یہ ہے کہ طائیفہ انبیاء کے بارے میں پہلے یہ فرمایا گیا ہے **عَلَّمَهُ الْوَحْيُ مَا كُنْتَ لَا تَعْلَمُ** کہ طائیفہ انبیاء میں سے ہم جس کو چاہیں اور جس قدر چاہیں عطا کر دیتے ہیں اس کا سمجھنا یہ تھا کہ اس کے مقابلہ میں طائیفہ آفریت کے لئے یہ فرمایا جاتا **اعطینا ما نشاء** کہ ہم طائیفہ آفریت کو جو کچھ چاہے گا وہی دیں گے کیونکہ جب دنیا والوں کے لئے یہ فرمایا گیا کہ ان کو جو ہم چاہیں گے وہ دیں گے تو ظاہر اس کے مقابلہ میں آفریت کے لئے فضیلت پہلی اس طرح معلوم ہوگی کہ ان کو ان کی طلب کے سوا کچھ سب کچھ دیا جائے۔ مگر بخلاف اس کے اس آیت میں مانجا نہیں فرمایا گیا بلکہ جہاں اس کے **فَاَوْفُوا بَعْدَ مَا قَضَيْتُمْ** فرمایا گیا تو بات یہ ہے کہ اگر اس جگہ حق تعالیٰ مل آفریت کے بارے میں یہ شرط فرماتے ہیں کہ ان کو جو کچھ چاہیں گے وہی دیا جائے گا تو اس میں وہ حقیقت کچھ بدلتی بدلتی بلکہ حد تک جاتا کیونکہ لہذا آفریت کی شان یہ ہے۔ **مَلَاحِينَ رَاتٍ وَلَا اِذْنٌ سَمِعَتْ وَلَا عَطَرٌ عَلَيَّ قَلْبِ بَشَرٍ** یعنی نہ ان کو آنکھ نے نہ کان نے نہ سنانہ کسی بشر کے قلب پر خیال گزارا۔

تو سمجھنے کے جب وہاں کی نعمتوں کا یہ حال ہے تو اگر یہ فرمایا جاتا کہ طائیفہ آفریت کو جو کچھ چاہیں گے دیا جائے گا اس سے زیادتی ہوتی یا نہ؟ بہت سی ہر جہتی کیونکہ وہاں کی نعمتوں کا ہم کو وہم بھی نہیں ہو سکتا ہر ہماری خواہش کے سوا کچھ ہم کو نہ ہو سکتا تو بہت ہی کم ہوتا حق تعالیٰ شانہ کی ترقی جڑی رحمت ہے کہ ہمارے واسطے انہوں نے ایسی نعمتیں چار کر رکھی ہیں جن کا ہم کو نظروں کو نہیں ہو سکتا اور وہاں کا ثواب ہماری خواہش پر موقوف نہیں فرمایا بلکہ اپنی رحمت سے خواہش سے بہت زیادہ عطا فرمائیں گے کسی کے بارے میں مولانا کا ارشاد ہے۔

خود کہ یاد ایں جنہیں بازار دارا کہ یک گل سے خری گزار مارا

نیم جاں بہتاد و صد جاں دہم آچہ دروہت نہاید آں دہم

اب آپ نے سمجھا کہ باطن و ذہن ہماری ہمارے لئے رحمت ہے اس وجہ سے حق تعالیٰ شانہ نے اجماع فرمایا کہ کائنات کا کل نظام و کائنات کا کل نظام یعنی ان لوگوں کی کوشش کی اس دربار میں قدر ہوگی اس سے سمجھا جاوے کہ جس کی کوشش کی قدر دانی اپنے عظیم الشان قدر دانی ہوا کہ دربار میں ہوں تو کیا کچھ ملے گا اس کا اندازہ اس سے کر لو کہ بادشاہان دنیا جب کسی کی قدر دانی کرتے ہیں تو اس کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں وہ یہ نہیں کیا کرتے کہ خدمت کی حیثیت پر انعام و اکرام کریں بلکہ وہ اپنی حیثیت کے موافق انعام و اکرام کیا کرتے ہیں جس کا اس کو وہم بھی نہیں ہوتا بلکہ جس کی قدر دانی حق تعالیٰ شانہ اپنی رحمت کے موافق فرمائی گئی ہے اعزاز و کرہ اسے کیا کچھ ملے گا اس وقت اس کی تفصیل کچھ نہیں دے سکتی۔

دوسرا اشارہ: دَسْتِیْلَہُ اسْتَوْجَہَا میں ہے کہ یہ کلام اس سنی کے کل ہونے پر دال ہے۔ جیسا کہ اردو کا اردو میں بھی ہوا جاتا ہے کہ اس کام کے لئے جو تدبیر ہے وہ کر لی چاہئے اس تدبیر کو جان نہ کرنا اور اسے ادا نہ کرنا کہ جو تدبیر اس کی ہے وہ کر لی چاہئے اس سے اس تدبیر کا معلوم اور کل ہونا معلوم ہو جاتا ہے اسی طرح یہ کام یہاں پر دہرا ہوا ہے کہ ”جو لوگ طالب آخرت ہیں اور اس کے لئے وہ سعی کرتے ہیں جس کی سزا ہے ان کی کوشش کی قدر ہوگی“ اس طرح کلام سے اس سنی کا معلوم ہونا اور کل ہونا سمجھا جاتا ہے مطلب یہ کہ وہ سنی مفسر اور مستشرق ہیں جن کی ضرورت نہیں۔

تیسرا اشارہ: مکتوبہ میں اس بات کی طرف ہے کہ جو کچھ آخرت میں ملے گا وہ محض قدر دانی ہے کل کو اس میں داخل نہیں اس سے باز کرنے والوں کو صحیحہ تصور ہے کہ اپنے کل پر نازاں نہ ہونا چاہئے جو کچھ ہاں ملے گا محض انعام ہو گا ورنہ تم کل سے اس کے مستحق نہیں ہو سکتے جو یہ کہ طاعت ادا ہے حق خداوندی اور اس کے حقوق غیر منافی ہیں اور حقوق غیر منافی کا ادا کرنا مقبوض ہے کل غیر منافی پر اور اہم وجہ حادثہ و منافی ہونے کے کل غیر منافی سے عاجز ہیں تو عطا انسان ادا ہے حق خداوندی سے عاجز ہے تو اب جو کچھ بھی اسے ملے وہ محض قدر دانی نہیں تو قدر دانی کیا ہے؟ یہاں سے یہ شبہ بھی دور ہو گیا ہو گا جو بعض دہم دل لوگوں کے دلوں میں آیا کرتا ہے کہ کافروں کے لئے ہمیشہ کیلئے مخلوق الہیہ کی طرف مقرر ہوا کفر تو اس نے کیا تھوڑی مدت تک یعنی دنیا کی زندگی میں اور سزا ہمیشہ کیلئے جہنم یہ تو ظاہر حال کے خلاف معلوم ہوتا ہے تو بات یہ ہے کہ کافر نے حق تعالیٰ کے ساتھ جب شرک و کفر کیا تو اس نے حق تعالیٰ شانہ کے حقوق غیر منافیہ کو ضائع کیا اور حقوق غیر منافیہ کو ضائع ہوتے ہوئے کفر سے حقوق غیر منافیہ ضائع ہو جاتے ہیں یہی کل منافی کے بدلے جو غیر منافی جو منافی کو عطا ہوگی یہاں تک کہ اس سے آگے ہے محض یوں کہتی ہے کہ جب کل منافی ہے تو جزا بھی منافی ہوتی چاہئے۔

لہذا آج کل محض محض ملے گا تے پھرتے ہیں مگر یہ محض ان کی غیر خواہشیں دشمن ہے۔

آزمودم عقل دور اندیش را بعد از بی دلیانہ سازم خوش را
یہ لوگ میں ہے عقل بخاتے ہیں مگر میں ایسی عقل کی ضرورت نہیں اس سے ہم ہے عقل ہی ایسے مگر خیر
بھی ہے یہ عقل کس کے لئے ہے۔

ما اگر قاضی دگر دیوانہ ایم مست آج ساقی دآں دیوانہ ایم
خدا کا دیوانہ ہزار عاتقوں سے بگڑے۔ دوست دیوانہ کہ دیوانہ تھو

پس منکورا فرمانے سے نکلا دیا کہ عقل تو چاہتی ہے کہ تمہارا اور کم ہوتا مگر یہ ہماری قدر دانی ہے ایک
حدیث میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں اپنے محل سے کوئی نہ جائے گا ہاں
دست لائی ہو جائے تو وہ بات ہے حضرت عائشہؓ نے عرض کیا اور اس سوال کی صحت بھی انہی کوئی یاد رسول اللہ ﷺ
ولا انت کیا آپ بھی اپنے محل سے جنت میں ٹھہریں گے؟ حضرت عائشہؓ فرمائی ہیں کہ میرا اس
سوال پر حضور ﷺ پر خوف غالب ہو گیا اور آپ نے سر مبارک پر ہاتھ رکھ کر فرمایا لا الا ان یصلحہ لی
اللہ ہر حصہ کہ میں بھی محل سے جنت میں نہ جاؤں گا مگر یہ کہ خدا کی رحمت میری دست گیری کرے۔

صاحب اب کس کی صحت ہے جو اپنے محل کو کچھ کچھ ہماری توہم مثل ہے جو کسی بزرگ نے بیان فرمائی ہے
چناں کرے کہ درنگ نہایت زمین و آسمان دے نہایت

موت دے اس کی مثال میں ایک اور حکایت بیان فرمائی ہے ایک ہدی کی حس نے بجز اپنے گاؤں کے
گڑھوں کے کبھی پانی نہ دیکھا تھا اور قلعہ میں ان کے تنگ ہو جانے سے دنیا سے پانی کو تپید بگھٹا تھا کہ وہ کسی
خلیفہ بغدادی کے پاس زمانہ تنگ سالی میں ایک گھڑا شیریں پانی کا لے گیا تھا۔ بڑی دودھ داز مسافت سے وہ
گھڑا سر پر رکھے ہوئے جب پہنچا تو خلیفہ کے دربار میں اس کو پہنچا دیا گیا خلیفہ کے پوچھنے پر اس نے کہا کہ
اے امیر المومنین! یہ جنت کا پانی ہے خلیفہ نے بہت قدر دانی سے وہ گھڑا لے لیا اور حکم کیا کہ سونے سے پر کر
کے اس گھڑے کو دالیں کر دیا جائے اور حکم دیا کہ اس کو نہرو جلدی طرف دالیں کیا جائے تاکہ اسے معلوم ہو
جائے کہ یہ ہم نے محض اس کی محبت کی قدر کی ہے ورنہ آب شیریں کی ہمارے یہاں کی نہیں۔

اسی طرح قیامت میں جب ہم اپنے اموال کی جزا دیکھیں گے کہ اس قدر بے شہادت ہے کہ معلوم ہوگا
کہ یہ سب محض قدر دانی ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز حق تعالیٰ شانہ اپنے ہر مومن بندے کا حساب
چھپا کر لیں گے اور فرمائیں گے کہ تم پر یہ کیا عوام فرمائے تھے تم نے ہر بھی نا فرمانی کی تلاں گناہ کو یاد کرنا
تم نے تلاں دن پر کام کیا تھا۔ اس دن یہ کیا تھا عرض گناہوں کی خبر مست شہر فرمائیں گے یہاں تک کہ مومن یہ
کچھ کہیں کہ اس میں ہلاک ہو اور ہر طرف سے اپنے کو کھنم کے قریب دیکھے گا اس وقت حق تعالیٰ شانہ فرمائیں گے

کہ چاہے ہم نے دنیا میں بھی پردہ پوشی کی حق یہاں بھی ہم پردہ پوشی کرتے ہیں مگر اس کے عدا اہل میں سے
کناہوں کو کو فرما دیں گے اور ان کی ہنگاموں میں نہ درج فرما دیں گے یہ ہے **قُلْ كَلَّا لَوْ رَأَيْتُكُمْ مَعَهُ لَكُم بِهٖ عَذَابٌ عَظِيْمٌ** کا
مضمون یہ کہ تم کہتا ہے اس رحمت کا کہ مسلمانوں کو پانی رحمت سے دوسروں کے سامنے ڈھل نہ فرمائیں گے بلکہ
دوسروں کے سامنے اس کی عزت بڑھائی جائے گی اور ہوں ظاہر کیا جائے گا کہ گویا اس نے کہا کہ کیا ہی نہیں۔

سابقہ ایسے خدا کو چھوڑ کر کہاں جاتے ہو کیا اس کا حق تمہارے اوپر کچھ بھی نہیں جو میں ظالمی پر
کمر بستہ ہوئے ہوا پیسہ دیم و کرم خدا کے ساتھ تعلق اور لگاؤ پیدا کر دو اس کی محبت میں کوشش کرو جس اب
میں وہ ترکیب ظاہر کر جس سے حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ تعلق اور لگاؤ پیدا ہو۔

اور یہاں دنیا کے اندر پردہ مست آئی ہے تو اس سے مراد خاص ارادہ ہے چنانچہ ایک موقع پر حق تعالیٰ ارشاد
فرماتے ہیں

مَنْ كَانَ يُؤَدِّيْ لِهٖ لِحَقِّهِ فَقَدْ اٰتٰهُ اَللّٰهُ اَمْرًا يَّخْتَارُ ۚ لَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ لَآ يَكُنْ مِنْ اُمَّةٍ اَلَمْ يَجْعَلْ لِّلَّذِيْنَ اٰتٰهُ اَمْرًا

یعنی جو دنیا کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو جس قدر چاہیں دے دے ہیں مگر ہم اس کا حکم نہ جہم کھاتے ہیں۔

ارادہ خاص برائے آخرت

اس آیت میں مطلق ارادہ مراد نہیں بلکہ ارادہ خاص مراد ہے کیونکہ اس کے فرماتے ہیں **وَمَنْ اٰتٰهُ الْاٰخِرَةَ**
یہیں معلوم ہوا کہ وہ ارادہ دنیا ہے جو مقابل ہے ارادہ آخرت کے یعنی جس میں ارادہ آخرت نہ ہوگی بلکہ وہ دنیا کی
دوسروں میں ہوگی ایک وہ ارادہ دنیا جس کے ساتھ لم بر ولا آخرت ہوگی اس آیت میں پہلا ارادہ مراد ہے ایک اور
موقع پر ہے **مَنْ كَانَ يُّرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ لَؤْذِلْهُ اِلٰى حَرْثِهِ وَمَنْ كَانَ يُّرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا فَاُولٰٓئِكَ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَهُ مِمَّا**
وَعَاذَ اِلٰى الْاٰخِرَةِ مِنْ تَصْلِبٍ

یہاں بھی لکھا تھا یعنی اس آیت میں کسان یوں ہر حرت الدنیا ولم یورد حرت الاخرۃ تقابل قرینہ ہے
اس کا اگر کسی مقام پر قرینہ نہ ہو تو اس کو بھی اس آیت سے عقیدہ کیا جائے گا چنانچہ ایک موقع پر ارشاد فرمایا
مَنْ كَانَ يُّرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزَيِّنَهَا لَوْ لَافِ الْيَوْمِ اَتَعْمَلُھُمْ لَھِیْہَا وَھُمْ لَھِیْہَا لَا یَعْمَلُوْنَ اُولٰٓئِکَ
الَّذِیْنَ لَیْسَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَاِلَّا اَلَا وَحِیْطٌ مَا مَعْنٰوُہَا لَھِیْہَا وَمَا حِیْطٌ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ گو کہ یہاں
تفصیل میں تقابل نہیں مگر اس کو بھی دوسری آیت کی وجہ سے عقیدہ کریں گے کہ مراد یہ ہے جس کسان یوں ہر
الحیوة الدنیا ولم یزدینہا ولم یورد الاخرۃ نہیں یہ معلوم ہو گیا کہ دنیا کو دین پر ترجیح دینا مذموم ہے اور کسب دنیا
مذموم نہیں سو جن ماسمیں کا یہ گمان ہے کہ مولوی دنیا ہی کو چھڑا دیتا ہے ہیں میرے خیال سے ان کے خیال کا
لگا ہونا ثابت ہو گیا۔

مقررہ یہاں تک کہتا ہوں کہ دنیا کے ہم سب مسند ہیں کہ ستر لیٹ بھی اسے مسند نہیں آپ تو دنیا کو جائز ہی کہہ رہے ہیں اور ہم اس کو ضروری کہتے ہیں لہذا ہم آپ سے دنیا کے زیادہ مسند ہوئے مگر ضروری ہونے کے ساتھ دوسرا مسئلہ بھی ہے وہ یہ کہ الضروری بخلو بخلو الضرورہ مگر ضروری چیز بقدر ضرورت اختیار کی جاتی ہے سو دنیا ہے ضرورت کی چیز مگر بقدر ضرورت ہی اس کو اختیار کرنا چاہئے پس بقدر ضرورت اس کو حاصل کر لوں گا کوئی مانع کرنا چاہے نہ نہت میں کوئی ضرورت ہے لیکن اس لئے وہ قائل ترک ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ طالب ہیں نہ نہت کے تو وہ دنیا کو ضرورت سے زیادہ چاہ رہے ہیں جو قاعدہ مذکورہ کی خاطر یہ قائل ترک ہے نہت میں بھی وہیں کافہ بخیر و علیا ہے اس سے بھی اس کا قصور ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس پر دیکھ لیں کہ ہے۔

پس طلب کے دور ہے ہوئے ایک طلب بقدر ضرورت یعنی دنیا کی طلب اس قدر جس سے ضرورت رفع ہو جاوے اور ایک طلب نہت یعنی دنیا کی طلب اس قدر جو ضرورت سے زیادہ ہو سواہلی کی خدمت میں ثانی کی خدمت ہے۔ کیونکہ اصلی مقصود رفع ضرورت ہے۔ اب جو دنیا اس کے لئے حاصل کی جائے گی وہ مقصود بالغیر ہوگی اور جس سے آگے نہ گئے گا تو وہ مطلوب بالذات ہوگی اور دنیا کو مطلوب بالذات مانا بھی قائل خدمت ہے۔ (ادبیات حضرت ابو حنیفہ رحمہ اللہ ج ۱ ص ۱۷۵)

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا
 إِذَا بَلَغْنَ عِنْدَكَ الذِّكْرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا
 أَوْ لَا تَنْهَرُهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۖ وَأَخْفِضْ لَهُمَا
 جَنَاحَ الذِّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي
 صَغِيرًا ۖ اللَّهُ بِكُمُ آخِمْ ۖ إِن تَكُونُوا صَالِحِينَ
 فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا ۝

ترجمہ: اور میرے رب نے حکم کر دیا ہے کہ تجھ اس کے بھی کسی کی مہلت مت کر اور تم (اپنے) ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو اگر تم سے ان میں سے ایک یا دونوں کے دونوں پر حجاب کا کٹھن ہو یا یہ تو ان کو بھی (ہاں سے) اہل بھی مت کرنا اور ان کو گھر سے نکالنا اور ان سے ٹپ ٹپ سے بات کرنا اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ دیکھ رہنا اور میں دعا کرتے رہنا کہ میرے پروردگار ان دونوں پر رحمت فرما دے جیسا کہ انہوں نے مجھ کو بچپن میں پالا پرورش کیا ہے تمہارا رب تمہارے مائی الغصیر کو خوب جانتا ہے اگر تم سعادت مند ہو تو وہ یہ کرنے والوں کی غلط اصلاح کر دیتا ہے۔

تفسیری نکات

حقوق والدین

اس کے علاوہ حق تعالیٰ نے والدین کا ایمان حق رکھا ہے جس کی خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو خیر نہیں ہوتی وہ کیا ہے؟ اور پتا چھا رہا ہے۔ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا دعا بھی ایسی تعلیم فرمائی ہے جس میں اولاد کے زمانہ امتحان کو یاد دلایا ہے کہ اس طرح دعا کرو کہ اسے پروردگار سے والدین پر رحم کیجئے جیسا کہ انہوں نے بچپن میں دیکھے پالا اور شفقت و رحمت سے پرورش کیا ہے اس میں اتلا دیا کہ والدین کے زمانہ امتحان میں تم اپنے زمانہ امتحان کو یاد کرو کہ بھی تم بھی اہمیت کمزور ضعیف تھے نہ اپنے ہاتھ سے کما سکتے تھے نہ پی سکتے تھے نہ پنے بھر لے کی طاقت تھی بھر بھی والدین نے اس

وقت کس محبت و شفقت سے تھا کہ اسے باز فرما دئے اور کس شفقت سے چلا کر آج تم اس قابل ہو گئے کہ دوسروں کی خدمت کرو اب تم ان کی صفائی میں بات بات پر کیوں بھلا تے ہو اور افضل لکھو تمہارے اندر جو آج خدمت کی صلاحیت آگئی ہے اس میں تو دلوں کو غل میں ہے اور ان کی خاموشی میں تم کو کوئی دخل نہ تھا مگر اب ہمہ روز تمہاری خدمت سے ایک دن بھی نہ گھبراؤ گے اور تم گھبرا گئے۔

جو احاطہ کی قید اس لئے لگائی کہ جو اپنی عمر و تمہاری خدمت کے تمام دنوں کے بلکہ خود تم ہی ان کے علاج ہو گئے کہ تمہارا باپ کی جوانی میں اولاد کا تکلیف دہ ہوتا ہے اس جب اولاد کو جان ہوتی ہے تو اس وقت والدین بہت بڑے ہو جاتے ہیں اب اولاد کو ان کی خدمت کرنا پڑتا ہے۔

شریعت یہ نہیں کہتی کہ طہیّہ ناگہاری بھی نہ ہو بلکہ شریعت کا یہ حکم ہے کہ اگر بڑے سے ماں باپ کی باتوں سے طہیّہ ناگہاری ہو تو اس کو باہر نہ کرنا چاہئے اصل سے کام لے کر ان کو مستعد رکھنا چاہئے اس طرح سے عقلی ناگہاری نہ ہو گی چنانچہ حق تعالیٰ کی کہی مصلحت ہے کہ کدو جانتے ہیں کہ انسان میں طہیّہ بڑے آدمی کی ہے جسکی بات سے فقیر آجی جاتا ہے اس لئے آگے فرماتے ہیں۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْغُورِ وَأَنَّهُمْ قُلُوبُهُمْ وَأَنَّهُمْ قُلُوبُهُمْ وَأَنَّهُمْ قُلُوبُهُمْ

یعنی حق تعالیٰ تہجد سے لوگوں کے حال کو خوب جانتے ہیں۔ (کہ تم کو محض دیکھ بیجا، گواہی ضروری ہوگی اس لئے اس کے حقائق قانون حکم سے ہیں کہ اگر تم صانع ہو (یعنی اس میں ابتکشاف عمل نہ کر کے) تو حق تعالیٰ محض سے کرنے والوں کو بخش دے گی۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ لوگ داعیین میں ملتوا ایمین سے ایک ٹاکہ دیکھ کر انکار ہے وہ یہ کہ کوا ایمین میں صرف حضرت پدالوات ہے اور داعی ایمین میں خاص مخلوق ہے پدالوات ہے لیکن جو حالت محبت و خدمت کی پہلے تھی وہ ان اعتبار کر کے مطلب ہے کہ فدائی حضرت کر لی جائے تو مواخذت ہوگا۔

نیز رنچو آکلے کے ان فٹو ریسلر میں بڑی رحمت کا اعتراف کیا گیا ہے کہ شرابے تعالیٰ قلوبوں کو سمجھتے ہیں اگر تمہارا دل میں اعتقاد کو مضبوط ہے تب تقسیم کی صفت موجود ہو اور نگاہ میں کسی رحمت قطعی سے بچی ہو جائے تو اس پر سوا خدا نہ ہوگا۔

عزیز اللہ مرزا صاحب مدد ترجمہ گفت و گفتار با خلیفہ مدد

خدا تعالیٰ قبول کر دیتے ہیں مگر چہ کسی وقت للہی سے اسباب فقط اور اجاوے

۱۔ عیدینِ رانگرم و قتل ۲۔ عیدینِ رانگرم و جلی

ہم نگاہی حالت اور قل لکھیں دیکھتے ہیں باطن کا اور حال دیکھتے ہیں

ترجمہ: تمہارا رب تمہارے اپنی نصیر کو خوب جانتا ہے اگر تم سعادت مند ہو تو وہ تو بہ کرنے والوں کی خلاصہ کرے گا۔

امر طبعی میں بندہ معذور ہے

بارہ ایمان الذی میں حقوق والدین کو ذکر فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے رَبُّكَ أَفْهَمُ بِنُفْسِكَ إِنَّكَ أَنْتَ الْغَافِلُ صَلَواتُكَ عَلَیْكَ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ عَزَّوَجَلَّ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ والدین کی برکت کی تک حراچیوں سے جو گھبراہٹ تمہارے دلوں میں پیدا ہوگئی ہے یہ تو امر طبعی ہے اگر کوئی تنگ گھبراہٹ سے نکل جاوے اس میں معذور ہو لیکن خدائے تعالیٰ ال کی رحمت کو چاہتا ہے اگر دل میں ان کی اطاعت ہے اور قابض تم میں ملامت ہے تو ایسا ہے خدائی سے سعادت کرنے کو کمال دیتا ہے صاحبزادہ کا ہر نظر میں اس جگہ پر آیت بالکل ہے جو معلوم ہوتی ہے لیکن تقریر بالا سے سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ مضمون بالا سے کہ قدر چاہیں ہے۔

إِنَّ الْعَبْدَ لِرَبِّهِ كَاثِرٌ إِخْوَانُ الشَّيْطَانِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ

لِرَبِّهِ كَفُورًا

ترجمہ: بے شک بے سوچے اڑانے والے شیطانوں کے بھائی بندہ میں اور شیطان اپنے پروردگار کا برا دشمن ہے۔

تفسیری نکات

مسلمانوں کی تباہی کا اصل سبب

مسلمان کیا حالت ہے تمہاری اپنے ہاتھوں میں قدر چاہی دل لی ہے کہ ان بدن کرتے جاتے ہو یہ دیکھا تو ہر شخص کی زبان پر ہے کہ مسلمان چاہے حال میں لیکن میرا خیال یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس مال کی آفتی کی نہیں ہے جتنا ضرور غل ہے اس فرقہ زادہ ہے اس کی کی کرتی چاہئے اور اس کیلئے سعادت شریعت سے اچھا کوئی بھی نہیں ہے شریعت کے موافق چلے دیکھئے پھر کتنی شکایت کم ہو جاتی ہے فرض کہ مال کا نیست سمجھو اور اس کو عطیہ الٰہی منیال کرو جس کے فرقہ کا حساب دینا ہو گا بے حراک اور بے سوچے بگے خرچ مت کرو میری تقریر سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ مال کو عطیہ الٰہی نہ کہتا یہی سبب ہے اس کے مفاسد کا ہی طرح قرآن کی آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا (اور زیادہ فضول

خرچی مت کر نہ بھیا فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا دشمن ہے۔
مہذوبین کا خزانہ عیاضیں لہرایا اور شیطان کی صفت کھور فرمایا تو مہذوبین کے لئے بھی یہ صفت کھور ثابت ہو
گئی اور کھور کھوران سے مشتق ہے جس کے معنی ہاشمیری کے ہیں اس کا حقائق شکر ہے جب ہاشمیری سبب ہوئی
اسراف و اسرافت مال کی تو شکر سبب ہوگا حفظ مال کا اور ہاشمیری کی خدمت ہے اور اس سے نبی ہوئی ہے تو
ہاشمیری کی مدد ہوئی اور اس پر قربان ہو گئی دیکھئے آیت میں میرے قول کی تائید موجود ہے کہ قلت شکر سبب ہے
اسراف کا سبب میں بیان کو ختم کرنا ہوں۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا طَرَفَ الْبَسِطِ فَتَقْعُدَ مَقُودًا مَّحْشُورًا

نا بچے ہاتھوں کو گردن سے باندھ لو (کچھ خرچ ہی نہ کرو) اور نہ پری طرح کھول دو بھر تم نکلتا نہ سلامت ہو
ہاؤ کے (یعنی نکل کی صورت میں) اور مٹلس نکال دو ہاؤ کے (اسراف کی صورت میں) دوسری جگہ فرماتے ہیں
وَلَا تَبْسُطْ يَدَكَ الْبَسِطَ وَلَا تَبْسُطْ يَدَكَ الْبَسِطَ وَلَا تَبْسُطْ يَدَكَ الْبَسِطَ وَلَا تَبْسُطْ يَدَكَ الْبَسِطَ
اور (وہ ایک بندے) جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا
خرچ کرنا اس کے مطابق اعتدال پر ہوتا ہے۔

اتفاق و اقار میں اعتدال مطلوب ہے

اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ اتفاق مطلقاً محمود ہے خالق و بکند دونوں میں اعتدال مطلوب ہے جس کی
تفصیل فقہاء کے کلام میں ملتی ہے۔ فضول خرچی یہ ہے کہ مصیبت میں خرچ کیا جائے اسراف میں صرف رخصتی
بجز وہاں میں خرچ کرنا ہی داخل نہیں بلکہ ضرور ناموسی کے لئے خرچ کرنا بھی مصیبت کی فرد ہے اس طرح
مباحات میں بلا ضرورت اپنی استطاعت سے زیادہ خرچ کرنا بھی اسراف میں داخل ہے اسی طرح طاعات
ضروریہ میں استطاعت سے زیادہ صرف کرنا جس کا انجام آخر میں بے صبری اور حرص و بدعتی ہو یہ بھی اسراف
ہے کیونکہ حرص و بدعتی اور بے صبری یا امور مصیبت ہیں اور اس کا سبب ہو استطاعت سے زیادہ صرف کرنا اور
مٹلس اسی مصیبت (گناہ کی طرف بچکانے والا) بھی مصیبت ہوتا ہے لہذا ایسا اتفاق مصیبت ہوا۔

خاص یہ کہ مصیبت میں خرچ کرنا تو مطلقاً اسراف ہے اور طاعات ضروریہ میں بالکل خرچ نہ کیا جائے یا
عزم شری سے کم کر دیا جائے اسی طرح سختیات و مباحات میں اتنی تنگی کی جائے جس سے اپنے کو یا اہل و عیال کو
تکلیف ہو یہ بھی ناجائز ہے۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ اللَّهَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ
كُلُّ لَوْلَاكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولٌ

ترجمہ: مساجد اگر اس نے کسی جس کی بات کو تحقیق نہیں ہے بلکہ کان اور آنکھ اور قلب اس میں سے ہر ایک سے سوال کیا جائے گا۔

تفسیری نکات

چار چیزوں کی حفاظت کا حکم

اس آیت کے سابق و سابق میں بعض ضروری ضابطہ و مواد مذکور ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائے ہیں اور سب کے آخر میں بطور امتنان کے فرمایا: وَلَوْلَا فَادُّوْا لَكَ زَيْلٌ مِّنَ الْعِلْمِ مَنَ اَسَ عَمَّوْا لَكَ یہ سب مذکورہ ضابطہ ان حکمت کی باتوں سے ہیں کہ تمہارے رب نے تمہاری طرف دی فرمائی ہے اس امتنان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام ضابطہ جو یہاں مذکور ہیں انہیں احرام کے قائل ہیں مجتہدین کے کیا بات ہے۔

اس آیت میں چار چیزوں کی حفاظت کا حکم کیا ہے قلب آنکھ کان یہ تین چیزیں تو بالضررہ بیان فرمائی ہیں چوتھی چیز جو اس میں بیان ہوئی ہے وہ زبان و فہم کی حفاظت ہے وہ بالضررہ اس آیت میں مذکور نہیں ہے بلکہ ان چیزوں کی حفاظت کو: وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ میں دلائل ذکر فرمایا ہے چنانچہ: وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ کی حقیقت میں بلا تحقیق کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں تمام جو اس کی حفاظت بھی آگئی ہے اس لئے کہ اس کی حقیقت ہے بلا تحقیق کسی امر کا بیان کرنا اب اس کی حقیقت کی چند صورتیں ہیں مثلاً کوئی نے تم کو بتایا کہ فلا تحقیق قرآن سو سو پر کسی کو بتایا کہ فلا تحقیق زبان کا گناہ ہے وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ اس گناہ سے روکتا ہے دیکھئے وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ پر عمل نہ ہونے سے زبان کا گناہ ہو گیا۔

مائل یہ ہے کہ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ میں بطریق مذکور زبان کی حفاظت کا حکم بھی داخل ہو گیا ہے اور باتوں کی حفاظت اس بطور داخل ہوئی کہ بلا تحقیق جرم کسی پر حکم کرنا حرام ہے۔ اور اس میں بھی حفاظت ہوئی وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ کی اسی طرح پاؤں کی حفاظت اس طرح داخل ہے کہ بلا تحقیق ضرورت اور شرعی کسی تاہم نہ جمع میں یا تاہم سب جو اس کی حفاظت اس میں داخل ہو گئی اور سب و بصیرت اور اس کی حفاظت تو بالضررہ ہے اس میں مذکور ہے مثلاً کان کو فہم و ضررہ و اصوات و مضامین سے پہلے آنکھ کو

غیر عام کی طرف نظر کرنے سے چنانچہ قلب کو گناہ بد فیہ سے چھوڑا اور اس سے کسی کو شہید قیاس فقہی کے بطلان کا نہ ہو گا یہ راہ اس بھی اجازت ہے ایسے امر کا جس کی تحقیق فقہی نہیں کیے کہ حکم معتد فیہ ظاہر ہے کہ حق ہو ہے خصوصاً جب کہ امر ہی ثابت میں بھی اجازت حق کی مذمت فرمائی گئی ہے۔ ان یصعوبن الا الظن وان الظن لا یغنی عن الحق شیئاً واما اگر اجازت کرتے ہیں مگر طیالی باق اس کا اور طیالی چیز ان پر حق سے علیحدہ اور مطمئن نہیں ہو سکتے (تجارب شہد کا یہ ہے کہ جب دلائل شرعیہ مسئلہ سے یہ مسئلہ تحقیق کو پہنچ گیا کہ قیاس سے اجتہاد کا نزاع اور وہاں اصل ہے قیاس یا معتدلیس لکھنا یا پہنچنا صادق نہ آوے گا بلکہ وہ عاقل لکھ بہ علم کا صدق ہو گا کیونکہ علم کے عموم میں وہ دلائل شرعیہ مسئلہ معتد قیاس یا عاقلین داخل ہیں اگر قیاس کے تحقیق اس علم کا تحقیق نہ ہو تو یہ شک اس کا اجازت معتدلیس لکھنا یا پہنچنا کا اجازت ہو اور جب وہاں اجازت لکھ بہ علم کا ہو گا تو جب سمجھو اور اجازت حق کی جو مذمت آئی ہے وہاں حق کے معنی اصطلاح فقہی نہیں ہیں بلکہ حق اصطلاح قرآن میں عام ہیں باطل فقہی اور مخالف اصل صحیح کو بھی چھوڑ کر غیر حق کے قول میں ان فسطح الا طعناً آیا ہے اور ظاہر ہے کہ ان کو اس کا احتمال بھی تھا چاہے جانے کا احتمال مان لکھ وہ اس کو اپنے ذمہ میں علم صحیح کے خلاف سمجھتے تھے مگر اس کو حق کہا گیا نہیں ثابت ہوا کہ اصطلاح قرآن میں عام ہے اور باطل کو بھی پس آئے ان میں کے یہ ہیں ان یصعوبن الا ما عاقل الدلیل القطعی وکل ما عاقل الدلیل القطعی لا یغنی عن الحق شیئاً بل هو باطل القطعاً (وہ نہیں بڑی کرتے ہیں مگر اس چیز کی جو دلیل کے خلاف ہو اور قطعی دلیل کے خلاف ہو وہ حق بات سے بے پروا نہیں کر سکتا بلکہ باطل ہے۔) پس آئے سے بھی شہد کی گنجائش نہ رہے فقط جامع اتہاس کرتا ہے کہ بعض موارد میں یہ راہ نہ لکھ سکا جس قدر مضبوط ہو اس کو صاف کر دیا کہ غالی اور رفع نہ تھا خصوصاً تحقیق یا خبر کی بے حد لطیف و دفع سے خصوصاً طلب کے لئے۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں: وَلَا تَقُفُوا عَلَىٰ الْإِنسَانِ أَنَّهُ يَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ ۖ هُوَ الَّذِي ذَرَأَهُمْ فِي الْبِلَادِ ۖ يَخْتَارُ لَكُمْ فِي أَنْتُمْ مِمَّا تَرْضَوْنَ ۚ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (ہم نے تم کو زمینوں میں پیدا کیا ہے اور تم میں سے جس کو تم پسند کرو گے، وہ تم پر نازل کرے گا۔ اور اللہ سب سے زیادہ سنا دینے والا اور جاننے والا ہے۔)

ظہن مسائل شرعیہ میں بحث ہے

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عین مفید جنی نہیں ہے حالانکہ عین سبکی شریعہ میں مفید بلکہ حجت ہے جیسے خیر و اعدا و قیاس میں مضر و مفید سے عین کے معنی یہاں وہ مراد لئے جو خاص میں انہوں نے پڑھے تھے یعنی کسی حکم کی جانب خارج ہوا تا وہ بالکل کیا کہ یہ عین تو مفید ہے اور غریب بھی اصطلاحات درسیہ کا معنی تھا اس لئے انھیں سمجھا گئے گا حالانکہ یہاں غیثا بالکل ہی سرے سے غلط ہے کیونکہ قرآن کا نزول بحوارات میں ہوا ہے اصطلاحات درسیہ میں

نہیں بلکہ قرآن کا احوال سے کہتا چاہئے اور احکامات سے معلوم ہوتا ہے کہ عمن کے معنی صرف وہ نہیں ہیں جو
 عامین وغیرہ میں مذکور ہیں اور گوئی اہل اہیت کے کلام پر زیادہ نظر نہیں رکھنا مگر قرآن ہی کے چند مقامات کو دیکھ
 کر میں یہ کہتا ہوں کہ احوال سے عمن کے معنی عام ہیں محل علم کی جانب وراخ کے ساتھ نفس نہیں چاہنا ایک مقام
 پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَكَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ الْقِصَّةَ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا وَلَقَدْ نَكُوْهُ اِيَّاهُمْ مِنْ
 مَّوَدِّعِينَ ہے کہ کھلقا ادب کا یقین ہا زام واجب ہے اور ایک جگہ حق تعالیٰ نے قیامت کے حلقی کار کا حوالہ
 نقل فرمایا ہے۔ اِنَّ لِّلْعٰلَمِیْنَ اِلٰهًا طٰٓئِفًا مَّا تَعْمَلُوْنَ اِنۡ شِئْتُمْ تَحْفَظُوْا یہاں بھی عمن سے مراد یعنی اصطلاحی نہیں ہیں
 کیونکہ کفار کو قیامت سزا کا عمن غالب وراخ بھی نہ تھا وہ تو بالکل منکر و کذب تھے چنانچہ خود قرآن ہی میں ہے
 ہٰٓکُنۡ لَّکُمۡ اٰیٰتُہٗمُ الْاٰتِیٰۃُ وَ اَلَّذِیْنَ لَا یَعْمَلُوْنَ اِلَّا سَیِّئًا لَّکُمۡ اٰیٰتُہُمُ الْاٰتِیٰۃُ وَ اَلَّذِیْنَ لَا یَعْمَلُوْنَ اِلَّا سَیِّئًا لَّکُمۡ اٰیٰتُہُمُ الْاٰتِیٰۃُ
 وَ اَلَّذِیْنَ لَا یَعْمَلُوْنَ اِلَّا سَیِّئًا لَّکُمۡ اٰیٰتُہُمُ الْاٰتِیٰۃُ ہاں عمن سے مراد جانب مرجع یعنی وہم ہے کہ کفار یوں کہتے ہیں کہ ہم کو قیامت
 کا کچھ یوں ہی وہم سا ہوتا ہے بلکہ غور کیا جاوے تو یہاں قصہ حق کا کوئی نتیجہ نہیں یعنی جانب مرجع بھی مراد نہیں
 کیونکہ ان کو قیامت کا حال بھی نہ تھا بلکہ محل قصہ ہی مراد نہیں جس میں کوئی عمن ہی نہیں اس سب سزا کو دیکھ کر
 میں یہ کہتا ہوں کہ عمن وہی ہے حق تعالیٰ میں خواہ وہ خیال کیجے کہ وہ باطل قوی ہو یا ضعیف اس کو پیش نظر رکھ کر
 آیات کو دیکھنے سب مل ہو جائیں گے اور کوئی اشکال نہ رہے گا چنانچہ اِنَّ الْعٰلَمِیْنَ اِلٰہٌ یُّحْیِی الْمَوْتِیْنَ اِنۡ شِئَا لَمُنۡ
 عمن سے مراد مجرد خیال یا دلیل ہے کہ اس سے ثبوت حق میں کھلنا نہ نہیں ہوتا اور عمن اصطلاحی جو کہ مفید ہے وہ
 خیال مع الدلیل ہے کہ اس کا مفید ہونا اس آیت کے معارض نہیں۔

علوم مکاشفات میں خطرہ ہے

فرمایا علوم حاالات (شرعی انکام) مانع ہیں اور علوم مکاشفات (تحریری میں خطرہ ہے خصوصاً مکاشفات
 الہیہ پر نسبت مکاشفات کو نیز یادہ خطرناک ہیں۔ کیونکہ یہ ظنی ہیں ان کے اعتقاد پر عمل کرنا آیت:

لَا تَلَفَ مَا لَیْسَ لَکَ بِهِ عِلْمٌ جِس قَاتِحُوْا اَمۡلَہٗمۡ اِنَّہٗمۡ اَسۡرَءُ

کے خلاف ہے اسی واسطے علم کلام میں جو مباحث ہیں وہ حقیقتاً دہشت میں ہیں اور وہ فلاسفہ کے جوابات
 ہیں کہ تم جو کہتے ہو وہ غلط ہے کیونکہ اس میں تمہارے قول کے علاوہ اور بھی چند اس احوال ہیں تو تمہارا کہنا مسیحا
 اور ظنی نہ ہو اور اگر مباحث کلامیہ دہشت میں نہ ہوں تو ان مباحث کے جتنی ہونے کا دعویٰ کرنا نہایت
 خطرناک ہے کیونکہ نسبت کلام موضوع کے علم پر موقوف ہے اور موضوع کا علم چونکہ ہے نہیں اس واسطے نسبت کا
 علم بھی نہ ہو گا اور جب نسبت کا علم نہیں تو علم کا دعویٰ کرنا لا تلف ما لیس لک بہ علم کے خلاف ہو گا
 مثلاً اس کلام میں کہ ”کلام اللہ اللہ اللہ اللہ“ اس میں علم نسبت موقوف ہے علم موضوع پر اور موضوع اس قول
 میں کلام اللہ ہے یہ موضوع ہی نہیں جانتے تو اللہ میں لا غیر کا نقلی ثبوت اسی کے لئے کیسے ہو گا اسی

واسطے ملک نے ایسے مہارت میں منتظم نہیں کی اور نہ ان کو مہارت ہوئی مگر انھیں نے ضرورت کے لئے منتظمی سے وہ بھی حق ہے کہ وہ جہت میں ہوئی چاہئے اور ان کو منتظم و عادی و قرار دیا جاوے کیونکہ یہ نہایت خطرناک ہے لیکن منتظمین متاخرین کے کام سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مہارت کام کو منتظم و عادی قرار دے کر ان پر داخل قائم کئے ہیں مگر یہ ہے کہ نہایت خطرناک اور صفات کے بارے میں اسکی طرفی نے فرمایا ہے کہ صفات کو میں ذات کہتا ہوں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر صفات میں کوئی کام کرے تو لا میں دعا میرے میں کہتا ہوں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں منتظمی نہ ہے۔ (الکام اس ج ۶ صفحہ ۱۳۳-۱۳۵)

فلا یسرف فی القتل اذ کان منصوباً (یسی اسو اہل) سواس قتل کے بارے میں حد سے تجاوز نہ کرنا چاہئے وہ شخص طرفداری کے قائل ہے۔

عہد نصرت بوجہ مظلوم ہونے کے ہے

فرمایا فلم یسرف فی القتل (سواس قتل کے بارے میں حد (شرع) سے تجاوز نہ کرنا چاہئے۔ کے بعد اذ کان منصوباً (وہ شخص طرفداری کے قائل ہے) فرمانے میں اشارہ ہے کہ عہد نصرت (حد کا وعدہ) بوجہ مظلوم ہونے کے ہے اس میں ترمیم ہے کہ تم سراسر عہد نصرت کو خالی مت کر دو

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ لِيَذَّكَّرُوا وَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا نُفُورًا ۝۱۱

ترجمہ: یعنی ہم نے قرآن میں طرح طرح سے بیان کیا ہے تاکہ لوگ نصرت بکریں تاکہ انھیں

تفسیری نکات

حق تعالیٰ شانہ کا شفقت کا ہر تاؤ

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کو خالی نہ کرنا چاہئے کہ انھیں ہے بلکہ دل میں اتنا درجہ حضور ہے۔ اور اس شفقت کے وہ اثر ہیں کہ اس نام پر ایک بات کو بار بار دہراتے ہیں دوسرا عمل کرنے کے لئے دستور العمل بھی ارشاد فرماتے ہیں۔

وَقُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ

وَاَجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا۝

ترجمہ: اور آپ یوں دعا کیجئے کہ اے رب مجھ کو خوبی کے ساتھ نکالنا اور مجھ کو خوبی کے ساتھ
لیجانا اور مجھ کو اپنے پاس سے ایسا طلبہ ملے جس کے ساتھ نصرت ہو۔

تفسیری نکات

تبادلہ کرانے کا عمل

ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا ملازمت کے لئے فرمایا رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ
وَاَجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا مع اول و آ فرسات سات ہارود و شریف متر باد بعد نماز عشاء
پڑھا کریں اور مدخل صدق پر جہاں کا تبادلہ مطلوب ہو تصور کریں اور مخرج صدق پر جہاں سے جانا مطلب ہو
اور سلطان نصیر پر یہ کلمات کے ساتھ پڑھ لیں۔

وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الزُّوْجِ الَّذِيْ اٰمَرْتُ بِاَنْ اُوتِيْتُمُوْهُ

مِّنَ الْعِلْمِ اَلَا قَلِيْلٌۭ

ترجمہ: اور یہ لوگ آپ سے اس کا (اختلاف) پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اس سے میرے رب کے
علم سے جو اور کم کو بہت کم اور اہم کیا ہے۔

تفسیری نکات

حقیقت روح

فرمایا کہ قُلْ اَلَّذِيْنَ اٰمَرْتُ بِاَنْ اُوتِيْتُمُوْهُ میں جہاں سو فیصد حب گزری ہے یہی تو ان میں وہ غیر مومن پر خدا
ہو گئے ہیں ایک اصطلاح ہے کہ عالم دو ہیں عالم مادی یعنی کائنات اور عالم غلیظ یعنی نباتات اس اصطلاح پر آیت کی
تفسیر کر لی کہ اس عالم مادی سے ہے یعنی مرد ہے تو اس کا تقرر قرآن سے ثابت کیا مگر یہ استدلال محض لغو ہے کیونکہ
اصطلاح خود مقرر کی اور مقرر آن کو اس کا تالیف بالا اقل اربع من امور دینی سے متصویر ہے کہ تم روح کی حقیقت
نہیں سمجھ سکتے انا کہہ رہا کہ اس عالم مادی کے مادی سے پہلے اولیٰ نفس اس سے آگے کسی تفسیر کا کوئی عمل ممکن نہیں ہے۔

سورة النساء

بانيها الناس اتقوا الخ اعلم ان هذه السورة مشتملة على انواع كثيرة من التكليف و ذلك لانه تعالى امر الناس في اول هذه السورة بالتعطف على الاولاد والنساء والايام والرفقة بهم وايصال حقوقهم اليهم وحفظ امرهم عليهم وبهذا المعنى ختمت السورة و هو قوله تعالى يستفتونك و ذكر في اناء هذه السورة انواعا اخر من التكليف و هي الامر بالطهارة والصلوة وقفال المشركين و لما كانت هذه التكليف شاملة على النفس لتقلها على الطاع لاجرم فتح السورة بالعلم التي لاجلها يجب حمل هذه التكليف الشاملة و هي تقوى الرب الذي خلقنا والآله الذي او جدنا فللهذا قال بانيها الناس اتقوا الخ و انما ينبغي الخ اعلم انه تعالى لما فتح السورة يذكر ما يندل على انه يجب على العبدان يكون متقاداً لتكليف الله تعالى محمراً عن مساعطة شرع بعد ذلك في شرح السام التكليف فاشوع الاول ما يندل باسمال البتاني و هو هذه الآية و ان عظم ان لا تقسطوا الخ اعلم ان هذا هو النوع الثاني من الاحكام التي ذكرها في هذه السورة هو حكم الاتكحة و لا توتوا السفهاء الخ واعلم ان هذا هو النوع الثالث من الاحكام المذكورة في هذه السورة في ابي السعود رجوع الى بيان بقية الاحكام المتعلقة باموال البتاني وتفصيل ما جمل فيما سبق من شرط اداءها ووقتها وكيفية واجتوا الخ اعلم انه تعالى لما امر من قبل بلع مال اليتيم اليه بقوله و اتوا البتاني بين في هذه الآية متى يؤتهم امرهم للرجال نصيب الخ اعلم ان هذا هو النوع الرابع من الاحكام المذكورة في هذه السورة و هو ما يتعلق بالموارث والفرائض واليخش الذين الخ في ابي السعود امر للاوصياء بان نحشوا الله تعالى ان الذين ياكلون الخ في ابي السعود استئناف جيء به لطريق مضمون ما فصل من الامر والنوامي يوصيكم الله الخ في ابي السعود شروع في تفصيل احكام الموارث لجملة في قوله تعالى للرجال نصيب الخ تلك حدود الله الخ انه تعالى بعد بيان سهام الموارث ذكر الوعد الوعيد لوعيا في الطاعة و ارحياً عن المعصية واللائي ياتين الخ في ابي السعود شروع في بعض امر من الاحكام المتعلقة بالنساء اثر بيان احكام الموارث اتما التوبة الخ اعلم انه تعالى لما ذكر في الآية الاولى ان المؤمنيين للفاحدة اذا اتاها اصلها زال الاذى عنهما واخبر على الاطلاق ايضاً انه لو اب رحيم ذكر وقت التوبة و شرطها و

وعلیهم فی تعجلها لثلاثتهم الموت و هم مصررون فلا تفهم التوبة و ليست التوبة الخ اعلم انه تعالى لما ذكر شرائط التوبة المقبولة ارفدها بشرح التوبة التي لا تكون مقبولة بابها الذين امنوا الخ اعلم انه تعالى بعد وصف التوبة عذابي احكام النساء و اعلم ان اهل الجاهلية كانوا يؤذون النساء باتواع كثيرة من الابداء و يظلمونهن يضربون من الظلم قاله تعالى نهاهم عنها في هذه الآيات فالنوع الاول قوله تعالى يحل لكم النوع الثاني ولا تعضلوهن الخ النوع الثالث وعاشروهن الخ والنوع الرابع قوله تعالى و ان اردتم الخ النوع الخامس من الامور المتعلقة بالنساء ولا تمسكوا ما نكح الخ النوع السادس قوله تعالى حرمت عليكم امهاتكم النوع السابع قوله تعالى و من لم يستطع يريد الله الخ في ابي السعد استيف مسوق لتقرير ماسبق من الاحكام و بيان كونها جارية على مناهج المهتدين من الانبياء والصالحين والله يريد الخ في ابي السعد جملة مبتدأة مسوقة لبيان كمال منفعة ما اراده الله تعالى و كمال مضرة ما يريد العجزة لالبيان اراد تعالى التوبة عليهم حتى يكون من باب التكرير لتقرير النوع الثامن قوله تعالى بابها الذين امنوا لا تاكلوا الخ لما شرح كيفية التصرف في النفوس بسبب النكاح ذكر بعده كيفية التصرف في الاموال ولا تقفلوا انفسكم الخ في ابي السعد قد جمع في التوبة بين حفظ النفس وحفظ المال لما انه شقيقها من حيث انه سبب القوامها و لحصول كمالها ان تجتنبوا الخ اعلم انه تعالى لما قدم ذكر الوعيد التبعه بنفسه ما يتعلق به ولا تمنوا ما فضل الخ في ابي السعد قال القفال لما نهاهم الله تعالى عن اكل اموال الناس بالباطل و قتل النفس عقبه بالنهي عما يؤذي اليه من الطمع في اموالهم و تمسكها و قبل نهاهم اولاً عن التعرض لاموالهم بالجوارح ثم عن التعرض لها بالقلب على سبيل الحسنة مظهر اعمالهم الطاهرة والباطنة للرجال نصيب الخ في ابي السعد لكل من الغريقتين في الميراث نصيب معين المقدار مما احببه بحسب استعداده و لكل جعلنا موالى الخ في ابي السعد جملة مبتدأة مقفلة لمتضمن ما قبلها الرجال قومون الخ في ابي السعد كلام متخالف مسوق لبيان سبب استحقاق الرجال الزيادة في الميراث لتفصيلا الز بيان تفاوت استحقاقهم اجمالاً النوع التاسع واحمدو الله الخ اعلم انه تعالى لما ارشد كل واحد من الزوجين الى المعاملة الحسنة مع الآخر وفي ازالة الخصومة والغشونة ارشد في هذه الآية الى سائر الاخلاق الحسنة وماذا عليهم الخ في ابي السعد ادى على من ذكر من الطوائف قال المسكين اي غير المؤمن و غير المحفلين في الاتفاق ان الله لا يظلم الخ اعلم ان تعلق هذه الآية هو بقوله تعالى ماذا عليهم فكيف اذا الخ و جده الظلم هو انه تعالى بين ان في الاخرة لا يجري على احد ظلم و انه تعالى يجازي المحسن على احسانه و يزيد على قنبر حقه فبين تعالى في هذه الآية ان ذلك يجري بشهادة الرسل الذين جعلهم الله

الحجة على الخلق و يكون هذا و عند الكفار و وعدا للمطيعين ليرجع العاشر بابها الذين آمنوا
 لا تقرير المصروفة الخ قوله تعالى ألم تر إلى الذين أوتوا نصيبا من الخ قال المسكين لله مرتبط بقوله
 تعالى و يكتمون ما آتاهم الله من فضله أي من العلم و نعت النبي صلى الله عليه وسلم بقرينة
 قوله تعالى نعم و اعتدوا للكافرين لأن كتمانهم هذا كفر لا كتمان الاموال فقرر في هذه الآية
 ما يتعلق بهذا الكتمان من احكام طام الدنيا عليه و تحريف الكتاب و معاداة صاحب النعت
 بابها الذين أوتوا الكتب الخ بعد ان حكى عن اليهود تنازع مكروهم و ابتداء هم امرهم بالايمن
 و قرن بهذا الامر الوعيد الشديد على الترك ان الله لا يقر الخ لى أي السعور كلام مستطاف
 مسوق لتقرير ما قبله من الوعيد فان الشرح قد نص على اشراك اهل الكتب قاطبة ألم تر إلى
 الذين يزكون الخ اعلم انه تعالى لما عاهد اليهود بقوله ان الله لا يقر الخ قالوا لسنن المشركين
 بل نحن من خواطر الله تعالى كما حكى تعالى عنهم اتهم قالوا نحن أبناء الله و احبوه و ذكر
 تعالى في هذه الآية انه لا عبرة بتزكية الانسان نفسه و انما العبرة بتزكية الله ألم تر إلى الذين
 أوتوا الخ اعلم انه تعالى حكى عن اليهود نوعا اخر من المكروهم انهم كانوا يقتضون عدا
 الاصنام على المؤمنين و لا شك انهم كانوا عظمين بان ذلك باطل فكان الدائم على هذا
 القول بحض العدا و التعصب ام لهم نصيب الخ اعلم انه تعالى وصف اليهود في الآية المطلقة
 بالجهل الشديد و هو اعطاهم ان عبادة الاوثان افضل من عبادة الله و وصفهم في هذه الآية
 بالجهل و الحسد فبينهم من آمن الخ و المعنى ان اولئك الانبياء مع ما خصصتهم به من النبوة
 و الملك جرت عادة الهم فيهم ان بعضهم آمن به و بعضهم يفر على الكفر قالت يا محمد
 لا تصعب مما عليه هؤلاء و ذلك نسبية من الله ان الذين كفروا الخ اعلم انه تعالى بعد ما
 ذكر الوعيد بالطائفة الخاصة من اهل الكتاب بين ما يعلم الكافرين من الوعيد و الذين آمنوا
 الخ اعلم انه قد جرت عادة الله تعالى في هذا الكتب الكريم بان الوعيد و الوعيد يتلازمان
 في الذكر على سبيل الاخطاب ان الله يأمركم الخ لما حكى عن اهل الكتب الهم كنتموا الحق
 امر المؤمنين لى هذه الآية باناء الامانات في جميع الامور سواء كانت تلك الامور من باب
 الملاعب و الديانات او من باب الدنيا و المعاملات بابها الذين الخ اعلم انه تعالى لما امر الرعاة
 و الولاة بالعدل في الرعية امر الرعية بطاعة الولاة ألم تر إلى الذين الخ اعلم انه تعالى لما اوجب
 في الآية الاولى على جميع المكلفين ان يطيعوا الله و طيعوا الرسول ذكر في هذه الآية ان
 العسافين و الذين في قلوبهم مرض لا يطيعون الرسول ولا يرضون بحكمه و انما يريدون حكم
 غيره و ما ارسلنا من رسول الخ اعلم انه تعالى لما امر بطاعة الرسول في قوله و اطيعوا الرسول
 رغب في هذه الآية مرة اخرى في طاعة الرسول و لو انما كتبت الخ اعلم ان هذه الآية متصلة
 بما تقدم من امر المنافقين و ترغيبهم في الاعلاص و ترك الغفاق و المعنى اننا لو شددنا

التكليف على الناس لصعب ذلك عليهم وحيث يظهر كفرهم وعنادهم فلما لم يفعل ذلك ورحمة منا على عبادنا بل اكتفينا بتكليفهم في الأمور السهلة فليقبلوها بالاخلاص حتى يتأولوا خير الدارين ومن يطع الله الخ اكدار الامر بطاعة الله وطاعة الرسول في هذه الآية مرة اخرى يتأولها الذين امور اخذوا الخ اعلم انه تعالى عاد بعد الترغيب في طاعة الله وطاعة الرسول التي ذكر الجهاد الذي تقدم لانه اشق الطاعات ولانه اعظم الامور التي بها يحصل تقوية الدين فليقتل الخ اعلم انه تعالى لعادم المبطلين في الجهاد عاد الى الترغيب فيه ومانكم لانتقامين الخ اعلم انه المراد منه التكاثر تعالى لتركهم القتال لصالح ذلك توكيدها المقدم من الامر بالجهاد الذين امور يقتلون الخ قال ابو السعود كلام مبتدأ سبق لترغيب المؤمنين في القتال وتشجيعهم بيان كمال قولهم ياخذ الله تعالى ونصرته وولاية ضعف اعدائهم الم تر الى الذين قيل لهم الخ قال ابو السعود تعجب لرسول الله صلى الله عليه وسلم من احبائهم عن القتال مع انهم كانوا قبل ذلك راغبين فيه حرصاً عليه اين ماتكونوا الخ والمقصود من هذا الكلام تكبيت من حكى عنهم انهم عند فرض القتال يخشون الناس الخ فيبين تعالى انه لا خلاص لهم من الموت لبيان يقع على وجه يكون مستحقاً للسعادة الابدية كان اولي و ان نصيهم الخ لما حكى عن المتألفين كونهم متشاككين عن الجهاد حكى عنهم في هذه الآية جملة اخرى فيجده اقبح من الاولى وارسلتك للناس الخ قال ابو السعود بان لحالته منصفه عليه السلام ومكانته عند الله عز وجل لعله بيان بطلان زعمهم الفاسد في حقه عليه الصلوة والسلام بناء على جهلهم بشانه الجليل من يطع الرسول الخ قال ابو السعود بيان لاحكام رسالة عليه الصلوة والسلام اثر بيان تحققيها وثبوتها ويقولون طاعة الخ قال ابو السعود شروع في بيان معاملتهم مع الرسول صلى الله عليه وسلم بعد بيان وجوب طاعة هؤلاء يتدبرون الشران الخ اعلم انه تعالى لما حكى عن المتألفين انواع مكرهم وتكيدهم وكان كل ذلك لاجل انهم كانوا يعطون كونه محطالى اداء الرسالة صادقاً فيه بل كانوا يعطون انه مقرر مقرر في الجاهل جرم امرهم الله تعالى بان ينظروا ويتفكروا في الدلائل الدالة على صحة نبوته واذ جاءهم امر من الامن او الخوف الخ اعلم انه تعالى حكى عن المتألفين في هذه الآية نوعاً اخر من الاعمال الفاسدة وهو انه اذا جاءهم الخ قاتل في سبيل الله الخ اعلم انه تعالى لما امر بالجهاد ورجب فيه اشتد الترغيب في الآيات المتقدمة عاد في هذه الآية الى الامر بالجهاد من يشفع شفاعته الخ قال ابو السعود جملة سبقت لبيان انه له عليه الصلوة والسلام فيما امر به من جرحى المؤمنين حفاظاً فوراً واذا حسم الخ في النظم وجهان الاول انه لما امر المؤمنين بالجهاد امرهم ايضا بان الاعداء لوزعوا بالمسألة فتكونوا انتم راضين بها انتهى ان الرجل في الجهاد كان يلقى الرجل في ذوال الحرب او ما يقار بها فيسلم عليه فقد لا يلبثت الى سلامة عليه و

فیقله و ربما ظهر انه كان مسلما لمع الله المؤمن من عند الله لانه الا هو الخ اکتبوا عید فی قوله ان الله كان على كل شيء حسیبا ثم بالغ فی تاکید ذلك التوعید بهذه الآية فماذا لکم فی المناقین الخ اعلم ان هذا نوع اخر من احوال المناقین و هو ان تکفرون الخ لما قال قبل هذه الآية التریدون قر و ذلك الاستعداد بان قال انهم بلغوا فی الکفر الخ انهم یتمنون ان تصیروا ایها المسلمون کفارا فلما بلغوا فی تعصیهم فی الکفر الخ هذا الحد فکیف تطمعون فی انصافهم و ما کان المؤمن الخ اعلم انه تعالی لما رغب فی مقابلة الکفار و حرص علیها ذکر بعد ذلك ما یتعلق بهذه المحاربة فیهما انه قد یطعن ان یرى الرجل رجلا یقتله کافرا حریبا فیقله ثم یتبین انه کان مسلما ف ذکر الله تعالی حکم هذه الواقعة فی هذا الآية و من یقتل مزمعا الخ اعلم انه ثبات لما ذکر حکم القتل الخطاء ذکر بعده بیان حکم القتل العمد و له الاحکام و قد ذکر تعالی ذلك فی سورة البقرة فلا یجزم ههنا انصر علی بیان ما فیه من الاتم و التوعید بابها فلین انما اذا ضربتم الخ اعلم ان المقصود من هذه الآية المبالغة فی تحریم قتل المؤمن و امر المجاهدين بالثبات فیه لئلا یسرفوا اذا حاربوا یقول ضعیف لا یسوی القاعدون الخ قال ابو السعود بیان لطاوت طبقات المؤمنین بحسب تفاوت درجات مساعیهم فی الجهاد و علما من من الامر به و تحریم المؤمنین علیه لایناف القاعدة عنه و یترفع بنفسه عن انحطاط رتبته فیهتم له و عنه فی ارتفاع طبقة ان الذین لو فاعهم الخ قال ابو السعود بیان لحال القاعدین عن الهجرة التریبان حال القاعدین عن الجهاد و من یماجر الخ قال ابو السعود ترغیب فی المهاجرة و تانیس لها و اذا ضربتم فی الارض الخ اعلم ان احدا لا یجوز ان یحتاج المجاهد لایها معرفة کيفية اداء الصلوة فی زمان الخوف و الاشتغال بمحاربة العدو فلهذا المعنی ذکره الله تعالی فی هذه الآية و اذا كنت فیهم الخ اعلم انه تعالی لما بین فی الآية المتقدمة حال قصر الصلوة بحسب الکفة فی العدد بین فی هذه الآية حالها فی الکفة و لا یتهموا الخ اعلم انه تعالی لما ذکر بعض الاحکام التي یحتاج المجاهد الی معرفتها عاصمة اخرى الی البحث علی الجهاد اذا قر لنا الیک الخ لما شرح احوال المناقین علی سبیل الاستقصاء لم اتصل بذلك امر المحاربة و اتصل بل ذکر المحاربة ما یتعلق بهما من الاحکام الشرعیة رجع الکلام بعد ذلك الی احوال المناقین و ذکر انهم كانوا یحاولون ان یحملوا الرسول علیه الصلوة و السلام علی ان یحکم بالباطل و یلو احکم الحق فاطلع الله و مر له علیه و امره بان لا یبسط الیهم و لا یقبل قولهم فی هذا الباب و من یشاقق الرسول الخ اعلم ان تعلق هذه الآية بما قبلها هو ما روى ان طعنة بن امیرق لما رای ان الله تعالی هکک سره و برأ اليهودی عن تهمته السرقة ارتد و ذهب الی مكة و نقب جدار انسان لاجل السرقة فتهدم الجدار علیه و مات فترکت هذه الآية ان الله لا یغفر الخ لما یحتمل اتصالها بما قبلها لو کان المراد ان ذلك السارق لو لم یردد لم یغفر محروما

عن وحمی، ولكنه لما ارتدوا اشرك بالله صار محروما قطعاً عن رحمة الله ثم انه تعالى بين
كون المشرك ضللاً لا بعد الخصال ان يدعون الخ ليس بامانيكم الخ قال المسكين ابطال
للاماني المذكورة سابقاً في قوله تعالى بعدكم و يسيهم و ذكر ما في فعل الكذب استطراد
او لتبصيحاً للفتنة ثم ذكر كون الايمان والاعمال معبراً بقوله من يعمل الخ و من احسن
فهذا الخ اعلم انه تعالى لما شرط حصول النجاة والفوز بالجنة بكون الانسان مؤمناً شرح
الايمان و بين فضله و يستفوتك في النساء الخ اعلم ان عادة الله تعالى في ترتيب هذا
الكتاب الكريم و وقع على احسن الوجوه و هو انه يذكر شيئاً من الاحكام ثم يذكر عليه
آيات كثيرة في الوعد و الوعيد و الترغيب و التهيب و يخلط بما آيات ذاته على كبرياء
الله و جلال قدرته و عظمة الهية ثم يعود مرة اخرى الى بيان الاحكام و هذا احسن انواع
الترتيب و اقربها الى التأثير في القلوب لان التكليف بالاعمال الشاملة لا يقع في مرفق القول
الا اذا كان مقروناً بالوعود الوعيد و الوعد و الوعيد لا يؤثر في القلب الا عند القطع بغاية كمال
من صدر عنه الوعد الوعيد فظهر ان هذا الترتيب احسن الترتيبات اللاحقة بالدعوة الى الدين
الحق اذا عرفت هذا فنقول انه سبحانه ذكر في اول هذه السورة انواعاً كثيرة من الشرائع
و التكليف ثم تبعها بشرح احوال الكافرين و المنافقين و استقصى في ذلك ثم ختم تلك
الآيات الدالة على عظمة جلال الله و كمال كبرياءه ثم عاد بعد ذلك الى بيان الاحكام
فقال و يستفوتك الخ و ان امرأة عاتت الخ اعلم ان هذا من جملة ما احبر الله تعالى به
بفهمه به في النساء مما لم يتقدم ذكره في هذه السورة والله ما في السورات الخ لما ذكر
انه يغشى كلاماً من سورة و انه واضح إشارة الى ما هو كالتفسير لكونه واضحاً بآياتها الذين امروا
كوترا الخ تقدم في هذه السورة امر الناس بالقسط و امرهم بالاشهاد عند دفع اموال البهائم
اليهم و امرهم بعد ذلك ببذل النفس و المال في سبيل الله و اجري في هذه السورة قصة
طعمة بن ابرق و اجتماع لقومه على القاب عنه بالكذاب و الشهادة على اليهودى بالباطل
ثم انه تعالى امر في هذه الآية بالمصاحبة مع الزوجة و معلوم ان ذلك امر من الله لعباده
بان يكونوا قائمين بالقسط شاهدين لله على كل احد بل و على انفسهم فكانت هذه الآية
كالمرشد لكل ما جرى ذكره في هذه السورة من انواع التكليف بآياتها الذين امروا الخ لما
بين الاحكام الكثيرة في هذه السورة ذكر عليها آية الامر بالايمان ان الذين امروا الخ
اعلم انه تعالى الامر بالايمان و رغب فيه بين فساد طريقة من يكفر بعد الايمان بشرع المنافقين
الخ قال المسكين ذكر المنافقين اثر ذكر الكافرين بآياتها الذين امروا بالتصديق الكافرين الخ
اعلم انه تعالى لما ذم المنافقين بانهم مرة الى الكفرة و مرة الى المسلمين من غير ان يستفروا
مع احد الفريقين نهى المسلمين في هذه الآية ان يفعلوا مثل فعلهم لايحب الله الجهر الخ

قال المسكين نهى الله تعالى فيما سبق عن مولاة الكفار و نهى في هذه الآية عن معادتهم
بمعالم ياذن به الشرع ان الذين يكفرون بالله ورسوله الخ اعلم انه تعالى لما تكلم على طريقة
المنافقين خالفكم على مذاهب اليهود والنصرى و مناقضاتهم و ذكر في آخر هذه السورة
من هذا الجنس انواعا النوع الاول من اباطيلهم ايمانهم ببعض الانبياء دون البعض والذين
اصدوا الخ لما ذكر الوعيد او دفعه بالوعيد يسالك اهل الكتاب الخ اعلم ان هذا هو النوع
الثانى من جهالات اليهود فيظلم الخ اعلم انه تعالى لما شرح فضائح اعدال اليهود و قبائح
الكافرين ذكر عليه تشديده تعالى عليهم فى الدنيا والآخرة لكن الراىسون الخ اعلم انه
تعالى لما وصف طريقة الكفار والجهال من اليهود و وصف طريقة المؤمنين منهم انا و حينئذ
اليك الخ اعلم انه تعالى لما حكى ان اليهود سألوا الرسول صلى الله عليه وسلم ان ينزل
عليهم كتابا من السماء و ذكر تعالى بعده اليهم لا يطلبون ذلك لاجل الاسرار و لكن لاجل
العدا و اللجاج و حكى انواعا كثيرة من فضائحهم و قبائحهم و استدل الكلام الى هذا المقام
شرح الآن الى الجواب عن تلك الشبهة فقال انا و حينئذ الخ والمعنى انا تو افقنا على نية
لروح و امراهم و استعمل و جميع المذكورين فى هذه الآية و على ان الله تعالى اوحى اليهم
ولا طريق الى العلم بكونهم انبياء الله و رسل الا ظهور المعجزات عليهم و لكل واحد منهم
نوع اخر من المعجزات على الشيعين و ما انزل الله على كل واحد من هؤلاء المذكورين كتابا
بسماعه مثل ما انزل الى موسى فلما لم يكن عدم انزال الكتاب على هؤلاء دلالة واحدة قادحا
فى ثبوتهم بل كفى فى اثبات ثبوتهم ظهور نوع واحد من انواع المعجزات عليهم علمنا ان
هذه الشبهة واثلة و ان اصرار اليهود على طلب هذه المعجزة باطل لكن الله يشهد الخ لما
قال انا و حينئذ اليك قال القوم نحن لا نشهد لك بذلك فنزل لكن الله يشهد ان الذين
كفروا و صدوا الخ اعلم ان هذا من صفات اليهود الذين تقدم ذكرهم بابها الناس قد جاء كم
الرسول الخ اعلم انه تعالى لما اجاب عن شبهة اليهود على الوجود الكثير او بين فساد طريقة
هم ذكر عطا باعانا عنهم و بعم غيرهم فى الدعوة الى دين محمد عليه الصلوة والسلام يا
اهل الكتاب لا تغفروا الخ واعلم انه تعالى لما اجاب عن شبهات اليهود تكلم بعد ذلك مع
النصارى فى هذه الآية بابها الناس قد جاء كم برهان الخ اعلم انه تعالى لما اورث الحجية على
جميع الفرق من المنافقين والكفار واليهود والنصارى و اجاب عن جميع شبهاتهم عنهم
الخطاب و دعا جميع الناس الى الاعتراف برسالة محمد عليه الصلوة والسلام يستفونك الخ
اعلم انه تعالى تكلم فى اول السورة فى احكام الاموال و ختم آخرها بذلك يكون الآخر
مشا كلالات و وسط السورة مشتمل على المناظرة مع الفرق المخالفة للدين.

سُورَةُ الْمَائِدَةِ

احلت لكم الخ اعلم الله تعالى لما قرر بالآية الاولى جميع المكلفين انه يلزمهم الانقياد لجميع تكاليف الله تعالى وذلك و كالاصل الكلى والقاعدة الجمعية شرع بعد ذلك في ذكر التكاليف المفصلة فبدأ بذكر ما يحل وما يحرم من المطعومات بابها الذين آمنوا الاستحلو الخ اعلم الله تعالى لما حرم الصيد على المحرم في الآية الاولى أكد ذلك بالمنهى في هذه الآية عن مخالفة تكاليف الله تعالى حرمت عليكم الخ اعلم الله تعالى قال في الاول السورة احلت لكم بهيمة الانعام ثم ذكر فيه استثناء اشياء تنلج عليكم ليهيئ ذكر الله تعالى لتلك الصور المستثناة عن ذلك العموم اليوم ينس الذين الخ ليعاهد فيما مضى ما حرمه وما احله حرضهم على التمسك بما شرع لهم باكمل ما يكون يسألونك ما اذا حل الخ وهذا ايضا متصل بما تقدم من ذكر المطاعم والمأكول اليوم احل لكم الخ اعلم الله تعالى اخبر في الآية المتعلقة انه احل الطيبات و كان المقصود من ذكره الاخبار عن الحكم ثم اعاد ذكره في هذه الآية والفرض من ذكره انه قال اليوم اكملت لكم الخ فين انه كما اكمل الذين و اسم النعمة في كل ما يتعلق بالدين فكذلك اسم النعمة في كل ما يتعلق بالدنيا ومنها احلال الطيبات والفرض من الاعادة رعاية هذه النكسة و من يكفر الخ المقصود منه الترغيب فيما تقدم من التكاليف والاحكام بابها الذين آمنوا اذا قمتم الخ قال ابو السعود شروع في بيان الشرائع المتعلقة بدينهم بعد بيان ما يتعلق بدنياهم والذكروا نعمة الله الخ لما ذكر هذا التكليف اوردته بما يوجب عليهم القبول والانقياد وذلك من وجهين الاول كثرة نعمة الله عليهم والثاني هو العتاق بابها الذين آمنوا كبروا الخ قال ابو السعود شروع في بيان الشرائع المتعلقة بما يجري بينهم و بين غيرهم اثر بيان ما يتعلق بانفسهم بابها الذين آمنوا اذكروا الخ قال السمع ذلك كبر نعمة الانجاء من الشرار بعد تذكر نعمة ابصال الخير الذي هو نعمة الاسلام و ما يدفعها من العتاق و لقد اخذ الله ميتاق بني اسرائيل الخ لما خاطب المؤمنين فيما تقدم فقالوا والذكروا نعمة الله عليكم و ميتاقه ثم ذكر ان الله اخذ الميتاق من بني اسرائيل لكونهم نقضوه و لم كوا الوفاء به فلا تكونوا ابها المؤمنين مثل اولئك اليهود في هذا الخلق ما لديهم لتلا تصوير و اعتلهم فيما نزل بهم من المن والنبلة والمسكنة ومن الذين قالوا انتصروا الخ

١ وجه الارتباط بين اولها و آخرها قلها ان الله تعالى حتم السورة المقطعة بقوله بين الله لكم ان تعلموا في هذه السورة بين الاحكام الضرورية ١٢ منه على وجه

المراء ان سبیل النصاری مثل سبیل اليهود فی نقض المواقف بالغلی کتاب قد جاءكم رسولنا الخ اعلم انه تعالى لما حكى عن اليهود و عن النصاری قضيتهم العهد و تركهم ما امروا به دعاهم عقيب ذلك الى الايمان محمد صلى الله عليه وسلم واذ قال موسى لقومه الخ قال ابو السعود جملة مستأنفة مسوقة لبيان ما فعلت بنو اسرائيل بعد اخذ الميثاق منهم و كيفية قضيتهم له و اتى عليهم بما يبنى ادم الخ قال المسكين هذا توطئة لما هو المقصود ههنا من ذكر جنات بنى اسرائيل كما قال ابو السعود عند قوله تعالى من اجل ذلك كتبنا على بنى اسرائيل الخ شروع فيما هو المقصود من تلاوة البياض بيان بعض اخر من جنات بنى اسرائيل و معاصيهم اما جزء الذين يحاربون الخ اعلم انه تعالى لما ذكر في الآية الاولى تعذيب الائم في قتل النفس بغير قتل نفس ولا فساد في الارض البعد ببيان ان الفساد في الارض الذى يوجب القتل ما هو لان بعض ما يكون فسادا في الارض لا يوجب القتل يابها الذين امروا عقوب الله الخ قال ابو السعود لما ذكر عظم شأن القتل و الفساد و بين حكمها و اشير في تعذيب ذلك التي مغفرته تعالى لمن تاب من جنات امر المؤمنون بان يقره تعالى في كل ما يتوبون و ما يلزمون بترك ما يجب اتقاءه من المعاصي التي من جعلها ملازم من القتل و الفساد و بفعل الطاعات التي من زمرتها المعى في احياء الخرس و دفع الفساد و المسارعة الى التوبة و الاستغفار ان الذين كفروا الخ قال ابو السعود كلام مسوق لتأكيد و جوب الامتثال بالامر السائفة و ترغيب المؤمنين في المسارعة الى تحصيل الوسيلة اليه عز وجل قبل اقتضاء ان انه والسارق والسواقة الخ قال ابو السعود شروع في بيان حكم السرقة الصغرى بعد بيان احكام الكبرى و قد عرفت اقتضاء المال لا يرد ما توسط بينهما من المقال لم تعلم ان الله الخ اعلم انه تعالى لما اوجب قطع اليد و عقاب الآخر فعلى السارق قبل التوبة لم ذكر انه قليل توبة ان تاب ار دفعه ببيان ان له ان يفعل ما يشاء و يحكم ما يريد يابها الرسول لا يحزنك الخ اعلم انه تعالى لما بين بعض التكليف و الشرع و كان قد علم من بعض الناس كونهم متسارعين الى الكفر لاجرم صبر و مسو له على تحمل ذلك فان جاء و ك الخ قال ابو السعود لما بين تفاصيل امورهم شريعة و احوالهم المختلفة الموجبة لعدم مخالفة بهم و بافاعيلهم جسما امر به عليه السلام عوطف عليه الصلوة و السلام بعض ما يبنى عليه من الاحكام بطريق التفرغ و اتقاء فصحة و اذا كان حالهم كما شرح فان جاء و ك الخ و كيف يحكمونك الخ قال ابو السعود لتعجب من تحكيمهم لمن لا يزنون به و يكتبه و الحال ان الحكم منصوب عليه في كتابهم الذى يقدعون الايمان به و تنبيه على انهم ما قصدوا بالتحكيم معرفة الحق و القاعة الشرع و افاضلوا به ما امرعون عليهم و ان لم يكن ذلك حكم الله على راعهم اما انزل النورة الخ اعلم ان هذا تنبيه من الله تعالى لليهود المنكرين لوجوب الرجم و ترغيب لهم في ان يكونوا

اكتشفهم من مسلمي احوارهم والانباء المحولين اليهم وكتبنا عليهم فيها الخ المعنى انه تعالى بين في التوراة ان حكم الزاني المحض هو الرجم واليهود غيره وبلطوه و بين في هذه الآية ايضا انه تعالى بين في التوراة ان النفس بالنفس و هؤلاء اليهود غيرو اعلا الحكم ايضاً فقتلوا بني النضير على بني قريظة و اخصصوا الجحيم القوديني قريظة دون بني النضير و كتبنا على احوارهم الخ قال ابو السعد شروع في بيان احكام الانجيل ثم بيان احكام التوراة و انزلنا اليك الكتاب بالحق الخ قال المسكين شروع في بيان احكام القرآن ثم بيان احكام المسكين لكل جعلنا الخ قال ابو السعد كلام مستلف جئ به لحمل اهل الكتابين من معاصره عليه الصلوة والسلام على الاتقياء لحكمه بما انزل اليه من القرآن الكريم بيان انه هو الذي كشفوا الحمل به دون غيره من الكتابين و اما الذين كفروا الحمل بهما من مطي قبل نسخهما من الامم السابقة بابيها الذين امنوا استعملوا الخ قال المسكين نهى المؤمنين عن موالاة اهل الكتابين ثم ذكر اوصاف الفريقين التي هي عند لصفات المؤمنين و من التوى الزواجر عن موالاة اهل الكتابين فمرى الذين الخ قال المسكين بيان المداخلة المتألفين في موالاة الكفار واعتدارهم الباطل في ذلك بابيها الذين امنوا من يرتد الخ قال ابو السعد شروع في بيان حال المرتدين على الاطلاق و اما وليكم الله الخ لما نهى في الآيات المتقدمة عن موالاة الكفار امر في هذه الآية بموالاة من يجب موالاة بابيها الذين امنوا استعملوا الذين اتبعوا الخ اعلم انه تعالى نهى في الآية المتقدمة عن اتحاد اليهود والنصارى اولياء و ساق الكلام في تقريره ثم ذكر ههنا النهى العام عن موالاة جميع الكفار و اذا فاتهم الخ لما حكى في الآية الاولى عنهم انهم اتبعوا دين المسلمين هو و اولعوا ذكر ههنا بعض ما يتخلونه من هذا الدين هو و اولعوا قل يا اهل الكتب هل تقومون الخ لما حكى عنهم انهم اتبعوا دين الاسلام هو و اولعوا قل لهم ما الذي تقومون من هذا الدين و ما الذي تجدون فيه مما يوجب اتحاده هو و اما قل هل اتاكم الخ لما امر عليه السلام بالزعام ان ملازمهم الذين اتوا هو اجتماعه على ما يوجب ارتضاه عندهم ايضاً كفرهم بما هو مسلم لهم امر عليه الصلوة والسلام عقيب بان يسكنهم بيان ان الحقيق بالقلم والعيب حقيقة ما هم عليه و اذا جاء و كم قالوا الخ قال المسكين فم لمن نال من المذكورين و ترى كثير منهم الخ قال المسكين ثم بعض امر منهم بابيها الرسول الخ امر الرسول بان لا ينظر الى قلة المقصدى و كثرة الفاسدى ولا يخشى مكروهم يا اهل الكتاب لستم الخ قال المسكين من جملة التبليغ ان الذين امنوا الخ قال المسكين لما امر بالايمان فيما قبل بين فضيلة الايمان ههنا لقد اخذنا ميثاق الخ قال ابو السعد كلام مبتداه مسروق لبيان بعض اخر من جبايتهم المتأدية باستبعاد الايمان منهم لقد كفر الذين قالوا الخ اعلم انه تعالى لما استقصى الكلام مع اليهود شرع ههنا في الكلام مع النصارى

العلی تبعدون الخ و هذا دلیل اخر علی فساد قول النصارى قل باهل الکتاب لا تغفوا الخ لما
تکلموا لا علی اباطل اليهود ثم تکلمنا علی اباطل النصارى بعد ذلك مخاطب مجموع
النصارى من الذين کفروا الخ لما مخاطب اهل الکتاب بهذا الخطاب وصف السلاطین ثم
کثیرا منهم الخ اعلم انه تعالى لما وصف اسلاطینهم بما تقدم وصف الحاضرين منهم بانهم
یسولون الکفار و عبدة الاولان ليجدن اشد الناس الخ لما ذکر من اسوال اهل الکتاب من
اليهود والنصارى ما ذکره ذکر فی هذه الآية ان اليهود فی غاية العداوة مع المسلمين بانها
البلین اصدا الا تحرموا الخ اعلم انه تعالى لما استغص فی المناقشة مع اليهود والنصارى
عاد بعده الی بیان الاحکام و ذکر جملة منها النوع الاول ما يتعلق بحل المطاعم والمشرب
والملذات النوع الثاني من الاحکام المذكورة فی هذا الموضع قوله تعالى لا یزاحمکم الله الخ
قال المسکین احل من الکبیر و جه المناسبة بینه و بین ما قبله قول الصحابة فكيف تصنع
بايماننا ای علی ترک الطیبات قوله تعالى بانها الذين امنوا النما الخمر الخ اعلم ان هذا النوع
الثالث من الاحکام المذكورة فی هذا الموضع ووجه اتصاله بما قبله انه تعالى قال فیما
تقدم لا تحرموا الطیبات الخ و کثروا معا و زلفکم الله الخ لم معا کان من جملة الامور المستطابة
الخمر والمیسر لا یجزم انه تعالى بین نهما غیر داخلین فی المحظلات بل فی المحرمات و
قال المسکین لعل الاقرب ان یقال کان ما تقدم نهياً عن تحريم الحلال و هذا نهی عن تحلیل
الحرام الی قوله تعالى ما جعل الله من بحیرة الخ بل لا یبعد ان قبل الی حکم الانصاء و ما
يتعلق به لیس علی اللین امنوا الخ و یرى انه لما نزلت آية تحريم الخمر قالت الصحابة ان امنونا
کانوا قد شربوا الخمر يوم احد ثم قالوا فكيف حالهم فنزلت هذه الآية بانها اللین امنوا لیلونکم الخ
اعلم ان هذا نوع اخر من الاحکام ووجه التظم انه تعالى لما قال لا تحرموا الطیبات ثم استصی
الخمر والمیسر عن ذلك و كذلك استصی هذا النوع من الصیة عن المحظلات و بین
دخوله فی المحرمات جعل الله الکعبة الخ اعلم ان اتصال هذه الآية بما قبلها هو ان الله تعالى
حرم فی الایة المعتقعة الاصطیاد علی المحرم فین ان الحرم کما انه سبب لامن الوحش
والطیر فکذلك هو سبب لامن الناس عن الآفات و المخالفات و سبب لحصول الخیرات
و السعادات فی الدنیا و الآخرة اعلّموا الخ قال ابو السعود و عید لمن انتهک محارمه
و وعلا لمن حافظ علی مراعاة حرمة ما علی الرسول الخ قال ابو السعود تشدید فی ایجاب
القیام بما امر به ای الرسول قدتی بما وجب علیه من التبلیغ بما لا مزید علیه و قامت علیکم
الحجة و لزمکم الطاعة فلا علم لکم من بعد فی التفریط قل لا یستوی الخ قال ابو السعود
حکم عام فی نفی المساواة عند الله تعالى بین الرذی من الاشخاص و الاعمال و الاموال و
بین جيلینا قصد به الترغیب فی جید کل منها و التحذیر عن رذیها بانها اللین امنوا لا تستوا الخ

لما قال ما على الرسول الا البلاغ صار التقدير كأنه قال ما بلغه الرسول اليكم فخلوه وكونوا
مصدقين له وما لم يبلغه الرسول اليكم فلا تستلوا عنه ولا تخرجوا فيه ما جعل الله من بجرة الخ
قال المسكين اخذاً من ابي السعد ود و ابطال لما ابتدعه اهل الجاهلية الرابطل بعض
اعمالهم من تناولهم الضمر والميسر وغيرهما بابها الذين امنوا عليكم انفسكم الخ لما بين
انواع التكليف والشرائع والاحكام لم قال ما على الرسول الا البلاغ الى قوله وانما قيل لهم
تعالوا الخ فكانه تعالى قال ان هؤلاء الجهال مع ما تقدم من انواع المبالغة في الاعتذار والانتذار
والترغيب والترهيب لم ينفعوا بشيء منه بل بلوا مصرين على جهلهم مجدين على جهالتهم
وحالاتهم فلا تناولوا فيها المؤمنون بجهالتهم وحالاتهم بل كونوا متقين لتكليف الله مطيعين
لا واسره ونوعيه فلا يضركم خلافاتهم وجهالتهم بابها الذين امنوا اشهاداً بدينكم الخ قال
ابو السعد استئناف مسوق لبيان الاحكام المتعلقة بامور دينهم ثم بيان الاحوال المتعلقة
بامور دينهم يوم يجمع الله الرسل الخ اعلم ان عادة الله تعالى جارية في هذا الكتاب الكريم
انه اذا ذكر انواعاً كثيرة من الشرائع والتكليف والاحكام الجها اما بالالفاظ واما بشرح
احوال الانبياء او بشرح احوال القيامة ليصير ذلك مؤكداً لما تقدم ذكره من التكليف
والشرائع فلا جرم لما ذكر فيما تقدم انواعاً كثيرة من الشرائع ابتغى بوصف احوال القيامة
اولاً ثم ذكر احوال يحيى عليه السلام اذ قال الله يحيى ابن مريم اذكر الخ اعلم اننا بينا ان
الغرض من قوله للرسول ما اذا اجتمعت توابع من امر دينهم واستدلوا بالقرآن الى التوبخ
والسلامة النصارى لان طعن سائر الامم كان مقصود اعلى الانبياء وطعن هؤلاء تعدى الى
جلال الله وكبرياءه فلا جرم ذكر تعالى انه بعدد انواع نعمه على عيسى فان كل واحداً من
تلك النعم المعقودة تعدل على انه عبد وليس بالاله اذ قال الحواريون الخ قال ابو السعد
كلام مستأنف مسوق لبيان بعض ما جرى بينه عليه السلام وبين قومه منقطع عما قبله واذ قال
الله يحيى ابن مريم ه انت الخ قال ابو السعد اي اذكر وقت قول الله تعالى عليه السلام في
الاحمره توابعاً للكثرة وتكليفهم بالقرارة عليه السلام على رؤس الاشهاد بالعبودية وامره لهم
بعبادة عز وجل قال الله هذا يوم الخ قال ابو السعد كلام مستأنف عني به حكاية ما حكى معا
يقع يوم يجمع الله الرسل عليهم الصلوة والسلام واشير الى نتيجة وما له الله ملك السموات
الخ ان السورة اشتملت على انواع كثيرة من العلوم فمنها بيان الشرائع والاحكام والتكليف
منها المناظرة مع اليهود في انكارهم شريعة محمد عليه الصلوة والسلام ومنها المناظرة مع
النصارى في قولهم بالتثليث ففتح السورة بهذه التكة الزالية بآيات كل هذه المطالب

سورة الانعام

الحمد لله الخ قال المسكين اعلم من ابی السعود بیان الموجبات توحیده و بطلان اشراکهم به مع معبودهم لها هو الذي خلقکم من طین الخ قال ابو السعود استنباط مسوق لبيان بطلان کفرهم بالبحث مع مشاهدتهم لما یوجب الايمان به اثر بطلان اشراکهم به تعالی مع معبودهم لموجبات توحیده وهو الله الخ قال ابو السعود جملة مسوقة لبيان شمول احکام الهیة تعالی لجميع المخلوقات و احاطة علمه بغضایل احوال العباد و اعمالهم المؤدیة الى الجزاء اثر الاشارة الى تحقق المعاد و حالاتهم من اية الخ قال ابو السعود کلام مستأنف و ارد لبيان کفرهم بآیات الله و اعراضهم عنها بالکلیة بعد ما بین ابی الآیة الاولى اشراکهم بالله سبحانه و اعراضهم عن بعض آیات التوحید و فی الآیة الثانية امتراء هم فی البحث و اعراضهم عن بعض آیایة فقد کذبوا الحق الخ قال ابو السعود فان الحق عبارة عن القرآن الذي امرضوا عنه حين امرضوا عن کل ایه ایه منه عبرة بذلك ایهة لکمال فیح فافعلوا به فان تکذیب الحق مما لا يتصور مبدوره عن احدائهم برؤا کم اهلکنا الخ اعلم ان الله تعالی لما منعهم عن ذلك الاعراض و التکلیب و الاستهزاء بالتهنید و الوعيد تبعه بما یحرى مجرى الموعظة و النصیحة فی هذا الباب فو عظمهم بسائر القرون الماضية کقوم نوح و عاد و ثمود و غیرهم و لولولنا علیک الخ قال ابو السعود جملة مستأنفة سیلت بطریق تلویح الخطاب لبيان شدة مکیدتهم فی الکبائر و ما یطفرع علیها من الافادیل الباطلة الثریان اعراضهم عن آیات الله و تکذیبهم بالحق و استحقاقهم بذلك لنزول العذاب و ایه التنزیل ههنا ایه علیه السلام مع نسبة اثبات الآیات و مجئ الحق فیما سبق الیهم فلا شعاع یقدهم فی نوبة علیه السلام فی ضمن قدحهم لیسما نزل علیه صریحا و قالوا لا نزل الخ قال ابو السعود شروع فی قدحهم فی نوبة علیه السلام صریحا بعد ما اشیر الی قدحهم فیها طعنا و لقد استهزأ برسل الخ قال ابو السعود تسلیة لرسول الله صلی الله علیه و سلم عما یلقاه من قومه قل سیروا الخ قال ابو السعود بعد بیان ما فعلت الامم الخالية و ما فعل بهم حو طب رسول الله صلی الله علیه و سلم بانذار قومه و تذکیرهم باحوالهم القطیعة تحذیر الیهم عما هم علیه و تکلفة لستیة بما فی ضمنه من العدة المطفیة بانه سحیق بهم مثل ما حاق باضرابهم الاولین قل لمن ما فی السموات الخ قال المسکین عود الی تقریر التوحید و ابطال الشریک فی ایه شهادة الخ قال

لوجه المناسبة بین اولها و آخرها بلها ان کلها مشترک فی اثبات التوحید ۱۲ مع معنی

ابو السعود روى ان فريشا قال: ارسل الله صلى الله عليه وسلم يا محمد لقد سألنا عنك اليهود والنصارى فزعموا ان ليس عندهم ذكر ولا صفة فلو انهم يشهد لك انك رسول الله فسرلت قال المسكين فهو عود الى الجواب عن قدحهم في النبوة الذين اثبتا هم الخ قال ابو السعود جواب عما سئل من قولهم لقد سألنا عنك والخ و من اعظم الخ لما حكم على اولئك بالخسران بين سبب الخسران و يوم نحشرهم الخ قال المسكين بيان حال أهل الشرك يوم الجزاء و منهم من يستمع اليك الخ قال ابو السعود كلام مبدا مسوق لحكاية ما صدر في الدنيا عن بعض المشركين من احكام الكفر ثم بيان ما يبصرون عنهم يوم الحشر تقرير المآل و تحقيقا لمضمونه و هم يهون عند الخ قال المسكين بيان لسعيهم في كفر غيرهم مع كفر انفسهم ولو ترى الذوقوا على النار الخ قال ابو السعود شروع في حكاية ما يبصرون عنهم يوم القيامة من القول المتناقض لما صدر عنهم في الدنيا من القياح المحكية مع كونه كذبا في نفسه و قالوا ان هي الخ قال المسكين هذا لوطنة لما سألني من قوله تعالى و لو ترى الذوقوا على ربهم الخ بين في هذه الآية كيفية حالهم في القيامة قد خسر الذين كذبوا الخ اعلم ان المقصود من هذه الآية شرح حالة اخرى من احوال منكري البعث والقيامة و هي امران احدهما حصول الخسران والثاني حمل الأوزار العظيمة وما الحيالة الدنيا الخ قال ابو السعود لما حقق فيما سبق ان وراء الحياة الدنيا حياة اخرى يلقون فيها من الخطوب ما يلقون بين بعده حال تلك الحيتين في انفسهما قد تعلم انه يحزنك الخ قال ابو السعود استئناف مسوق لتسلياة رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الحزن الذي يعترضه مما حكى عن الكفرة من الاصرار على التكذيب المبالغ فيه ببيان انه عليه السلام يمكنه من الله عز وجل و ان ما يفعلون في حقه فهو راجع اليه تعالى في الحقيقة و انه يستقم بهم لا محاولة اشد النقام و لقد كتبت و سل الخ قال ابو السعود الحسان في تسليمه عليه الصلوة والسلام فان عموم البلية ربما يهون امرها بعض تهوين و ارشاد له عليه الصلوة والسلام الى لاقتداء بمن قبله من الرسل الكرام عليهم الصلوة والسلام في الصبر على ما اصابهم من امهم من قوته الازلية و عدة حسنية له عليه الصلوة والسلام يمثل ما يحسوه من التصبر و ان كان كبير عليك الخ قال ابو السعود كلام مستأنف مسوق لتأكيد ايجاب الصبر المستفاد من التسلياة ببيان انه امر لا محيد عنه اصلا لما يستحب الذين الخ اعظم انه تعالى بين السبب في كونهم بحيث لا يقبلون الايمان ولا يتركون الكفر و قالوا لو انزل الخ قال ابو السعود حكاية لبعض آخر من ما طيلهم بعد حكاية ما قالوا في حق القرآن الكريم و بيان ما يتعلق به و ما من دابة في الارض الخ لما قدم ذكر الكفار و بين انهم يرجعون الى الله و يحشرون بين ايضا بعده بقره و ما من دابة الخ انهم يحشرون و المقصود ببيان ان الحشروا

لبحث كما هو حاصل في حق الناس فهو ايضا حاصل في حق الهائم قال المسكين فالمراد
 نطق شان الحشر والذين كثيرا الخ قال المسكين بان لجهلهم وعنادهم مع قلعة المراهين
 لملجنة من يشاء الله يضلله الخ قال ابو السعود لتحقيق للحق وتقرير لما سبق من حالهم ببيان
 الهم من اهل الطبع لا يتأتى منهم الايمان اصلا قل ارايتكم ان انكم الخ قال ابو السعود امر
 لرسول الله صلى الله عليه وسلم بان يكتبهم ويلقهم الحجر بما لا سبيل لهم الى الشكر ولقد
 ارسلنا الى امم الخ اعلم الله تعالى بين في الآية الاولى ان الكفار عند نزول الشرائع يرجعون
 الى الله تعالى ثم بين في هذه الآية الهم لا يرجعون الى الله عند كل ما كان من جنس الشرائع
 بل قليقون مصرين على الكفر متجملين عليه غير راجعين الى الله تعالى فلما نسوا ما ذكروا
 به الخ اعلم ان هذا الكلام من تمام القصة الاولى قل ارايتكم ان اخذ الله الخ قال ابو السعود
 امر رسول الله صلى الله عليه وسلم تكرير التبكيت عليهم ونسبة الالتزام الاول قل ارايتكم
 ان اتاكم عذاب الله بفتح الخ قال السعود بتكيت اخر لهم بالاجابة الى الاعتراف باختصاص
 العذاب بهم و ما ترسل المرسلين الخ قال ابو السعود كلام مستأنف مسوق لبيان وخالف
 الرسالة على الاطلاق وتحقيق ما في عهدة الرسل عليهم السلام واظهار ان ما يقترحه الكفرة
 عليه عليه السلام ليس مما يتعلق بالرسالة اصلا قل لا تقول انكم الخ قال ابو السعود امتيناف
 مبني على ما اسس من السمة الالهية في شان ارسال الرسل و اتول الكتب مسوق لاظهار تورية
 عليه السلام عما يدور عليه مقرر حالتهم والمقربة الذين يخالفون الخ قال ابو السعود بعد ما
 حكى لرسول الله صلى الله عليه وسلم ان من الكفرة قوما لا يعطون ولا يتكفرون امر عليه
 الصلوة والسلام بوجه الانتذار الى من يتوقع منهم التاثر في الجملة ولا يطرود الذين الخ قال
 ابو السعود لما امر صلى الله عليه وسلم بالانذار المذكورين ليرتفعوا الى سلوك العتق ليس
 صلى الله عليه وسلم عن كون ذلك بحيث يزدى الى طردهم وكفلك فتنا الخ قال
 ابو السعود امتيناف مبني لما نشأ عنه ماسق من النهي هو قديمه تعالى لقراء المؤمنين في
 امر الدين يتولقهم للايمان مع ما هم عليه في امر الدنيا من كمال سوء الحال و اذا جاءك
 الخ قال المسكين امر بتفريقهم اثر النهي عن لبعدهم وكذلك تفصل الخ قال المسكين
 بيان لعادته تعالى المستمرة في تفصيل المهمات اثر التفصيل المذكور قل اني نهيت الخ
 قال ابو السعود امر عليه الصلوة والسلام بالرجوع الى مخالطة المعصين على الشرك
 اثر ما امر بمعاملة من عداهم من اهل الانذار والبشير بما يليق بحالهم قل اني على بينة الخ
 قال ابو السعود لتحقيق للحق الذي عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم و بيان لانباة اياه
 اثر ابطال الباطل الذي عليه الكفرة و بيان عدم اتباعه له ما عدى ما تستعملون الخ قال
 ابو السعود امتيناف مبني لخطا هم في شان ما جعلوه منشأ لتكذيبهم بهاء هو عدم محي ما

وعبد فيها من العذاب الذي كانوا يستعملونه وعند مفاتيح العيب الخ قال ابو السعد بيان
 لاختصاص المقصودات به تعالى من حيث العلم الرباني اختصاصا كنها به تعالى من حيث
 القدوة وهو الذي يعرفكم الخ اعلم انه تعالى لما بين كمال علمه بالآية الاولى بين كمال
 قدرته بهذه الآية وهو القادر فوق عباده الخ اعلم ان هذا نوع اخر من الدلائل الدالة على
 كمال قدرة الله تعالى وكمال حكمته قل من يحييكم الخ قال ابو السعد داي قل لهم تقرير لهم
 بانحفاظ شركتهم عن رتبة الانبياء قل هو القادر الخ قال ابو السعد استئناف مسوق لبيان
 انه تعالى هو القادر على القام في المهالك الرباني انه هو المتجنى لهم منها وفيه وعبد
 ضمنى بالعذاب لاشراكهم وكذب به الخ قال ابو السعد لبيان لغوهم ومكابرتهم وانما
 رأيت الذين يخرجون الخ اعلم انه تعالى في الآية الاولى بين ان الذين يكذبون بهذه الدين
 فانه لا يجب على الرسول ان يلازمهم وان يكون حفيظا عليهم ثم بين في هذه الآية ان
 اولئك المكذبين ان ضموا الى كفرهم وتكذيبهم الاستهزاء بالدين والطعن في الرسول
 فانه ينبغي الاحتراز عن مقارنتهم وترك مجالستهم وما على الذين يتقون الخ قال ابن
 عباس قال المسلمون لكن كما كلما استهزا المشركون بالقرآن وخلصوا فيه قناعتهم لما
 قدرنا على ان نجلس في المسجد الحرام وان نظوف بالبيت فزلت هذه الآية وخصت
 الرخصة فيها للمؤمنين بان يقدوا معهم وذكروهم ويهتموهم وذو الذين اخلوا الخ قال
 المسكين بيان لسوء حالهم في ضمن الامر بالاعراض عنهم وتذكير لهم بالقرآن قل اندعوا
 من دون الله الخ اعلم ان المقصود من هذه الآية الرد على عبدة الاصنام وهي مؤكدة لقوله
 قل اني نهيت وهو الذي خلق السموات الخ اعلم انه تعالى لما بين في الآيات المتقدمة فساد
 طريق عبدة الاصنام ذكر ههنا ما يدل على انه لا معبود الا الله وحده واذ قال ابراهيم لآبيه
 الخ اعلم انه سبحانه وتعالى كثيرا يبيح على مشركي العرب باحوال ابراهيم عليه السلام
 قال ابو السعد الذي يدعون لهم على ملته وتلك حججنا التي ها الخ اعلم انه تعالى لما حكى
 عن ابراهيم عليه السلام انه اظهر حجة الله تعالى في التوحيد ونصرها وذب عنها عدد وجوه
 نعمة واحسانه عليه فاولها قوله وتلك حججنا واثبتها انه تعالى خصه بالرفعة واثبتها انه جعله
 عزيزا في الدنيا وذلك لانه تعالى جعل اشرف الناس وهم الانبياء والرسل من نسله وذريته
 وما قصروا الله حق قدره الخ اعلم اننا ذكرنا ان مدار امر القرآن على اثبات التوحيد والشهادة
 والتمسك به انه تعالى لما حكى عن ابراهيم عليه السلام انه ذكر ذليل التوحيد وابطال الشرك
 وقروا تعالى ذلك الدليل بالوجوه الواضحة شرع بعده في تقرير امر الشبهة وهذا كتاب التوراة الخ
 اعلم انه تعالى لما ابطال الدليل قول من قال ما انزل الله على بشر من شيء ذكر بعده ان
 القرآن كتاب الله انزل الله تعالى على محمد عليه الصلوة والسلام ومن اعظم من القرى الخ

اعلم الله تعالى لما شرح كون القرآن كتاباً نزل لا من عند الله ذكر عقبه ما يدل على وعيد من ادعى النبوة والرسالة على سبيل الكذب والافتراء ولقد جئتموه فرادى الخ قال المسكين توبيخ لهم من الله تعالى بعد التوبيخ من الملكة ان الله فائق الحب الخ اعلم انه تعالى لما تكلم في التوحيد ثم اردف بضرير امر النبوة ثم تكلم في بعض بتفاريع هذا الاصل عاندها الى ذكر الدلائل الدالة على وجود الصانع وكمال علمه وحكمته تبيينها على ان المقصود الاصل من جميع المباحث العقلية والنقلية وكل المطالب بالحكمة انما هو معرفة الله تعالى بذاته وصفاته والحقائق الاصباح الخ هذا نوع اخر من الدلائل وهو الذي جعل لكم الخ هذا هو النوع الثالث من الدلائل وهو الذي انشاكم الخ هذا نوع رابع وهو الذي انزل الخ هذا النوع الخامس وجعلوا الله شركاء الخ اعلم انه سبحانه وتعالى لما ذكر هذه البراهين الخمسة من دلائل العالم الاسفل والعالم الاعلى على ثبوت الالهية وكمال القفوة والرحمة ذكر بعد ذلك ان من الناس من اثبت الله شركاء بدين السنوات والارض الخ اعلم انه تعالى لما بين فساد قول المشركين شرع في القامة الدلائل على فساد قول من يثبت له الولد ذلكم الله ربكم الخ قال المسكين كانه لذلك لجميع ما سبق مبينة لوجهه وعظمته قد جاءكم بصائر الخ قال المسكين بيان لفخامة الآيات المذكورة الدالة على تحقيق الحق وابطال الباطل وكذلك تصرف الخ قال المسكين بيان لحسن تصرف الآيات وخلال بعض وهداية بعض اتبع ما اوحى اليك الخ لال المسكين امر له عليه السلام بالثبات على تلك الآيات اثر بيان فحاشتها وحسن تصرفها وقدر المشركين فيها وبعدم الاعتداد بهم وبما عليهم ولو شاء الله الخ قال المسكين كانه لتسليته له عليه السلام في اشراكهم معرضين عن الآيات والانسواء الذين يدعون الخ قال المسكين لما ذكر في الآيات السابقة جهلهم وعنادهم فلا يعبدان يغضب بعض المسلمين ويشتموهم واليهيهم فيهي الله تعالى عنه وانقسموا بناله الخ لما ذكر فيما قبل ان الآيات المنزلة لم تنفع المشركين ذكر ههنا انهم طلبوا الآيات المفسرة تحسباً وعناداً وذكر جوابه ونقلب الخ قال المسكين مقرر لمعضون الجواب المذکور ولو انما تولنا اليهم الخ اعلم انه تعالى بين في هذه الآية تفصيل ما ذكره على سبيل الاجمال بقوله ما يشعر كم وكذلك جعلنا الخ قال ابو السعد كلام مبتداً مسوق لتسليته رسول الله صلى الله عليه وسلم عما كان يشاهده قال المسكين من اعتراضهم عن الآيات الالهية واصفانهم الى زعمهم القول وتخصي اليه الخ قال المسكين هو متمم للآية الاولى فغير الله بطل الخ اعلم انه تعالى كما حكى عن الكفار انهم اقسموا الخ واجاب عنه بانه لا فائدة في اظهار تلك الآيات لانه تعالى لو اظهرها لغير مصرين على كفرهم لم انه تعالى بين في هذه الآية ان الدليل الدال على نبوة قد حصل وكمال فكان ما يظنون طلباً للزيادة وذلك مما

لا یجب الالتفات الیه و إنما قلنا ان الدلیل الدال علی نبوة قد حصل بوجهین الاول قوله و هو الذی انزل الیکم الکتاب والثانی قوله والذین اتیانهم الکتاب و قال ابو السعد قوله تعالی و الذین اتیانهم الکتاب کلام مستأنف غیر داخل تحت القول المقدر مسوق من جهة تعالی لتتحقیق حقیة الکتاب الذی یطبه امر الحکمة قال المسکین و لعل هذا هو الاقرب لان الکلام فی تحقیق کون الآیات حقة صادقة لا فی امر السوء و تمت کلمة ربک الخ قال ابو السعد شروع فی بیان کمال الکتاب المذكور من حیث ذاته اثر بیان کماله من حیث اتصاله الیه تعالی بکونه منزلا منه بالحق و تحقیق ذلك بعلم اهل الکتاب به و ان تطع اکثر من فی الارض الخ قال المسکین تحذیر عن اتباع من اعرض عن الآیات الشامة المصادقة العادلة ان ربک هو اعلم الخ قال المسکین لفریر لما قبله ای لما کان الله تعالی عالما بالواقع فمن حکم علیه بالفضل فهو ضال لاشک فکلوا مما ذکر اسم الله علیه الخ قال ابو السعد امر مرتب علی النهی عن اتباع المضلین الذین من جملة اضلالهم تحلیل الحرام و تحریم الحلال قال المسکین ای خلاف الآیات و خلوا الخ اعلم انه تعالی لما بین انه فصل المحرمات اتبعه بما یوجب ترکها بالکلیة او من کان مینا الخ اعلم انه تعالی لما ذکر فی الآية الاولی ان المشرکین یجادلون المؤمنین فی ذین الله ذکر مثلاً یقل علی حال المؤمن المحدث و علی حال الکافر الضال و كذلك جعلنا الخ قال المسکین تنمة لحال المضلین المجادلین و فی ضمنه تسلیة لرسول الله صلی الله علیه وسلم و اذا جاء لهم لیه قائل ان تؤمن الخ قال المسکین و جوع الی بیان حال المعرضین عن الآیات المصرین علی الجهالات فمن بر دالله ان یتهدیه الخ قال المسکین بیان ان الانقاع بالآیات ببعض فضل الله تعالی فلا فائدة فی اظهار مقفحاتهم و هذا صراط ربک الخ قال المسکین بیان لکون مدلول الآیات حقاً فماللمتدکرین المستحقین لدار السلام و ولایة الله تعالی و یوم لحشرهم جمیعاً الخ اعلم انه تعالی لما بین حال من یتصک بالصراعة المستقیم بین بعده حال من یتکون بالظلم من ذلك لتکون قصة اهل الجنة مردفة بقصة اهل النار یمشرون الجن و الانس الخ قال ابو السعد شروع فی حکایة ما سبکون من توبیح المعشرین و التوریعهم بطریقهم لیما یعلق بخاصة انفسهم اثر حکایة توبیح مشر الجن بانفواء الانس و اضلالهم و بیان حال امرهم ذلك ان لم یکن الخ اعلم انه تعالی لما بین انه ما عذاب الکفار الا بعد ان بعث الیهم الانبیاء و الرسل بین بهذه الآية ان هذا هو العدل و الحق و لكل فوجات الخ اعلم انه تعالی لما شرح احوال اهل الثواب و التراجات و احوال اهل العذاب و التراجات ذکر کلاماً کلیاً و ربک الغنی الخ بین ان تخصیص المعطین بالثواب و المملین بالعذاب لیس لاجل انه محتاج الی طاعة المعطین او یتقص بمعصية المملین قل یقوم العملوا الخ اعلم انه لما

بین بقوله الباقی توعلنون امر رسولہ من بعدہ ان یتکبر البعث من الکفر و جعلوا اللہ الخ اعلم انہ تعالیٰ لما بین قبح طریقہم فی انکارہم البعث والقیامۃ ذکر عقیدۃ التوابع من جهة الایہم و رکائکات الوالیہم و كذلك زین الخ اعلم ان هذا هو النوع الثاني من احکامہم القاسدة و فاقوا بما ملأہم الباطلة قالوا هذه انعام الخ اعلم ان هذا نوع ثالث من احکامہم القاسدة و فاقوا بما فی الخ هذا نوع رابع من انواع قضایاہم القاسدة و هو الذی اقتضت الخ قال ابو السعد لمہید لما سیأتی من تفصیل احوال الانعام انی هو الذی انشا من غیر شرکتہ لاحد فی ذلك یوجہ من الوجوہ و من الانعام حمیدہ لانی ابو السعد شروع فی تفصیل حال الانعام و ابطال ما تقولوا علی اللہ تعالیٰ فی شأناہم بالتحريم و التحلیل قل لا تجد فیما اوحی الخ اعلم انہ تعالیٰ لما بین فساد طریقۃ اهل الجاہلیۃ فیما یحل یحرم من المعطوعات اتبعہ بالیان الصحیح فی هذا الباب سیقول الذین اشرکو الخ قال ابو السعد حکایۃ لکن اخر من کفرہم قل علم شہداء کم الخ اعلم انہ تعالیٰ لما ابطال علی الکفار جمیع انواع حججہم بین انہ لیس لہم علی قولہم شہود البتۃ قل تعالوا الخ اعلم انہ تعالیٰ لما بین فساد ما یقولہ الکفار ان اللہ حرم علیہما کذا و کذا اودلہ بیان الاشیاء انی حرمہا علیہم و ان هذا صراطی الخ انہ تعالیٰ لما بین فی الایمان المتعلقین ما و حی بہ اجمل فی اخرہ اجمالا یقتضی دخول ما تقدم فیہ و دخول سائر الشریعۃ فیہ ثم شہد موسى الخ قال ابو السعد کلام مسوق من جهة تعالیٰ لقریر النوصیۃ و تحلیفہا لہا و تمہید الباقیہ من ذکر انزال القرآن المجید کما بینتی عندہ تفسیر الاسلوب بالانکشاف الی التکلم هل یظرون الخ اعلم انہ تعالیٰ لما بین انہ انما انزل الکتاب لایزالہ لعلہ و لراحۃ للقلوب بین انہم لا یؤمنون البتۃ و شرح احوالا توجب الباس عن دخولہم فی الایمان ان الذین فرلوا الخ قال ابو السعد استنباط لیان احوال اهل الکتابین الزبائن احوال لمشرکین من جاء بالحسنۃ الخ قال ابو السعد استنباط من لعلہ ذبرا خزیرۃ العاملین قل انی ہدی الخ قال ابو السعد امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بان ینزل علیہم معو علیہ من الذین الحق الذی یدعون الیہم علیہ و لقد فارقوہ بالکلیۃ قل ان صلاتی الخ قال ابو السعد عید الامر لما ان الباقی موزعہ علی فروع الشرائع و ما سبق باصولہا قل انی اللہ اعلم انہ تعالیٰ لما امر محمدا صلی اللہ علیہ وسلم بالوحید المحض امرہ بان ینزل ما یجرى مجرى الخلیل علی صحبۃ هذا الوحید ثم بین انہ لا یرجع الیہ من کفرہم و شرکهم ثم ولا عقاب ثم بین تعالیٰ ان رجوع هؤلاء الشرکین الی موضح لاحکام فیہ ولا امر الا اللہ تعالیٰ و هو الذی جعلکم الخ قال المسکین بین فی ہذہ الآیۃ الامور الحاملۃ علی ابطال جمیع الاوامر من النعم و الاجتناب عن جمیع التواہی من العلم فکنتہا تاکید و تقریر لجمیع ما فی السورۃ مع غیرہا واللہ اعلم

سورة الاعراف

البحر اما انزل الخ اعلم ان امر الرسالة لما يتم بالمرسل و هو الله سبحانه و تعالى والمرسل و هو الرسول والمرسل اليه و هو الامة فلما امر في الآية الاولى الرسول بالتبليغ والانتذار مع قلب قوى و عزم صحيح امر المرسل اليه و هو الامة فلما امر في الآية الاولى الرسول بالتبليغ والانتذار مع قلب قوى و عزم صحيح امر المرسل اليه و هم الامة بمطاعة الرسول و كم من الحرية اهلكناها الخ اعلم انه تعالى لما امر الرسول عليه الصلوة و السلام بالانتذار و التبليغ و امر القوم بالقبور و المطاعة ذكر في هذه الآية ما في ترك المطاعة و الاعراض عنها من الوعيد المنتهين الذين الخ قال ابو السعود بيان لعذابهم الاخر وى الر بيان عذابهم القلوى خلافا له قد تعرض لبيان مبادئ احوال المكلفين جميعا لكونه ادخل في التحويل و الوزن يومئذ الخ اعلم انه تعالى لما بين في الآية الاولى السؤال و الحساب بين في هذه الآية وزن الاعمال و لقد مكنا كم في الارض الخ اعلم انه تعالى لما امر الخلق بمطاعة الانبياء عليهم السلام لم خوفهم بعذاب الدنيا لم خوفهم بعذاب الآخرة و غيهم في هذه الآية بطريق اخر و هو انه كثرت نعم الله عليهم و كثرة النعم لوجب الطاعة و لقد خلقناكم الخ قال ابو السعود تذكير لتعظيم عظمة النعمة على ادم عليه السلام سارية الى طرفة عوجة لشكرهم كاف يا بنى ادم قد انزلنا الخ في نظم الآية و جهان الاول انه تعالى لما بين الله امر ادم و حواء بالهبوط الى الارض و جعل الارض مستقرا ليس بعده انه تعالى انزل كل ما يحتاجون اليه في الدين و الدنيا من جعلها لباس الوجه الثاني انه تعالى لما ذكر واقعة ادم في انكشاف العورة و انه كان يخصف الثور و عليها تبعه بان بين الله للخلق لباس الخلق ليسروا بها عورتهم و نبيه على المنته العظيمة على الخلق بسبب انه افترهم على السر يا بنى ادم لا يفتنكم الخ اعلم ان المقصود من ذكر قصص الانبياء عليهم السلام حصول العبرة لمن يسمعها فكانه تعالى لما ذكر قصة ادم و بين فيها شدة عداوة الشيطان لادم و اولاده اليها بان حزنوا لاد ادم من قول وسوسة الشيطان و اذ فعلوا فاحشة الخ قال المسكين بيان لولاية الشيطان للكافرين في فعلهم الفاحشة و تقليدكم الضل و افتراء هم على الله تعالى قل امر ربي بالقسط الخ اعلم انه تعالى لما بين

لما بين في اخر السورة المنظمة من ذلك ليس على الله عليه و سلم و ما هو عليه من الدين الحق يقره الله ليس عبادي الخ امر في اول هذه السورة بتبليغ دينه ذلك الى الناس و ايضا كان المذكور في خلاصة السورة الاول كونه تعالى سريع الحساب و ذكر في اول هذه السورة سوان الامم و الانبياء و الوزن لمصداق العاصية بهذين الوجهين ۱۲ منه على وجه

امر الامر بالقحشاء بین تعالیٰ ان يأمر بالقسط والعدل والقیما و جوہکم الخ قال المسکین
 هذا من جملة القسط و کذا قوله وادعوه ثم اشار بقوله كما برأکم الخی وقوع الجزاء لم بین
 حال القاتمین بالقسط والساکنین عنه بقوله فریقا ھدی ثم حال ضلالتھم بقوله انھم اتخذوا
 الخ یا بنی آدم خذوا الخ اعلم ان الله تعالیٰ لما امر بالقسط فی الآية الاولى و كان من جملة
 القسط امر الناس و امر الماکول والمشروب لاحرم تبعہ بذكرهما قل الماحرم ربی القوا حلت الخ
 اعلم ان الله تعالیٰ لما بین فی الآية الاولى ان الذی حرّمہ لیس بحرام بین فی هذه الآية انواع
 المحرمات و لكل امعة اجل الخ ان الله تعالیٰ لما بین الحلال والحرام و احوال التکالیف بین ان
 لكل احد احلا معین لا یقضم ولا یأخر و لاجاء ذلك الاجل مات لامعالة والعرض منه التعویف
 لیتحدد المسء فی القیام بالتکالیف كما ینبغی یا بنی آدم اما بالنسبة الخ اعلم ان الله تعالیٰ لما
 بین احوال التکالیف و بین ان لكل احد اجلا معین لا یقضم ولا یتأخر بین انھم بعد الموت انہ
 كانوا مطہرین فلا خوف علیھم ولا حزن وان كانوا مستمرین والقوا فی لشدة العذاب فمن اعظم
 من اقتری الخ اعلم ان قوله تعالیٰ فمن اعظم يرجع فی قوله والذین کذبوا قال لا خلوا فی اسم الخ
 اعلم ان هذه الآية من بقية شرح احوال الکفار و هو ان الله تعالیٰ یدخلھم النار ان الذین کذبوا الخ
 اعلم ان المقصود من تمام الکلام فی وعید الکفار والذین اسوا و عملوا الخ اعلم ان الله تعالیٰ
 لما اسوفی الکلام فی الوعد تبعہ بالوعد فی هذه الآية و نادى اصحاب الجنة الخ اعلم انہ
 تعالیٰ لما شرح وعید الکفار وثواب اهل الايمان و الطاعات تبعہ بذكر المناظرات التی تلور بین
 الفريقین ولقد جئنا ھم بکتاب الخ اعلم ان الله تعالیٰ لما شرح احوال اهل الجنة و اهل النار
 و اهل الاعراف ثم شرح الكلمات الذاتة بین هؤلاء الفرق الثلاث علی وجه یبصر سماع
 لتلك المناظرات حاملا للمکلف علی الحل والاحترار و ادعائه الی النظر والاستدلال
 من شرف هذا الکتاب الکريم و نهاية متفعة هل یظنون الخ اعلم ان الله تعالیٰ لما بین اراحة
 العلة لست ازال هذا الکتاب المفصل الموجب للهداية والرحمة بین بعدہ حال من کذب
 ان ویکم الله الخ اعلم انابنا ان مدار القرآن علی تقرير هذه المسائل الأربع و هی التوحید
 والنبوة والمعاد والقضاء والقدر ولا شک ان مدار اثبات المعاد علی اثبات التوحید والقدر
 والعلم فلما بالغ الله تعالیٰ فی تقرير المعاد عاد الی ذکر الدلائل الدالة علی التوحید و کمال
 القدرة والعلم لتصری تلك الدلائل مقررة لاحول التوحید و مقررة ايضا لاثبات المعاد
 و ادعوا بکم الخ اعلم ان الله تعالیٰ لما ذکر الدلائل الدالة علی کمال القدرة والحکمة والرحمة
 تبعہ بذكر الاعمال الثلاثة بتلك و هو الذی یوصل الیها الخ لما ذکر دلائل الالهية و کمال
 العلم والقدرة من العالم العلوی تبعہ بذكر الدلائل من بعض احوال العالم السفلی قال

المسکین واستبدل فی حتمته علی صحبة البعث بقوله کن لک نخرج الموتی والبلدة لطیب الخ قال ابو السعود و هذا كما ترى مثل لازمال الرسل علیهم السلام بالشرائع الی الی ما فی حیلولة القلوب الی المکلفین المتفسمین الی المقسبین من انوارها والمحرومین من مفالم انوارها و قد عتب ذلك بما یحققه و یقره من قصص الامم العالیة بطریق الاستنباط فلیل و لقد ارسلنا نوحا الخ فی الکبر^۱ اعلم انه تعالی لما ذکر فی تقدیر المبدأ والمعاد دلائل ظاهرة و بیدات ظاهرة و براهین ظاهرة البهائیة کر قصص الانبیاء علیهم السلام و فیة فوائد احدها التنبیه علی ان اعراض الناس عن قبول هذه الدلائل من عوامس قوم محمد علیه الصلوة والسلام بل هذه العادة المذمومة كانت حاصلة فی جمیع الامم و السالفة و المصیبة اذا عمت خفت لیسفید تسلیة الرسول علیه السلام و لانها انه تعالی یحکمی فی هذه القصص ان عالیة المنکرین کان الی الکفر و اللعن و الحصار و عاقبة امر المحفلین الی الدولة و السعادة و ذلك یقوی قلوب المحفلین و یکسر قلوب المبطلین و لانها التنبیه علی انه تعالی و ان کان یجمل هؤلاء المبطلین ولكنه لا یهملهم بل ینتقم منهم علی اکمل الوجوه و رابعها بیان ان هذه القصص داللة علی نوة محمد علیه الصلوة والسلام لانه علیه السلام کان امیا و ما طالع کتابا ولا لیسجد استاذ الا اذا ذکر هذه القصص علی الوجه من غیر تحریف ولا عطف بل ذلك علی انه اما عرفها بالوحی من الله و ذلك یدل علی صحبة نبوته و ما ارسلنا فی قریة الخ قال ابو السعود اشارة اجمالیة الی بیان احوال سائر الامم اثر بیان احوال الامم المذكورة تفصیلا و لو ان اصل القری الخ اعلم انه تعالی لما بین فی الآية الاولى ان الذین عصوا و تمردوا اعطاهم الله بغة بین فی هذه الآية انهم لو طاعوا لفتح الله علیهم ابواب الخیرات او لم یهد للذلین یرتدون الخ اعلم انه تعالی لما بین فیما تقدم من الآیات حال الکفار الذین اعطاهم الله تعالی بالاستیصال مجسلا و مفصلا اتبعه بیان اعراض من ذکر هذه القصص حصول العبرة لجمیع المکلفین فی مصالح افعالهم و طاعتهم لم یعضن بعضهم موسی^۲ الخ اعلم ان هذا هو القصة السادسة من القصص الی ذکرها الله تعالی فی هذه السورة و ذکر فی هذه القصة من الشرح و التفصیل ما لم یدکر فی سائر القصص لاجل ان معجزات موسی كانت القوی و جهل لومه کان اعظم و الفحش الذین یبغون الرسول الی الی الخ اعلم انه تعالی لما بین ان من صفة من ینکب له الرحمة القوی و ابتداء الذکوة و الایمان بالآیات ضم الی ذلك ان ینکون من صفة اتباع النبی الی الی فیکانه تعالی بین بهذه الآية ان هذه الرحمة لا یفوز بها من بنی اسرائیل الامن

۱- فهو مصوره مناسب لقوله فان لم یجد الماء فاحر حذیه من کل الثمرات بعدد ما یسبب لقوله ولقد احسنهم کتابا
 ۲- فلهذا یبحث الظاهر فی التنبیه بقوله لوم یؤمن ۱۲ منه ۳- صرح به لئلا یسببه علی الظاهر منه من التفسیر الی السعود
 ۴- الی امر القصة ۱۲ منه

انقضى واتى الزكوة وامن بالدلائل في زمن موسى و من هذه صفات في ايام الرسول اذا كان مع ذلك متبعاً للنبي الامي في شرايعه قل يا ايها الناس الخ قال ابو السعد لما حكى ما في الكتابين من نعمات رسول الله صلى الله عليه وسلم و شرف من يتبعه من اهلها و نيلهم المساعدة الدارين امر عليه الصلوة والسلام ببيان ان تلك المساعدة غير مختصة بهم بل شاملة لكل من يتبعه كالما من كان بيان عموم رسالة للظلمين مع اختصاص رسالة سائر الرسل عليهم السلام بما قوامهم و من قوم موسى امة الخ قال ابو السعد كلام مبتداً مسوق للبلغ ما عسى يوضحه تخصص كتب الرحمة والتقوى و الايمان بالآيات بمذبي رسول الله صلى الله عليه وسلم من حرمان اسلاف قوم موسى من كل خير و بيان ان كلهم ليسوا كما حكيت احوالهم بل منهم امة الخ و قطعاهم التي عشرة الخ قال المسكين هذا بقية من حكاية قصة بني اسرائيل و اسألهم عن القرية التي الخ قال المسكين هذا ايضاً بعض قبائح اليهود و اثنان و ريك الخ قال المسكين هذا بيان الجزاء لهم من الذل و الصغار التي ريان قبائحهم و قطعاهم في الارض الخ هذا ايضاً من بقايا احوالهم الى قوله تعالى و اذنتنا الجبل الخ و اذا جربك الخ لما شرح قصة موسى عليه السلام مع توابها على القص الوجوه ذكر في هذه الآية ما يجري مجرى تقرير الحجة على جميع المكلفين و اهل عليهم بالذي الخ قال المسكين هذا تفريح لمن ضل بعد العلم و الهدى كتحقق علماء بني اسرائيل الذين ذكرت احوالهم فيما قبل او كل من ذكره الله تعالى بآياته و موافقه التي اخلصها في عالم الفلك كما يدل عليه قوله تعالى ذلك مثل الذين كذبوا الخ ساء مثلاً القوم الذين الخ اعلم انه تعالى لما قال بعد تمثيلهم بالكلب ذلك مثل القوم الذين كذبوا بآياتنا و زجر بذلك عن الكفر و التكذيب الكره في باب الزجر بقوله ساء مثلاً من يهدى الله الخ اعلم انه تعالى لما وصف الضالين بالوصف المذكور و عرف حالهم بالمثـل المذكور بين في هذه الآية ان الهداية و الضلالة من الله تعالى و لقد ذرأنا الجحيم الخ قال ابو السعد كلام مستأنف مقرر لمضمون ما قبله بطريق التلـيـل و لله الاسماء و الحسنی الخ قال ابو السعد تبيين للمؤمن على كيفية ذكره تعالى و كيفية المعاملة مع المصلحين بذلك العاقلین عنه سبحانه و عما يليق به التريـان غفلتهم التامة و حالانهم الطامة و ممن خلقنا امة يهدون الخ اعلم انه تعالى لما قال و لقد ذرأنا فاعبر ان كثيراً منهم مخلوقون لتاريخه بقوله و ممن خلقنا امة ليبين ايضاً ان كثيراً منهم مخلوقون للجنة و الذين كذبوا بآياتنا الخ اعلم انه تعالى لما ذكر حالي الامة الهادية المعادلة اعاد ذكر المكلفين بآيات الله تعالى و ما عليهم من الوعيد اولم يتفكروا الخ قال ابو السعد كلام مبتداً مسوق لانكار عدم تفكيرهم في شأنه عليه الصلوة والسلام و جهلهم بحقيقة حال الموجهة للايمان به و بما انزل عليه من الآيات التي كذبوا بها اولم ينظروا في ملكوت الخ قال ابو السعد استئناف

آخر مسوق للاستحکام والتوايخ باخلالهم بالشامل فی الآيات التكررية المنصوبة فی الاتفاق
والانفس الشاهدة لحصة مضمون الآيات المنزلة الر ما فعلی علیهم باخلالهم بالتصکر فی
شأنه علیه الصلوة والسلام من یضلل الله الخ قال ابو السعود استیفاء مقرر لما قبله من
عن الطبع علی قلوبهم یستلونک عن المعانة الخ قال ابو السعود استیفاء مسوق لبيان
بعض احکام خصالهم وطعنهم قل لا املك الخ قال ابو السعود شروع فی الجواب عن
السؤال بیان عجزه عن علمها اثر بیان عجز الكل عنه وابطال زعمهم الذي بنوا علیه سؤلهم
من كونه علیه الصلوة والسلام ممن یعلمها هو الذي خلقکم من نفس واحدة الخ اعلم انه
تعالی رجع فی هذه الآية الى تقرير امر التوحيد وابطال الشریک عند الخلق قال ابو السعود
بعد ما علمنا ابطال المشركين وقيادتهم ما لا یطاق لحمله امر علیه السلام بجامع مکارم
الاخلاق التي من جعلها الاغضاء عنهم واما بنز غنک الخ قال ابو زيد لما نزل قوله و اعرض
عن الجاهلین قال النبی صلی الله علیه وسلم کيف یارب والغضب فتول قوله و اما بنز غنک
ان الذين اتقوا الخ قال ابو السعود استیفاء مقرر لما قبله بیان ان ما امر به علیه السلام من
الاستعانة بالله تعالى سنة مسلوک للعطین والاخلال بهاتین العاویین و اذا لم یأتهم بأية الخ
قال المسکین عود الى البات حقیقة الآيات المنزلة علیه السلام وكفایتها فی امر الایمان و
اغتنائها عن الآيات المفسرة حذو اذا قرئ الخ قال ابو السعود ارشاد الى طریق القول بها
اضمر اليه من المنافع الجليلة التي یطوی علیها القرآن واذکر ربک الخ قال المسکین
لما كانت صلاة العدة كورة منه علیه السلام بالجهر لیسکون السامع من استماعه امر فی
هذه الآية بالذكر الخطی لیس حق الجلالة والعلو ان الذين عند ربک الخ لما رغب الله
رسوله فی الذکر و فی المواظبة علیه ذکر عقبه ما یقری دواعیه فی ذلك

سُورَةُ الْاَنْفَالِ

انما المؤمنون الذين اتبع الله لما قالوا وطيعوا الله ورسوله ان كنتم مؤمنين و
 انتم في ذلك كون الايمان مستلزما للطاعة شرح ذلك في هذه الآية مزيد شرح وتفصيل
 و بين ان الايمان لا يحصل الا بتحت حصول هذه الطاعات كما امر حرك ربك الخ قال المسكين
 عود الى حكم الانفال والتشبيه في الكراهة حالا والموافقة للحكمة مالا و اذ بعدكم الله الخ
 قال المسكين تفصيل لقصة بدر بابها الذين امنوا اذا القيت الخ قال ابو السعود خطاب للمؤمنين
 بحكم كلتي جازيما سبق من الوقائع والحروب حتى به في تصانيف القصة اظهار الاعتناء
 بشأنه ومبالغة في حثهم على المحافظة عليه فلم يقلوهم الخ قال ابو السعود رجوع الى
 بيان بقية احكام الواقعة و امرها وتقرير ما سبق منها ان تستطيعوا فقد الخ قال ابو السعود
 خطاب لاهل مكة على سبيل النهك بهم وذلك انهم حين اراوا الخروج تعلقوا باستار
 الكعبة وقالوا اللهم انصر على الجندين و اعدى القوتين و اكرم الحوزين بابها الذين امنوا
 اطيعوا الخ قال المسكين لما خاطب اهل مكة بالنهكهم امر المؤمنين بان لا يكونوا مثلهم بل
 يطيعوا الله ورسوله واتقوا فتنة الخ قال المسكين لما امر في الآية الاولى بالاطاعة والاستجابة
 امر في هذه الآية بحمل غيرهم عليها بالامر بالمعروف والنهي عن المنكر والذكر اذا اتم الخ
 قال المسكين بيان لموجبات الاطاعة من نعم الجليظة بابها الذين امنوا لا تخونوا الله الخ
 قال المسكين لما امر فيما قبل الاطاعة نهى عنها عن المعصية والخيانة ولما كان الحامل
 عليها في الغلب حب المال والولد شرح كونها فتنة بابها الذين امنوا ان تقفوا الله الخ
 قال المسكين فيه الحث على التقوى و بيان كونه مدار السعادة الدنيا والاخرة امر الله
 فيما قبل وان يمتكركم ربك الخ اعلم انه تعالى لما ذكر المؤمنين نعمه عليهم بقوله و اذكروا اذا نعم
 قليل فكذلك ذكر رسوله نعمه عليه واذا اقل عليهم ايما الخ اعلم انه تعالى لما حكى مكرهم
 في ذات محمد حكى مكرهم في دين محمد صلى الله عليه وسلم وما كان الله ليعليهم الخ

لما اطل طريقة المفسر في حاشية السورة السابقة هو الجهاد بالسان بين في هذه السورة استحكام الجهاد
 بالسان ١٢ هـ

قال ابو السعد جواب لكلهم الشفاء و بيان للموجب لامهالهم والتوقف في اجابة دعائهم و ما لهم ان لا يعطيهم الخ قال ابو السعد بيان لاستحقاقهم العذاب بعد بيان ان المنع ليس من اليهم و ما كان صلاتهم الخ قال ابو السعد مساق الكلام لتقرير استحقاقهم العذاب او عدم ولايتهم للمسجد فانها لا تلحق بمن هذه صلاته ان الذين كفروا يظنون الخ اعلم انه تعالى لما شرح احوال هؤلاء الكفار في الطاعات البدنية اتبعها بشرح احوالهم في الطاعات المالية قال المسكين و حسن موقعها ههنا نزولها في المطعمين يوم بدر قل للذين كفروا الخ اعلم انه تعالى لما بين صلاتهم في عبادتهم البدنية و عبادتهم المالية ارشدناهم الى طريق الصواب و قائلوهم حتى الخ اعلم انه تعالى لما بين ان هؤلاء الكفار ان اليهود عن كفرهم حصل لهم العثران و ان عاينواهم مع عدون بسنة الاولين اتبعه بان امر بقائلهم اذا اصرروا واعلموا ان ما علمتم الخ اعلم انه تعالى لما امر بالمقاتلة في قوله و قتلوهم و كان من المعلوم ان عند المقاتلة قد تحصل الغيبة لا جرم ذكر الله تعالى حكم الغيبة اذا تم بالعدو الدنيا الخ قال المسكين متعلق بمر بابها الذين امنوا اذا قلتم الخ اعلم انه تعالى لما ذكر انواع نعمه على الرسول و على المؤمنين يوم بدر علمهم اذا انظروا الثبات و ان يذكر الله كثيرا و اوزن لهم الشيطان الخ قال المسكين هذا ايضا متعلق بمر ولو ترى ان يقول الخ اعلم انه تعالى لما شرح احوال هؤلاء الكفار شرح احوال موتهم والعذاب الذي يصل اليهم كذاب ال فرعون الخ لما بين عاقبته باعل بدر من الكفار عاجلا و اجلا اتبعه بان بين ان هذه طريقة و سنة في الكل فقال كذاب الخ لم ذكر ما يجري مجرى العلة في العذاب الذي انزله بهم فقال ذلك بان الله الخ ان شر الدواب الخ قال ابو السعد بعدما شرح احوال المهلكين من شرار الكفرة شرع في بيان احوال الباقيين منهم و تفصيل احكامهم فلما انتقدتهم الخ قال ابو السعد شرع في بيان احكامهم بعد تفصيل احوالهم و لا يحسن الذين كفروا و اسبقوا الخ اعلم انه تعالى لما بين ما يفعل الرسول في حق من يجده في الحرب و يتمكن منه و ذكر ايضا ما يجب ان يفعلهم فيمن ظهر منه نقض العهدين ايضا حال من فاته في يوم بدر وغيره و اعتذر لهم الخ اعلم انه تعالى لما اوجب على رسوله ان يشرذم من صغر عنه نقض العهد وان ينبل العهد الى من عاف منه النقض امره في هذه الآية بالاعداد لهؤلاء الكفار قال ابو السعد ان لقتل الكفار على الاطلاق و هو الاتسب لسياق النظم الكريم و ان جنحوا الخ اعلم انه لما بين ما يرب

به العدو من القوة والاستظهار بين بعده الهم عند الارهاب اذا جنحو الى ما لو الى الصلح
 فالحكم قول الصلح قال المسكين لم لما كان في الصلح احتمال الخداع و عدليه بحسبانه
 تعالى اياه و غلبه بنصره وبالمؤمنين في قوله و ان يريدوا الخ يا ايها النبي حسيك الله و من
 اتبعك الخ قال ابو السعود شروع في بيان كفاية تعالى اياه عليه الصلوة والسلام في جميع
 اموره وامور المؤمنين او في الامور الواقعة بينهم وبين الكفرة كافة التي بيان كفايته تعالى اياه
 عليه الصلوة والسلام في مادة خاصة بابها التي حرص الخ بعد ما بين كفايته اياهم بالنصروا
 لامداد امر عليه الصلوة والسلام بترتيب مبادئ نصره و امداده ما كان للنبي ان يكون الخ
 واعلم ان المقصود من هذه الآية تعليم حكم اخر من احكام الغزو و الجهاد في حق النبي صلى
 الله عليه وسلم بابها التي قل لمن في اليديكم الخ اعلم ان الرسول لما اخذ القداء من الاسارى و
 شق عليهم اخذوا الهم منهم ذكر الله تعالى هذه الآية استعماله الهم ان الذين امنوا وهاجروا
 التي غير السرورة اعلم انه تعالى قسم المؤمنين في زمان الرسول صلى الله عليه وسلم الى اربعة
 القسم و ذكر حكم كل واحد منهم و تقرير هذه القسمة انه عليه السلام ظهرت نبوة بمكة
 ودعا الناس هناك الى الدين ثم انتقل من مكة الى المدينة فحين هاجر من مكة الى المدينة
 صار المؤمنون على السمين منهم من والعه في تلك الهجرة و منهم من لم يوافقه فيها بل
 بقي هناك اما القسم الاول فهم المهاجرون الاولون و قبوا صفهم بقوله ان الذين امنوا الخ
 و انما قلنا ان المراد منهم المهاجرون الاولون لانه تعالى قال في آخر الآية والذين امنوا من
 بعدهم وهاجروا و اما القسم الثاني من المؤمنين الموجودين في زمان محمد صلى الله عليه
 وسلم فهم الانتصار او لو نصره و القسم الثالث من القسم مؤمنى زمان الرسول عليه السلام
 و هم المؤمنون الذين ما وافقوا الرسول في الهجرة و بقوا في مكته و هم المعنون بقوله والذين
 امنوا و لم يهاجروا القسم الرابع من مؤمنى زمان محمد صلى الله عليه وسلم هم الذين لم
 يوافقوا الرسول في الهجرة الا انهم بعد ذلك هاجروا اليه و هو المراد من قوله تعالى والذين
 امنوا من بعد قال المسكين لما كانت الوظيفة هو الجهاد وقت القفرة و الهجرة عند المعجز
 ذكر الهجرة و بعض احكامها بعد ذكر الجهاد

سُورَةُ التَّوْبَةِ

ما كان للمشركين ان يعمرُوا مساجد الله التي عظم الله تعالى بدء السورة بذكر البراءة عن الكفار والبالغ في ايجاب ذلك و ذكر من افراغ فضائلهم و ابايهم ما وجب تلك البراءة قال المسكين واضمر ذلك باعائتهم اجانباً عما اختصروا بها يابها الذين امتروا لا تدخلوا ابناءكم اليها قال المسكين اخذوا من الكبر لعل البالغ في البراءة عن الكفار كان مقصداً ان يقال ان البراءة عن الاقارب صعب جداً ذكرها في هذه الآية لقد نصركم الله في مواطن الخ قال المسكين لما امر الله تعالى فيما قبل بتر جميع موالاة الله تعالى على موالاة غيره والقطع عما سواه الكدة بذكر كبير واقعة حين واضرابها بان كثرة جماعتكم لم تكن شيئا والما ظمكم نصر الله تعالى لحق عليكم التوكل عليه لا على غيره يابها الذين امتروا انما المشركون الخ لما امر صلى الله عليه وسلم عليا ان يقرأ على مشركي مكة اول سورة براءة وينبذ اليهم عهدهم قالوا اناس مستعلمون ما تلقونه من الشدة لانقطاع السبل ولقد الحملات فزلت هذه الآية واجاب الله تعالى بقوله و ان احلتم عليه قاتلوا الذين قال ابو السعد دامرهم يقتال اهل الكتابين اترامرهم يقتال المشركين و قالت اليهود الخ قال ابو السعد جملة مبتدأة سبقت لتقرير ما مر من عدم ايمان اهل الكتابين بالله سبحانه و انتظامهم بذلك في سلك المشركين اخذوا اخبارهم الخ قال ابو السعد زيادة تقرير لما سلف من كثرة هم بالله تعالى يريدون ان يظفروا الخ اعلم ان المقصود منه بيان نوع من الافعال القبيحة الصادرة عن رؤساء اليهود والنصارى وهو سعيهم في ابطال امر محمد صلى الله عليه وسلم هو الذي ارسل رسول الله صلى الله عليه وسلم انما حكي عن الاعداء هم يحاولون ابطال امر محمد صلى الله عليه وسلم و بين تعالى انه يابى ذلك الابطال و انه يتم امره من كيفية ذلك الاتهام يابها الذين امتروا ان كثيرا الخ قال ابو السعد دشروع في بيان حال الاخبار و الزهري في اغوائهم لارذائلهم اتر بيان سوء حال الاتباع في اتخاذهم لهم اربابا ان عدة الشهور الخ قال المسكين رجوع الى بيان بعض

ج ۱ اعلم ان كلمة السورتين مشتملة على بيان احكام الجهاد و ما المتخية ظاهرة ۱۲ منه على حد

ج ۲ سلطت فيها كلمة ۱۲ مصحح

فبالحق المشركين و ضلالاتهم و جهلا لا تهم من تغير احكام الله تعالى العوجية لقتالهم بايها
 الدين امنوا ما لكم الخ اعلم انه تعالى لما شرح مصائب هؤلاء الكفار و فضائحهم عاد الى
 الشرح في طاعتهم ففرروا خطفا و قالا الخ قال ابو السعد تجريد الامر بالظهور بعد التوريق
 على تركه و الانكار على المسامحة فيه لو كان عرضا الخ قال ابو السعد صرف للمخطاب
 عنهم و توجيه له الى رسول الله صلى الله عليه وسلم تعديد الماصد عنهم من الهبات قولا
 و فعلا على طريق العيانة و بيان لدناءة همهم و سائر ذاتهم قال المسكين شرع الله تعالى
 من ههنا قباح المناقنين و فضائحهم في غزوة ثوك و امتد هذا البيان الى اخر السورة الا ما
 وقع من بعض احوال المناقنين في النضاع عرف استطراد الا قوله و ما كان الله ليضل فلكانه
 تسلية للذين استغفروا للمشركين قبل ذلك قوله تعالى لقد جاءكم رسول من انفسكم الخ
 اعلم انه تعالى لما امر رسوله عليه السلام ان يبلغ في هذه السورة الى الخلق تكاليف شاقة
 شديدة صعبة يصعب تحملها الا من خصه الله تعالى بوجوه التوفيل و الكرامة ختم السورة بما
 يوجب سهولة تحمل تلك التكاليف فان تولى الخ قال ابو السعد تبيين للمخطاب و توجيه
 له الى النبي صلى الله عليه وسلم تسلية له

سورة يونس

ان ربكم الله الذي الخ اعلم انه تعالى لما حكى عن الكفار منهم تعجبوا من الرضى والبعثة
والرسالة ثم انه تعالى ازال ذلك التعجب بانه لا يبعد البتة في ان يعث خلق الخلق اليهم
رسولا يشرهم على الاعمال الصالحة بالنواب و على الاعمال الباطلة الفاسدة بالعقاب كان
هذا الجواب لما يتم ويكمل بالاث امرين احدهما اثبات ان لهذا العالم الها قاهر القادرات
فما الحكم بالامر والهي والتكيف والثاني اثبات الحشر والشر والبعث والقيامة حتى يحصل
النواب والعقاب للذان اخبر الانبياء عن حصولهما فلا يجرم انه سبحانه ذكر في هذا الموضع
ما يدل على تحقيق هذا المعطوبين هو الذي جعل الشمس حياء الخ قال ابو السعود عليه
الاستدلال على وجوده تعالى ووجوده و علمه و قدرته و حكمته بالآ صفة في النيران بعد
التبعية على الاستدلال بما مر من ابداع السموات والارض والاصواء على العرش وغير ذلك و
بيان لبعض افراد التعبير الذي اشير اليه اشارة اجمالية و ارشاد الى انه حيث ذكرت امورهم
المتعلقة بمعاشهم هذا التدبير البديع فلان يلزم مصالحهم المتعلقة بالمعاد بارسال الرسل
و انزال الكتاب و تبين طرائق الهدى و تعيين مهلوى والذى اولى واخرى ان الذين لا يرجون
لقاء نالغ اعلم انه تعالى لما اقام الدلائل القاهرة على صحة القول بآيات الاله الرحيم الحكيم و
على صحة القول بالمعاد والحشر و انه شرع بعده في شرح احوال من يكفونها و في شرح
احوال من يؤمن بها ولو يجعل الله للناس الشر الخ ان الذي يطلب على ظنى ان ابتداء هذه
السورة في ذكر شبهات المتكبرين للنبوة مع الجواب عنها فالشبهة الاولى ان القوم تعجبوا من
تخصيص الله تعالى محمداً عليه السلام بالنبوة فزال الله تعالى ذلك التعجب بقوله اكان
لنناس عجا ثم ذكر دلائل النبوة وحيد و دلائل صحة المعاد و حاصل الجواب انه يقول انى
ما جئتكم الا بالرحمة والافراو بالمعاد و قد دلت على صحتها فلم يبق للتعجب من نبوى
معنى والشبهة الثانية للقوم انهم كانوا يدايقولون اللهم ان كان ما يقول محمد حقا في ادعاء
الرسالة فامطر علينا حجارة من السماء لو التنا يعذاب اليم فاحاب الله تعالى عن هذه الشبهة

في غايته ما فيها و فاجبها بشر كان في آيات الرسالة ۱۲ مد على عه

بما ذكره في هذه الآية والألمس الإنسان الضر الخ أنه تعالى حكى عنهم أنهم يستعجلون في نزول العذاب ثم بين في هذه الآية أنهم كاذبون في ذلك الطلب والاستعجال لأنه لو نزل بالإنسان أدنى شيء يكرهه ويزيده فانه يتضرع إلى الله تعالى في إزالته عنه و إلى دفعه عنه و ذلك يدل على أنه ليس صادقاً في هذا الطلب و لقد اعلكتا القرون الخ بين في هذه الآية ما يجري مجرى التهديد وهو أنه تعالى قد نزل عذاب الاستعجال ولا يزيله و إذا نطق عليهم آياتنا بينات الخ اعلم أنه هذا الكلام هو النوع الثالث من شبهاتهم و كلماتهم التي ذكروها في الطعن في نبوة النبي صلى الله عليه وسلم حكاه الله تعالى في كتابه و إجاب عنها فمن اعظم ممن افترى الخ اعلم أن تعلق هذه الآية بما قبلها ظاهر و يعدون من دون الله الخ قال أبو السعود حكاه الجنابة أخرى لهم شات عنها جانيهم الأولى قال المسكين أي قولهم أنت بقولان غير هذا أو بدله لأن في القرآن إبطال الرواية أصنامهم و ما كان الناس الإمامة الخ اعلم أنه تعالى لما أقام الدلائل القاطعة على فساد القول بعبادة الأصنام بين السبب في كيفية حدوث هذا المذهب الفاسد المقالة الباطلة و يقولون لولا الخ اعلم أن هذا الكلام هو النوع الرابع من شبهات القوم في إنكارهم نبوة و إذا قلنا الناس رحمة الخ اعلم أن القوم لما طلبوا من رسول الله صلى الله عليه وسلم آية أخرى و إجاب الجواب و هو قوله إنما الغيب لله ذكر جواباً آخر و تقريره أن عادة هؤلاء الأقوام المكرو والمجاج والعداء و عدم الإنصاف و إذا كانوا كذلك فيظنون أن أعطوا ما سألوه من أنزال معجزات أخرى فانهم لا يؤمنون بل يقولون على كفرهم هو الذي يسرهم في البحر الخ قال المسكين هذا منهم لما قرأ قوله إنما مثل الحية الدنيا الخ اعلم أنه تعالى لما قال يا أيها الناس إنما بغيركم الخ تبعه هذا المثل العجيب الذي صر به لمن يفي في الأرض و يضرب الدنيا و يشتد مسكه بهو الله يدعوا إلى الخ اعلم أنه تعالى لما نظر العاقلين عن الميل إلى الدنيا بالعمل السابق رغبهم في الآخرة هذه الآية للذين أحسنوا الخ اعلم أنه تعالى لما دعا عباده إلى دار السلام ذكر السعادات التي تحصل لهم فيها والذين كسروا السيئات الخ اعلم أنه كما شرح حال المسلمين في الآية المتقدمة شرح حال من أقدم على السيئات في هذه الآية و يوم نحشرهم جميعاً الخ اعلم أن هذا نوع آخر من شرح فصائح أولئك الكفار الذين كسروا السيئات هنالك بلوا الخ هذه الآية كالسمة لما قبلها قل من يرزقكم من السماء الخ اعلم أنه تعالى لما بين فضائح عبدة الأوثان

ابحها يذكر الدلائل الدالة على فساد هذا الملعب و ما كان هذا القرآن الخ قال ابو السعد شروح في بيان ردهم للقران الكريم اثر بيان ردهم للدلالة العقلية المندرجة في تصاعيفه قال المسكين كانه عود في تقرير مضمون قوله تعالى في اول السورة و اذا تطع عليهم ايضا بيّنات قال الذين لا يرجون لقاء ربهم قالوا غير هذا الآية و منهم من يؤمن به الخ قال المسكين بيان لمعاملة الكفار مع القران و صاحب القران على انحاء شتى و يوم نحشرهم كان لم يلبوا الخ اعلم انه تعالى لما وصف هؤلاء الكفار ببلية الاصغاء و ترك التدبر ابعد بالوعيد و لكل امرة رسول الخ اعلم انه تعالى لما بين حال محمد صلى الله عليه وسلم مع لوعه بين ان حال كل الانبياء مع الزمان كذا و يقولون متى هذا الخ اعلم ان هذا هو الشبهة الخامسة من شبهات مكبرى النبوة فانه عليه السلام كلما هدعهم بزول العذاب و مر زمان و لم يظهر ذلك العذاب قالوا متى هذا الموعد الخ قل ارايت ان اناكم الخ اعلم ان هذا هو الجواب الثانى عن قولهم متى هذا الموعد و يستؤنك الحق هو الخ قال المسكين هي تسمة لا قبلها و كذا قوله تعالى الا ان الله ما فى السموات و الارض الخ تسمة للجواب العلة كرو بيان ان الله تعالى ما لك العلويات و السفليات و و عده حق و الاحياء و الاموات بيده فهو قادر على نزول العذاب متى شاء و انه ينزل لامحالة بايها الياس قد جاءكم الخ اعلم ان الطريق الى اثبات نبوة الانبياء عليهم السلام امر ان الاول ان يقول ان هذا الشخص قد ادعى النبوة و ظهرت المعجزة على يده و كل من كان كذلك فهو رسول من عند الله حقا و صدقا و هذا الطريق مما قد ذكره الله تعالى في قوله و ما كان هذا القران ان يقرى الخ فتقوله انه تعالى لما بين صحة نبوة محمد صلى الله عليه وسلم بطريق المعجزة فلهي هذه الآية بين صحة نبوة بالطريق الثانى و هذا الطريق طريق كاشف عن حقيقة النبوة معترف لما فيها فاستدلال بالمعجزة هو الذى يسميه المنطقيون برهان الان و هذا الطريق هو الطريق الذى يسمونه برهان العلم و هو اشرف و اعلى و اكمل و افضل قل ارايت ما اتزل الله الخ لما ذكر الدلائل الكثيرة على صحته النبوة و بين فساد سؤل الاتهم و شبهاتهم فى انكارها اتبع ذلك بيان فساد طريقهم فى شرانهم احكامهم و ما تكون فى شأن الخ اعلم انه لما اطال الكلام فى امر الرسول بايراد الدلائل على فساد مذاهب الكفار و فى امره بايراد الجواب عن شبهاتهم و لى امره بتحميل اذا هم بالرفق معهم ذكر هذا الكلام ليحصل به تمام المسئلة

والسرور للمطيعين و انعام الخوف و الفزع للمذنبين و هو كونه سبحانه و تعالى عالما بعمل كل واحد و بما في قلبه من الدواعي و العوارف الا ان اولياء الله الخ اعلم انا ببيان قوله تعالى و ما تكون في شان و ما تنوغيه من قرآن مما يقوى اقرب المطيعين و مما يكسر قلوب الفاسقين فاتبعه الله تعالى بشرح احوال المخلصين الصادقين الصديقين في هذه الآية و يحزنك قولهم الخ قال ابو السعود تسلية للمرسول عليه الصلوة و السلام عما كان يلقاه من جهتهم من الاذية الناشئة عن مقالاتهم الموحشة و تبشيره عليه الصلوة و السلام بانه عز وجل ينصره و يعزه عليهم اقر بان له و لا يباحه اما من كل محذور و فوز بكل مطلوب الا ان الله الخ قال ابو السعود و هو مع ما فيه من التاكيد لما سبق من اختصاص العزة لله تعالى الموجب لسلوته عليه السلام و عدم ميالته بالمعشركين و بمقاتلتهم تعهد لما لحق من قوله تعالى و ما يتبع الذين الخ و برهان على بطلان ظنونهم و اعمالهم العينية عليها هو الذي جعل لكم الخ قال ابو السعود تنبيه على تفرده تعالى بالقسرة الكاملة و اعمدة المشاهدة ليهم على فوجده سبحانه باستحقاق العادة و تقرير لما سلف من اختصاص العزة به سبحانه و قالوا اتخذ الله الخ اعلم ان هذا نوع اخر من الاباطيل التي حكاها الله تعالى عن الكفار اقر ان المسلمين يعترفون الخ اعلم انه تعالى لما بين بالدليل القاهر ان آيات الرسل الله تعالى قول باطل ثم بين انه ليس لهذا القائل دليل على صحة قوله فقد ظهر ان ذلك المذهب افترأ على الله و نسبة لما لا يليق به اليه فيبين ان من هذا حاله فانه لا يفتح البينة و اتى عليهم بأنواع الخ قال ابو السعود ليتبرروا بما فيه من زوال ما تمنوا به من النعيم و حلول عذاب الفرق الموصول بالعذاب العظيم ابرز جزا وبذلك علمهم عليه من الكفر او تكسر شدة شكيمتهم او يعترف بعضهم بصحة لزوم تك بان عرفوا ان ما نطوره موافق لما ثبت عنهم من غير مخالفة بينهما اصلا مع علمهم بانك لم تسمع ذلك من احد ليس الا بطريق الوسم و فيه من تقرير ما سبق من كون الكل لله سبحانه و اختصاص العزة به تعالى و انتفاء الخوف و الحزن عن اولياءه عز و علا فاطمئة و الشريعة التي صلى الله عليه وسلم و حملته على عدم المبالاة بهم و باخوانهم و المعالهم ما لا يخطى ولقد برأنا بني اسرائيل الخ قال ابو السعود كلام مستأنف سبق لبيان التسليم الفاتضة عليهم اقر نعمته الانجاء على وجه الاجمال و اعمالهم بشكرها و اداء حقوقها فان كنت في شك الخ اعلم انه تعالى لما ذكر من قبل اختلافهم عندما جاء هم اور دعلى

رسول الله صلى الله عليه وسلم في هذه الآية ما يقرى في صلاة القرآن والنبوة ان الذين حفت عليهم الخ قال ابو السعود شروع في بيان سرائر الكفرة على ما هم عليه من الكفر والضلال كلام مستأنف لتقرير ما سبق من استحالة ايمان من حفت عليهم كلمة تعالى لسوء اختيارهم مع تمكنهم من التدارك ليكون الاستثناء الاثني بانه يكون قوم يؤمن عليه السلام ممن لم يحق عليه الكلمة لاقتنائهم الى التدارك في وقته ولو شاء ربك لامن الخ قال ابو السعود عطف لنور ان ايمان كافة المكلفين وجود او عدمه على قطب مشيدته تعالى مطلقا اثر بيان تبعية كفر الكفرة لكلمة قل انظروا ماذا في السموات الخ اعلم انه تعالى لما بين في الآيات السابقة ان الايمان لا يحصل الا بتخليق الله تعالى ومشيدته امر بالنظر والاستدلال في الدلائل حتى لا يترحم ان الحق هو الجبر المحض فهل ينتظرون الخ قال المسكين تقرير لما سبق من علم انهاء الآيات والنظر عنهم ببيان انهم لا يؤمنون حتى يقع عليهم العذاب فيؤمنون حيث لا يظنهم الايمان قل يا ايها الناس ان كنتم في شك مما نزلنا من عند ربكم فاستمعوا ما يقول الله وحى الى رسله من بين اولاد نوح الذين هم اهل الباطل والظلمة على الصلوات والصلوات امره وخرج عبادة الله تعالى من طريقة السرائر الى الظهور والبرهان كنه نزول الشكوك والشبهات في امره ونخرج عبادة الله تعالى من طريقة السرائر الى الظهور والبرهان بمسك الله بضر الخ قال ابو السعود تقرير لما ورد في حيز الفصلة من سلب النفع من الايمان وتصور اختصاصه به سبحانه قل يا ايها الناس قد جاءكم الحق الخ قال المسكين تمام للحجة بعد تبليغ الدين واتبع الخ قال المسكين امر له عليه الصلوة والسلام بالاتباع والصبر على التبليغ الر الامر بالتبليغ

سُورَةُ هُودِ الْحَمْدُ لِلَّهِ

ان لاتعلموا الخ ابو السعود كانه قيل كتاب احكمت اياته لم فصلت لئلا تعبدوا الا الله اى لتسركوا عبادته غير الله عز وجل والمحمضو في عبادته فان الاحكام والمضيل على ما فصل من الصحاتي مما يدعوهم الى الايمان والتوحيد وما يفرغ عليه من الطاعات فاعلمه الاتهم يقولون صدورهم الخ لئلا المسكين بيان للتولي واشارة الى جزاءه وما من دابة في الارض الخ اعلم انه تعالى لما ذكر في الآية الاولى انه يعلم ما يسرون وما يعلنون اردفه بمبادل على كونه تعالى عالما بجميع المعلومات فلما ذكر ان رزق كل حيوان اما يصل اليه من الله تعالى فلو لم يكن عالما بجميع المعلومات لما حصلت هذه المهمات وهو الذي خلق السموات الخ اعلم انه تعالى لما ثبت بالدليل المظنم كونه عالما بالمعلومات ثبت بهذا الدليل كونه تعالى قادرا على كل المقدورات ولئن قلت انكم الخ اعلم انه تعالى لما بين انه خلق هذا العالم لاجل ابتلاء المكلفين وامتحانهم فهذا يوجب القطع بحصول الحشر والشرف فنعلم ان مخاطب محمدا عليه الصلوة والسلام وقال ولئن قلت الخ ولئن اخبرنا عنهم العذاب الخ لئلا المسكين احكامي اى السعود لما اوعدهم الله تعالى بالعذاب في قوله و ان تولوا فاني اخاف عليكم عذاب يوم كبير تعجبوا من ما عيره فاجاب الله تعالى في هذه الآية ولئن اذلقنا الانسان منار حمة الخ قال ابو السعود ووجه تعليق الآيات الثلاث بما قبلهن من حيث ان اذلقنا العبداء ومسما الضراء فصل من باب الابتلاء والفتح موقع التفصيل من الاجمال الواقع في قوله ليلوكم ايكم احسن عملا والمعنى ان كلامي اذلقنا العبداء ووزعها في كونه ابتلاء للانسان يشكر ام ينكر لا يهتدى فيه الى سنن الصواب بل يحدد في كلتا الحالتين عنه الى مهاري الضلال فلا يظهر منه باحسن عمل الايمن الصابرين الصالحين او من حيث ان انكارهم بالبعب واستهزاء هم العذاب بسبب بطرهم وفخرهم كانه قيل انما فعلوا ما فعلوا لان طبيعة الانسان مجبولة على ذلك فلعلك تارك الخ اعلم انه هذا نوع اخر من كلمات الكفار والله تعالى بين ان قلب الرسول ضاق بسبه ثم انه تعالى قوله وابعد بالاكراه والتقديم يقولون انهم الخ اعلم ان القوم لما طلبوا منه المعجز قال معجزى هذا القران ولما حصل المعجز الواحد كان طلب فريادة بيا وجهلا ثم قدر كونه معجزا بان

ج. فاتحة هذه احكاما ما قبلها للامعان على بيان الرماله ۱۲ منه

ح. فهو غرير بقوله تعالى فيما قيل وهو على كل شيء قدير ۱۲ منه

ج. فلو لم يولوا لئلا عليه كذا او جاء معه ملك ۱۲ منه على

تحداهم بالمعارضة من كان يريد الحياة الدنيا الخ قال ابو السعود لما امر بید علیه الصلوة والسلام والمؤمنین بان یزادوا علما وبقیة بان القرآن منزل بعلم الله و بان لاقدرة لغيره علی شی أصلا و هیجهم علی الثبات علی الاسلام والرموخ فیه عند ظهور عجز الکفرة و ما یبدعون من ذنن الله عن المعارضة و تبین انهم لیسوا علی شی أصلا المقصی الحال ان یتمرؤن لبعض شتوتهم الموهمة لکوتهم علی شی فی الجملة من نیلهم الحطوط العاجزة واستیلاهم علی المقالب الذویة و بیان ان ذلك یحجزل عن الدلالة علیه ولقد بین ذلك ای بیان ثم اعید الشریب فیما ذکر من الاطماع بالقران والتوحید والاسلام فقیلا فمن کاته علی بیته من ربه الخ و تقديره افمن کان علی بیته من ربه کاولک الذین ذکرت اصنامهم و بین مصیرهم و حالهم یعنی ان بینهما تفاوت عظیم و من اعظم ممن افتری الی قوله هم الا یحسرون قال ابو السعود و هذه الآیات کما تری مفرقة لما سبق من انکار المعاتلة بین من کان علی بیته من ربه و بین من کان یرید الحیوة الدنیا ابلغ تقریر فانهم حیث کانوا اعظم من کل ظالم و اعسر من کل عاصر لم یصور معاتلة بینهم و بین احسن العظمة الا احسرين فصاحتک بالمعاتلة بینهم و بین من هو فی اعلى مدارج الکمال و لما ذکر طریق الکفار و اعمالهم خرج فی بیان حال احداثهم اعنی طریق المؤمنین وما یول الله امرهم من العواقب الحمیدة تکملة لما سلف من محاسنهم المذکورة فی قوله تعالی افمن کان علی بیته من ربه الآية تبیین ما بینهما من التباين البین حالا و مالا فقیل ان الذین امروا الخ و بعد بیان حالیهما عقیلا ان یرید بیان تباينهما حیثا فقیل مثل القرینین کالاصم الخ ولقد ارسلنا نوحا الی قوله الی امر القصص المذکورة فی السورة قال ابو السعود ولما بین من فاتحة السورة الکریمة الی هذا المقام انها کتاب محکم الآیات مصلها نزل فی شان التوحید و ترک عبادة غیر الله سبحانه و ان الذی اقرل علیه تلوی و بشیر من جهة تعالی و قرر فی تضایف ذلك ماله مدخل فی تحقیق هذه الامرام من الشرع و الترهیب و الزام المعاتلین بما یقارونه من الشواهد الحققة الدالة علی کونه من عبادة الله تعالی و تسلیة الرسول صلی الله علیه وسلم معا حراة من طریق المصدر العارض له من اعتراضاتهم الشیعفة و تکلیفهم له و تسمیهم للقران نورا سحرا و اخری مفسری و تشیة علیه الصلوة والسلام و المؤمنین علی التمسک به والعمل بموجبه علی ابلغ وجه ابتداء ع سبوع فی تحقیق ما ذکر و تقریر بذكر قصص الانبیاء صلوات الله علیهم اجمعین المشتتة علی ما اشتمل علیه فاتحة السورة الکریمة لئلا یتکد ذلك بطرق احدها ان ما احسره من التوحید و قرر عه مما اطلق علیه الانبیاء قاطبة و الذانی ان ذلك انما علمه رسول الله صلی الله علیه وسلم بطریق الرحن فلا یبقی فی حقیقة کلام اصلا و لیسلی بما

بشاهد من معانة الرسل قبله من اممهم ومقاتلتهم الشداء من جهنهم ان في ذلك لآية
للمن الخ قال المسكين ذكر اعظم منافع بيان القصص ثم تبعه بذكر يوم الأخرة وأحواله و
ما يلقى الناس فيه من سعداء واشقياء فلا تنك في حربة الخ قال ابو السعود ولما كان مساق
النظم الكريم قبل الشروع في القصص لبيان غاية سوء حال الكفرة و كمال حسن حال
المؤمنين و قد ضرب لهم مثلاً قليل مثل الفريقين الخ و قد قص عقب ذلك من انباء الامم
السالفة مع رسلهم المعونة اليهم ما يتذكر به المتذكر نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم
عن كونه في شك من نصير امر هؤلاء المشركين في العاجل والأجل ثم علل ذلك قليل
ما يعملون الخ اى هم و انباء هم سواء في الشرك و قد بلغك ما لحق بابائهم فيسلحتهم
مثل ذلك فان تعالى الاسباب يقتضى تعالى المسببات و لقد اثبتا موسى الخ اعلم انه تعالى
لما بين في الآية الاولى استمرار كفار مكة و بين تعالى ان هؤلاء الكفار كانوا على هذه السيرة
الفسادة مع كل الانبياء عليهم السلام ضرب لذلك مثلاً و هو انه لما انزل التوراة اختلطوا
فيه و ذلك يدل على ان عادة الخلق هكذا لما نظم الخ قال ابو السعود لما بين في تصاعيف
القصص سوء عاقبة الكفرة و عصابة الرسل و ان كل واحد من المؤمنين والكافرين يو في
جزاء عمله امر رسوله الله صلى الله عليه وسلم بالاستقامة كما امر به و اقم الصلوة الخ
اعلم انه تعالى لما امره بالاستقامة ارفقه بالامر بالصلوة و ذلك يدل على ان اعظم العبادات
بعد الايمان بالله هو الصلوة فالولا كان من القرون الخ اعلم انه تعالى لما بين ان الامم المطعنين
حمل بهم عذاب الاستيعاض بين السبب فيه و لو شاء وبك الخ قال المسكين كان المذكور
في الآية الاولى السبب الظاهري و في هذه الآية السبب الحقيقي و كلا نقص عليك الخ
انه تعالى لما ذكر القصص الكثيرة في هذه السورة ذكر في هذه الآية نوعين من الفائدة و
قل للذين لا يؤمنون الخ اعلم انه تعالى لما بلغ الغاية في الاعتذار والانذار والترغيب والترهيب
اتبع ذلك بان قل للرسول و قل الخ

سُورَةُ يُوسُفَ الْعَلِيَّةِ

ذلك من انباء الغيب الخ اعلم ان المقصد من هذا اخبار عن الغيب فيكون معجرا و ما
اكثر الناس ولو حرصت الخ اعلم ان وجه اتصال هذه الآية بما قبلها ان كفار فريرش و جماعة
من اليهود اطلبوا هذه القصة من رسول الله صلى الله عليه وسلم على سبيل التعت و التحقذ
و رسول الله صلى الله عليه وسلم انه اذا ذكرها فربها امنوا قلما ذكرها اصرروا على كفرهم
فلزلت هذه الآية قال المسكين لم ذكر غفلتهم عن الآيات الكونية كغفلتهم عن الآيات العزلة
و ذكر الوعيد بالعذاب على الغفلة لم امر عليه السلام باظهار حليقة سبيل الحق الذي بعث
به والدعوة اليه لم دفع الاستبعاد في كونه عليه الصلوة والسلام رسولا لكونه بشرا و ذكر
عاقبة المكلفين للرسول من حلول العذاب بهم و لو بعد حين لم نه على فائدة ذكر القصص
في القرآن و قرآن كون القرآن المشتمل على هذه القصص حقا و صدقا

ل احسنهما الترمذي و لهما للمازني ۱۲ هـ ل لما قال في امر السورة التي تقدمت و كذا قصص من انباء
الرسول الخ بين في هذه السورة القصة التي هي احسن القصص ۱۲ هـ على انه

سورة الرعد

الله الذي رفع السموات الخ اعلم انه تعالى لما ذكر ان اكثر الناس لا يؤمنون ذكر عقبه ما يدل على صحة التوحيد والمعاد وهو الذي مد الارض الخ اعلم انه تعالى لما قرر الدلائل المساوية لردلها بتقرير الدلائل الارضية وفي الارض قطع الخ قال هو السعد جملة مستأنفة مشتملة على طائفة اخرى من الآيات و ان تعجب الخ اعلم انه تعالى لما ذكر الدلائل الظاهرة على ما يحتاج اليه في معرفة المبدء ذكره بعده مسئلة المعاد و يستعجلونك بالسببة الخ اعلم انه صلى الله عليه وسلم كان يهدم ناراً يعذاب القيامة و ناراً يعذاب الدنيا والقوم كلهما هلهم يعذاب القيامة الكبر والعتى والحشر والنشر وهو الذي تقدم ذكره في الآية الاولى و كلما هلهم يعذاب الدنيا قالوا انه فجتنا بهذا العذاب فللهذا السبب حكى الله عنهم الهم يستعجلون ويقول الذين كفروا الخ اعلم انه تعالى حكى عن الكفار الهم طعوا في نبوة سبب طعنهم في الحشر والنشر اولاً ثم طعوا في نبوته بسبب طعنهم في صحته ما ينلهم به من نزول عذاب الاستبصال ثانياً ثم طعوا في نبوته بان طعوا امه المعجزة والنبوة ثانياً وهو المذكور في هذه الآية الله يعلم ما تحمل الخ قال المسكين هذا الركون يكمله بتقرير التوحيد وابطال للشرك مرتبط بقوله الله الذي رفع السموات الخ وفي تضاعفه جعل قول ان الله لا يغير ما بقوم الخ غاية للحفظ المذكور في قوله يحفظونه من امر الله و ضرب امتالا للحق والباطل و بين جزاء الحق والمطل ثم ذكر اوصاف المحطين والمبطلين بقوله فمن يعلم اما انزل اليك لهم المنة و لهم سوء الدار . قوله تعالى الله يسط الخ اعلم انه تعالى لما حكم على لقض عهد الله في قول التوحيد و الشؤف بانهم ملعونون في الدنيا و معذونون في الآخرة فكانه قيل لو كانوا اعداء الله لما فتح الله عليهم ابواب النعم و اللذات في الدنيا فاجاب الله عنه بهذه الآية ويقول الذين كفروا الخ قال المسكين كان المذكور الى ههنا امر التوحيد و ما يتعلق به و الآن شرع في اثبات الرسالة و الجواب عن شبهاتهم فيها و تقرعهم على انكارها ففي هذه الآية اجاب عن شبهتهم المنورة لولا انزل عليه آية من ربه حاصل الجواب اما اعطياك آية عظيمة هي الذكر اى القرآن الذي تعطى به قلوب المؤمنين و يضل به العردة من الطافين كذلكك ارسالك في امة الخ

ل و المصنف من اول هذه السورة و آخرة المتقدمة ان كليهما يشترك في اثبات حقبة القرآن ۱۲ من بعض حده

ل اى من مقرعهم الواعية ۱۲ منه

لعل المسكين فيه تصريح بالمقصود واما قوله وهم يكفرون بالرحمن الفعل المراد به تسليبه
 النبي صلى الله عليه وسلم اي لا يحزن لو كفروا وبك فانهم يكفرون بالرحمن فهو كل عليه
 ولا تهتم بهم ولو ان فرانا سبرت به الجبال الخ قال المسكين فيه ايات لامر القرآن الدال
 على النبوة واقاطع من ابحاثهم وبيان الجزاء هم على الكفر ولقد استهزأ برسول الخ قال
 المسكين فيه تسليبه للنبي صلى الله عليه وسلم عمدا لئلا من المشركين من التكليب والافتراء
 على طريقة الاستهزاء به ووعد لهم ثم اشار الى استحقاقهم العذاب في قوله اقمن هو قائم
 على كل نفس الخ بيان ان امره توحيد عقلي يديهي لا علم لاحد في الاعراض عنه واهمال
 امره مثل الجنة التي وعد الخ اعلم انه تعالى لما ذكر عذاب الكفار في الدنيا والآخرة اتبعه
 بما ذكر ثواب الصالحين والذين اتبعوا الكتاب الخ قال المسكين هذا دليل امر على حقيقة
 القرآن الذي جاء به الرسول بان اهل الكتاب يصدقونه ثم اشار الى وكافة راي المنكرين
 بقوله قل انما امرت الخ اي ليس فيما انزل الى الامر الوحيد وهذا مما لا ينكر وكذلك
 انزلناه الخ قال المسكين فيه تصريح ايضا بالمقصود من انزال القرآن على الرسول ولقد
 ارسلنا رسلا من قبلك الخ اعلم ان القوم كانوا يدكرون انواعا من الشبهات في ابطال نبوة
 فالشبهة الاولى قولهم ما لهذا الرسول يأكل الطعام ويمشي في الأسواق وهذه الشبهة انما
 ذكرها الله تعالى في سورة اخرى والشبهة الثانية قولهم الرسول لا يلدن وان يكون من جنس
 المشركه فاجاب الله تعالى عنه بهذا بقوله ولقد ارسلنا لا الشبهة الثالثة عابوا رسول الله صلى
 الله عليه وسلم بكثرة الزوجات فاجاب الله تعالى عنه بقوله ولقد ارسلنا الخ والشبهة الرابعة
 قالوا لو كان رسولا من عند الله لكان اى شيء طلبنا منه من المعجزات اى به ولم يتوفى فاجاب
 الله تعالى عنه بقوله وما كان لرسول الخ الشبهة الخامسة انه عليه السلام كان يخوفهم
 بسزول العذاب ثم ان ذلك الموعود كان يتأخر فاجاب الله عنه بقوله ولكل اجل كتاب
 الشبهة السادسة قالوا لو كان في دعوى الرسالة محققا لما نسخ الاحكام التي نص الله تعالى
 على ثبوتها في الشرائع المتقدمة فاجاب الله سبحانه عنه بقوله يتحوا الله ما يشاء واما
 نريدك بعض الذي تعبه الخ قال المسكين كانه تفضل وتوضح لقوله وما كان لرسول
 ان ياتي بائنة الا باذن الله لكل اجل كتاب لو لم يروا انما نأى الخ اعلم انه تعالى لما وعد رسوله
 بان يره بعض ما وعدوه فو بوقاه قبل ذلك بين في هذه الآية ان اثر حصول تلك المواعيد
 وعلاماتها قد ظهرت وبقول الذين كفروا الخ اعلم انه تعالى حكى عن القوم انهم انكروا
 كونه رسولا من عند الله ثم انه تعالى احتج عليهم بامرهم الاول شهادة الله والمراد انه تعالى
 اظهر المعجزات والثاني لقوله ومن عنده علم الكتاب

سُورَةُ اِبْرَاهِيمَ التَّائِبِينَ

وما اوملنا من رسول الخ قال المسكين كانه قسم لقوله لتخرج الناس من الغمامات اي كمالهم فكان الحاصل انا بعثنا جميع الرسل الي قومهم خاصة و اوملناك الي الناس عامة ولقد اوملنا موسى الخ قال ابو السعود شروع في تفصيل ما اجمل في قوله عز وجل ولقد ارسلا و انتابن الخ قال ابو السعود من جملة مقال موسى عليه الصلوة والسلام لقومه لم ياتكم نبي الا الذين الخ قال المسكين هذا تربية من عليه السلام غيب ترغيب و يحتمل ان يكون ابتداء مخاطبة من الله تعالى لقوم الرسول صلى الله عليه وسلم ثم ذكر تعالى المناظرة التي وقعت بين الاتياء عليهم السلام و قومهم في حكمة الكون ثم ذكر تعالى جزاء المكثبين في قوله تعالى فاوحى اليهم ربهم الي اخر الكون و اشار في تضاعيف بقوله تعالى لم تر ان الله خلق السموات والارض الخ الى ان من هذا شاة خلق بان يؤمن به ويرجى ثوابه ويخشى عقابه و قال الشيطان لما قضي الامر الخ اعلم انه تعالى لما ذكر المناظرة التي وقعت بين الرؤساء والاتباع من كفرة الانس اودعها بالمناظرة التي وقعت بين الشيطان وبين اتباعه من الانس و ادخل الذين امنوا الخ اعلم انه تعالى لما بالغ في شرح احوال الاشقياء من الوجوه الكثيرة شرح احوال السعداء لم تر كيف تنوب الله الخ اعلم انه تعالى لما شرح احوال الاشقياء و احوال السعداء ذكر مثالا بين الحال في حكم لهلذين القسمين بيبث الله الخ قال المسكين بيان كيفية المشية و التارة لم تر الى الذين بدلوا الخ اعلم انه تعالى عاد الى وصف احوال الكفار في هذه الآية قل لعبادي الذين امنوا الخ اعلم انه تعالى لما امر الكافرين على سبيل التهديد و الوعيد بالتمتع بنعيم الدنيا امر المؤمن في هذه الآية بترك التمتع بالدنيا و المعالفة في المجاهدة بالنفس و المال الذي خلق السموات الخ اعلم انه تعالى لما احوال الكلام في وصف احوال السعداء و احوال الاشقياء و كانت العمدة في حصول السعادات معرفة الله تعالى بذاته و صفاته و في حصول الشقاوة لفقدان هذه المعرفة لا جرم عصى الله تعالى و وصف احوال السعداء و الاشقياء بالدلائل القاطعة على وجود الصانع و كمال علمه و قدرته و ان قال ابراهيم الخ اعلم انه تعالى لما بين بالدلائل المقطعة انه لا معبود الا الله سبحانه و تعالى و انه لا يجوز عبادة غيره تعالى البتة حكى عن ابراهيم عليه السلام مبالغة في انكار عبادة الاوثان و لا تحسن الله افلا الخ قال المسكين هنا عود في ذكر جزاء المكثبين بالوحد والوفا و يستند الى حكمة السورة في خلاصة السورة كلها تقرير امر البوة و وعيد المتكبرين لها والله اعلم ثم فحتم شأن الكتاب الكافي لما ذكر بقوله هذا بلغ للناس و بين فائدة العلية و العملية

۱. ابن امر الرسالة في امر المستعدة و اول هذه فهدا هو وجه الربط بينهما ۱۲ ح

۲. وقد مر مراراً ما في ذكر القصص من الحكم ۱۳

سُورَةُ الْحَجَرِ

ربما يوافق الذين يخالفون قول أبو السعود لما بين كون السورة الكريمة بعضاً من القرآن
لتوجيه المخاطبين إلى حسن تلقي ما فيها من الأحكام والقصص والمواعظ شرع في بيان
ما تضمنته فقول ربما و قال هذا بيان حقايق شأن الكفار و علم الاعتداد بما هم فيه من الكفر و
التكذيب كما ينطق به قوله تعالى ذرهم ياكلوا و ما اعتدنا من فرية الخ قال أبو السعود شروع
في بيان سر تاخير عذابهم و قائلوا يا أيها الذي نزل الخ قال أبو السعود شروع في بيان كفرهم
بمن أنزل عليه الكتاب بعد بيان كفرهم بالكتاب وما يؤول إليه حالهم انا نحن تركنا الذكرك الخ
قال أبو السعود ودلا نكارهم التنزيل واستهزاءهم برسول الله صلى الله عليه وسلم و تسليته
له و لقد أرسلنا من قبلك الخ اعلم ان القوم لما استأزوا في الآداب و مخاطبه بالساعة و قالوا
انك لمجنون فاقله تعالى ذكر ان عادة هؤلاء الجهال مع جميع الانبياء هكذا كانت ولك
امثلة في النص ولو فتحنا عليهم بابا الخ ان القوم لما طلبوا نزول ملائكة من الله تعالى في هذه
الآية ان يتفكر ان يحصل هذا المعنى قال الذين كفروا بعد ان باب السحر و لقد جعلنا في السماء
بروجا الخ اعلم انه تعالى لما اوجب عن شبهة منكرى النبوة و كان قد ثبت ان القول بالنبوة مضرع
على القول بالوحيد تبعه بدلائل التوحيد فقال و لقد جعلنا في السماء الخ و الارض مملوءة ما الخ
وجعلنا لكم فيها معايش الخ و ان من شيء الا عندنا الخ و ارسنا الرياح لو افح الخ و انا نحن
نحيي الخ و لقد علمنا المستغنيين الخ و ان ربك هو يحشر الخ و لقد خلقنا الانسان الخ واذ
قال ربك للملائكة الخ اعلم انه تعالى لما ذكر حدوث الانسان الاول و استدلاله بذكره على
وجود الآلة القادر المختار ذكر بعده و القصة ان المظنين في جنات الخ اعلم انه تعالى لما شرح
اسواق اهل العذاب تبعه بصفة اهل الثواب و بينهم من خيف ابراهيم الخ قال أبو السعود المقصود
اعتبارهم بما جرى على ابراهيم عليه الصلوة والسلام مع اهله من البشري في تضاعيف الخوف
و بما حل يقوم لوط من العذاب و نجاة عليه الصلوة والسلام مع اهله الناجين له في ضمن الخوف

۱. القول كان فيما قبل بيان الكفار السابقين و هنا ذكر حال الموجودين منهم ۱۲ مـ ۲. ختم السورة التي
مرت ببيان جزاء المتكلمين من في قول هذه السورة تصديق الاسلام لما رأوا المعجزات ۱۳ مـ على هذه

و تسببهم بحلول نظامه تعالى من المحرمين و علمهم بان عذاب الله هو العذاب الاليم و في
 التكبير اعلم انه تعالى لما بالغ في تقرير اليقظة ثم اردفه بذكر دلائل التوحيد ثم ذكر عقبيه احوال
 القيامة و حقيقة الاشقياء و السعداء تبعه بذكر قصص الانبياء عليهم السلام ليكون سماعها مرغبا
 في الطاعة الموجهة للقرآن بمرجات الانبياء و محذرا من المعصية لاستحقاق دركات الاشقياء
 فبدأ اولا بقصة ابراهيم عليه السلام و ما خلقا السموات و الارض الخ اعلم انه تعالى لما ذكر
 انه اهلك الكفار فكانه قبل الاهلاك و التعذيب كيف يليق بالرحيم الكريم فاجاب عنه بان
 انما خلقت الخلق ليكونوا مشغولين بالمعبادة و الطاعة فاذا تركوها و امر صوابها و حب في
 الحكمة اهلاكم و تطهير وجه الارض منهم و لقد اثباتك سبحانه الخ اعلم انه تعالى لما صبره
 على اذى قومه و امره بان يصفح الصفح الجميل تبع ذلك بذكر النعم العظيمة التي عصى الله
 تعالى محمد صلى الله عليه وسلم بها لان الانسان اذا ذكر كثرة نعم الله عليه سهل عليه
 الصصح و التسجود لامتثلن حينك الخ لما عرف رسوله عظيم نعمه عليه فيما يتعلق بالدين نهاه
 عن الرغبة في الدنيا و قل اني انا الخ اعلم انه تعالى لما امر رسوله بالزهد في الدنيا او تخلى
 الجناح للمؤمنين امره بان يقول للقوم اني انا النذير المبين فيدعمل بحيث كونه نذيرا كونه مبلغا
 لجميع التكاليف و لقد تعلم انك يضي الخ اعلم انه تعالى لما ذكر ان قومه يسلمون عليه قال
 له و لقد تعلم لان الجملة الشريفة و المعراج الانساني يختص بذلك لاعتقاده قال له فسح الخ

سُورَةُ النحل

التي امر الله فلا تستعجلوه الخ قال المسكين لعل المقصود الاصلی منه الیات التوحید
والتسبیح بالوعید علی الاعراض عنه والیحه بیان انه ذین اجمع علیه جمهور الاتیاء علیهم
الصلوة والسلام و امروا بدعوة الناس الیه خلق السموات الخ اعلم انه تعالی لما بین فیما
سبق ان معرفته الحق مطلع السعادات البعہ بذكر الدلائل علی وجود الصانع الاله تعالی و
كسأل قبله و حکمته الحق یخلق کمن لا یخلق الخ قال المسكين هو كما نتیجة لما سبق
من الدلائل التي هي نعم ايضا و اذا قيل لهم ماذا انزل الخ اعلم انه تعالی لما بالغ فی تقرير
دلائل التوحید و اورد الدلائل القاهرة فی ابطال مذاهب عبدة الاصنام ذكر بعد ذلك شبهات
منكری النبوة مع الجواب عنها فالشبهة الأولى ان رسول الله صلى الله علیه وسلم لما احتج
على صحة نبوة نفسه بكون القرآن معجزة طلعوا فی القرآن و قالوا انه اساطیر الاولین و ليس
هو من جنس المعجزات و لما ثبت كون القرآن معجزا و ارا كثرة لاجرم التصرف فی هذه
الآیة علی مجرد الوعد لذكر الذین من قبلهم الخ اعلم ان المقصود من هذه الآیة المبالغة
فی وصف وعید اولئك الكفار و قبل للذین طعنوا الخ اعلم انه تعالی لما بین احوال الاقوام
الذین اذا قيل لهم ماذا انزل ربكم قالوا اساطیر الاولین البعہ بذكر وصف المؤمنین هل یظنون
الا ان الخ اعلم ان هذا هو الشبهة الثانية لمنكری النبوة فانهم طعنوا ان یزل الله تعالی ملكا من
السماء یشهد علی صدقه فی ادعاء النبوة و قال الذین اشرکوا الخ اعلم ان هذا هو الشبهة
الثالثة لمنكری النبوة و تقریها بهم تمسکوا بصدقة القول بالجبر علی الطعن فی النبوة فالنکال
من الله و لا فائدة فی مجردک و ارسالک فكان القول بالنبوة باطلا و افسدوا بالله جهده
ایمانهم الخ اعلم ان هذا هو الشبهة الرابعة لمنكری النبوة فقالوا القول لبعث والحشر والبشر
باطل فكان القول بالنبوة باطلا و الذین هاجروا الخ اعلم انه تعالی لما حکى عن الکفار انهم
تعاذوا الى المی والجهن والضلال و فی مثل هذه الحالة لا یبعد اقدمهم علی ابداء المسلمین
و حثینهم علی المؤمنین ان یهاجروا لذكر تعالی حکم تلك الهجرة و ما ارسلنا من قبلك الخ
اعلم ان هذا هو الشبهة الخامسة لمنكری النبوة كانوا یقولون الله اعلى واجل من ان یتكون
رسوله و احدامن البشر اذمن الذین منکروا الخ قال المسكين احدامن الکبر لعل و اجمع
التي بیان حال الذین اضطر المسلمون الی الهجرة من ابدانهم لهدمهم الله تعالی اولم یروا
التي ما خلق الله الخ قال المسكين رجوع الی اثبات التوحید و إقامة الدلائل و ابطال القول

لعمم السورة السابقة بایات الرسالة و الفصح هذه بیان التوحید و ابتدا لما لای فی تلك و لقد علمت کما بین
صبرک احمر فی هذه بانه التي امر الله الخ لتایق صدره ۱۲ من علی عنه

المشركين من اتخاذوا لله تعالى ونحوه و تهدید هم بقوله وأول احمد الله الناس و السداد
 صلب عبد الاصنام بالامثال من قوله ضرب الله مثلا عبدا الخ و ضرب الله مثلا و جبين
 الخ و اختصاص علم الغيب به تعالى في قوله والله غيب السموات والأرض و كمال قدرته
 على كل شيء من الأمور التي يزيد مطلب التوحيد و استندت هذه الدلائل الى قوله تعالى و
 الله جعل لكم ما خلق طائفاً جعل لكم من الجبال اكاثا الى امر الآية ثم ليه على كون تلك
 الأمور نعماً تماماً بقوله كذلك يتم نعمة عليكم لعنكم تسلمون ثم صلى وسواله الله صلى الله
 عليه وسلم ان تولوا و انكروا بعد المعرفة بقوله فان تولوا اولوله يعرفون نعمة الله الخ و يوم
 نبعت من كل امة شهيد الخ اعلم انه تعالى لما بين من حال الغوم انهم عرفوا نعمت الله لم
 انكروا بها البعد بالوعد فذكر حال يوم القيامة قال المسكين واعد ذلك الى قوله و يوم تبعت
 المسكروا لما كان المين لهذه المعصيات هو القران خمسة بالشاء على القران بقوله و نزلنا عليك الخ
 ان الله يامر بالعدل الخ قال المسكين احمد من ابى السعد كانه دليل لكون القران لبيان
 لكل شيء يعنى امر الله تعالى في هذا القران بكل محمود و نهى فيه عن كل مذموم فصديق
 كونه لبيان و هدى الخ و يحتمل ان يكون اجمالاً لما سبق من تفصيل الاحكام و اولوا بعهد
 الله الخ اعلم انه تعالى لما جمع كل المعاصيات والمعصيات في الآية الاولى على سبيل الاحتمال
 ذكر في هذه الآية بعض تلك الاقسام ولو شاء الله الخ قال المسكين هذا بيان حكمة تخصيص
 النبيين يوم القيامة ما عندكم بقوله الخ قال ابو السعد تعليل للخيبة بطريق الاستدلال من
 عمل صالحاً من ذكر الخ قال ابو السعد شروع في تحريم كافة المؤمنين على كل عمل
 صالح غيب ترغيب كاتفة منهم في الثبات على ما هم عليه من عمل صالح مخصوص دفعاً لهم
 اختصاص الاجر المولود بهم و بعملهم للذكور فاذكرات القران الخ اعلم انه تعالى لما قال
 قبل هذه الآية و تجزيهم اجرهم باحسن ما كانوا يعملون ارشد الى العمل الذي به يخلص
 اعماله عن الراسواي فقال فاذا قرأت القران قال ابو السعد و تخصيص قراءة القران من
 بين الاعمال الصالحة بالاستعانة عند ادائها للنتيجة على انها لغرض عليه السلام و في سائر
 الاعمال اهم فاته عليه السلام حيث امر بها عند قراءة القران الذين لا يتبع الباطل من بين
 يديه و لامن خلفه فما طعنكم بعض عباده عليه السلام فيما عبدا لقراءة من الاعمال و اذا بدنا
 اية الخ اعلم انه تعالى شرع من هذا الموضع في حكاية شهادات منكرى نوبة محمد صلى
 الله عليه وسلم من كفر بالله من بعد ايمانه الخ قال ابو السعد هو ابتداء كلام بيان حال من
 كفر بايات الله بعد ايمانه بها بعد بيان حال من لم يؤمن بها رأساً ثم ان ربك للناس هاجروا الخ
 لما ذكر في الآية المتقدمة حال من كفر بالله و حال من اكره على الكفر ذكر بعده حال من
 هاجر من بعد ايمانه قال المسكين ثم ذكر اليوم الذي يجازى فيه الكافر والمؤمن فقال يوم
 تأتي كل نفس الخ و ضرب الله مثلا قرية الخ اعلم انه تعالى لما بعد الكفار بالوعد الشديد

فی الأخری مددہم ایضا بالآیات الدلیلیة و هو الوقوع فی الجوع والخوف ولقد جاءہم رسول
منہم الخ قال ابو السعد من تمة المثل جن بہما لیان ان ماقلوہ من کفر ان النعم لم یکن
مزاحمة منہم لقضية العقل فقط بل کان ذلك معارضة لحجة اللہ علی الخلق ایضا فکلوا
معارضة لکم اللہ الخ یعنی ان ذلك الجوع ایما کان بسبب کفرکم فاکثروا کثروا حتی تأکلوا
ایما حرم علیکم العبدة الخ یعنی انکم لما استم و ترکتم الکفر فکلوا الحلال الطیب و ترکوا
الخبائث و لا تغفلوا الماتصف الخ اعلم انہ تعالی لما حصر المحرمات بالغ فی تاکید ذلك
الحصر و علی اللین ہادوا الخ قال ابو السعد هو لحقیق لما سلف من حصر المحرمات
فیما فصل بابطال ما یخالفہ من الریة اليهود و تکلیبہم فی ذلك فاقہم كانوا یقولون لسنا اول
من حرمت علیہ و ایما کانت محرمة علی نوح و ابراہیم و من بعدہما حتی انتہی الامر ایما
قال المسکین یمكن ان یکون هذا قیاسا لما سلف من وقوع الجوع والخوف علی القریة
بسبب کفرہم و حیث لم یحط القیاسہ قولہ تعالی و ما ظلمناہم الخ ثم ان ربک للذین عملوا الخ
اعلم ان المقصود بیان ان الافتراء علی اللہ و مخالفة امر اللہ بامتنعہم من التوبة و حصول
المغفرة والرحمة ان ابراہیم کان امہ الخ اعلم انہ تعالی لما زلف فی هذه السورة مذہب
المشرکین فی قولہم بالآیات الشرکاء و قطعہم فی نبوة الانبیاء و قولہم لتحلیل اشیاء و تحریم
اشیاء و کان ابراہیم علیہ السلام رئیس الموحدين و قدوة الاصولیین والمشرکون كانوا
مفتخرین بہ لاجرم ذکرہ اللہ تعالی فی اخر هذه السورة لیسیر ذلك حاملا علی الافتراء
بالتوحید والرجوع عن الشرک ایما جعل السیت الخ قال ابو السعد تحقیق للذک الشی
الکلی و توضیح لہ بابطال ما عسی یوہم کونہ قدجا فی کتابة فان اليهود کتوا یدعون ان
السیت من شعائر الاسلام و ان ابراہیم علیہ السلام کان محافظا علیہ ای لیس السیت من
شعائر ابراہیم و شعائر ملہ الشی امرت باباہا حتی یکون بینہ علیہ الصلوة والسلام و بین
بعض المشرکین علاقة فی الجملة و ایما شرع ذلك لیس امرہیل بعد مدة طويلة ادع الی
سبیل ربک الخ اعلم انہ تعالی لما امر محمد یصلی اللہ علیہ وسلم بالغایع ابراہیم علیہ السلام
بین الشیء الذی امرہ یمشیعہ فیہ قتال ادع الخ و ان عاقبتہم فاعلوا الخ قال ابو السعد بعدما
امرہ علی الصلوة والسلام فیما یختص بہ من شان الدعوة بما امرہ بہ من الوجه اللائق علیہ
بخطاب شامل لہ و لمن شایعہ فیما یعم الكل فان الدعوة بالمعروف لایکاد تفک عن ذلك
کیف لا وہی موجبة لصرف الوجود عن القیل المعودة و ادخل الاعتناق فی فلاة غیر معہودة
قاضیہ علیہم بفساد ما یاتون و ما یلرون و بطلان دین استمرت علیہم ابازہم و قد ضاقت
علیہم الحیل و عیت لہم العطل و سدت علیہم طرق المحاجة و المناظرة و اراجعت ذواتہم
ابواب المباحة و المحاورۃ

سورة بنی اسرائیل

واتینا موسیٰ الکتاب الخ ذکر اللہ تعالیٰ فی الآية الاولیٰ اکرامہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بان اسری بہ و ذکر فی هذه الآية انه اکرم موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام قبلہ بالکتاب الہدیٰ الیہ فریۃ من حملنا الخ قال ابو السعود والمراد تاکید الحمل علی التوحید بتدکیر انعامہ تعالیٰ علیہم فی ضمن انجاء ابناء ہم من الفرق فی سفیۃ لوح علیہ السلام انه کان عبد اشکور الخ قال ابو السعود فیہ ابدان بان انجاء من بعد کان بركة شکرہ علیہ الصلوٰۃ والسلام و حث للفریۃ علی الاقضاء بہ وزجر لهم عن الشرب الذی هو اعظم مرتب الکفران و قضیٰ الی بنی اسرائیل الخ اعلم اللہ تعالیٰ لما ذکر انعامہ علی بنی اسرائیل بانزال التورۃ علیہم و بانه جعل التورۃ اھدیٰ لهم من انہم ما اعتصموا بہا بل وقروا فی الفساد ان احسن احسن الخ اعلم اللہ تعالیٰ حکم عتھم انہم لما عصوا اسلم علیہم اقواما و لما تابوا ازال عنهم تلك المحنة لھذا فذلک ظہر انہم ان اطاعتوا فقد احسنوا الی انفسھم و ان اصرروا علی المعصیۃ فقد اساءوا الی انفسھم ان هذا القرآن یتھدی الخ انه تعالیٰ لما شرح ما فعلہ فی حق عبادہ المخلصین و هو الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اتباع الکتاب لموسیٰ علیہ السلام و ما فعلہ فی حق المصطفیٰ و المتبریین و هو تسلیم انواع البلاء علیہم کان ذلک لیسبھا علی انہ طاعة اللہ توجب کل خیر و کرامة و معصیۃ توجب کل بلیۃ و غرامة لا جرم اتی علی القرآن و بدع الانسان بالشرب الخ قال ابو السعود بیان الحال المھدی اثر بیان الھادی و اظہار لما بینھما من البیان والمراد بالانسان الجنس استدل بہ حال بعض افرادہ او حکمی عند حالہ فی بعض احبابہ فالمعنی علی الاول ان القرآن یدعو الانسان الی الخیر الذی لا یمیر قولہ من الاجر الذکیر و یخبرہ من الشروراء من العذاب الالیم و ھوای بعض مہ و ھو الکافر یدعو لنفسہ بما ھو شر من العذاب المذکور اما بلسانہ حقیقۃ کذاب من قال منهم انھم ان کان هذا ھو الحق من عندک فاسطر علیہ حجارة من السماء او اتنا بعذب الیم و اما باعمالھم السینۃ المعصیۃ الیہ المرجع الیہ مجازا کما ھو یدق کلھم و علی الثاني ان القرآن یدعو الانسان الی ما ھو خیر و ھو فی بعض احوالہ کما عند الغضب یدعہ و یدعو اللہ تعالیٰ لنفسہ الی اللہ صلی اللہ تعالیٰ و رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اخر السورۃ المتصدۃ ا ن اللہ سبیلہ فی ہذا مہم اکرامہ بالاسراء کبلا یقتل فی العذاب ۱۴۰۰ عہ علی عہ

و اعلمه و ماله بما هو شر و جعلنا الليل و النهار الخ لما بین فی الآیة المتقدمة ان هذا القرآن
یهدی للناس فی القوم و ذلك الاقوام لیس الا ذکر الدلائل الدالة علی التوحید و النبوة لاجرم
اراد به ذکر دلائل التوحید و هو غالب العالم العلوی و السفلی و کل انسان الرضاء الخ قال
المسکین لما بین تعالی ان القرآن یهدی للناس فی القوم و بین حال المسکین به فی هذه الآیة
ان امر الاعمال لیس مهملاً بل یستلزم عنه یوم القيامة من اهدى فقام الخ قال ابو السعود فذلک
لما تقدم من بیان کون القرآن هادياً لا قوم الطوائف و لزوم الاعمال لاصحابها و لا تزروا زرة الخ
قال ابو السعود تاکید للمجملات الثانية و ما کنا معلنين الخ قال ابو السعود بیان للعناية الربانية
شر بیان اختصاص الازیة الهدیة و الضلال باصحابها و عدم حرمان المهتدی من ثمرات هدایة
و عدم مؤاملة النفس بجناية غیرها و اذا اردنا الخ قال ابو السعود بیان لتکلیف و لزوم التعلیب
بعد البعثة التي جعلت غاية لهدی صحبه من کان یرید المعاجلة الخ قال المسکین لما ذکر فیما
سبق جزء الاعمال ذکر فی هذه الآیة شرط قبولها و هو ارادة الاخرة بالعمل و بین عدم الاغتراف
بالدنیا و زعارفها مانها من العطاء العالم الذي لا یتبدل علی القول لایجعل مع الله الیها اخر الخ
لما بین ان الناس فریقان منهم من یرید بعمله الدنیا فقط و هو فعل العقاب و العذاب و منهم
من یرید به طاعة الله و هم فعل الثواب ثم شرط ذلك بشرط ثلثة اولها ارادة الاخرة و
ثانيها ان يعمل عملاً و يسعى سعياً موافقاً لطلب الاخرة و ثالثها ان یتکون مؤمناً لاجرم فصل
فی هذه الآیة تلك المجملات فبدأ أولاً بشرح الايمان و اشرف اجزاء الايمان هو التوحید
و نفی الشریکاء و الاحدثاد فقال لایجعل مع الله الیها اخر ثم ذکر عقیبه مآثر الاعمال التي
یکون المقدم علیها و المشغل بها سعياً سعياً بلیق بطلب الاخرة و صار من الذين سعدوا بهم و
حسن یختهم و کملت احوالهم ذلك مما اوحى الیک ربک الخ اعلم انه تعالی جمع فی
هذه الآیة خمسة و عشرين نوعاً من التکالیف بعضها او امر و بعضها نواه جمعها الله تعالی
فی هذه الآیات و جمل فاحتجها قوله و لا تجعل مع الله الیها اخر فتعلم انهم ما یحلوا و عتقت
قوله و لا تجعل مع الله الیها اخر فیلحق فی جهنم ملوماً مدحوراً و لقد صرفنا الخ قال المسکین
اعلم ان امی السعود هذا تاکید لاثبات الاوهام ای کرمنا هذا المعنى فی هذا القرآن بحيث
لا یقنع الناس به قل لو کان الخ قال المسکین عود الی ابطال الشریک و اذا قرأت القرآن الخ
اعلم انه تعالی لما تکلم فی الآیة المتقدمة فی المسائل الالهیة تکلم فی هذه الآیة فیما یعلق
بتسیر النبوة قالوا انما کان الخ اعلم انه تعالی لما تکلم اولاً فی الالهیات ثم تبعه بذكر شبهاتهم
فی النبوات ذکر فی هذه الآیة شبهات القوم فی انکار المعاد و البعث و قد ذکرنا كثيراً ان

مدار القرآن على المسائل الأربعة و هي الآلهيات و النبوات و المعاد و القضاء و القدر و قل لعبادى الخ لما ذكر الحجة البينية فى ابطال الشرك و فى صحة المعاد قال فى هذه اذا كنتم ابراد الحجة على المخالفين فلا تكروا الملك الدلائل بالطريق الاحسن و هو ان لا يكون ذكر الحجة مخلوطة بالشتم و السب و بكم اعلم بكم الخ قال المسكين كانه تعليل للقول الاحسن و عدم العشوية بانه لا فائدة فيها لان الهداية و الضلال متعلقان بالعشوية الاولى و ربك اعلم بمن الخ بمعنى انه غير مقصور عليكم و لاعلى احوالكم بل علمه بجميع الموجودات و المعدومات فيعلم حال كل واحد و يعلم ما يلقى به من المصالح و المقاصد فلهذا السبب فضل بعض النبيين على بعض و اى موسى التوبة و داؤد الزبور و عيسى الاتجيل فلم يعد ابعد ان يوتى محمد القرآن و ان يفضل على جميع الخلق قل ادعوا الذين زعمتم الخ قال المسكين و جوع الى ابطال الشرك ببيان ان الذين تعبدونهم محتاجون الى الاله الحق فكيف تسخرو لهم الاله و ان من قرية الا نحن الخ قال ابو السعود بيان لتجتم حلول عذابه تعالى بمن لا يحلوه اثر بيان انه حقيق بالحط و ان اساطين الخلق من الملكة و النبيين عليهم الصلوة و السلام على خدام ذلك و مانعنا الخ قال المسكين عود الى مسئلة النبوة بالحواب عن اقتراحهم بالآيات الدالة على النبوة على زعمهم و اذ قلنا لك ان ربك الخ قال المسكين اعلم ان ابي السعود هذا منعم للحواب المذكور فى الآية الاولى و حاصله ان الله محيط بجميع الاشياء و قد علم ان هؤلاء يكذبون و لو ظهرت لهم مفرحتهم كما كذبوا بالرويا التى اربناك و كما كذبوا بالشجرة التى جعلت فى القرآن للمعلمين ثبت فى اصل الجحيم للو ان ارسنا بما اترحوه من الآيات لتعلموها ما فعلوا بنظائرها و فعل بهم ما فعل باشياعهم و قد قضينا بتاخير العقوبة العامة لهذه الامة الى الطامة الكبرى و هو معنى قوله و نخوفهم فعابز يدهم الاطعيات كثيرا و اذ قلنا للملكة اسجدوا الخ قال المسكين لما قرر الله تعالى امر التوحيد و النبوة و كيفية الاعمال شرع الآن فى تعبد العلم بالبعة على الايمان و الرادعة عاكف فلا ذكر الا قصة اكرام بنى ادم بذكر اكرام ابيهم ادم عليه السلام و تضمنت هذه الحكاية تحقيق مضمون قوله تعالى اولئك الذين يدعون ببيان ان للملكة استطوا و اطاعوا من غير تردد و لتعلم و تحقيق مضمون قوله تعالى فيما يزيد هم الاطعيات كثيرا ببيان عناد ابليس و حظه عن امر الله تعالى و بكم الذى يزجى لكم الخ قال ابو السعود و هذا ذكر لبعض النعم التى هى دلائل التوحيد و تمهيد لذكر توحيدهم عند مسائل الضرر تكملة لما مر من قوله تعالى فلا يملكون الخ و لقد ذكر منا بنى ادم الخ اعلم ان المقصود من هذه الآية

ذكر نعمته اخرى جليلة رغبة من نعم الله تعالى على الانسان يوم ندعوا كل الامم الخ اعلم
 انه تعالى لما ذكر انواع كرامات الانسان في الدنيا ذكر احوال درجاته في الآخرة قال المسكين
 و ايضا هو تقرير لما مر من البت اليه والحساب و ان كادوا ليفتنوك الخ قال المسكين
 هذا بيان لعبادة الكفار مع النبي صلى الله عليه وسلم في امر الدين و هو المذكور في هذه
 الآية و في الامر الدنيا و هو فيما بعد في قوله تعالى و ان كادوا ليلفتونك الخ و هو راجع
 الى بحث البيرة فكان المذكور فيما سبق هو التكليل و ههنا العبادة اقم الصلوة لذلوك
 الشمس الخ لما قال و ان كادوا ليلفتونك امرة تعالى بالاقبال على عبادته تعالى لكي
 ينصره عليهم فكانه قيل لا لئلا لسميهم في اخر اجك من بلدتك و لا تلتفت اليهم واشغل
 بعبادة الله تعالى و دوام على اداء الصلوات و نظيره قوله تعالى فاصبر على ما يقولون و امسح
 بجمد ربك قال المسكين لم ذكر امرة اقباله عليه السلام على عبادة تعالى لطيبها لقلبه و
 شغله عن غداواتهم و الاهتمام بهم فقال عسى ان يحشك ربك مقام محمود اتم امرة عليه
 الصلوة و السلام بان يفرض امر دعو له و خروجه اليه تعالى في كل حال و يطلب منه العزو
 الشكر و لا ياتي بكيلهم و لا يدبر لنفسه نقال و قل رب ادخلني مدخل صدق الخ لم يشوه
 الله تعالى باجابة دعائه بالنصر فقال و قل جاء الحق و زهق الباطل و نزل من القرآن ما هو
 شفاء الخ قال المسكين هذا دليل نبوته عليه السلام ببيان معجزته التي فاقته كل معجزة
 فهو ايضا عند التقرير البيرة التي ذكرت في الآيات السابقة ثم انه تعالى ذكر السب الاصل
 في وقوع هؤلاء الجلعطين الضالين في اودية الضلال و مقامات الخزي و النكال و هو الاستكبار
 و بطرد الياس و القنوط و جمعها الغفلة و القسوة فقال و اذا انعمنا على الانسان الخ لم بين
 في قوله قل كل يعمل الخ ان اعمال المومنين من قبول الهدى و الرحمة و اعمال الكافرين
 من الغفلة و القسوة على طريقهم التي تشاكل حالهم و يسلونك عن الروح الخ قال المسكين
 هذا ايضا متعلق بمسئلة البيرة و جواب عما اراد اليهود بالسؤال عنه ابطال امر نبوة عليه السلام
 و الزام الحجة عليه و لكن شفا للعلمين الخ قال المسكين هذا ايضا تقرير نبوته عليه السلام
 بكونه عليه السلام موقفا بالوحى و بانه من الله تعالى قل ان اجتمعت الانس الخ قال المسكين
 هذا ايضا تقرير لنبوته عليه السلام ببيان كون و حية معجز او لقدصر لنا الخ قال المسكين
 بيان لجلالة القرآن العظيم بانه كاف شاف واف للمقصود و ذكر لشدة عاد الكفار المنكرين
 و قائلون زمن الخ قال المسكين هذا جواب عن قدجهم في نبوة عليه السلام بقتراح الآيات
 عند اد او حاصل الجواب اني بشر لا افتر بلمسي على الايدان بالآيات لكي رسول يحيى

للدلالة على رسائي دليل مالان الدليل الواحد السالم عن الفلاح يكفي في اثبات المطلوب ولا يلزم اجماع الدلائل الكثيرة والاثم بحت شيء من المطالب لأن المحاصم لا ينتهي الى حصيل لا يزال يطالب مدة عمره بالدلائل الغير المتعينة و هذه مفسطة بينة و ما منح الناس ان يؤمنوا الخ اعلم انه تعالى لما حكى شبهة القوم في اقراح المعجزات الزائفة واجاب عنها حكى عنهم شبهة اخرى و هي ان الله تعالى لو ارسل رسولا الى الخلق لوجب ان يكون من الملائكة فاجاب الله تعالى عن هذه قل كفى بالله الخ تقريره ان الله تعالى لما اظهر المعجزة على و في دعوائى كان ذلك شهادة من الله تعالى على كوني صادقا بعد ذلك قول القائل بان الرسول يحبان يكون ملكا لا انسانا تحكم فاسند من يهدى الله فهو المهتد الخ اعلم انه تعالى لما اجاب عن شبهات القوم في انكار النبوة و اردفها بالوعيد الاجمالي و هو قوله انه كان بعباده الخ ذكر بعده الوعيد الشديد على سبيل التفصيل قال المسكين و علل الوعيد بشنن الكفر بالآيات الدالة على الوعيد والنبوة و انكار البعث لم اجاب عن استبعادهم لطبعته بقوله او ثم يروان الله الخ فمقدار الكلام هنا على امر النبوة و البعث قل لو انهم لم يكون الخ ان الكفار لما قالو اني تو من لك الخ طلبوا اجراء الانهار و العيون في بلدتهم لتكثر اموالهم و تسخ عليهم محبتهم فمن الله تعالى لهم انهم لو ملكوا اخر ان رحمة الله لغير على بخلهم و شحهم ولما القمو على ابطال الشفع الى احدو على هذا التقدير فلا فائدة في اسعائهم بهذا المطلوب الذي التصود قال المسكين خلاصة المعام ان اظهار المظهرات اما للدلالة على النبوة فجوابه ما مر في قوله هل كنت الابشرا رسولا و اما لتساع الارزاق فجوابه على ما ذكره ههنا ان الاتساء لا يكون حسب قانون التمدن الايمان يعاون بعضهم بعضا و هؤلاء بخلهم ما كانوا احببان فانظت هذه الفائدة ايضا فكان اظهار المظهرات عبثا محضاً فلا قيم والاحسن والا قرب ان يفسر و الرحمة بالنبوة و يقال انه تعالى لما بين فيما قبل انكارهم للنبوة الدال على المكراهة فرع على هذه الكراهة انكم لو تملكون فرضا امر النبوة لما اعطيتموها احدا و لقد اثبتا موسى الخ قال المسكين تنظير لاثبات الرسول بالآيات العظام و عناد الكفرة الجهلة بالنكاح الحق عز لواء الخ عاد على تعظيم حال القران و جلالة درجة قل ادعو الله الخ قال المسكين تقرير للتوحيد و العبادة في الخاتمة كما كان في الخاتمة المناسب الاول والاخر

فہرست مضامین

۵	سُورَةُ النَّسَاءِ
۵	قرآن کریم کی اس آیت پر ایک اشکال اور اس کا جواب
۷	آیت کمال سے حلق ایک عجیب کلمہ
۷	جہالت کی حقیقت
۸	نص کا مدلول چار طرح سے ثابت ہے
۹	علم و عمل کے معنی
۱۰	مقام ترک معاصی مادۂ مال کے بھرا کرنے پر موقوف ہے
۱۱	ایک آیت کی تفسیر ہے ظہر
۱۲	مستورات کے لئے سفارش قرآن میں
۱۳	مسئلہ آزادی
۱۳	اقسام مضائق
۱۵	امور اختیار، غیر اختیار
۱۶	تمنا کی حقیقت
۱۶	حرۃ کی ملکیت جائز نہیں
۱۸	بے برکت سنگی
۱۸	پھر ہر عورتوں میں ایک کمال
۱۹	مطلوب کی دو قسمیں
۲۰	عزیزت رحمت خداوندی
۲۰	عورتوں سے مساویات سلوک نہ کرنے کا حکم

۲۱	بدیہیت صورت کا طرزی سیر
۲۱	طلاق سے قبل ضرورت نفی
۲۲	احکام شریعہ میں رعایت جذبات
۲۳	فرق کی حقیقت
۲۵	مطہرت کو راز عظیم کا وعدہ
۲۶	اپنی دماغ کی اجازت کی لذت
۲۷	حدیث شریف جنت مسئلہ ہے
۲۸	اطاعت کی اور قسمیں
۲۸	حضور اکرم ﷺ کی شان محبوبیت
۲۹	محسن کائنات
۳۰	احکام شریعہ کے بارے میں دل میں لگی محسوس اور عبادت کفر ہے
۳۰	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان عظمت و جلال محبوبیت اور شہیدیت
۳۲	کمال ایمان کی تفصیل کا طریقہ اور حضور اعلیٰ
۳۲	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم بنانے کا امر
۳۳	ہمارے سارے کام ناقص ہیں
۳۳	رسول اکرم ﷺ کی محبوبیت کے دلائل
۳۶	اصل مؤثر القل الہی ہے
۳۶	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان محبوبیت
۳۷	اسلام کیلئے صرف اعتماد کافی نہیں
۳۸	شان نزول
۳۹	معیت سے مراد
۴۱	چالاک اور محسوس دونوں الگ الگ ہیں
۴۲	اولیٰ مہافتین
۴۳	قلوب کی سزا

۴۳	ہر اخبار کی اشاعت کی ضرورت
۴۳	قرآن مجید کی کیا ہے
۴۴	ادراک فکر کی دو قسمیں
۴۵	شہادت و عبادات
۴۶	ایک اذکار کا جواب
۴۷	رسول اکرم ﷺ کی صحت
۴۸	قرآن پاک کے ایک مشکل مقام کی تفسیر
۵۲	ادراج است کا جملہ شرح ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے
۵۲	بہشت و جہنم ﷻ
۵۳	طہرین سے دین و دنیا کا نفع
۵۴	تذریع کتاب کا مضمون
۵۴	کتاب و حکمت
۵۵	زبانوں کی دو قسمیں
۵۷	حاصل آیت
۵۸	کسی نے دلائل کا ثبوت قرآن سے دیا
۵۸	غفلت و ذکر کا انجام
۵۹	تسمیہ پانی
۵۹	تذریع اور تعلیم
۵۹	فضل تعلیم صرف علوم دینیہ ہیں
۶۰	شان و ذول
۶۱	ارتداد کی خاصیت
۶۳	مناظرتیں کو کلامت
۶۴	فہرست میں مسلمانوں کی کوکھ پر غلبہ حاصل ہوگا

۶۶	قرآن سمجھنے کیلئے ضروری علوم
۶۹	امال صالحہ میں ہمیشہ شگفتہ رہتی ہے
۷۰	کسل یا تنقاری
۷۰	غیر تحقیق و مطمئن کی ایک قطعی
۷۱	شکر کی اہمیت
۷۲	غیر محبوب کا سہو خور ہوئے مسلم ہے
۷۲	تکبر کی صورتیں
۷۳	حب اور نفی
۷۵	کبر و تکبر
۷۶	سلطان کے معنی اور آیت کا صحیح مفہوم
۷۷	عشق کی شان میں تہذیب و اخلاق کی تنقیص ہے
۷۸	حدود و ع
۷۹	غایۃ قصص القرآن
۸۰	سُورَةُ الْمَائِدَةِ
۸۱	شرک کی حقیقت
۸۱	تفسیر مَا أَفْعَلُ بِالْعَبِيدِ
۸۲	امراض روحانی کا انہام
۸۳	دین کا مذاق اڑانا بھی گنہگار ہے
۸۳	وقتِ نزول آیت مذکور
۸۳	ابتداعی تدبیریں
۸۵	احکام کی آخری آیت
۸۵	اسلام کا محور

۸۷	دین اسلام کبھی تاریخ ہونے والا نہیں
۹۱	حاصل آیت
۹۲	تاجر کا حال
۹۲	بے ہوشی کا قول در فضل شرماعاف ہے
۹۳	روحانی مطلب میں کوئی مرض لا علاج نہیں
۹۳	کلام اللہ میں عینہ و احد اور جمع کے استعمال حکمت
۹۳	نہوی قاعدہ سے ایک اشکال کا جواب
۹۶	نکتہ درک از عقل
۹۷	اشکاف قرآنۃ
۹۷	کفار و مشرکین سے بھی بدل کا حکم
۱۰۰	دو ہفتیں
۱۰۰	حقیقت علم
۱۰۱	نور سے کیا مراد ہے
۱۰۳	ضرورت شیخ فہم کی روشنی میں
۱۰۳	اہل کتاب کے اتحاد کی فرض
۱۰۳	محب و مرید دہا
۱۰۶	ایک قطعی کا ازالہ
۱۰۷	دور حاضر کی رسومات کا حال
۱۰۸	شیان نزول
۱۱۰	علوم کی دو قسمیں
۱۱۱	آیت قل یشیطون و زکوا کے ایک لطیف معنی
۱۱۳	سُورَةُ الْأَنْعَامِ
۱۱۳	لہذا اور اب کا مضمون

۱۱۳	اصلاحِ ذہن و فک
۱۱۴	ضرورتِ زبانِ دینی
۱۱۵	آیاتِ تسلی
۱۱۶	حضورِ علیہ السلام کی شانِ عشق کے مطابق ایکہیت کی تعمیر
۱۱۶	رسولِ اکرم ﷺ کے قدمِ دوزخ کا منظر
۱۱۸	گفتگوں کی قسمیں
۱۱۸	نورِ حق
۱۱۹	مرادِ خداوندی
۱۲۱	تقسیمِ بل و عقل میں حکمتِ خداوندی
۱۲۱	حقِ حقِ اللہ
۱۲۲	عشرِ اولاد کرنے کا مہرِ پاک و اقدس
۱۲۳	اسراف کی حقیقت
۱۲۴	دلیلا باحق
۱۲۴	ادراک کی قسمیں
۱۲۵	سببِ معصیتِ منکرانہ ہے
۱۲۶	مکار کی دو قسمیں
۱۲۷	مراۃِ مستقیم نقطہِ اسلام ہے
۱۲۸	ماہِ آیت
۱۲۸	دارِ السلام کی عجیب و غریب تعمیر
۱۲۸	اموال کا صلہ
۱۲۹	رفعِ اشکال
۱۳۰	مہمتِ کائنات
۱۳۱	بعض شہادتیں پر ذکرِ عقل کا اثر

۱۳۲	ضرورت تقویٰ
۱۳۳	ایک مشترک مرض
۱۳۶	مراد ارسل اللہ ﷺ واصل مراد اللہ ہے
۱۳۶	قصیری کتب
۱۳۶	وضو شہم کا مفہوم
۱۳۷	غلام نہایت
۱۳۸	بے فخر راستہ صرافت ہے
۱۳۹	تین آیات کے اثر میں دلائلکم و حکم کا جیب کتب
۱۳۹	محبت کا اثر
۱۴۱	نفل کا قانون
۱۴۳	تمام دین کا خلاصہ
۱۴۳	اسلام کامل کی تعمیر
۱۴۵	اسلام کامل کے اجزاء
۱۴۶	کمال اسلام کے بارے میں تفصیل
۱۴۷	آیت کی بلاغت
۱۴۸	رب العالمین کو ذکر کرنے کا فائدہ
۱۴۹	لفظ لا تُشْرِكْ بِاللّٰہ کی حکمت
۱۴۹	اَوَّلُ الْمَسْلُوٰتِ کا مطلب
۱۵۱	سُورَةُ الْأَعْرَافِ
۱۵۱	قرآن اصطلاحات قانون پر وارد نہیں
۱۵۲	شیطان کو ماکانہ جواب
۱۵۳	خطا ادھاری
۱۵۳	دنیا کی نعمتوں کو بدل دیا ان کیلئے پیدا کیا گیا

۱۵۵	رحمت کی دو قسمیں
۱۵۵	القارح طبعیات
۱۵۶	مذہب مساوات
۱۵۷	شان نزول
۱۵۷	اہل نظر کو کتنا کادراک ہو جاتا ہے
۱۵۸	رحمت کا لباس پہننے کی اجازت
۱۵۹	خطبات اہل حق میں سخت
۱۵۹	ماسورات کی تین قسمیں
۱۶۱	مکابہ میں غلط فہم ہے
۱۶۱	اشیاء حرام کی پانچ اقسام
۱۶۲	خطبات قدیم
۱۶۵	اہل اعراف
۱۶۶	کنہ رازی و اتفاق کے اہل اعراف ہونے کی کوئی دلیل نہیں
۱۶۶	اتفاق کے لئے کھل کا ہونا ضروری ہے
۱۶۸	قرآن مجید میں صرف دو فرق کا ذکر ہے
۱۶۸	اہل اعراف سپردار جنت ہیں گے
۱۶۹	اہل اعراف
۱۷۱	طی اسکاٹل
۱۷۲	عقل و امر
۱۷۳	فساد فی الارض
۱۷۳	فساد و اصلاح کا مفہوم
۱۷۵	دین کی حقیقت
۱۷۶	تعریف و سخت

۱۷۶	دعا و تقویٰ
۱۷۷	غافل تقویٰ دعا
۱۷۸	امن عامر
۱۷۸	ساحران کو مایوس کرنے کیلئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اہانت دی
۱۷۹	مزعجیم اور نظر بندی
۱۸۰	لقن شریفی کی عجیب تعمیر
۱۸۳	قدم زلی
۱۸۳	نور الحق
۱۸۳	غریب کا علم پیدا حاصل ہونا اختیار فرما کا سبب ہو سکتا ہے
۱۸۳	قداب کے متقی اور غریب فریب تعمیر
۱۸۵	تخلیف میں دو تہیں
۱۸۶	غافل کی حقیقت
۱۸۶	مستحقین کی مشق
۱۸۷	اہل تقویٰ کی حالت
۱۹۰	مہلک دوسے مارا قلع نہیں ہوتا
۱۹۲	تذکرہ کی اہمیت
۱۹۳	سُورَةُ الْاَنْفَال
۱۹۳	وَلَوْ اَنَّكُمْ كَانُمْ لَا مَلُوم
۱۹۵	ذمت کفار
۱۹۷	قرآن کا ایک لقب فرقان بھی ہے
۱۹۸	کلف بلا اجار شریعت شیطانی ہے
۱۹۸	الہامی کا تعلق مذہب سے نہیں

۱۹۹	کثرت دوائے کے پیرکچ ہوئے کی دلیل
۲۰۰	مصیبت کی حقیقت
۲۰۱	علی ہمدانی
۲۰۲	عائشہ کی بشارت
۲۰۳	سُورَةُ التَّوْبَةِ
۲۰۴	کثرت سے جہاد نہیں ہوتا
۲۰۵	سبب الغلیت معیار ایمان ہے
۲۰۶	مسلمان اور کافر کی مثال
۲۰۷	تارک نماز کے لئے وعید
۲۰۸	افضل الاعمال
۲۱۲	رضا اسکن پر مدعی نہیں
۲۱۳	کس قسم کی حیدر خانہ موس ہے
۲۱۵	حق الشفوعہ کی تفسیر وحی کی حیرت
۲۱۶	اسلامی فکر کے فلسفہ کی اہمیت
۲۱۷	کلام الہی میں بذات انسانی کی رعایت
۲۱۸	نئی دینی سے تشابہ
۲۱۹	جہاد میں سنی کا ایک سبب
۲۲۰	ارضا برہنہ کی دوسری جگہ
۲۲۱	رضا کے مستتر
۲۲۲	شان نزول
۲۲۳	یہاں ہر مسلمان سے مراد کثرت ہے
۲۲۵	عروہ ایمان کا اثر

۲۲۶	سنبھوت مسکراؤ تکفیر کے لئے وارہ ہے
۲۲۷	دامنیں کی ایک قطعی پرستی
۲۲۷	شریعت میں ہنسنے کی ممانعت نہیں
۲۲۹	حضور ﷺ نے منافق کے مت میں احباب مبارک کیوں ڈالا؟
۲۲۹	شان نزول
۲۳۰	شان نزول
۲۳۲	حضرت کعب بن مالکؓ اور ان کے احباب کے واقعات
۲۳۳	جہاد فرض یمن اور فرض کفایہ
۲۳۳	کام الہی کی ایک عجیب شان
۲۳۳	تفسیری نکتہ
۲۳۵	مرض خطہ کا علاج
۲۳۶	صدقات و احباب کا اثر
۲۳۶	ظہور اور زکوة
۲۳۷	آیت تنویر کا شان نزول
۲۳۸	تبلیغ اور سوال
۲۴۱	شان نزول
۲۴۳	قرآن فی طرز فصاحت
۲۴۵	قلب اور موت
۲۴۶	عالمین کی محبت و معرفت میں اضافہ
۲۴۶	بذل نفس
۲۴۷	توبہ مہادات پر مقدم ہے
۲۴۸	نفس و مال
۲۴۹	ہر کام میں حفظ صدقہ کی اہمیت

۴۴۹	توبہ مہادات پر مقدم ہے
۴۵۰	توبہ میں المعاصی شرط کمال ہے
۴۵۱	بد توبہ کے عمل میں اور ممانعت نہیں ہوتی
۴۵۱	ایک شہ کا جواب
۴۵۲	ادعام گنہگار پر بکریا ہے کام اور اختیار حق سبحانہ و تعالیٰ کے قبضہ میں ہے
۴۵۲	تمام علوم و افکار کا طبع
۴۵۳	وہجا آیات
۴۵۳	مالکیت اور ملکیت
۴۵۵	نہیں سماج کا دائرہ توبہ
۴۵۶	اجاز قرآن
۴۵۶	امر تقویٰ
۴۵۸	صداقین کی شریعت
۴۵۹	قصیر آیت امر
۴۶۰	مشرق و مغرب کے ذکر میں رکھو
۴۶۱	حکام کا بیان
۴۶۱	اعمال شریعت کی اقسام
۴۶۳	حقوق املاہ کی اقسام
۴۶۳	مہر کی حقیقت اور اس کے اقسام
۴۶۳	مہر کی اقسام
۴۶۶	کابل بنے کا طریقہ
۴۶۶	سادق کے معنی و تفسیر
۴۶۷	عورتوں اور مردوں کو حکم مشرک
۴۶۹	قرآن اور ذکر نساہ

۲۷۰	ادبیت مردوزن
۲۷۱	دین و دنیا میں
۲۷۲	شہادت گناہ
۲۷۳	روزانہ دھرم کا مفہوم
۲۷۴	سُورَةُ يُونس
۲۷۵	پارہ اول (۱)
۲۷۶	رضاء اللہ کیا ہے بہت کم لوگ خالی ہیں
۲۷۷	رضاء اللہ کیا ہے
۲۷۸	حب دنیا کے مواب
۲۷۹	طالب علمانِ حق کا جواب
۲۸۰	محبوبیت کے دلت انسان کا حال
۲۸۱	خلاصہ آیت
۲۸۲	مسلمانوں کی ایک نئی اصلاح کی
۲۸۳	موت کا ایک دلت صحن ہے
۲۸۴	سلوک میں ہر حال میں ترقی کرنے کی ضرورت
۲۸۵	ایک عجیب نکتہ
۲۸۶	خوشی کی دو قسمیں
۲۸۷	سرت کی دو قسمیں
۲۸۸	عید میلاد النبی ﷺ کے دلائل وادان کے جوابات
۲۸۹	محبوب ترویج
۲۹۰	دلالت کی دو قسمیں
۲۹۱	دعا کو ذرا غور سے ضروری نہیں

۲۹۳	فرمان نے صرف نظم بکھڑے لایا یہ کیا
۲۹۳	حضرت جبرئیل علیہ السلام کا بعض فرمان
۲۵۶	سُورَةُ هُود
۲۵۶	ہر شخص کی روزی و شب کے ذمہ ہے
۲۹۶	چاہتیں کی ایک لفظی
۲۹۷	اجارہ دین میں ضرورت سی
۲۹۸	طبی و عقلی خوف کا فرق
۲۹۸	خوف طبعی
۲۹۸	دست نما پر وہ پاند
۲۹۹	دست کی دو قسمیں
۳۰۰	لٹی جڑ
۳۰۰	مسکے فکرم
۳۰۱	مسکے کی پہلی بیان کرنا ہمارے ذمہ نہیں
۳۰۲	حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے ایک آیت کی تفسیر
۳۰۳	اصلاح کے دو درجے
۳۰۳	اصلاح کے دو اثرات
۳۰۳	توبہ کے لوازم
۳۰۳	اصلاح کا اثر
۳۰۳	توبہ کی قسمیں
۳۰۵	خلاصہ آیت
۳۰۵	آخرت میں دوام قوت السعادت اور
۳۰۷	سعادت اور ست کی حقیقت

۳۰۸	سعد و امین بنو
۳۰۹	دو طبعی بچے
۳۱۱	حقیقی طم
۳۱۱	لطیف قلب
۳۱۳	فتا اور بچہ
۳۱۴	ارضاء رسول
۳۱۵	ظہور اور شہیت
۳۱۶	سید اور شفی
۳۱۷	کعبہ میاں باغی کے بغیر نہیں ہو
۳۱۸	سُورَةُ يُوسُفَ
۳۱۸	مسلمانوں نے دوست دشمن کو انکس بچھا
۳۱۹	لہستانی کا ترجمہ
۳۲۰	حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک کائنات اور اَلْقَدْ حَقَّقَتْ بِهٖ وَقَوَّيْهَا کی تفسیر دینی
۳۲۱	یوسف علیہ السلام کے ترجمہ پر ایک بزرگ کا لکھ
۳۲۱	قریب پر گرام قراوند بنایا نہ نہیں
۳۲۲	ہم کا مضمون
۳۲۲	قرآن پاک کے ایک مشکل مقام کی تفسیر
۳۲۳	عورتوں کا کریم
۳۲۳	قدرت خداوندی
۳۲۳	نجیبی رہنمائی
۳۲۵	لہس کے میاں اہل الشرف ہونے کا ثبوت
۳۲۶	حضرات انبیاء علیہم السلام کی اپنے نفوس کا ترجمہ نہیں فرماتے

۳۲۷	برساتِ یوسف علیہ السلام کا عجیب و غریب اشارہ
۳۲۸	احکام سالِ ہجری
۳۲۹	کشف امر غیر اختیار ہے
۳۳۰	حالتِ یعقوب علیہ السلام
۳۳۰	ذرائعِ علم کے باوجود یعقوب علیہ السلام کا عدم علم
۳۳۱	امتنانِ حق
۳۳۱	واقف مولانا یعقوب دہلوی
۳۳۱	انجیل و پیغمبر اسلام کو برسرِ مصلح ہونا ضروری نہیں
۳۳۲	ایک تعمیرِ حیا
۳۳۲	عالمِ مثنوی کا آئینہ بننے کی استعداد ہے
۳۳۲	مصیبت گناہوں کی ہی وجہ سے آتی ہے
۳۳۳	حکایت حضرت شیخ عبدالقدوس صاحبِ گنگوہی
۳۳۳	علمِ اختیار کی حقیقت
۳۳۴	حبیب میں حبیب کا افضل ہونا ضروری نہیں
۳۳۷	سُورَةُ الرَّعْدِ
۳۳۷	الہمناں قلبِ صرف ذکرِ اظہار میں ہے
۳۳۷	تکراؤ ذکر سے خطابِ علم سے نجات ہوگی
۳۳۸	پہلی میراثِ آسمان سے نکالنا خلافِ مہر نہیں
۳۳۸	قدرتی تعلیم
۳۳۹	اموالِ آخرت میں دنیاوی منافع
۳۳۹	گناہوں سے دنیا کا نقصان
۳۴۰	قرآن و کون صرف ذکرِ اذہن میں ہے

سُورَةُ اِبْرَاهِيمَ

۳۳۱

۳۳۱

قرآن پاک رسول پاک ﷺ کی قوم کی زبان میں اترتا ہے

۳۳۲

دعا یا دعا دہان میں تھوڑی سی کشیدہ کامل

۳۳۳

نعت اسلام پر ائمہ و فقہ

۳۳۴

مب ہوا کی حقیقت

۳۳۵

شکر کے معنی

۳۳۶

شجرہ طیب سے شجرہ ناخدا مراد ہے

۳۳۸

ایمان قبولی عمل کیلئے شرط ہے

۳۵۰

عالم ہندو

۳۵۰

ظلمتوں سے مراد

۳۵۰

مراۃ کی ضرورت و حقیقت

۳۵۲

ایمان پر ثابت قدم رکھنے کا وعدہ

۳۵۳

حق سبحان تعالیٰ کے لامحدود احسانات

۳۵۴

انعامات الہیہ کا شمار محکم ہے

۳۵۴

مکانات بھی ماضی تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے

۳۵۵

بطور حساب

سُورَةُ الْحَجَرِ

۳۵۱

۳۵۱

قرآن اور کتاب کے لغوی معنی

۳۵۷

الفاظ و معانی قرآن و دونوں مقصود ہیں

۳۵۹

الفاظ قرآنی بھی مقصود ہیں

۳۵۹

قرآن کے کد و معانی

۳۶۰

حالت قرآن کا مفہوم

۳۶۳	مشہوم ہجرت دمشق علی رضی
۳۶۴	خوف کی حد
۳۶۵	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ کی قسم
۳۶۶	نعمیات کی انواع
۳۶۷	حیات برزخی رسول اکرم ﷺ
۳۶۸	درمیان محبت نبوی کی فطرت
۳۶۸	اہل علم کی ہوس زر پرستکارانہ
۳۶۹	ظلم مشہوم
۳۷۰	امیران کے درجات
۳۷۰	ضیق کی دو قسمیں
۳۷۱	ظالم
۳۷۲	سُورَةُ التَّحْلِ
۳۷۲	چھ بے معلومات کا ذکر قرآن مجید میں
۳۷۶	مقدمہ عالی شریعہ دہلی
۳۷۷	فتویٰ کی دلیل پر مبنی خلاف اصول ہے
۳۷۷	ریل کا طرہ آیت قرآن سے
۳۷۷	دنیا کی کوئی چیز قابل محبت نہیں ہے
۳۷۹	ہر شخص کا مطلب صرف ایک لئے ہے
۳۸۰	راست جنتی
۳۸۱	حیات طیبہ کا مصداق
۳۸۲	حیات طیبہ سے مراد حیات ماضی نہیں
۳۸۲	ظالمی دنیا کی عبرت انگیز مثال
۳۸۳	ظالم دنیا

۳۸۳	اللہ والوں پر شیطان کا قابو نہیں
۳۸۳	نورِ باغیں
۳۸۵	انسانیت الہی کی باخبری
۳۸۶	آدابِ تبلیغ
۳۸۷	موسطہ حسن کا مضمون
۳۸۸	شفقت کا احوال پر لائے کا طریقہ
۳۸۹	اصل مقصود تبلیغ ہے
۳۹۱	دعوت کی تین قسمیں
۳۹۳	رہایتِ عفاف
۳۹۳	طریقِ تبلیغ
۳۹۵	علمِ عام
۳۹۵	قریبی تبلیغ کا تذکرہ
۳۹۶	اسبابِ وزن کی امانت
۳۹۸	سُورَةُ بَنِي إِسْرَآئِيلَ
۳۹۸	آیتِ مبران کی ایک تفسیر
۳۹۸	درختی باغیں
۴۰۱	عقلِ قنائے آخرت کا فی نہیں
۴۰۲	علم صرف دلوں کی ضرورت
۴۰۳	ارادہ دینا - مطلقاً نہ نہیں
۴۰۴	شرعاً ارادہ آخرت
۴۰۸	دلہنی مراد کا حصولِ سعیت حق پر موقوف ہے
۴۰۹	رموز و نکات
۴۱۲	ارادہ خالص برائے آخرت

۳۱۴	تفوق والدین
۳۱۶	امر مبینہ میں بندہ مطلوب ہے
۳۱۶	مسلمانوں کی جہی کا اصل سبب
۳۱۷	انفاق والہاں میں احوال مطلوب ہے
۳۱۸	چارچہ دہ کی حفاظت کا حکم
۳۱۹	عقن مسائل شریعہ میں جہت ہے
۳۲۰	علوم کا شغف میں غلطی ہے
۳۲۱	مہد نصرت پرچہ مظلوم ہونے کے ہے
۳۲۱	حق تعالیٰ شانہ کا شفقت کا پرتاؤ
۳۲۲	چارہ کرانے کا عمل
۳۲۲	حقیقت روح
۳۲۳	دھڑی سے بچنے کی ضرورت
۳۲۳	کلام الہی کی شرکت و صولت
۳۲۳	عبادت پر تازہ مناسب نہیں

